بسم اللہ الرحمن الرحیم

''مقالۂ تحقیق'' جس پر ''میسور یونیورسٹی'' نے فاضل مولف کو

پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی ہے

امام احمد رضا
اور
عشق مصطفےٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تحریر وتحقیق

مولانا ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری

ایم،اے،پی،ایچ،ڈی میسور یونیورسٹی میسور

موبائیل:9867801680

ناشر

نوری فاؤنڈیشن

خیرانی روڈ،ساکی ناکہ ممبئی

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب	امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ
مؤلف	مولانا ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری
ناظرین	ڈاکٹر امجد رضا امجد، ڈاکٹر غلام جابر شمس، مولانا عبدالمالک مصباحی، مولانا قمرالزماں مصباحی، حضرت مولانا عبدالستار صاحب غوثیہ مسجد، مولانا محمد فیروز بخت القادری،
محرکین	حضرت مُفتی محمد محمود اختر صاحب، حضرت مُفتی محمد اشرف رضا صاحب، حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی، حضرت مولانا یحییٰ رضاء
تکمیل آرزو	حضرت صوفی محمد عیسیٰ نوری عرف عیسیٰ بابا، جناب الحاج محمد سراج الدین نوری عرف سراج بھائی، جناب الحاج محمد سعید نوری صاحب بانی رضا اکیڈمی، جناب محمد آفاق صاحب عرف آفاق بھائی
حسب خواہش وفرمائش	خان محمد زبیر قادری (مدیر افکار رضا) محمد محمود رضا رضوی، محمد تقی امام عرف مستان، مبلغ محمد ضیاء الرحمٰن عطاری، حافظ طارق رضا نجمی، ثاقب رضا نجمی۔
کمپیوٹر کمپوزنگ	:اقصیٰ آرٹس، پوئی ممبئی. ۷۲ Ph.:9320009292 / 9323559973
صفحات	٦٦١
سال اشاعت اول	۲۰۰۲ء رضا فاؤنڈیشن، بنگلور
سال اشاعت دوم	۲۰۰۴ء قادری رضوی کتب خانہ، لاہور
سال اشاعت سوم	۲۰۰۷ء نوری فاؤنڈیشن، خیرانی روڈ، ساکی ناکہ ممبئ
ناشر	
تعداد	گیارہ سو 1100/-
ہدیہ	دوسو پچاس روپئے Rs.250/-

ملنے کے پتے:۔

۱۔ نیوسلور بک ایجنسی۔ بھنڈی بازار، ممبئ

۳۔ ناز بک ڈپو، بھنڈی بازار، ممبئ

۴۔ اقراء بک ڈپو، بھنڈی بازار، ممبئ

۵۔ القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ

٦۔ نوری فاؤنڈیشن، خیرانی روڈ، ساکی ناکہ، ممبئ۔

بساط نجم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اظہارِ تشکر و اعتذار

اس وقت چاردانگ عالم میں امام احمد رضا کے شہرہ وتذکرہ کی جو نسیم سحر چلی ہوئی ہے۔اسے دیکھ کر کلام مقدس کی آیت مبارکہ کا یہ ٹکڑا سازِ دل پر نغمہ بار ہو جاتا ہے۔اور مفاہیم و مطالیب اپنے تمام مالہ وماعلیہ کے ساتھ دریچۂ ذہن سے جھانکنے لگتے ہیں۔فاتبعوانی یحببکم اللہ،تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔(کنزالایمان،۲/۱۲)اور اللہ تعالیٰ جس سے محبت فرماتا ہے اس کے متعلق حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ''اللہ تعالیٰ جبریلِ امین علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ فلاں بندہ میرا محبوب ہے تم بھی اسے اپنا محبوب بنالو،حضرت جبریل امین علیہ السلام اسے محبوب بنا لیتے ہیں،پھر آسمانوں میں اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے،اے فرشتو!تم سب اس سے محبت کرو چنانچہ آسمان والے فرشتے اس سے محبت فرمانے لگ جاتے ہیں،پھر زمین میں اس کی مقبولیت اتاری جاتی ہے۔(مشکوۃ شریف،۵۲۵)جس کم عمری ونوخیزی کے زمانہ میں امام احمد رضا عالم اسلام کے مرکز بن گئے تھے اور لوگ دینی،روحانی،سماجی،سیاسی اور سائنسی ہر معاملات میں آپ سے رجوع ہونے لگے تھے اسے سامنے رکھئے تو درج بالا آیت قرآنی وروایت حدیثی کی تفسیر وتشریح امام موصوف کی ذات وصفات میں آئینہ کی طرح چمکنے لگتی ہے اور آپ کے قبول فی الارض کے شرف سے مشرف ہونے کا یقین سدرہ کی بلندی پہ جا پہنچتا ہے۔ان کی حیات ظاہری میں انکے کاشانۂ علم وعشق پر تو دیوانوں کی بھیڑ لگی ہی رہتی تھی،آج بعد وفات

توچڑھتے سورج کی طرح انکی محبوبیت کی روشنی ازکراں تابہ کراں بڑھتی اور چھاتی ہی جارہی ہے۔مدرسہ،مسجد،خانقاہ اسلامی تعلیمات کے یہ تینوں مراکز تو آپ کے شمع علم وعشق سے منور تھے اور ہیں ہی کالج کی طمطراقیت اور یونیورسٹی کی جامعیت بھی اب مسحور ومسرور ہورہی ہے۔اور یہ بڑا خوش آئند انقلاب ہے کہ اس سے الٹے سیدھے خیالات اور ایسے ویسے جذبات کا قبلہ وکعبہ بھی درست ہورہا ہے اور مسجد اذہان میں عشق رسول کی اذان بھی سنائی دینے لگی ہے یقیناً یہ سب رضا نوازی ہے بزم گیتی کی اس عظیم ہستی کی جس نے آپ کو بریلی کے فرش سے اٹھایا تو بلندی کے عرش پر پہونچا دیا۔اور رفعت کی ایسی قوس قزحی مسند پر بٹھادیا کہ ولَلآخرة خیرلک من الاولیٰ کے طفیل آپ کی بھی اگلی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہوتی جارہی ہے۔اپنے محبوب کی محراب عظمت میں آپ کے عروس فکر نے سجدہ گذاری کا شرف کیا حاصل کیا کہ علوم وفنون سے مزین پیشانی آپ کی بارگاہ میں خم ہونے لگی ہے......ایسی سحرانگیزی اور مقناطیسیت ہے آپ کی حیات وخدمات میں کہ جو بھی سچے دل سے نقوش فکر اور عکوس قلم لیکر آپ سے قریب ہوتا ہے زمانہ اس سے قریب ہوجاتا ہے......اس وقت ہمیں ماہر رضویات حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری کا وہ رس ٹپکتا ہوا جملہ یاد آرہا ہے،جو انھوں نے میرے ہی ایک خط کے جواب میں لکھا تھا......''امام احمد رضا ایک زندہ شخصیت ہیں،اسلئے کہ وہ عاشقِ رسول ہیں اور عشق حیات جاوداں کا حامل ہوتا ہے،لہٰذا ان پرخلوص ولگن سے کام کرنے والے دشواریوں سے دل برداشتہ نہیں ہوا کرتے۔ان کا نام لےلیکر اپنا کام کرتے جایئے ان کا کرم نوازشوں کی سوغات لئے بس آپ کے انتظار ہی میں ہے''موصوف کا یہ حوصلہ آرا جملہ جب بھی مجھے یاد آتا ہے میرے اردگرد خوشیوں کے دیپ جل اٹھتے ہیں اور حال کے آئینے میں اس کی معنویت وتعبیر ڈھونڈھتا ہوں تو دریافت و بازیافت اور یافت کے نشاط انگیز تصور سے سرشار ہوجاتا ہوں،جس بے سروسامانی میں ہم نے تحقیق کا سامان سفر درست کیا تھا اگر

امام احمد رضا کا فیض میرا دستگیر اور پشت پناہ نہ ہوتا تو تحقیق کے ہمالیہ کی چوٹی کو سر کرنا میرے لئے ممکن نہ ہوتا ان کے کرم کی بات نہ پوچھو ان کا کرم بس ان کا کرم ہے۔ جس طرح بھی ہو سکا...... اور جیسا بھی ہوا ...... مقالہ لکھا گیا...... منظور ہوا...... ڈگری ملی اور مقالہ دو بار چھپ بھی چکا...... یہ تیسری اشاعت ہے جو آپ کے دست مطالعہ میں ہے......

پہلی اشاعت جو بنگلور میں ہوئی تھی اس کے بارے میں عام شکایت رہی کہ تحریر بہت باریک ہے لاہور پاکستان کی اشاعت بھی اسی کا عکس ہے اس تیسری اشاعت میں ازالۂ شکایت کی غرض سے تحریر کو ذرا موٹی کرنے پر کتاب کی موٹائی ساڑھے چھ سو صفحات سے تجاوز کر گئی ہے۔ میری اپنی خواہش یہ ہے کہ کتاب کی ضخامت ایسی مناسب ہو جس کا خریدنا اور پڑھنا دونوں آسان ہو اس لئے کتاب کو سہل الحصول بنانے کی خاطر چوتھی اشاعت کو مختصر مگر جامع کرنے کی تیاری ابھی سے شروع کر دی ہے اس کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ مقراض تخفیف سے اس فنکاری کے ساتھ قبائے ضخامت تراشی جائے گی۔ کہ جدید تحقیقی تقاضوں کے دامن پر خراش تک نہ آئے اور کتاب کا جسم و حجم معتدل، سڈول جاذب دل، پر کشش اور موزوں نظر آئے اس ادائے جدید ترتیب اور عبائے تذہیب سے تالیف کا ظاہر و باطن دونوں انشاء اللہ نکھر بھی جائے اور مزید معتبر بھی ہو جائے گا۔ مجھے بے پناہ مسرت ہیکہ اصحاب نقد ونظر نے میری کتاب کو حرف بحرف اور بفکر وغور پڑھا اور اپنے حاصل مطالعہ سے مجھے ممنون کیا ہے۔ ان حضرات کے قیمتی تبصرے اور زرین مشورے ہمارے لئے گوہر اخلاص اور جوہر اصلاح ہیں ہم تہہ دل سے ان تمام تبصرہ نگار مہربانوں کے شکر گزار ہیں۔ خصوصاً ادب کی نوک و پلک درست کرنے والے جید عالم دین حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمان صاحب بنگلور زرخیز ذہن اور مشک بیز قلم کے حامل ادیب ونقاد ڈاکٹر امجد رضا پٹنہ، شگفتہ بیان سنجیدہ تحریر کے مالک فاضل گرامی مولانا عبدالمالک مصباحی، بیکانیر راجستھان، ان حضرات نے اپنی ژرف نگاہی اور خلوص بے پناہی سے جو ہدایت

دئے ہیں وہ میرے لئے رہنما اصول ہیں انشاء اللہ اگلی اشاعت انہیں کی رہنمائی میں کتاب منظر عام پر آئے گی۔اس بار لفظی درستگی کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے۔لیکن اس المیہ کو کیا کہئے کہ کمپیوٹر اگر اپنے ساتھ آسانیوں کی بارات لایا ہے تو پریشانیوں کی بہتات بھی۔ اتنی توجہ کے بعد بھی اگر خامیاں نظر آئیں تو یہ سوچ کر گوارہ کر لیجئے کہ بقول اقبال۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

ہاں اگر واقعی علمی، فقہی یا فنی نقص دکھائی دے تو ضرور اصلاح فرمائیں ہم شکریہ کے ساتھ قبول کریں گے۔

اخیر میں یہ عرض ہیکہ مبصرین گرامی نے اپنے تبصرے میں اس ناچیز کو جن بھاری بھرکم القابات اور بلند و بالا خیالات سے زیرِ بارکرم کیا ہے یہ ان کا حسن ظن اور حقیر نوازی ہے دعا کیجئے کہ رب قدیر و کریم اپنے حبیب رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے وسیلے سے ظن کو یقین سے بدل دے اور وہ تمام الفاظ و آداب اپنی معنوی جامعیت کے ساتھ مجھ میں جاگزیں ہو جائیں تا کہ ان کی امیدوں کی میزان پر پورا اتر سکوں اور دین وسنیت کا کچھ اہم کام کر جاؤں۔

پھر......ع لوگ اتنا تو کہیں نقش وفا چھوڑ گیا

اور اس تشنۂ تکمیل بیکل آرزو کیلئے معلم کائنات علیہ الصلاۃ والتسلیمات کی بارگاہ میں ملتجی ہوں کہ۔

میرے عمل فکر و فن بیاں سے وہ نوری جوہر عیاں ہو جس سے
بلند ہو سنیت کا پرچم درود تم پر سلام تم پر

تشنۂ کرم نجم القادری، ار جنوری ۲۰۰۶ء ممبئی

درود تم پر سلام تم پر

نبیِ رحمت رسول اکرم درود تم پر سلام تم پر
شفیعِ امت حبیب اعظم درود تم پر سلام تم پر

خصال آدم، جلال موسیٰ، جمال یوسف، کمال عیسیٰ
ہر اک صفت میں ہو تم مکرم درود تم پر سلام تم پر

تمہیں مزمل، تمہیں مدثر، تمہیں ہو طٰہٰ تمہیں ہو یٰسیں
ہے نام نامی بھی اسم اعظم درود تم پر سلام تم پر

نماز میں ہے اذان میں ہے ثنا تمہاری قرآن میں ہے
ہے حکم ربی پڑھا کریں ہم درود تم پر سلام تم پر

لرزتے دل کی پکار سن لو نواز کر خود ہی بھیک دے دو
بچھا ہے دامن ہے آنکھ پرنم درود تم پر سلام تم پر

ہماری سیرت کے گلستاں میں تمہاری سنت کے پھول مہکیں
ہو جاری لب پہ یہ نغمہ ہر دم درود تم پر سلام تم پر

کتاب ہستی کھلی ہوئی ہے خوشی کے پھولوں سے اب سجا دو
مٹا دو حسن نظر سے ہر غم درود تم پر سلام تم پر

میرے عمل فکر و فن بیاں سے وہ نوری جلوہ عیاں ہو جس سے

بلند ہو سنیت کا پرچم درود تم پر سلام تم پر

ہے چشم تر لیکے مجسم حاضر نبی رحمت قبول کر لو

بس اتنا کہہ دو تمہارے ہیں ہم درود تم پر سلام تم پر

آپ ھیں احمد رضا

آسمان علم و حکمت آپ ہیں احمد رضا

پاسبان دین و ملت آپ ہیں احمد رضا

گوہر بحر شریعت آپ ہیں احمد رضا

بلبل باغ رسالت آپ ہیں احمد رضا

غوث و خواجہ کے کرم سے جسکی ذات پاک پر

ناز کرتی ہے کرامت آپ ہیں احمد رضا

محفل عشق و وفا ہو یا ہو بزم فکر و فن

جگمگاتے اپنی صورت آپ ہیں احمد رضا

قصر نجدی آج بھی لرزاں ہے جسکے نام سے

وہ امام اہلسنت آپ ہیں احمد رضا

آج کے اس پر فریب و پر خطر ماحول میں

سنیت کی بس ضمانت آپ ہیں احمد رضا

عاشقان مصطفٰے کے دل کی ہے آواز یہ

رہبر عشق رسالت آپ ہیں احمد رضا

ہو رہے ہیں لوگ پھر دین مین تذبذب کا شکار

کیجئے للہ حفاظت آپ ہیں احمد رضا

عالموں کے ازدہام اور عارفوں کی بھیڑ میں

حضرتوں کے اعلحضرت آپ ہیں احمد رضا

جس کے علم و عشق کا ہے غیر کو بھی اعتراف

ایسے یکتا اعلیٰ حضرت آپ ہیں احمد رضا

کاسئہ دل کو لئے حاضر ہے نجم القادری

ہو عطا فکر و بصیرت آپ ہیں احمد رضا

شرف انتساب

صدف کونین کے اس در یکتا کے نام

- ......جس کا نام نامی اسم گرامی عرش اعظم کی پیشانی کی زینت ہے۔ جن وانس کے دل کا سرور ہے، حور وغلماں کے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ گلزار کے پتے پتے اور ریگزار کے ذرے ذرے میں جس کا نور وظہور ہے۔ غرق محبت ہو کر اگر اس کے مبارک نام کو زبان پر لایئے تو عطر آ گیں مٹھاس سے کام ودہن سرشار ہو جائیں۔

لب پہ آ جاتا ہے جب نام جناب منہ میں گھل جاتا ہے شہد نایاب

وجد میں ہو کے ہم اے جان بے تاب اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

- ......وہ شاہ کار قدرت جس نے خدا کی معرفت کی تبلیغ واشاعت کچھ اس انداز دلربائی اور شان استغنائی سے کی کہ خود اس کی معرفت ہی خدا کی معرفت کی دلیل بن گئی۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

- ......اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس کی محبت واطاعت کے ساتھ اپنی عبادت کو مشروط کر دیا اور نوید جانفزا سنا دیا کہ غلام مصطفیٰ بن جاؤ محبوب خدا بن جاؤ گے۔

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ

تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

نہ صرف پھولوں کے تبسم، موجوں کے ترنم اور ہواؤں فضاؤں کے تکلم میں ان

کے درِ عشق کی سرگوشی ہے۔ بلکہ ذرے ذرے کا دل انہی کی محبت کی نغمگی سے زندہ و تابندہ ہے۔ ان سے عشق آدمی کو اتنا بلند کر دیتا ہے کہ ہر بلندی کا سر اس کے قدم پر خم ہو جاتا ہے۔ پھر تو کیفِ عشق کی رم جھم پھوار میں وہ ایسا شرابور ہو جاتا ہے کہ فزونیٔ عشق کی دعا کرتا رہتا ہے۔ نازِ دوا نہیں اٹھاتا۔ جان ہے............

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

یعنی

زباں پہ بار خدا یا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بو سے میری زباں کے لئے

مصطفیٰ جان رحمت، شمع بزم ہدایت، مہر چرخ نبوت، گل باغ رسالت، نقطۂ سر وحدت ۔ نائب دست قدرت، ہم غریبوں کے آقا، ہم فقیروں کے سہارا حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ، میری پوری زندگی کا سرمایہ ان کے پایے ناز پر نچھاور ہے۔

مولائی یا رسول اللہ ﷺ

آپ کی بارگاہ عرش جاہ میں آپ ہی کے در دولت کے محبوب ومقبول، ورد ہر زباں عاشق رسول، امام احمد رضا محدث بریلوی کی نسبت غلامی کے حوالے سے صرف اتنی عرض ہے کہ

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

نزع میں، گور میں، میزاں پہ، سر پل پہ کہیں
نہ چھٹے ہاتھ سے دامان معلیٰ تیرا

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروروں درود
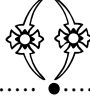
نذر عقیدت

اس عظیم ہستی کی دہلیز ولایت پر

☆......جو اگر پدرم سلطان بود پر فخر کرتا تو یہ اس کا حق تھا مگر اس نے شاہی پر فقیری کو ترجیح دی اور فقیری میں شاہی کے مزے لوٹنے کو پسند فرمایا۔

☆......جس کے عزم وعمل حزم واحتیاط اور تقویٰ وتقدس سے متاثر ومتحیر ہوکر حکومت ہند وسعودیہ نے بغیر فوٹو کے حج وزیارت کی اجازت دے دی۔

☆......جس نے ایمرجنسی کے قہرماں دور اور نسبندی کے سراپا جور ماحول میں تحفظ دین وسنیت اور استقامت علی الشریعت کی ایسی مثال قائم کی، وہ عملی مظاہرہ فرمایا کہ حکومت وقت کے فیصلے بدل گئے آج مسلم نسل کی لہلہاتی فصل آپ کے اسی تاریخ ساز ملت نواز فتویٰ کی زندہ یادگار ہے۔

☆......جس کی دینی وروحانی قیادت پر عالم اسلام کو ایسا اعتماد واعتقاد تھا کہ اس کے ''ہاں'' یا ''نہ'' پر معرکۃ الآرا قضئے کی تھیوری بدلتی تھی۔

☆......جسے پوری دنیا مفتیٔ اعظم ہند کہتی ہے مگر میرا وجدان انھیں مفتیٔ اعظم عالم کہتا ہے۔ جسکی نسبت ارادت کو میں اپنی دینوی واُخروی سعادت کی ضمانت سمجھتا ہوں۔

......آپ ہیں تاجدار اہلسنت، شہزادۂ اعلیٰحضرت شیخ الاسلام والمسلمین آل الرحمان مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد مصطفےٰ رضا خان صاحب نوری رضی اللہ عنہ وارضا عنہا۔

اگر یہ نذرِ عقیدت قبول ہو جائے
تو نازِ عشق کی قیمت وصول ہو جائے

کتاب اور صاحب کتاب

ادیب لبیب

ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ

نائب قاضی ادارہ شرعیہ بہار، بانی القلم فاؤنڈیشن پٹنہ

سخن بے غرض از بندہ مخلص بشنو
اے کہ منظور بزرگاں حقیقت بنی

استاذ گرامی حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری کی شخصیت مذہبی وعلمی دنیا میں معتبر عالم دین مایہ ناز خطیب اور کہنہ مشق ادیب کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہے۔تدریس،تقریر اورتحریر تینوں فنون پر آپ کو قدرت نے ملکہ عطا فرمایا ہے۔جس سے آپ کی شخصیت بہمہ وجوہ پرکشش اور قابل رشک ہوگئی ہے۔غالباً ۱۹۸۰ء میں آپ نے اپنے تدریسی وتحریری سفر کا آغاز فرمایا تھا۔تب سے اب تک آپ نے ان دونوں فنون سے اپنا رابطہ باقی رکھا ہے۔یوں تقریباً ۲۵؍سال سے آپ تسلسل کے ساتھ دینی وملی خدمات کے انجام دہی میں مصروف ہیں۔جامعہ قادریہ مقصود پور دارالعلوم شاہ جماعت ہاسن سنی دارالعلوم محمدیہ موڈ بدری اور جامعہ عربیہ رضاء العلوم خیرانی روڈ ممبئی وہ تدریسی مراکز ہیں جہاں آپ کا فیضان علم بادل بن کر برسا ہے نیز برس رہا ہے اور سینکڑوں طلبہ نے اپنی علمی

پیاس بجھائی ہے نیز بجھا رہے ہیں۔یوں ہی پندرہ روز رفاقت پٹنہ ماہنامہ قاری دہلی،سنی دنیا بریلی شریف،ماہنامہ اعلیحضرت بریلی شریف،حجاز جدید دہلی پیغام رضا پوکھریرا اور پاکستان کے عالمی پیمانے پر پڑھے جانے والے معارف رضا کراچی اور جہانِ رضا لاہور وہ رسائل وجرائد ہیں جہاں ادب وتحقیق اور مذہب وملت کے موضوع پر آپ کے قیمتی اور وقیع مقالات ومضامین برسوں سے شائع ہورہے ہیں۔ڈاکٹر نجم القادری صاحب کی فکر وتحقیق کا بنیادی موضوع فکر رضا اور عشق رضا ہے جس نے رضویاتی ادب کے ناقدین و محققین کے درمیان انہیں ایک ممتاز مقام عطا کیا ہے۔انہوں نے اپنے خامۂ زرنگار سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے علمی نگارشات کی تشریح وتوضیح اور تحقیق وتعبیر میں جو نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے وہ قابل تحسین اور ناقابل فراموش ہے۔مقالات ومضامین کے علاوہ انہوں نے مختلف موضوعات پر قابل ذکر کتابیں بھی تالیف کی ہیں جن میں علم عمل عشق اور امام احمد رضا اور زیر تبصرہ کتاب امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ چھپنے کیلئے تیار ہے ۔چار سالوں کے اندر کسی کتاب کا تین تین ایڈیشن شائع ہونا اسکے علمی اقدار معنوی جامعیت اور غیر معمولی مقبولیت کی سند ہے۔اس تیسرے ایڈیشن کیلئے مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس کتاب کے تعلق سے اپنے محسوسات کا اظہار کروں۔ہر چند کہ میں اسکا متحمل نہیں مگر (نذر شہ) کے طور پر کچھ لکھنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں بس اسی خیال سے چند جملے تحریر کررہا ہوں۔

من و انکار شراب این چہ حکایت باشد
غالبًا ایں قدرم عقل کفایت باشد

امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ ڈاکٹر نجم القادری کا ایک فکر انگیز اور ایمان افروز تحقیقی مقالہ ہے۔جو اگر چہ بنیادی طور پر ڈاکٹریٹ وفلاسفی کی سند کیلئے لکھا گیا۔لیکن اس میں علم کا وقار،عشق کا بانکپن،ادب کا حسن،خطابت کا رنگ اور نثر میں شعریت کی جلوہ سامانی پوری

طرح سمٹی ہوئی ہے۔ فاضل محقق نے عشق اور امام احمد رضا کے موضوع پر حقائق وشواہد کی جو آئینہ بندی کی ہے اس سے ان کی علمی وسعت اور تحقیقی مزاج کی غمازی ہوتی ہے۔ بظاہر یہ موضوع بڑا سادہ اور آسان ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس آسانی وسادگی میں سمندر کی سی تہہ داری اور معانی کے تنوع کا جاہ وجلال پوشیدہ ہے۔ اور اس امر میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت نجم القادری نے موضوع کی معنویت کا حق ادا کر دیا ہے۔ یوں ہی موضوع کو شخصیت سے منسوب کرنے اور اس کی علمی، عملی فکری زندگی پر منطبق کر کے دکھا دینے میں بھی محنت اور انصاف سے کام لیا ہے۔ اور ہر باب کو مضبوط دلائل اور حوالہ جات کی کثرت سے اتنا مبرہن کر دیا ہے کہ کتاب کی استادی حیثیت مسلم ہوگئی ہے۔ ۶۵۰ صفحات سے زائد کی اس کتاب میں عہد رضا کا روحانی وتاریخی پس منظر سیاسی ومذہبی ماحول، عشق کی حقیقت تصور عشق کا اسلامی نظریہ عشق کے تعلق سے عارفوں، دانشوروں اور شاعروں کے نظریات اور میر غالب اور اقبال کے تصور عشق کا اجمالی خاکہ بڑے عالمانہ اور محققانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے بالخصوص باب پنجم میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کے تصور عشق کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ عشق اور امام احمد رضا کے درمیان تلازم وتعامل کی ایک غیر فانی اور جمالی کیفیت ہے جو آفاقی بھی ہے اور چودھویں صدی سے موجودہ صدی تک سب میں ممتاز بھی، امام احمد رضا کا عشق رسول اس مقام دنیٰ فتدلٰی تک پہونچا ہوا ہے۔ جہاں دوئی کا تصور ختم ہوجاتا ہے اور شئے مرتبۂ وحدت میں آجاتی ہے۔ اب جب بھی اور جن لفظوں میں بھی عشق حقیقی کی تعریف کی جائے گی اس کا تجسیمی پیکر امام احمد رضا کی شکل میں جلوہ گر ہوگا۔ مقالہ کے آخری باب میں فاضل محقق نے امام احمد رضا کے تصور عشق کے اثرات کا مختلف زاویوں سے جائزہ پیش کیا ہے۔ جیسے:

☆......حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق نے ادب کو کیا دیا۔

☆......حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق نے ملت کو کیا دیا۔

☆......حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق کے عہد مابعد پر اثرات

☆......حضرت رضا بریلوی کا تصور عشق عالمگیر تحریک ضرورت

یہ باب چونکہ گذشتہ سارے ابواب کا ماحصل ہے اس لئے مقالہ نگار نے یہاں سارے مباحث کا عطر کشید کر لیا ہے اور مستحکم حوالہ جات کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہیکہ ؎

ع میرے غنی نے جواہر سے بھر دیا دامن

کے مطابق امام احمد رضا کے عشق نے ادب، ملت اور سماج سب پر اپنے پاکیزہ پر کشش اور دائمی اثرات مرتب کئے ہیں اور آج بھی بے قرار دنیا کو واقعی امام احمد رضا کے تصور عشق کی ضرورت ہے۔ کتاب کی زبان بہت ہی رنگین اور پر تکلف و پر کشش ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نجم القادری صاحب کو لفظیات کے ذخیرہ اور اس کے استعمال پر قدرت حاصل ہے ورق ورق پر مترادف الفاظ، خوبصورت استعارے نادر تشبیہات، اور ذہن وفکر کو سرور بخشنے والے جملوں کی ایسی گلکاری ہوئی ہے کہ یہ کتاب تحقیق کے ساتھ ادب عالیہ کا بھی نمونہ قرار پاتی ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحقیقی مقالے لفظوں کی فنکاری کے متحمل نہیں ہوتے۔ اس سے ادب کا حسن تو نکھرتا ہے مگر تحقیقی مواد کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں کا عالم یہ ہیکہ صاحب کتاب نے لفظوں کی لالہ بیزی کے ساتھ موضوع کے معنوی اور حقیقی رخ کو بھی پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور کہیں بھی نفس موضوع سے اغماض نہیں کیا ہے اس لئے قاری پر ہیئت و مواد دونوں کا یکساں اثر قائم ہوتا ہے اس سلسلے میں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہیکہ مصنف نے یہ کام ''دکن'' میں کیا ہے اور کمال فنکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دراویڑی زبان کے حلقے (جنوبی ہند) میں آریائی زبان (یعنی شمالی ہند) کی مرصع کتابی زبان کا خوبصورت نمونہ سامنے لایا ہے۔ جسے لسانیاتی لحاظ سے اہل جنوب کیلئے منفرد ادبی تحفہ کہا

جائے گا۔ممکن ہے ارباب فکروفن مقالہ کے چوتھے باب ''تصور عشق ممتاز شعراء کے حوالے سے''میں دکن وشمال کے ممتاز صوفی شعراء جیسے حضرت شاہ میراں جی ،برہان الدین جانم اور ولی وسراج نیز خواجہ میر درد محسن کاکوروی،امیر مینائی اور حضرت آسی کے تعلق سے کمی کا احساس ہو کہ یہ حضرات اردو کے باقاعدہ صوفی شاعر گزرے ہیں اوران کے یہاں عشق اپنے حقیقی معنی میں موجود ہے مگر بایں وصف مقالہ نگار نے انکے ذکر سے صرف نظر کیا ہے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہیکہ صاحب کتاب نے اصولاً اپنے بنیادی موضوع پر زیادہ توجہ دی ہے اور تصور عشق کے حوالے سے ممتاز شعراء کا ذکر صرف اس حد تک کیا ہے کہ مرکزی موضوع کے ذیلی گوشوں کی نمائندگی ہو جائے اور یقینی طور پر اردو کے تین بڑے شعراء میر،غالب،اقبال کے ذکر سے ہو جاتا ہے میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ کتاب کسی بھی طرح کی تنقید سے مبرا ہے یا اس میں ناقدین کیلئے کچھ نہیں ہے،مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ

بچشم عشق نگر تا سراغ اوگیری
جہاں بچشم خرد سیمیا و نیرنگ است

خدائے تعالیٰ اس کتاب کی مقبولیت کو روز افزوں کرے اور امام احمد رضا کے عشق کی سوغات اس کتاب کے ذریعہ نئی نسلوں تک منتقل ہوتی رہے۔

حدیث دل

دلوں کی بات نگاہوں کے درمیان پہنچی
کہاں چراغ جلا روشنی کہاں پہونچی

ایک ایسی شخصیت جو عالم نہیں علم، مفکر نہیں فکر، مجاہد نہیں جہاد، عاشق نہیں عشق اور عظیم نہیں سراپا عظمت ہو ایسی متنوع، رنگا رنگ، اور عبقری شخصیت کی حیات وخدمات کے سب سے اہم واعظم پہلو، آفاقی گوشہ ''عشق رسول'' جیسے لطیف ونازک اور جانگیر ہی نہیں جہانگیر جہت وصفت کو دائرہ تحقیق میں لانا، اس پر تنقیدی نظر ڈالنا اور تنقیحی کام کرنا کتنا مشکل اور زہرہ گداز عمل ہے اس راہ کے راہی ہی میرے اس درد کو اچھی طرح محسوس کر سکیں گے ....اس کٹھن مرحلہ سے کامیاب گذرنا میرے لئے جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ سب سے اہم مسئلہ موضوع کی نسبت سے کتابوں کی فراہمی اور مثبت ومخلص رہنمائی کا تھا،

یہاں ہر چیز ملتی ہے سکون دل نہیں ملتا

کے مصداق یہاں ریاست کرناٹک میں علوم عصریہ آلیہ کا قدم قدم پر ذخیرہ موجود ہے، تاہم علوم دینیہ عالیہ خصوصاً رضا اور رضویات کے تعلق سے جو قحط الکتب کا سماں ہے عملی امنگوں سے مزین قلوب بخوبی واقف ہیں ....ہم نے تو اپنے اعتبار سے تعمیر

نشیمن تحقیق کے لئے تنکا تنکا جمع کیا ہی، کچھ احباب وادارے نے اس حوالے سے میری وہ دستگیری اور پشت پناہی کی کہ بربط دل سے یہ نغمہ ابلنے لگا ؎

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب میرے مہرباں اور بھی ہیں

اور جن شخصیتوں نے حوصلوں کا چراغ بخشا، خود توجہ دی اور دوسرے اداروں، دانشوروں کی توجہ مبذول کرائی ان میں سرفہرست ماہر رضویات، شیخ طریقت، ہمدرد ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری مدظلہ العالی ہیں، اگر میں یہ کہوں کہ اس خاردار وادی سے میں ایک قدم بھی آگے بڑھ نہیں سکتا تھا اگر موصوف کی حوصلہ افزائیوں، تسلی بخشیوں نے مجھے پرعزم نہ کیا ہوتا............علاوہ ازیں

☆...... عزیزم محمد طارق رضا نجمی۔ ردولی، ہمایوں پور بہار، ہندوستان
☆ عزیزم ثاقب رضا نجمی ؍؍

نے ترتیب وتذہیب میں تعاون کیا اور حوالہ جات میں مدد دی اللہ تعالیٰ انہیں عمر خضری علم رضوی بخت نوری عطا فرمائے۔ آمین

ہم ان تمام اداروں اور احباب کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون ہیں جنہوں نے جس طرح بھی مجھے اپنے قیمتی آراء عنایت فرمائے اور مجھ بے مایہ کو سرمایہ دار کیا۔ ہم ان تمام عالی وقار قلمکار کے بھی بصمیم قلب شکر گزار ہیں جن کے قلمی شہکار نے ہماری مشکلات کو سہولیات سے ہمکنار کیا، جن کے فکری اقتباسات دامن صفحات پر موقع محل سے صدف مضمون کے لئے گوہر تابدار کی طرح ضیابار ہیں۔ اور اخیر میں ہم مشکور ہیں اپنے اساتذۂ کرام کے جنہوں نے ہمیشہ مجھے کامیابیوں کی دعائیں دیں اور تحقیق کے بہت سے نہاں گوشوں کو عیاں کیا۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس میں ان تمام احباب ومحسنین کا اخلاقی حصہ ہے، خلوص دل شامل ہے۔

اپنی اس کاوش فکری کو ہم نے ایک دیباچہ (حدیث دل) ایک مقدمہ، اور چھ باب سے مرصع کیا ہے، حوالہ جات کو ہر ذیلی باب کے متصل بعد رکھا ہے۔ تا کہ محولہ تمام کتب ایک نظر میں پیش نظر آ جائیں۔ اور ختم کتاب پر ''کتابیات'' کے عنوان سے ''ماخذ ومراجع'' کا گلدستہ پیش کر دیا ہے۔ اصلی ابواب کی کثرت، ذیلی ابواب کے ہجوم، اور اس پر افکار کی تکرار نگارشات کی وحدت کے خیال سے ''منظور شدہ'' خاکہ میں سے چار باب ''رضا بریلوی کا ماحول'' تصور عشق ادب کے حوالے سے'' رضا بریلوی کے آئیڈیل'' رضا بریلوی کا تصور عشق دوسروں کی نظر میں'' اور ''فہرست اماکن ورجال'' کو حذف کر دیا ہے۔ تا کہ تحصیل حاصل اور حشو وزوائد کے داغ سے مقالہ کا دامن پاک رہے، تاہم قاری کو کسی نہج سے احساس تشنگی نہ ہو یہ ہماری بنیادی ترجیح رہی ہے۔

☆ ......حرف سخن (جو آپ کے زیر نظر ہے) میں اپنی کہانی اپنی زبانی ہم نے بیان کی ہے۔ درحقیقت یہ حدیث دل ہے، ہم نے آپ کے بحر علم کی موجوں میں چوں کہ کوئی مخلص اضطراب نہیں پایا اس لئے چاہا کہ آپ بھی طوفان سے آشنا ہو جائیں تا کہ درد رضا میں آپ بھی تڑپیں، مچلیں، اور احساس وعمل کی چنگاری بالکل سرد نہ پڑ گئی ہو تو کچھ کرنے کے لئے آپ بھی سوچیں۔

☆ مقدمہ پورے مقالہ کا عطر نہیں تو آئینہ ضرور ہے، یہ آئندہ صفحات کے لئے چہرۂ زیبا ہے، بس چہرہ دیکھتے جائیے اور نگاہِ بصیرت سے کتاب دل پڑھتے جائیے:

خاص طور پر رضا بریلوی کے آئیڈل کو سمجھنے کے لئے یہ حصہ شمع فروزاں کا درجہ رکھتا ہے اس کی یقین بخش روشنی میں آپ حضرت رضا بریلوی کے فکر عالی کا تعین کر سکتے ہیں۔

☆ ......آپ پہلے باب میں ۱۸۲۴ء کے پہلے کے ہندوستان کا تاریخی اور روحانی، سیاسی اور مذہبی منظر، پس منظر ملاحظہ کریں گے، آپ کو حیرت کے ساتھ یہ مسرت ہوگی کہ

معمولات ومراسم اہلسنت جو آج رائج ہیں یہ کوئی نئی چیز یا بدعت سیئہ نہیں ہے یہ تو ہمارے ماضی کی وراثت، تاریخ کی امانت، اور محبت کی علامت ہیں، ان علامات محبت کو مومنوں کے دلوں سے کھرچنے، اور بارگاہ رسالت سے مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کی انگریزوں نے کیسی کیسی سازشیں اور اپنے منصوبے کو عملاً نافذ کرنے کے لئے کیسی کیسی کوششیں کی ہیں، مجمل مگر نمایاں تصویر آپ کے سامنے ہوگی، ۱۸۵۷ء تک ہندوستان کا روحانی ماحول کیا تھا، اور ۱۸۵۷ء کے بعد کیا کیا انقلابات آئے۔ خیالات ونظریات نے کیسے کروٹ لئے حضرت رضا بریلوی (۱۸۵۶ء/۱۹۲۱ء) نے جب آنکھ کھولی تو روحانی فضا کس کشمکش کا شکار تھی، اور ایسے میں وہ کون کون شخصیتیں تھیں جو مذہب وملت کی ڈگمگاتی کشتی کو ساحل نجات سے ہمکنار کرنے کے لئے سر بکف وکفن بدوش آگے بڑھی تھیں۔ تاریخی ٹھوس شواہد کے ساتھ حقائق آپ کے سامنے ہوں گے۔

☆......دوسرے باب میں حضرت رضا بریلوی کے آباء واجداد، ان کی علمی وعملی شوکت، ملکی وملی خدمت، کی مختصر مختصر جھلکیاں آپ کو ملیں گی، اسی تعارفی جھروکے سے آپ حضرت رضا بریلوی کے عہد طفولیت میں پہونچیں گے۔ آپ دیکھیں گے ان کے نرالے بچپن کو، انوکھی اٹھان کو علم بار عنفوان شباب کو، گلوگیر جلوت وخلوت کو۔ عالمگیر شہرت و مقبولیت کو۔ کبھی آپ کو رضا بریلوی متبحر عالم، نوجوان فاضل، عظیم محدث، دردمند مصلح، عبقری فقیہ، اور دانائے راز مفکر، نظر آئیں گے۔ کبھی آپ کو وہ عظیم مصنف، عظیم مؤلف، عظیم محقق نظر آئیں گے، اور کبھی عظیم نقاد درویش کامل، مرنجاں مرنج صوفی، خدارسیدہ فقیر دکھائی دیں گے، تو کبھی مسند ہدایت وارشاد پر متمکن ایک دیدہ ور مجدد، نکتہ رس مبلغ کی حیثیت سے جام عرفان پلاتے، تجدید ملت اور احیائے سنت کا فریضہ انجام دیتے نظر آئیں گے آپ فکر وشعور کا مچلتا دریا بھی دیکھیں گے اور تحقیق وتنقید کا خاموش سمندر بھی، آپ اخلاص وایثار کا روشن آفتاب بھی دیکھیں گے اور شعر وسخن کا مہکتا گلاب بھی۔

☆......تیسرے باب میں مقالہ کے عنوان کے لحاظ سے عشق کی لغوی واصطلاحی توجیہات ، اور اسلامی تصور عشق کی تجلیات وترجیحات کو کشید کرنے اور قید تحریر میں محفوظ کرنے کی ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے ۔ اور اس پر خطر وادی کے جادہ پیما حضرات صوفیائے کرام نے تصور عشق کے حوالے سے کیا گلفشانی کی ہے،کوئے جاناں کی سیر میں انہوں نے کیا دیکھا اور کیا پایا، چند صوفیائے کرام کے مشاہدات وتجربات کے گلشن سے جن چند پھولوں کا ہم نے انتخاب کیا ہے ان کی دلآ ویز خوشبو،بھینی بھینی مہک آپ کی مشام جان وایمان کو بھی ضرور چھیڑے اور گدگدائے گی۔دانشمندوں نے اس باب میں جو اپنی دانشمندی کے جوہر دکھائے اور گل کھلائے ہیں ان کی رعنائیاں،زیبائیاں بھی آپ کو مست وبیخود کریں گی۔اور شعراء نے شعر سخن کے بازوؤں کے سہارے اڑ کر حریم ناز تک پہنچ جائے کا جو خواب سجایا ہے اس کی لطافتیں بھی آپ کو کیف بداماں کریں گی،غرضیکہ عشق کی جتنی جہتیں سامنے آئی ہیں ان میں سے ممتاز اور نمایاں پہلو کو ہم نے اجاگر کر کے اسلامی تصور عشق کی برتری وبالا دستی ثابت کی ہے،اور مجازی عشق کی خود فریبیوں ، بھول بھلیوں سے نکل کر حقیقی عشق کی کیفیتوں ، سرمدی لذتوں سے سرشار ہو جانے کی دعوت دی ہے۔ان تمام موشگافیوں سے میرا مقصد حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق ، کیلئے آئینہ دکھانا ہے تاکہ فیصلہ کرنے میں آپ کو کوئی جھجک نہ ہو۔

☆...... چوتھا باب ان ارواح ثلثہ کے تصورات عشق کا گلدستہ ہے آج کی ادبی دنیا جن کے ذکر کی خوشبو سے معطر ہے۔جو اردو ادب کا سرمایہ سمجھے جاتے ہیں،کالج کے در و دیوار سے لے کر یونیورسیٹی کے گنبد و مینار تک جن کے فکر وفن کے ترانوں کی گونج ہے۔ اردو کی لسانی،تعمیری خدمات کے حوالے سے جن پر بیش قیمت مقالات لکھے گئے اور لکھے جارہے ہیں ...... اردو زبان و ادب پر اپنی فکرہائے نادرہ اور محنتہائے شاقہ سے انہوں نے جو احسانات کئے یہ اس کا صلہ ہے کہ اردو ادب اپنے ان محسنین کی بارگاہ میں

قا شہائے دل پیش کر کے بھی شرمندہ ہے۔آج جن کے شعر ونغمہ اور لے سے تشنۂ کاموں کی سیرت وحیات کے خاکے میں رنگ وروغن کیا جاتا ہے، مینا کاری کی جاتی ہے خود ان کے تصور عشق کی ابتداء کیا ہے اور انتہا کیا، ان کا مطمح نظر کیا ہے اور گوہر مقصود کیا؟ دل تھام کر اس پر خطر رہگذر سے بھی گذریں گے...... غزل سرائی، قصیدہ گوئی اور قومی ترانہ سنجی کی بدولت اگر میر، غالب، اور اقبال کو اتنا اونچا مقام مل سکتا ہے۔ تو پھر حضرت رضا بریلوی جنہوں نے نعت رسول مقبول کا سرور آگیں چمن آراستہ کیا ہے۔ منقبت کی زلف سنواری ہے، قصیدے کے دامن کو گلزار کیا ہے، اردو ادب کی مانگ میں جنہوں نے حسن فکر، حسن خیال حسن الفاظ اور حسن انداز کی نئی نئی افشاں سجائی ہے انہیں کتنا اونچا مقام ملنا چاہئے آپ بھی کچھ سوچنے پر مجبور ہوں گے۔

☆...... پانچویں باب میں حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق پر خصوصی بحث ہے رضا بریلوی نے متاع حیات جن پر نچھاور کی ہے، اپنا آئیڈیل جنہیں بنایا ہے وہ کون ہیں، ان کی سیرت وصورت کی رنگا رنگی و جمال آفرینی کا عالم کیا ہے، بزم کونین میں صرف وہی دل لگائے جانے کے قابل کیوں ہیں۔ قرآن وحدیث اور اقوال صوفیا کے جواہر پاروں سے مزین ثبوت جمع کرنے کی ہم نے سعی کی ہے۔ نیز ہم نے اس منبع کو بھی تلاش کرنا چاہا ہے جہاں سے نور وسرور کے سوتے پھوٹے، جس کی ضیا پاشیوں نے رضا بریلوی کو اس دہلیز نور تک پہنچایا، جس نے انہیں بلند کیا تو اتنا بلند کیا کہ رضا بریلوی سے ''عاشق مصطفیٰ'' کے لقب سے ملقب ومعزز کر دیا۔ سر پر علم کی دستار، گلے میں عمل کا ہار، ہاتھ میں ملت کی قیادت و امامت کی باگ ڈور، سینے میں درد عشق کا طوفان، کس نگہ ناز کے نظر کا فیضان ہے، کیفیات محبت کا یہ سیلاب کہاں سے آیا تھا ان تہ در تہ حقائق واسرار سے بھی ہم نے پردہ سرکار نے پر توجہ دی ہے۔ اس باب میں قدم قدم پر رضا بریلوی آپ کو یہ گنگنا ملیں گے۔ ؎

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے

میرے دونوں ہاتھ نکلے کام کے

☆...... چھٹے اور آخری باب میں رضا بریلوی کے تصور عشق کی آفاقیت کو ہم نے پابند لوح وقلم کیا ہے، عالمی اثرات، اور بین الاقوامی برکات کو سمیٹنے کی جدوجہد کی ہے۔ان کے محکم نظریہ عشق نے کیا کیا جلوے دکھائے ہیں اور دکھا رہے ہیں، ان بکھری کرنوں کی کہکشاں سجانے کا ہم نے خواب دیکھا ہے، ان کا تصور عشق کیا واقعی آفاقی تحریک اور عالمی ضرورت ہے؟ اور کیا اسی عشق کے ذریعہ ہم مکان ولا مکاں کی سرحدوں کو عبور کر سکتے ہیں، زمین وزماں کی طنابیں کھینچ سکتے ہیں، کیا دین ودنیا کی سرخروئی کے لئے رضا بریلوی نے جو دامن تھاما ہے ہمیں بھی تھامنا ضروری ہے۔کیا انہی کی جلائی ہوئی شمع کی روشنی میں، انہیں کے مسلک محبت کی رہنمائی میں ہم در رسول تک پہنچ سکتے ہیں، کونین کی آقائی کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں، حقائق کے ان کوچوں کی سیر میں آپ بھی مرے ساتھ پکار اٹھیں گے کہ دنیا کے سراب وگرداب میں پھنس کر بھی عقبیٰ کی ابدی لذتوں سے فیضیاب وسیراب ہونے کے لئے رضا بریلوی کا مجوزہ نسخہ ہی نسخۂ شفا ہے، رہنما اصول ہے، اکسیر وکیمیا ہے۔

ہم اس خوش فہمی میں ہرگز مبتلا نہیں ہیں کہ ہم نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے، ہاں اتنا ہے کہ اس لطیف وعمیق عنوان کے کچھ ایسے گوشے سامنے آ گئے ہیں جو آئندہ اس راہ کے راہی کو چراغ راہ اور سراغ منزل کا کام ضرور دیں گے۔پھر بھی یہ نقش اول ہے نقش آخر نہیں اسی نقطۂ نظر سے اس کا مطالعہ ومحاسبہ ہونا چاہئے۔

حضرت رضا بریلوی کی شخصیت نے مجھے اس وقت بہت متاثر ومتحیر کیا جب میں بحر تحقیق کی موجوں سے کھیل رہا تھا۔ان کی جودت علمی، جدت فکری، ندرت خیالی خلوص و للّٰہیت کی جلوہ افروزی تو قدم قدم پر دامن دل کو کھینچتی ہی ہے مجھے حیرت ہوئی کہ وہ مجھے ہر رنگ اور ہر آہنگ میں عاشق رسول نظر آئے۔وہ چاہے جس فن پر گلکاری کر رہے ہوں محبت رسول کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ان کی ہر جلوت وخلوت رزم وبزم، محفل ومجلس، سفر و

حضرعشق رسول کی دلنواز خوشبو سے معطر ہے،خدائے قدیر ان کے عشق والہانہ،جذب قلندرانہ ، ہمت مومنانہ اور جرأت مردانہ کے انوار سے ہم سب کی جلوت وخلوت کو بھی آباد رکھے آمین۔

دس بارہ برس پہلے کی بات ہے کسی کتاب میں حضرت رضا بریلوی پر عالمی شخصیات کے تاثرات کا مطالعہ کرر ہا تھا میں غرق حیرت ہوگیا کہ امام احمد رضا کی واردات، عشق نے کیسے کیسے قلوب مسخر کئے ہیں،اوران کی علمی ضوفشانیوں نے کیسی کیسی بندزبانوں کے قفل کھولے ہیں، جسے دیکھووہ اعتراف حق وحقیقت پر مجبور ہے۔کیا اپنا اور کیا بیگانہ ان کے تصورات عشق کی دہلیز پر سرفرازوں کے سرتسلیم کے لئے خم ہیں،

دل نے کہا آخر وہ کون سا جوہر امام احمد رضا میں پنہاں ہے کہ ان کے مخالفین تنقید بھی کرر ہے ہیں تو ''عاشق رسول'' کہہ کر،ان کے عاشق رسول ہونے پر اجماع امت کی وجہ وجیہہ کیا ہے؟ اس عنصر کی تلاش ،اس گوشے کا مطالعہ اس نکتہ کو واضح اس اعتراف کو واشگاف،اوراس حقیقت کوضبط تحریر میں لانا چاہئے ،بس یہی جذبہ تھا جس نے مجھے اکسایا، میں نے اس وقت سوچا بھی نہیں تھا کہ میرا یہ خواب تحقیقی مقالہ کی شکل میں شرمندۂ تعبیر ہوگا۔آج اس وقت میری پیشانی سجدۂ شکر کے جذبہ سے نورانی ہورہی ہے کہ میرے خواب کی تعبیر ارباب علم وعشق کے مطالعے کی میز پر سجنے جارہی ہے۔جو میرے اس تحقیقی مقالے کا محرک بنا، میں اپنی اس کاوش میں کہاں تک کامیاب ہوسکا ہوں یہ تو آپ کی نقد نگاہی پر منحصر ہے۔میں تو اس تصور میں مگن اوراس خیال میں مست ہوں کہ ہماری اس ناتمام کوشش نے امام احمد رضا کے تصورعشق رسول کے حوالے سے اگر آپ کے دل میں عشق مصطفےٰ کی چنگاری سلگادی،محبت محبوب خدا کی جوت جگادی،تو میں سمجھوں گا میری محبت معراج قبول تک پہنچ گئی اور میری محنت وصول ہوگئی۔

تشنۂ خلوص

غلام مصطفےٰ رضوی

نجم القادری۔ایم اے

مقدمہ

عشق! اور وہ بھی حقیقی، محبت اور وہ بھی خدا اور محبوب خدا سے یہ تو وہ فردوس خیال اور جنت احساس ہے کہ بہاروں کی انجمن بلائیں لیتی معلوم ہوتی ہیں......عرفان الٰہی اگر انسان کو ہمہ وقت طاعت پر گدگداتی ہے تو عشق مصطفوی اس بندے میں سوز و گداز کی کیفیت اجاگر کرتی ہے......حضرت رضا بریلوی ان پاکیزہ نفوس میں ہیں جنہوں نے تخیلات کی بنجر زمین پر طاعت و عشق کے پھول کھلائے۔افق تصورات پر اپنے آہ گرم اور نفس سرد سے ایمان کی جان محبت سرکار مدینہ کے خوش رنگ گل بوٹوں سے ایک منفرد فضا تشکیل دی۔اور کچھ اس اخلاص و ادا سے اپنی اس تحریک کو چلایا کہ کوہ و جبل مچل اٹھے، وادی وادی نغمۂ نعت سے گونج اٹھی ؎

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

(رضا)

ایک بندہ مومن کی زندگی کا مقصد اصلی بھی یہی ہے کہ اس کی حیات کے گوشے گوشے میں معرفت خدا اور عشق مصطفیٰ کی چاندنی جلوہ ریز ہو، اور درحقیقت وہی انسان، انسان کہلانے کا مستحق ہے جس پر رمز محبت کیف بن کر طاری ہو جائے، سرور بن کر

چھا جائے اس لئے غالب نے کہا تھا ؎

آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

خدا کی اس بھری پری کائنات میں، بزم حیات کی رونق افروزی میں انسانوں کے قافلوں کے قافلے سرگرم عمل نظر آتے ہیں، مگر ان سروں کے ہجوم میں اگر آپ کوئی دھڑکتا دل تلاش کریں، صاحب سوز دروں شخصیت کی جستجو کریں تو تلاش بسیار کے بعد بھی آپ کی جستجو کی سیری نہ ہو پائے گی، اس سفر میں مایوسیوں کی تاریکی زیادہ ہے، امید و آس کا اجالا بہت کم، کاش کہ لوگ حضرت رضا بریلوی کی فکر سے اپنی فکر کو صیقل کرتے۔ اپنی روح کو محبوب خدا کی یاد سے آباد کرنے پر توجہ دیتے۔ دیکھئے رضا بریلوی کی بالیدہ فکر ؎

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے آباد رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

یہ عشق رسالت ہی کا فیضان تھا کہ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ شریعت کے میزان میں تلا ہوا اور طریقت کے شراب طہور میں دھلا ہوا تھا، ایسی پاک اور پاکیزہ جلوت وخلوت کہ صرف چند لمحے کی رفاقت وصحبت میسر ہو جائے تو برسوں کی کثافت، نظافت میں بدل جائے، دامن زندگی پر طہارت فکر وعمل کے پھول کھلکھلا اٹھیں، صد سالہ طاعت وریاضت ایک طرف اور ایسے با کمال عامل بالسنہ کی ایک لمحے کی رفاقت ایک طرف۔

ملا وجہی کے نزدیک عشق عاجز، عشق توانا، عشق دیوانہ، عشق دین، عشق ایمان عشق حاکم، عشق سلطان ہے یہ وہ تفسیر ہے جس نے میر کے یہاں اس شعر کا روپ دھار لیا ؎

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو
ساری دنیا میں بھر رہا ہے عشق

اور یہی تصور حضرت رضا بریلوی کے یہاں ایک محکم نظریہ کے قالب میں ڈھل گیا۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھا ئے کیوں

غالب نے محبوب کی پیہم بے التفاتیوں، راہ عشق کی مسلسل آزمائشوں، اوران سب پر اپنی بے مرادیوں ناکامیوں سے مجبور ہوکر کہا تھا۔

عشق نے غالب نکما کردیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اورحضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں ؎

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے
بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے

حضرت رضا بریلوی کا تصور عشق ان کی زندگی کے کسی ایک حصے سے وابستہ نہیں بلکہ کیا بچپن اور کیا جوانی جس سمت دیکھئے اور جس زاویئے سے دیکھے نور ہی نور دکھائی دیتا ہے۔ ان کے بچپنے کا رکھ رکھاؤ مستقبل کے درخشاں ستاروں کی جگمگاہٹ تھا جو کسی خوش آئند صبح یقین کا پتہ دے رہا تھا۔ اور دنیا نے دیکھا کہ جب وہ ساعت سعید آئی تو پورے برصغیر کی دینی و روحانی مرکزیت آپ کے قدموں میں سمٹ آئی۔ اور بریلی پوری دنیا کے خوش عقیدہ مسلمانوں کی روحانی راجدھانی بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی چاہے جہاں کہیں کا بھی رہنے والا ہو اگر اس کا رشتۂ فکر حضرت رضا بریلوی کے رشتۂ فکر سے مطابقت رکھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ''بریلوی'' کہتا ہے اور بریلوی کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہے ''بریلویت'' اہلسنت کی ایسی آفاقی علامت بن چکی ہے کہ اگر کوئی رشتہ فکر کے تطابق کے باوجود اپنے آپ کو بریلوی نہ کہے مگر پھر بھی وہ دنیا والوں کی نظر میں بریلوی ہے۔ وہ اپنی فطرت میں بریلوی ہے۔

اگر وہ ''پدرم سلطان بود'' والی روایت پر عمل کرتے اور عیش وعشرت کی زندگی گزارتے تو بھی کوئی رکاوٹ ان کے لئے نہ تھی۔ انہوں نے رئیسی کی گود میں آنکھیں کھولی تھیں۔ لیکن انہوں نے قوم وملت کو شعور وفلاح سے معمور کرنے کی خاطر بڑی با مشقت زندگی گذاری۔ ۲۴ ر گھنٹے میں صرف دو گھنٹہ آرام کرتے باقی بائیس گھنٹہ تصنیف و

تالیف۔ اور دیگر قومی امور، ملی مہمات پر صرف ہوتے۔ تقریباً پوری دنیا سے ان کے دارالافتاء میں استفتے آتے تھے۔ بیک وقت چار چار، پانچ پانچ سو استفسارات جمع ہو جایا کرتے تھے۔ صحت وعلالت ہر حالت میں کام کی فکر ہی نہیں ہوتی بلکہ ڈاکٹر کے منع کرنے کے باوجود کام کرتے ہی چلے جاتے تھے۔ اس خدمت قومی وجذبۂ ملی کے نقطۂ نظر سے حضرت رضا بریلوی کی سیرت وحیات کا ان کے معاصرین کی سیرت وحیات سے موازنہ کر لیجئے آپ بھی یہی کہیں گے کہ احمد رضا کا پلہ گراں ہے، ایک دفعہ افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری عمر سے دس گنا زیادہ کام میرے ذمہ فرمادیا ہے اگر دس آدمی میری امداد کو ہوتے تو جو کچھ سینے میں ہے کسی قدر باہر آجاتا، اور ایک دفعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری عمر سے دس گنا زیادہ کام لے لیا ہے۔ یہ اس کا انتہائی فضل وکرم ہے علمائے کرام کا بیان ہے کہ بارہویں وتیرہویں دو صدیوں میں دنیائے اسلام میں ایسا جامع ومانع متصف بہمہ صفات کوئی عالم پیدا نہیں ہوا۔

ایسا عالم جو عامل بھی ہو اور عارف بھی، مدبر سیاست بھی ہو اور ماہر سائنسداں بھی۔ جو نکتہ سنج مفکر بھی ہو اور بلند نگاہ مورخ بھی، جو ایوان علم کا قاضی بھی ہو اور فکری جہاد کا غازی بھی۔ جو باریک بین محقق بھی ہو اور عقابی نظر نقاد بھی، جو خادم دین بھی ہو اور مخدوم دنیا بھی۔ جو جفاکش مصنف بھی ہو اور وفاکیش شاعر محبت بھی اور اس پر مستزاد یہ کہ جو مصروف بھی ہو اور آزاد بھی، جو تنہا بھی ہو اور جماعت بھی، جو نقطہ بھی ہو اور دائرہ بھی، جو خاموش بھی ہو اور مترنم بھی۔ جو بحر بھی ہو اور لہر بھی جو موج بھی ہو، ساحل بھی جس کے قلم کی بوند بوند سے عشق کا سوز اور محبت کا درد ٹپکے۔ جو بلبل ہزار داستاں کی طرح علم کی ہر شاخ پر چہکے اور گلہائے رنگا رنگ کی طرح فن کے ہر چمنستان میں مہکے۔ جو سوچنے پر آئے تو نور بصیرت سے ظلمت کدہ تصورات چمک جائے اور لکھنے پر آمادہ ہو تو نوادرات تصانیف سے الماری کی الماری بھر دے۔

اگر ہم ان کی علمی و تحقیقی خدمات کو ان کی چھیاسٹھ سالہ زندگی کے حساب سے جوڑیں تو ہر پانچ گھنٹے میں وہ ہمیں ایک کتاب دیتے نظر آ رہے ہیں۔ آپ کی جلوت و خلوت کے راز دار، ادا شناس رضا حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی شبانہ، یومیہ محنت کے صلے میں ملنے والی کامیابی کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "سو میں سو نہیں تو اسی، نوے فیصدی کامیابی آپ کو ضرور ملی" ایک پرائیویٹ فرد کی ایسی کامیابی ایک عالمی ریکارڈ ہے۔

آپ کی انتھک علمی و عملی جدوجہد نے عقل و خرد کو عشق و ادب کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرادی، اور اس طرح لوگوں نے عشق رسول کے حقیقی مرتبہ و مقام کو پہچانا، عشق رسول کے تعلق سے جو بھی اور جہاں کہیں بھی آج گلکاریاں نظر آ رہی ہیں اس کی کوئی نہ کوئی کڑی حضرت رضا بریلوی سے ملتی ضرور ہے۔ قدرت کے اس انتخاب پر ہزاروں بار سجدۂ شکر لٹانے کو جی چاہتا ہے کہ عہد رضا میں تحفظ عشق و عقیدت کے لئے جیسے عبقری مفکر اور نابغہ دیدہ ور کی ضرورت تھی قدرت نے ویسا ہی انتظام بھی فرمادیا تھا۔ ورنہ جدید افکار و نظریات کی جو آندھی چلی ہوئی تھی۔ اور اصولی مسائل میں نئی نئی تعبیرات کے جو شگوفے چھوڑے جارہے تھے، خدا معلوم کشتئ ملت کا کیا حال ہوتا اگر آپ اس سیلاب بلا کے سامنے آہنی دیوار نہ بن گئے ہوتے آپ کے چھوڑے ہوئے نقوش، آپ کی تصنیفات و مقالات میں سمجھتا ہوں قیامت تک کے لئے ہر باطل نظریہ اور فاسد عقیدہ کے لئے برہنہ شمسیر اور آہنی دیوار ہے۔

اہلسنت کی صیانت کے لئے
آہنی دیوار ہے احمد رضا

آج ادب کا دور ہے۔ ہر طرف ادب کے چرچے اور ادبی شہ پاروں کی گونج ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے ادب کی زلف پریشاں کو جس طرح سنوارا ہے۔ اور عارض

ادب پر جیسی افشاں پاشی کی ہے ادب کی پیشانی ہمیشہ اسے آداب پیش کرتی رہے گی۔ نظم و نثر ہر دو ذرائع سے آپ نے کاسۂ ادب کو جواہر ادب وحکمت سے مالا مال کیا ہے۔ یوں تو آپ کی نثری تصانیف بھی ادب جمیل کا حسین ترین مرقع ہیں۔ ان میں بعض تو اردوئے معلٰی کا اعلٰی شاہکار بلکہ ادب عالیہ کی مسند ناز پر بٹھائے جانے کے لائق ہیں۔ تاہم شعری نقوش بھی نہ صرف یہ کہ کسی سے کم نہیں بلکہ دانشوروں کے لئے بھی وجہ بصیرت اور خاصے کی چیز ہیں۔ جدید اسلوب، سائنٹفک، طرز و ادا۔ سادگی و پرکاری اور سلاست کی گود میں فصاحت و بلاغت کو جھولتی اور جھومتی ہوئی اگر دیکھنا ہو تو آپ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' کا مطالعہ کر ڈالئے آپ بھی یہی کہیں گے کہ رضوی شعری شہ پارے وہ ادبی نقوش ہیں جو ہمیشہ جریدۂ عالم پر ثبت رہیں گے۔ چونکہ آپ کا شعری ادب عشق رسول کا جنت الفردوس ہے اس لئے اس کی بوئے جانواز بھی دائمی اور لا فانی ہے۔۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ نظم ہر دور میں تصور عشق کا سب سے بڑا ذریعہ اور میڈیا رہا ہے۔ اس نے درددل کی کہانی اور ترجمانی میں اہم رول ادا کیا ہے۔ احساسات کا آتش فشاں جب بھی پھٹا ہے اور سکون وقرار کا نشیمن لٹا ہے تو اسی کی ترنم ریزی نے شعلہ کو شبنم کا روپ دیا ہے...... دلوں کا پیغام نگاہوں کے کوچے سے محبوب سرا تک پہنچانے میں تو اس کو ایسا ملکہ حاصل ہے کہ '' ع ۔کہاں چراغ جلا روشنی کہاں پہنچی'' کے مصداق دلوں کی بات دلوں تک پہنچ بھی گئی اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اس طرح جذبات کی ترسیل اور احساسات کی تبلیغ میں دوسرے اصناف ادب پر اس کا سر ہمیشہ فخر سے اونچا رہا ہے۔ وہ چاہے غم جاناں کے شاعر میر تقی میر ہوں۔ رخسار غزل کی مشاطگی کرنے والے اسد اللہ خان غالب ہو، یا خوابیدہ قوم کو جھنجھوڑنے اور جگانے والے شاعر ڈاکٹر محمد اقبال، سب کے یہاں اسی چراغ کی لو سے اجالا اور نغمے کی لے سے تپش ہے۔ یہ اور بات ہے۔

کوئی اڑ کے رہ گیا بام تک کوئی کہکشاں سے گذر گیا

کے بموجب کسی کا عشق مجازی ہے اور کسی کا حقیقی نما حضرت رضا بریلوی کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ اس کوچے میں عشق سرکار رسالت کی بدولت پہنچے۔ اور اس دور میں پہنچے جب غزل کے تغزل سے ہر کان آشنا تھے۔ غزل کی بالادستی مسلم تھی ایسے ماحول میں آپ نے نعتیہ ادب کو گلے سے لگایا۔ پھر کیا تھا۔ آپ نے اپنی فنی چابکدستی سے غزل کو اس طرح چھیڑا کہ نعت بنا دیا اور نغمۂ نعت کو اس طرح الاپا کہ ذہن وفکر کی دنیا بدل دی یہاں بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے تخیل کا نقطۂ آغاز وعروج جس مرکزی خیال پر منتہی ہوتا ہے وہ صرف تین ذوات قدسیہ ہیں۔

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ

(۲) حضور سرور کائنات، صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) اور اولیائے کرام، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

اسی لئے ان کا پورا دفتر حمد خدا، نعت مصطفیٰ اور مدحت اولیاء ہی کے محور پر گردش کرتا ہے۔ کہیں توحید کی خوشبو ہے۔ کہیں رسالت کی نکہت بیزی اور کہیں ولایت کی شمیم ریزیاں۔ یوں تو ہر سہ ذوات قدسیہ آپ کا موضوع سخن ہیں مگر ان میں مرکزی خیال صرف اور صرف ذات رسول ہے۔ انہوں نے حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مدحت سرائی کو معراج عقیدت، معراج سخن اور معراج فن قرار دیا ہے۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خدا اور بندگان کے درمیان رسول کی ذات سنگ میل کی طرح ہے وہ نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ بحیثیت نور وہ خدا کے قریب ہیں اور بحیثیت بشر بندوں کے قریب۔ اُدھر سے انعام وعطا لیتے ہیں اِدھر دیتے ہیں۔ اِدھر سے داد وفریاد لیتے ہیں اُدھر دیتے ہیں۔ اگر یہ ربط بیچ میں نہ ہو تو بندہ خدا سے بے تعلق رہ جائے حضرت شہیدی کہتے ہیں۔

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

دوسری چیز یہ کہ بھری کائنات میں حضور ہی کی ذات گرامی ایسی ہے کہ خود خدا بھی آپ سے محبت فرما رہا ہے، اور لطف یہ کہ بندوں کو ان سے محبت کرنے کا نہ صرف حکم دے رہا ہے۔ بلکہ ایسے بندوں کو اپنا محبوب بنا لینے کا مژدۂ جانفزا سنا رہا ہے۔

حضرت رضا بریلوی نے قرآن سے مدحت سرائی کے اسرار سیکھے تھے اس لئے ہر جگہ ان کے یہاں قرآنی تجلیات کے جگمگ جلووں کی حکمرانی ہے۔ قرآنی اصول کے دامن کو تھام کر حضرت رضا بریلوی نے محبت رسول کا معیار اونچا کیا ہے۔ گلشن عشق کو گلہائے رنگا رنگ سے سدا بہار کیا ہے اور حق تو یہ ہے کہ نفرتوں، منافقتوں کی آندھی میں آپ نے محبت کو رسوا ہونے سے بچایا ہے۔ عشق و ادب کو اگر باہم گلو گیر دیکھنا ہو تو حدائق بخشش دیکھئے آپ بھی وہی کہیں گے جو میں کہہ رہا ہوں۔ ایک بامراد عشق اور بامقصد ادب کے لئے جتنے عناصر کی ضرورت تھی حضرت رضا بریلوی نے ان تمام کا بکمالہ اہتمام کیا ہے۔ اصول ایسا ہو جو غیر مبدل، لافانی ہو، رہبری ایسی ہو جہاں سے کامیابی کی منزل یقینی جھلکتی ہو۔ درد و سوز ایسا ہو جو نہ صرف قاری ہی کو متاثر کرے بلکہ از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق مطلوب کو متوجہ بھی کرے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ پورے کلام رضا میں صرف ان ہی تینوں چراغوں کی روشنی ہے۔

(۱) اصول و اسلوب قرآن حکیم کا

(۲) رہبری، مداح رسول حضرت حسان ابن ثابت کی۔

(۳) اور درد دل حضرت کفایت علی کافی شہید کا۔

یہ تینوں شاہکار جہاں جمع ہو جائیں اسے نور و سرور کا چمن زار ہونا ہی چاہئے۔ اصول و اسلوب کے تعلق سے فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے المنّتہ للہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

نعت جیسی سنگلاخ وادی سے بے خطر گذرنے کے لئے جیسے رہبر کی ضرورت تھی حضرت رضا بریلوی کا انتخاب دیکھئے۔ فرماتے ہیں۔

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغان دل زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے

شعر و نغمہ چاہے جس بحر میں ہو درد دل کی خلش اور اثر آفرینی اگر نہیں ہے تو آدمی سرسری گذر جاتا ہے۔ یہ تو درد دل کی مقناطیسیت ہے جو آدمی کو ٹھہرنے اور کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ تو پھر کس کے نغمہ شیریں نے آپ کو سرشار نغمہ و ترنم کیا۔ فکر و نظر میں سوز و گداز اور مضمون کی بندش میں درد دل کا طوفان کدھر سے آیا اس راز کی عقدہ کشائی یوں کرتے ہیں۔

پرواز میں جب مدحت شہ میں آؤں
تا عرش پر فکر رسا سے جاؤں
مضمون کی بندش تو میر ہے رضا
کافی کا درد دل کہاں سے لاؤں

ایک جگہ تو آپ نے حضرت کافی کو نعت گویوں کا سلطان اور خود کو وزیر اعظم کہا ہے۔

کافی سلطان نعت گویاں ہے رضا
انشاء اللہ میں وزیر اعظم

حضرت کافی کے درد دل حضرت حسان کی رہبری۔ اور قرآن کریم کے انداز مدحت سرائی نے آپ کے کلام کو وہ معراج قبول و کمال بخشد یا کہ نغمات رضا سے رحمانی

تجلیات برسنے لگیں۔

اس حقیقت سے کسی مومن کو مجال انکار نہیں کہ قرآن پورا کا پورا ذکر خدا، حمد خدا ہے۔ آپ جہاں سے بھی تلاوت کریں ذکر خدا حمد خدا کی سرشاریوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ تاہم اس نقطۂ نظر سے بھی تین قسم کی آیتیں دعوت مطالعہ پیش کرتی ہیں۔ مثلاً بعض آیتیں وہ ہیں جن سے بلا واسطہ، ڈائرکٹ خدا کی حمد و ثنا ہوتی ہے۔ جیسے **الحمدللہ** ...... **اللہ نور السموات والارض** ...... وغیرہ اور بعض آیتیں ایسی ہیں جن سے محبوبان خدا کی مدحت ہوتی ہے جیسے **و ماارسلنک الا رحمۃ للعالمین** ...... **محمد رسول اللہ . الا ان اولیاء اللہ** ۔ وغیرہ اور بعض آیتیں وہ ہیں جن سے محبوبان خدا کے دشمنوں کی مذمت ہوتی ہے جیسے **تبت یدا ابی لھب و تب** ...... **ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار** ......وغیرہ مدحت کا یہ انداز بسم اللہ کی با سے لے کر والناس کی س تک انوار سحر کی طرح درخشاں ہے۔ اس سے یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ ڈائرکٹ خدا کی تعریف و توصیف کرنا تو خدا کی حمد وثناء ہے ہی۔ اس کے محبوبین کی نعت ومنقبت بیان کرنا، اور محبوبین کے دشمنوں، بدگویوں کی مذمت یہ بھی خدا کی حمد و ثناء ہے............ دشمن کے تعلق سے حضرت رضا بریلوی کا کہنا یہ ہے کہ دشمن تین طرح کے ہوتے ہیں، اپنا دشمن، اپنے دوست کا دشمن، اور اپنے دشمن کا دوست، اب ایسے میں محبوب کو خوش کرنے اور خوش رکھنے کے تین ہی طریقے ہیں۔

☆ ایک تو براہ راست محبوب کی مدحت سرائی ہو۔

☆ دوسرے محبوب کے محبوب کی تعریف و توصیف ہو۔

☆ تیسرے محبوب کے بدخواہوں اور دشمنوں کی مذمت و برائی بیان کی جائے۔

آپ نے اپنے عشق و محبت اور احترام و رضائے محبوب کے لئے تینوں راستے اختیار کیئے۔ کبھی خدا کی حمد کر کے کبھی محبوبان خدا کی نعت ومنقبت کہہ کے، کبھی دشمنان محبوب کی

مذمت کر کے، قرآنی اسلوب کی روشنی میں محبت اپنے کمال کو اسی وقت پہنچ سکتی ہے جب مدحت کے تینوں قرآنی اسلوب اپنائے جائیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی چھوٹا تو محبت جھوٹی سمجھی جائے گی۔ دیکھئے حضرت رضا بریلوی کے یہاں قرآنی طرز وادا کی جلوہ گری۔

............: حمد خدا :............

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

............: نعت مصطفیٰ: ....

نبی سرور ہر رسول وولی ہے
نبی راز دار مع اللہ لی ہے
ہے بیتاب جس کیلئے عرش اعظم
وہ اس رہرو لامکاں کی گلی ہے

............: منقبت اولیاء : ....

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

............: مذمت دشمنان خدا : ....

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

یا

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

حضرت رضاء بریلوی کا یہ وہ انداز قرآنی ہے جس نے مسلمانوں کے غفلت آشنا دلوں کو جھنجوڑ کر بیدار کیا۔ محبت کے واقعی رمز سے آشنا کیا۔ اور ذہن وفکر کے ویرانوں کو عشق حقیقی کی چنگاریوں سے آباد کیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے اقبال کے لئے کہا تھا کہ " انہوں نے مسلمانوں کے دل قرآن کی طرف پھیر دیئے" لیکن حضرت رضاء بریلوی کا کمال فکر وفن یہ ہے کہ کسی کا شاگرد نہ ہونے کے باوجود انہوں نے شعر وسخن کی وہ جوت جگائی اور نغمۂ محبت کو اس انداز سے چھیڑا کہ مسلمانوں کے دل صاحب قرآن کی طرف پھر گئے وہ عاشق تھے عشق جنون خیز نے انہیں چراغ دکھایا، فیضان محمدی نے ان کی رہبری کی، یہ عشق رسالت ہی کا فیضان ہے کہ انہوں نے اپنا موضوع سخن اپنا آئیڈیل کسی مجازی محبوب کو نہیں بلکہ انہیں بنایا ہے جن کی محبت حاصل کائنات اور دین و ایمان کا منبع و خلاصہہے۔ نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے لیکن حضرت رضا بریلوی اس پر خطر راہ سے جس طرح خضر راہ بن کر گذرے ہیں اس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے اور جب اس فن کے پارکھ نے آپ کی شاعری کو تنقید و تنقیح کے معیار پر پرکھا ہے تو ندرت بندش، حسن خیال، جدت تراکیب، انوکھی تشبیہات اور نرالے استعارات کی نئی نئی سوغات دیکھ کر انہوں نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ اس فن میں بھی آپ امامت کے منصب پر فائز ہیں۔ تحدیث نعمت کے طور پر خود فرماتے ہیں۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیئے ہیں

ان کی عظمت کی خوشبو چمن در چمن اور انجمن در انجمن پھیل چکی ہے۔ ان کی علمی وفنی جامعیت نے عالمی جامعات کو متوجہ کر دیا ہے۔ ان کے ذکر و تذکرے کی گونج اب سمندر پار بھی سنی جارہی ہے وہ جب تک ہماری ظاہری نگاہوں کے سامنے رہے عشق و ادب، مذہب وسائنس کی توجہات کا مرکز رہے آج نظروں سے اوجھل ہیں مگر پھر بھی دین و دانش کی بزم کی زینت ہیں۔ آپ کی ہزار کے قریب نادر تصانیف اور تصانیف کا منفرد اسلوب تحقیق، مختلف انداز سے روشنیاں پھیلا رہا ہے۔ گویا وہ کل کی طرح آج بھی دین

ودانش اور عشق وادب کی خدمات میں مصروف ہیں۔ جیسے مرقد رضا سے آواز آرہی ہو ؎

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے

پہلا باب

منظر، پس منظر

☆...........عہد رضا کا تاریخی پس منظر

☆...........عہد رضا کا روحانی پس منظر

☆...........حضرت رضا بریلوی کا سیاسی ماحول

☆...........حضرت رضا بریلوی کا مذہبی ماحول

عہد رضا کا تاریخی پس منظر

حضرت رضا بریلوی کا عہد (۱۲۷۲ھ ۔۱۳۴۰ھ/۱۸۵۶ء ۔۱۹۲۱ء) سیاسی مذہبی تاریخی ہر اعتبار سے انقلابی عہد ہے۔ اور اس عہد کا تاریخی پس منظر انتہائی مایوس کن، حوصلہ آزما، صبر فرسا۔ جب ایک پوری تاریخ کا نقشہ بدلا گیا نئے فارمولے تیار کئے گئے اور اس پر عمل درآمد کے لئے حسرتوں، ارمانوں، تمناؤں کا خون کیا گیا۔ تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں مسلمان تاریخی ادبار کا شکار تھے۔ عثمانی ترکوں کو مغربی استعمار ختم کرنے پر تلا تھا۔ برصغیر کے افق پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ستارہ چمک رہا تھا اور مغل حسرت و یاس کے تاریک سایوں میں کھو رہے تھے۔ عالم عرب کو اندرونی کشمکش کی چکی میں پیسا جا رہا تھا، مشرق سے مغرب تک عالم اسلام غلامی کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ مغربی شاطروں نے سیاست کی بساط الٹ دی تھی اور مسلمان حکمراں خزاں کے بکھرے پتوں کی طرح استعماریت کی ہوا کے دوش پر اڑے جا رہے تھے۔ دیو استبداد مشرق کی سیاست کے کھنڈرات پر محو رقص تھا۔ عوام محو حیرت تھے۔ کہ کیا تھا۔ کیا ہو گیا۔ وہ لوگ جنہیں اپنی اور اپنے شہروں سے زیادہ ایمان و اسلام عزیز تھا وہ سوچتے تھے۔ اگر ہماری اجتماعیت کا یہ شیرازہ بکھر گیا تو کیا ہوگا؟ نئے حاکم بھی سوچ رہے تھے کہ جس طرح ممکن ہو مسلمانوں کے دل و دماغ سے مذہب کی الفت نکال دی جائے انہوں نے مسلمانوں کا فکری تجزیہ کیا انہیں محسوس ہوا کہ مسلمان کے دل میں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام عالی اس قدر عزیز از جان ہے کہ وہ ناموس محمدی کے تحفظ کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے پروانہ وار نثار ہو جاتے ہیں۔ وہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں۔ مگر عظمت مصطفیٰ (صلی اللہ

علیہ وسلم) کے خلاف ذراسی بات بھی برداشت نہیں کرتے۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است

آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

پر ایمان رکھتے ہیں۔ محبت نبوی ہی ان کی زندگی ہے۔ یہی محبت ان کے لئے شعاع امید ہے اور اسی محبت کی روشنی میں وہ راہ حیات کی تاریکیوں کو عبور کر جاتے ہیں۔ غیروں نے سوچا حاکموں نے غور کیا کہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کی بہاریں جب تک گل فشاں ہیں تب تک ملت مسلمہ کا شیرازہ نہیں بکھر سکتا اس لئے ضروری ہے کہ ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں کبھی

اس کے بدن سے روح محمد نکال دو

اس لئے ضروری ٹھہرا کہ ذات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موضوع بحث بنایا جائے اور اس سلسلے میں شکست خوردہ قوم کے کچھ لوگو کو اپنا ہمنوا بنایا جائے ایسے لوگوں کی تلاش میں مغربی استعمار کامیاب ہوگیا۔ اسے عالم عرب میں بھی ایسے لوگ مل گئے اور بر صغیر میں بھی ان کی تلاش بار آور ہوئی۔ پھر کیا تھا۔ مسائل کی فہرست تیار کر لی گئی اور صدیوں کے متفقہ اثاثہ محبت پر انگشت نمائی شروع ہوگئی۔ مثلاً حضور خاتم النبین ہیں کہ نہیں ہیں...... حضور کو علم غیب تھا کہ نہیں تھا...... حضور سے توسل و استغاثہ جائز ہے کہ نہیں ہے...... یا رسول اللہ یا نبی اللہ پکارنا روا ہے کہ نہیں ہے...... حضور کی عظمت و محبت مدار ایمان ہے کہ نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

علامہ خالد محمود۔ ایم اے نے ''بیس بڑے مسلمان'' نامی کتاب کے پیش لفظ میں ''دی ارآ ئیول آف برٹش ایمپائر انڈیا'' کے حوالے سے مشنری کے پادری اور کمیشن کے نمائندگان کی رپورٹیں پیش کی ہیں۔ صرف ایک رپورٹ نقل کرتا ہوں جس سے صورت حال کی اچھی غمازی ہوتی ہے۔

''یہاں کے باشندوں کی ایک بہت بڑی اکثریت پیری مریدی
کے رجحانات کی حامل ہے اگر اس وقت ہم کسی ایسے غدار کو
ڈھونڈنے میں کامیاب ہوجائیں جو ظل نبوت کا دعویٰ کرنے کو
تیار ہوجائے تو اس کے حلقۂ نبوت میں ہزاروں لوگ جوق در
جوق شامل ہوجائیں گے۔لیکن مسلمانوں میں اس قسم کے دعویٰ
کے لئے کسی کو تیار کرنا ہی بنیادی کام ہے ہم اس سے پہلے برصغیر
کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست
دے چکے ہیں''

(بیس بڑے مسلمان۔علامہ خالد محمود ایم۔اے۔)(۱)

انگریز رپورٹر کی رپورٹ سامنے رکھئے اور صراط مستقیم ، جلاء العینین ، رسالہ یکروزی، خصوصاً تقویۃ الایمان کا مطالعہ کیجئے انگریزی حکومت وحکمت کی عملی تصویر آپ کے سامنے آجائے گی۔

اس طرح کی غیر محتاط مصنفات غیر ذمہ دار مندرجات سے لیس ہوکر جب سامنے آئیں جن سے کسر شان الوہیت اور قصر مقام نبوت کا دروازہ کھلتا تھا تو مسلمانوں میں ہیجان برپا ہوگیا۔خارجی انتشار وخلفشار پہلے سے ہی کیا کم تھا کہ اس داخلی انتشار نے ملی جمعیت کو پاش پاش کرکے رکھ دیا مسلمان ٹکریوں میں بٹ گئے اور یہی انگریز بھی چاہتا تھا۔

انگریز نے شاطرانہ چال اور عیارانہ جال میں مسلمانوں کو پھانسا تھا۔

افسوس کہ دیدہ ور بھی اس کے نتائج کو نہ سمجھ سکے۔ڈاکٹر قمر النساء اپنے تحقیقی مقالہ ''العلامہ فضل حق خیرآبادی'' میں تحریر کرتی ہیں............پروفیسر محمد شجاع الدین

صدر شعبۂ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور نے (جن کی وفات ۱۹۶۵ء میں ہوئی ہے) اپنے ایک خط میں پروفیسر خالد بزمی کولاہور لکھا ہے اور اس کا اعتراف کیا ہے کہ انگریزوں نے کتاب ''تقویۃ الایمان'' بغیر قیمت کے تقسیم کی ہے۔(قلمی نسخہ ص ۱۵۲) (۲)

اس کتاب سے پیدا شدہ حالات و واردات کیسے ہولناک تھے۔ اس سے علماء کتنے بیچین و مضطرب تھے اور اس کے دفاع و سد باب کی کیا کیا صورتیں بروئے کار لائی جارہی تھیں مولانا ابوالکلام آزاد کی زبانی سنئے۔

''جب مولانا اسماعیل نے تقویۃ الایمان اور جلاء العینین لکھی اور ان کے مسلک کا ملک میں چرچا ہوا تو تمام علماء میں ہلچل پڑ گئی۔ ان کے رد میں سب سے زیادہ سرگرمی مولانا منورالدین (مولانا ابوالکام کے والد کے نانا) نے دکھائی۔ متعدد کتابیں لکھیں اور ۱۲۴۸ھ والا مشہور مباحثہ جامع مسجد میں کیا۔ تمام علمائے ہند سے فتویٰ مرتب کرایا۔ پھر حرمین سے فتویٰ منگوایا مولانا منورالدین کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابتداءً مولانا اسماعیل اور ان کے رفیق اور شاہ صاحب کے داماد مولانا عبدالحئ کو بہت کچھ فہمائش کی اور ہر طرح سمجھایا۔ لیکن جب ناکامی ہوئی تو بحث ورد میں سرگرم ہوئے۔ اور جامع مسجد (دہلی) کا شہرۂ آفاق مناظرہ ترتیب دیا۔ جس میں ایک طرف مولانا اسماعیل اور مولانا عبدالحئ تھے اور دوسری طرف مولانا منورالدین اور تمام علمائے دہلی (آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی، ص ۵۶) (۳)

یہ عجیب نصیب ہے کہ جب سے یہ کتاب (تقویۃ الایمان) شائع ہوئی ہے (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) اسی وقت سے اس کا رد لکھا جارہا ہے اور اب تک دوسو پچاس کتابیں لکھی جاچکی ہیں (۴) خود مولف کو بھی اس کتاب سے اٹھنے والی شورش کا احساس تھا اس لئے اس کتاب کے واردات کے تعلق سے لکھتے ہیں۔

''میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں

بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے ، ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی......مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔(ارواح ثلثہ، حکایت ۵۹)(۵)

شاہ ولی اللّٰہی خانوادہ وہ خانوادہ ہے جس خانوادہ کا قول و فعل سند و امتیاز اور اعتبار و وقار کا درجہ رکھتا تھا اسی خانوادے کے چشم و چراغ مولانا اسماعیل دہلوی نے جدید نظریات کی تخم ریزی کیا کی کہ فضلائے روزگاران کی تردید میں جٹ گئے اور کھل کر آپ کا تعاقب کیا، جن میں خود آپ کے دو چچا زاد بھائی مولانا شاہ مخصوص اللہ اور مولانا شاہ محمد موسیٰ بھی شامل ہیں۔

فسانۂ جہاد :

اس وقت جن کا سکہ پورے ہندوستان میں چل رہا ہے ایک ان میں ولی اللّٰہی خاندان ہے اور دوسرا فضل حق خیر آبادی دبستان، ولی اللّٰہی خاندان اس وقت چراغ سحری کی طرح ٹمٹا رہا تھا جب کہ خیر آبادی دبستان آسمان علم و ادب پر کہکشاں کا جمال بن کر چمک رہا تھا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولانا اسماعیل دہلوی کے درمیان مسئلہ امتناع نظیر پر بحث ہو چکی تھی، علامہ کے مواخذات نے جامع مسجد کی بھری مجلس میں مولانا دہلوی کو ششدر کر دیا تھا اس لئے مولانا دہلوی اور ان کے متبعین کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، چنانچہ عین ایسے موقع پر جب انگریزوں کی مخالفت کی مہم سلگ رہی تھی مولانا دہلوی نے وہ کردار ادا کیا جس کی بہر حال ان سے امید نہیں تھی......ایک طرف علامہ خیر آبادی کے فتوائے جہاد سے انگریز بیچین تھا تو دوسری طرف جامع مسجد دہلی کی نکبت سے مولانا دہلوی پریشان،

دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

علامہ خیر آبادی سے انتقام کے معاملے میں مولانا دہلوی اور انگریز کے درمیان قدر مشترک پائی جارہی تھی۔ وجہ چاہے کچھ بھی ہو انگریز کا ساتھ دے کر سیاست کی دہلیز پر ملت کا جو خون مولانا دہلوی نے کیا ہے اس کی لالی قیامت تک ان کے دامن کو نمایاں کرتی رہے گی۔

۱۷رجنوری ۱۸۲۶ء کو مولانا اسماعیل اپنے پیرو مرشد جناب سید احمد اور مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کے واسطے روانہ ہوئے۔ مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں۔

''جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی'' (۶)

مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے دسمبر ۱۸۲۶ء کو چارسدہ کے علاقے ہشنت نگر پہنچے۔ یہاں پہنچ کر جو سب سے اہم خدمت انجام دی وہ پیر و مرشد کی امارت و امامت کا اعلان ہے۔ اور شدت یہ کہ جو ان کی امامت و امارت کا انکار کر دے اس کا خون بہانا حلال ہے بلکہ اس کا قتل کافروں کے قتل کی طرح عین جہاد ہے۔ (۷)

مکتوبات سید احمد شہید کے مکتوب نمبر ۴۴ر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے کے علماء و فضلاء و صلحا کے مجاہدین کی جماعت سے بدگمان ہونے کی وجہ مولانا اسماعیل اور ان کے رفقاء کی وہابیت و غیر مقلدیت ہوئی بگڑتے حالات اور بدلتی فضا کو دیکھ کر سید احمد صاحب نے ایک اعلام نامہ جاری کیا۔ جعفر تھانیسری لکھتے ہیں۔

سردار خان نے اس کے جواب میں لکھا۔...... ''یہ سب آپ کی ابلہ فریبی۔ آپ کا عقیدہ فاسد اور نیت کاسد ہے''......

پس ہم نے بھی خدا کے واسطے کمر ہمت باندھ لی ہے کہ تم کو
قتل کر کے اس زمین کو تم سے پاک کریں گے۔ (۸)

سرسید بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا اسماعیل وسید احمد کی شہادت مسلمانوں کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

"ہندوستان کے گوشہ شمال ومغرب کی سرحد پر جو قومیں پہاڑی رہتی ہیں وہ سنی المذہب حنفی قومیں ہیں چونکہ پہاڑی قومیں ان (سید احمد ومولوی اسماعیل) کے عقائد کی مخالف تھیں......اس سبب سے اس قوم نے اخیر میں وہابیوں سے دغا کر کے سکھوں سے اتفاق کرلیا اور مولوی اسماعیل صاحب وسید احمد صاحب کو شہید کر دیا۔ (مقالات سرسید، حصہ نہم ص ۱۳۹-۴۰) (۹)

ملاحظہ:

عقیدے کی مخالفت میں سنی المذہب، حنفی مسلمانوں کے ہاتھوں جو وفات واقع ہوئی ہو، اس وفات پر شہادت کے اثرات مرتب ہوں گے یا قتل کے اور متوفی کو مقتول کہیں گے یا شہید یہ فیصلہ ناظرین کے حوالے کر کے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

مدت جہاد:

۲۰ر دسمبر ۱۸۲۶ء تا ۶ر مئی ۱۸۳۱ء کے درمیانی عرصے میں پندرہ جنگیں لڑی گئیں ان میں سے سکھوں کے خلاف باقاعدہ صرف ایک لڑائی ہوئی باقی شبخون مارے گئے، اس کے علاوہ ساری جنگیں مسلمانوں کے خلاف لڑی گئیں، بڑی بیدردی سے مسلم خون بہایا گیا۔ بڑی فراخدلی سے ان کی عورتوں کو تصرف میں لایا گیا اور بڑی جوانمردی سے ان کے

املاک کولوٹا گیا۔ (۱۰)

ان تاریخی حقائق کے بعد وہ مسلمات فرضی ہوجاتے ہیں جو مصنوعی تاریخ کے حوالے سے بیان کی جاتی ہیں۔اس سلسلے میں غلام رسول مہر نے بڑااہم کارنامہ انجام دیا ہے۔بڑی ڈھٹائی سے انہوں نے تاریخی حقائق کو بدلنے کی مہم چلائی ہے۔اپنی اس جرأت بے باک کا ذکر واعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''میں مجاہدین کی شان و آبرو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں۔ اگر چہ وہ بعض سابقہ بیانات وتوجیہات سے عین مطابق نہ ہو''۔(افادات مہرص ۲۳۱) (۱۱)

حضرت رضا بریلوی انہیں تاریخی شواہد کی بنا پر کہتے ہیں ؎

وہ وہابیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے (۱۲)

نتائج جہاد

مولوی اسماعیل دہلوی کے جہاد کا مقصد متعین کرتے ہوئے مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں۔

''سید صاحب کا اصل مقصد چوں کہ ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا۔جس کے باعث ہندواور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے۔ اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی اور صاف صاف انہیں بتادیا۔ کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے بدیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد

حکومت کس کی ہوگی؟ اس سے آپ کو غرض نہیں ہے جو لوگ حکومت
کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں۔ وہ حکومت کریں گے
(۱۳)

اس تبصرہ پر مشہور عالم و نقاد علامہ ارشد القادری کی یہ بصیرت افروز تنقید ملاحظہ ہو۔

''آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید
صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوا اس کے اور کیا رائے قائم کی
جا سکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگریس کے رضا کاروں کا ایک
دستہ تھا۔ جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم
کرنے کے لئے اٹھا تھا۔ (۱۴)

علامہ کی اس تنقید پر فاضل دیوبند عامر عثمانی، ایڈیٹر ماہنامہ تجلی دیوبند نے کھلے
دل سے یہ اعتراف کیا کہ۔

''ہم کتنی ہی جانبداری سے کام لیں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ
اس ریمارک میں لفظاً تلخی آ گئی ہے۔لیکن معنوی اور منطقی اعتبار سے
بھی اس میں کوئی نقص ہے؟ کوئی افتراء ہے؟ کوئی زیادتی ہے؟ کوئی
شک نہیں کہ اگر استاد محترم حضرت مدنی کے ارشاد گرامی کو درست مان
لیا جائے تو حضرت اسماعیل کی شہادت محض افسانہ بن جاتی ہے، مادی
پریشانیوں کو رفع کرنے کے لئے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش
کرنا ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں۔اس نصب العین میں کافر مومن
سب یکساں ہیں۔اس طرح کی کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت
سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص
اصطلاح ہے اور اس طرح کی کوششوں کے نتیجے میں قید و بند کی مصیبتیں

اٹھانا اجر آخرت کا موجب کیونکر ہوگا۔ (۱۵)

خلاصہ یہ کہ اس تحریک جہاد سے انگریزوں نے مطلوبہ مقاصد حاصل کر لئے مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ سکھ کمزور ہوگئے اور انگریز پورے ملک پر قابض ہوگئے۔ اس تاریخی صداقت کی حقیقی صورت کو اتنی بار دانستہ مسخ کرنے کی نامسعود کوشش کی گئی کہ اگر یہ اپنے اندر فولادی قوت نہ رکھتی تو کب کی مٹ گئی ہوتی۔ مگر چونکہ یہی حق اور سچ ہے مزعومات کے بادل گرج برس کر ختم ہو جائیں گے مگر اس کی رعنائی وزیبائی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ حیرت ہے کہ آج تک اس ضمیر فروشی کی رسم جاری ہے۔ جب بھی اور جیسے بھی موقع ملتا ہے لوگ فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے بے حمیتی کے مظاہرہ میں جٹ جاتے ہیں اور صداقتوں کے شیشہ پر تیشہ چلانے لگتے ہیں۔

ع...... ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

جنگ آزادی میں

علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولانا رضا علی خان بریلوی کا کارنامہ

جب جبر وظلم اپنے شباب پر تھا۔ مسلمان ہر اعتبار سے مشق ستم بن رہے تھے، قتل و غارت کا بازار گرم تھا، بادشاہ دہلی سرگرمیوں کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ اور علامہ فضل حق خیر آبادی مرکز نگاہ، منشی جیون لال کا روزنامچہ ۱۶/اگست ۱۸۵۷ء 2/ستمبر ۱۸۵۷ء دیکھنے سے علامہ کی باخبری اور انقلابی سرگرمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

آخر میں علامہ فضل حق نے ترکش سے آخری تیر نکالا بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ، مولانا فیض احمد بدایونی، وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک حسین رام پوری نے

دستخط کردیئے۔اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ بادشاہ گرفتار کر کے قلعہ میں بند کردیئے گئے۔ ۱۹رستمبر ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستانیوں پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے اس کے تصور سے دل لرزتا ہے۔ ۱۸۵۹ء میں فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں لکھنؤ میں مقدمہ چلایا گیا۔آپ کے اس اقرار کے بعد کہ وہ فتویٰ صحیح ہےاور میرا ہی لکھا ہوا ہے۔عدالت نے حبس دوام بعبور دریائے شور (کالا پانی) کا حکم سنایا، بالآخر علامہ فضل حق جزیرۂ انڈمان روانہ کردیئے گئے ۱۲رصفر ۱۲۷۸ھ ۱۸۶۱ءکو وہیں آپ نے وفات پائی ۔گلشن علم وفضل کا شاداب پھول، جنگ حریت کا قافلہ سالار فضل حق خیرآبادی ملک وملت کی آن وشان کی خاطر جان جاں آفریں کے سپرد کرتے ہیں......یہ تاریخ کا بہت بڑا المیہ ہے کہ مجاہدین حریت کی فہرست آپ کے نام سے خالی ہےاور اگر کہیں ہے بھی تو مدھم مدھم سا......سرسید لکھتے ہیں:

> ''۱۸۵۶ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علماء کرام شامل تھے جو عقیدۃً حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے''۔(یعنی علمائے اہلسنت وجماعت)(۱۶)

اس سے یہ بات واشگاف ہوجاتی ہے کہ جنگ آزادی کے مجاہدین علمائے اہلسنت ہیں۔ان علمائے اہلسنت کے قافلہ سالار علامہ فضل حق خیرآبادی ہیں۔آپ کی ذات پورے عہد پر چھائی ہوئی تھی ان کی زندگی یا تو انگریز کے خلاف جہاد میں گذری یا جرم بغاوت کی سزا پانے میں۔

علامہ کی وفات کے صرف نو سال بعد مشہور انگریز مصنف ہنٹر مدرسہ عالیہ کلکتہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے صدر مدرس عبدالحق خیرآبادی کے والد علامہ فضل حق خیر آبادی کے متعلق لکھتا ہے۔

"موجودہ ہیڈ مولوی اس عالم دین کے صاحبزادے ہیں جن کو ۱۸۵۷ء کے غدر نے نمایاں کردیا تھااور جنہوں نے اپنے جرموں کا خمیازہ اس طرح بھگتا کہ بحر ہند کے ایک جزیرے میں تمام عمر کے لئے جلاوطن کردیئے جائیں۔اس غدار عالم دین کا کتب خانہ جس کو حکومت نے ضبط کرلیا تھا۔ اب کلکتہ کے کالج میں موجود ہے"۔(۱۷)

حضرت رضا بریلوی کے دادا مولانا محمد رضا علی خاں نے جنگ آزادی میں بڑی سرگرمی دکھائی آپ حریت پسند تھے۔اہلسنت کے علماء کی جانب سے جب انگریزوں کے خلاف 1857ء میں جہاد کا فتویٰ دیا گیا۔تو آپ نے نہ صرف فتویٰ کی حمایت کی بلکہ جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔مجاہدین کی ہر امکانی مدد کرتے اوران کو گھوڑے بھی مہیا کرتے مجاہدین کو کھانا پہنچانے کی ذمہ داری آپ کے فرزند اور رضا بریلوی کے والد مولانا نقی علی خان پوری کرتے آپ نے جنرل بخت خاں کے ساتھ مل کر بریلی میں انگریزوں کو شکست دی۔ جس کے باعث خان بہادر کو بریلی کا حکمراں مقرر کیا گیا۔دوسری طرف انگریز نے اپنی شکست کے باعث مولانا رضا علی خان کے سرقلم کرنے کی بھاری رقم کا اعلان بھی کردیا۔ جس کی رقم اس وقت ۵۰۰/روپے مقرر ہوئی مگر جنرل ہڈسن نہ آپ کو قتل کراسکا نہ ہی گرفتار کراسکا۔البتہ آپ کی جاگیریں ضبط ہوگئیں۔اور بہت سے گھوڑے چوری کرلئے گئے۔ (ماہنامہ"ترجمان اہلسنت"شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء جنگ آزادی نمبر)

مولانا رضا علی خان نے ہی اس خاندان میں مسند افتاء کی بنیاد ڈالی۔جب مختلف باطل فرقوں نے جنم لینا شروع کیا تو آپ نے ہی اس خاندان میں تلوار کے جہاد کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف قلم سے جہاد کی بھی بنا رکھی۔جس کو آپ کے لائق پوتے مولانا احمد رضا خان بریلوی نے بھرپور قلمی جہاد کرتے ہوئے پایۂ تکمیل کو پہنچایا اس خاندان سے آج

بھی قلمی جہاد کا سلسلہ جاری ہے۔ جسے اس وقت حضرت رضا بریلوی کے پر پوتے تاج الاسلام حضرت علامہ اختر رضا خان صاحب ازہری دامت برکاتہم القدسیہ نہایت ہی متانت وخوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔شہزادۂ ریحان ملت حضرت اقدس سبحانی میاں صاحب اور دیگرا کابرین اہلسنت بھی اپنی اپنی مساعی جمیلہ سے اس تحریک فکر و اعتقاد کو جاری رکھنے میں ہمہ تن مصروف ہیں......

حقائق آزادی:

یہ وقت کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ آج سیاسی پشت پناہی کا سہارا لے کر ہندوفسطائی طاقتیں جنگ آزادی کے تمام کارنامے اپنے پیشواؤں کے نام نیلام کر دینے، اپنے اکابر کے سر سجا دینے پر تلی ہیں، بڑی خاموشی اور عیاری کے ساتھ منظّم اسکیم چل رہی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جنگ آزادی کا لاوا جب پک رہا تھا اس وقت یہ لوگ انگریزی کاسہ لیسی میں مصروف تھے، ڈاکٹر کے، این، پانیکر لکھتے ہیں۔

> ''ہندومہا سبھانے آزادی کی تحریک کے دوران فرنگی طاقتوں کا ساتھ دیا تھا، بلکہ ایسے دستاویزات موجود ہیں جن سے یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ جب مہاتما گاندھی نے انفرادی ستیہ گرہ شروع کیا تو اس وقت ہندومہا سبھا اور انگریزوں کے درمیان ملی بھگت قائم تھی''
>
> (روزنامہ سالار، بنگلور۔۱۵/اگست ۲۰۰۱ء)

اپنی کتاب کی اشاعت روک لئے جانے پر پروفیسر پانیکر نے کہا تھا کہ......'' شاید برسراقتدار طبقہ کو یہ خوف ہوگا کہ جنگ آزادی میں مہا سبھا نے جو رول نبھایا تھا وہ اس طرح کی کتابوں سے فاش ہوجائے گا (ایضا) اورستم بالائے ستم یہ کہ مسلمانوں کا بھی ایک مخصوص طبقہ اپنی خفت مٹانے کے لئے ایسی ہی سازش میں بڑی لگن اور خلوص سے مصروف

ہے،کل انگریز جن کے اکابر کی جیب گرما رہا تھا، پالکی سنوار رہا تھا اور کشتی سجا رہا تھا۔ شمس العلماء اور سر، خان بہادر جیسے القابات سے نواز رہا تھا۔ نتیجے میں جنھوں نے جی بھر کے انگریزی آقاؤں کی ستائش کی ہے، (خون کے آنسو، امتیاز حق، ننگ دین ننگ وطن، حقائق تحریک بالاکورٹ) آج انہیں انگریز دشمن، محبّ وطن، جنگ آزادی کے مجاہد کے روپ میں پیش کیا جارہا ہے۔ ہندو ہوں یا مسلمان اگر وہ حالات کے تقاضے سے مجبور ہوکر تاریخی صداقتوں پر پردہ ڈالنے، حقائق آزادی کو مسخ کرنے اور اس طرح ایک من مانی تاریخ گڑھنے کے درپے ہیں تو یہ بڑی بھیانک خیانت، اور نا قابل معافی جرم ہے، ایسی مذموم حرکتوں سے ان کے اکابر کی روح بھی تڑپ رہی ہوگی اور فریادانہ کہہ رہی ہوگی۔ میرے نام پر اپنا کام بنانے والو اتنا بڑا الزام مجھ پر نہ لگاؤ۔ تاریخی سچائیاں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ جنگ آزادی کے اصل ہیرو صرف اور صرف علمائے اہلسنت و جماعت ہیں، جن کے قائد اعظم مجاہد حریت علامہ فضل حق خیرآبادی ہیں۔ غرضیکہ علامہ خیرآبادی، حضرت رضا علی بریلوی، سلطان ٹیپو شہید، سراج الدولہ اور دیگر مخلص محبان وطن نے جذبۂ حریت سے سرشار ہوکر جو چراغ جلایا تھا آج اسی کی روشنی سے پورا ملک جگمگا رہا ہے۔

حوالے

عہد رضا کا تاریخی پس منظر

۱	مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان	شاہ ابوالحسین زید فاروقی	ص ۵۲
۲	// //	// // //	ص ۴۹
۳	ردتقویۃ الایمان سے متعلق اہم دستاویز	مولانا بدرالدین احمد	ص ۱۰،۱۱
۴	ابتدائیہ، توحید کے نام پر............	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۵
۵	حکایات اولیاء..................	مولانا اشرف علی تھانوی	ص ۴-۱۰۳
۶	نقش حیات	مولانا حسین احمد مدنی	ج ۲، ص ۱۲،۱۳
۷	مکتوبات سید احمد شہید............	مکتوب نمبر ۳۱	۱۶۹
۸	مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان	شاہ ابوالحسین زید فاروقی	ص ۹۶
۹	امتیاز حق	راجہ رشید محمود	ص ۱۲۷
۱۰	ننگ دین ننگ وطن	پروفیسر فیاض کاوش	ص ۱۳۲
۱۱	امتیاز حق............	راجہ رشید محمود	ص ۱۳۰
۱۲	حدائق بخشش	امام احمد رضا	ص ۸۴
۱۳	نقش حیات	مولانا حسین احمد مدنی	ج ۲، ص ۱۳
۱۴	زلزلہ	علامہ ارشد القادری	ص ۱۰۰

۱۵	تبصرہ برزلزلہ	عامر عثمانی	ص ۲۸۷
۱۶	ننگ دین ننگ وطن	پروفیسر فیاض کاوش	ص ۱۵۱
		ایضا مقالات سرسید، حصہ شاشز دہم۔ برحاشیہ	
۱۷	ہمارے ہندوستانی مسلمان	ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین، طبع دوم، ۱۹۵۵، لاہور	ص ۲۹۴

عہد رضا کا روحانی پس منظر

حضرت رضا بریلوی ہندوستان جنت نشان کی ان عظیم و جلیل روحانی شخصیتوں میں ہیں۔ ملک ہند کا روحانی قافلہ جن پر فخر کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا...... آپ نے ایک ایسے دور میں آنکھیں کھولیں، ہوش سنبھالا، جب ملک معیشت سے لے کر معاشرت تک، بصیرت سے لے کر بصارت تک، مذہب سے لے کر سیاست تک، اور مادیت سے لے کر روحانیت تک عجیب افراتفری اور کشمکش کا شکار تھا............ پرانی قدریں مٹ رہی تھیں اور ان کی جگہ نئی قدریں تراشی اور تلاشی جا رہی تھیں...... جدید و قدیم طرز فکر گلے مل رہے تھے...... مادیت و روحانیت ایک دوسرے کو خوش آمدید اور الوداع کہہ رہے تھے...... اس ہونی انہونی تبدیلی پر بعض آنکھوں میں کرب و غم کے قطرے جھلملا رہے تھے تو بعض آنکھوں میں خوشی و مسرت کے دیپ جل رہے تھے۔

غرض کہ ۱۸۵۷ء ایک عظیم انقلاب کی دھمک کا پیغام دے رہا تھا...... تاہم قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا اس سے پہلے کہ مابعد ۱۸۵۷ء کی تباہ حالیوں کا مرثیہ پڑھا

جائے ٹھیک ایک سال پہلے ۱۸۵۶ء میں امام احمد رضا قدرت کا حسین انتخاب بن کر جلوہ فرما ہوئے۔ آپ کی ذات قدرت کی فیاضیوں کا شاہ کار تھی...... ۱۸۵۷ء کے ماحول کی افرا تفری سے جو نتائج واثرات مرتب ہونے والے تھے۔ اسلامیات وروحانیات کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک ہونے والا تھا۔ بساط سیاست پر جو مہرے کھیلے جانے والے تھے اس کے توڑ کے لئے جتنے فکری وفنی، علمی وادبی، سیاسی وسماجی سوجھ بوجھ اور شعور وآ گہی کی ضرورت تھی قدرت نے ان تمام جواہرات سے آپ کو مزین کر دیا تھا۔

آپ نے فکر وشعور سے وہ چراغ جلائے کہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ چمک اٹھا اور عالم اسلام نے اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے آپ کو مذہبیات وروحانیت کا امام تسلیم کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں اسلام کی آمد ونشو ونما انہیں صوفیائے کرام کی مرہون منت ہے جو مختلف دور میں مختلف مقامات سے یہاں آتے رہے اور اپنے اپنے حلقے میں اپنی اپنی وسعت کے بقدر تزکیہ وتجلیہ کے چراغ جلاتے رہے۔ عالم یہ تھا کہ ہندوستان کی آب وہوا ان مردان حق کی آہ صبح گاہی اور جلوۂ نیم شبی کی عطر بیزیوں سے مہکی مہکی تھی۔ جہاں کی زمین محبوبان خدا کی عظمتوں کی امین تھی۔ بادہ گساران توحید اور مست مئے حب رسالت کے قال اللہ وقال الرسول کے جانفزا نغمے مردہ رگوں میں حیات ایمانی کی بجلیاں دوڑا رہے تھے عقائد وافکار کی وہ بہاریں کہ بیرون ہند بھی جس کی تازگی و شگفتگی محسوس کی جارہی تھی ہندوستان سچ مچ جنت نشان تھا۔

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ سات سو برس پہلے کے دینی، روحانی ماحول کا اپنے ایک شعر میں یوں نقشہ کھینچتے ہیں ؎

زہے ملک ، مسلماں خیزو دین جوئے
کہ ماہی سنی خیزداز جوئے

(ترجمہ) واہ ہندوستان کیسا مسلمان خیز اور اسلام کے متلاشیوں کا ملک ہے۔ یہاں تو نہر سے مچھلی بھی نکلتی ہے تو وہ بھی سنی ہوتی ہے۔(۱)

اور تقریباً چار سو برس پہلے کی دینی روحانی فضا کا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سر ہندی یوں ذکر فرماتے ہیں...... ''تمام سکان آں از اہل اسلام بر عقیدہ حقہ اہلسنت و جماعت اند، ونشانے از اہل بدعت وضلالت در آں دیار پیدا نیست۔ وطریقۂ مرضیہ حنفیہ دارند''(ردروافض۔لاہور۹۳ءص۹)(۲)

(ترجمہ) ہندوستان کے تمام مسلمان باشندے اہلسنت و جماعت کے سچے عقیدے پر قائم ہیں۔ اور اس ملک میں بدعتیوں اور گمراہوں کا نام ونشاں تک نہیں سب کے سب حنفی ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی بھی اس خیال کی تائید کرتے ہوئے یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

> ''خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے اسلام آیا ہے (چوں کہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں) اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور اسی مذہب کے عالم، فاضل، قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے''(ترجمان وہابیہ ص۱۰) (۳)

شاید یہی وجہ تھی کہ رعایا سے بادشاہ تک سب ایک سلک عقیدت اور زنجیر محبت میں جڑے بندھے تھے۔ فکر وخیال، ذہن ودماغ سب اتحاد کی نکہت بیزیوں میں مست تھے۔ بدلتے حالات کے تناظر میں اپنی سیاسی قوت کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لئے اگر کسی بادشاہ نے جدت طرازی کی کوشش بھی کی تو دین حق کے متوالے اور صراط مستقیم کے دیوانے نے اپنی تمام صلاحیتوں کا عرق نچوڑ کر رکھ دیا مگر صراط مستقیم کو انتشار اور روحانی فضا کو خلفشار سے محفوظ رکھا۔ جہاں گیر کے دور حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمتہ

اللہ علیہ آگے آئے۔ آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اس انقلاب وتبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں۔ وہ اکبر جہانگیر ہ شاہجہاں ، اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی فضاؤں میں مطالعہ کی جاسکتی ہیں۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی کراچی تحریر فرماتے ہیں۔

''اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطۂ عروج تھا۔ جہانگیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے۔ شاہجہاں اگرچہ ایک پارسا سنی مسلمان تھا اور دربار میں کسی قسم کی ڈھیل برداشت نہیں کرتا تھا تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا۔ اورنگ زیب عالمگیر سنیت کا نشان نصرت تھا''۔(۴)

روحوں کی دنیا میں انقلاب برپا کرنے والے صوفیاء اور ظلمت کدۂ دل سے تیرگی وتاریکی کھرچ کر مجلیٰ کردینے والے اولیاء ہر دور میں یہاں اپنی جلوت وخلوت کی روشنی سے فکر ونظر کی وادیوں میں عشق وعرفان کی چاندنی بکھیرتے اور روشنی لٹاتے رہے۔ جس سے ایک پرسوز فضا پرکیف ماحول اور پراثر مناظر روحانیت کے سانچے میں ڈھلتے رہے۔ قافلوں کے قافلے، جھنڈ در جھنڈ متلاشیان حق آتے رہے اور تزکیہ باطن وتجلیہ رُوح کا لطف اٹھاتے رہے ویران خانے سجتے رہے۔ نہاں خانے سنورتے رہے...... سنگریزے لعل و گہر اور لعل وگہر آفتاب وماہتاب بنتے رہے...... خلیق نظامی رقم طراز ہیں۔

''روحانی دنیا میں جس چراغ کو خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید گنج شکر، اور شیخ بہاء الدین زکریا نے باد مخالف کے تیز وتند جھونکوں کے درمیان روشن کیا تھا اس کی ضیا پاشیوں نے ہزاروں تیرہ وتاریک زندگیوں میں اجالا کردیا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ سے حقیقت ومعرفت کے چشمے ابل رہے

تھے محلات شاہی میں اگر مسلمانوں کے جاہ جلال اور شان وشوکت
کے نظارے دکھائی دیتے تھے تو غیاث پور میں وہ شاہنشہ بے سروتاج
جلوہ افروز تھا جس کے جمال جہاں آرا نے بقول برنی رشک بغداد،
غیرت مصر، ہمسر قسطنطیہ اور موازی بیت المقدس بنا دیا تھا (سلاطین
دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۱۶)(۵)

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر جو خود بھی طبعاً صوفی تھے اور صوفیوں سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ انہیں مشائخ عظام کی درگاہوں سے دلی وابستگی تھی۔ مزارات پر جوش ارادت سے سرشار ہو کر پہنچتے تھے نیاز دیتے نذر پیش کرتے اور نذر پیش کرنے والوں کو تحائف سے نوازتے تھے۔ ۱۰ر جولائی ۱۸۴۰ء میں شہنشاہ اولیاء خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف کی نیاز کے لئے ایک چاندی کا چراغ، ایک نقارہ کا جوڑا ایک اشرفی اور پانچ روپئے مہندی لے جانے والے فقراء کو دیئے یہ فقراء ہر سال مہندی لے کر دہلی سے اجمیر شریف پا پیادہ جاتے تھے۔

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں۔

”۲۵ر جولائی ۱۸۴۵ء کو بہادر شاہ حضرت قطب الاقطاب کے مزار
کرامت آثار پر رونق افروز ہوئے۔ حضور غریب نواز کی مہندی
روانگی کے لئے تیار تھی۔ بادشاہ سلامت نے مبلغ ایک سو روپیہ مرزا
بہادر بخش کو مہندی کے لئے مرحمت کئے اور ساتھ لے جانے کا حکم دیا
اور خود اولیاء مسجد تک مہندی کی مشایعت کے لئے تشریف لائے پھر
اس کو رخصت کر کے مراجعت فرمائی۔ (مہندی اس قافلہ کو کہتے ہیں
جو پیدل اجمیر شریف کے عرس میں جاتا تھا) جن فقیروں نے
حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے عرس شریف کی یادگار کے طور پر

> ڈیوڑھی خاص پر خواجہ صاحب کا جھنڈا لگایا تھا بادشاہ سلامت نے ان کو ایک سو روپیہ نقد، اور نقرئی چراغ درگاہ شریف میں نذر کے لئے مرحمت فرمایا اور کھانے کے خوان بھیجے (بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، رئیس احمد جعفری)(۶)

ان شواہد سے ہندوستان کی روحانی، عرفانی فضا پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ بات مترشح ہوجاتی ہے کہ پورا ملک مراسم عقیدت و احترام میں انہیں خیالات ونظریات کا پابند تھا۔ جو آج اہلسنت و جماعت کی علامات میں داخل ہیں۔ مثلاً زیارت قبور، ایصال ثواب، محافل عرس، جشن میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، نیاز و فاتحہ درود وسلام وغیرہ یہ وہ جلوہ ہائے محبت وعقیدت ہیں جن کی ضیا پاشی سے ملوک ورعایا کے ایوان میں فیضان کی بارش تھی۔ شاہ حسین گردیزی "اکبر اور ظفر" کے دربار کی روحانی جھلکیاں یوں پیش کرتے ہیں۔

> "اکبر بادشاہ جیسے ملحد کے دور میں بھی عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وہ شاندار جشن عام ہوتا تھا کہ بس دیکھتے رہیے۔ شہر کی تمام سڑکوں کو دولہن کی طرح سجایا جاتا تھا بیچ میں دستر خوان نعمت بچھایا جاتا تھا۔ جس پر ہر خاص وعام کو دعوت طعام کا اذن عام ہوتا تھا آخر میں مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر جو خود اہلسنت و جماعت سے تعلق رکھتے تھے کے عہد میں عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک موقع پر دھوم دھام سے لال قلع میں محفل میلاد شریف کا انعقاد ہوتا تھا۔"(۷)

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ معمولات سینت جو آج بھی اہلسنت و جماعت کے روایتی نشان ہیں اس دور میں بھی اپنے عروج و شباب کے ساتھ مسلمانوں کے دل و دماغ میں گھر کئے ہوئے تھے۔ اور لوگ اس سے روحانی سکینت اور قلبی طمانیت کا سامان

کرتے تھے۔اس نظریہ وفکر کے سوا کوئی نظریہ نہیں تھا۔پوری قوم متحد الخیال،متحد العقیدہ اور متحد المعمولات تھی۔تقریباً ہر غیر جانبدار مورخ نے اس کا اعتراف کیا ہے۔مولوی ثناء اللہ امرتسری ان حقائق کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''امرتسر میں مسلم آبادی غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے اسی سال قبل قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی،حنفی خیال کیا جاتا ہے''(شمع توحید ص ۴۵)(۸)

یہ ۱۹۳۷ء کی صورت حال ہے ۱۹۳۷ء سے اسی (۸۰) سال پہلے ۱۸۵۷ء تھا یہ وہی ۱۸۵۷ء ہے جس کے بعد انگریز نے بکمال غداری ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ جمایا اور پھر بکمال عیاری ہندوستان کی اکثریتی جماعتوں میں فتنہ وفساد برپا کر کے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ذلیل منصوبہ بنایا،مسلمانوں کی تفریق،انتشار،ذہنی کجروی،اور ٹولیوں میں بٹنے کے المیہ کو مولانا ابوالحسن علی ندوی یوں بیان کرتے ہیں۔

''سید احمد شہید ۱۷۸۶ء میں شہر رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔شاہ عبدالعزیز سے سلوک وطریقت کی تعلیم حاصل کی اس تحریک کے دو گروہ ہوگئے انہوں نے دونوں گروہوں کے مابین نظریاتی اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کی۔مولوی عبدالحی،کرامت علی اور ان کے پیروکار اہلسنت وجماعت کہلاتے تھے۔دوسرے گروہ کے سرخیل مولوی اسمٰعیل شہید تھے جو چاروں فقہی اماموں تقلید سے آزاد اہلحدیث کہلاتے تھے''۔(مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا،ص ۴۷-۲۷۳)(۹)

یہ پہلا اتفاق تھا جب ہندوستان کی مذہبی،روحانی زندگی میں آزاد خیالی کا زہر گھولنے کی کوشش کی گئی۔یہ بھی عجیب بات تھی کہ جس گھر سے مسلک وعقیدہ کی تشہیر ہو رہی

تھی۔اسی گھر سے اختلاف کا تیر چلایا گیا۔جس خانوادے کے جیالے افراد نے خیالات و افکار کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے گولہ و بارود فراہم کئے تھے۔اسی گھر سے چمن روحانیت کی تاراجی کا طوفان اٹھتا ہے۔فرقہ بندی کی آندھی چلتی ہے اور لوگ مختلف خانوں میں بٹ جاتے ہیں۔تاریخ گواہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے سے ۱۸۲۴ء تک ہندوستان کے مسلمانوں میں صرف دو فرقے تھے.................. (۱)اہلسنت و جماعت.......................(۲)اہل تشیع،............اس کے علاوہ تیسرا کوئی اور فرقہ ہندوستان کے مسلمانوں میں تھا ہی نہیں۔۱۸۲۴ء میں مولانا اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان لکھ کر ہندوستان کے مذہبی،روحانی خاموش سمندر میں اختلاف کا پہلا پتھر پھینکا۔جس کی لہریں آج تک ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں عظیم مورخ وصوفی حضرت مولانا الشاہ ابوالحسن زید فاروقی،دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

> ''یہ پہلا رخنہ تھا جب شاہ ولی اللّٰہی مکتب فکر میں شاہ صاحب کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے شاہ اسماعیل دہلوی نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کو اردو زبان میں تقویۃ الایمان کے نام سے ۱۲۴۸ھ میں شائع کیا''۔ (۱۰)

تعجب ہے کہ روحانی خانوادے کے چشم و چراغ اور پروردہ وسر برآوردہ ہوتے ہوئے بھی مولانا دہلوی نے روحانیات کے خلاف ایک زبردست مہم چھیڑ دی حالاں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور دیگر اساطین خاندان نے اپنے علم و عمل سے تصوف کی جو خدمات کی ہیں اور تصوف کے حقیقی خدوخال کو مصنوعی پروبال سے جیسا صاف اور شگفتہ کیا ہے یہ انہیں حضرات کا حق وحصہ تھا،زمانہ آج بھی ان کی دینی روحانی خدمات کو یاد کر رہا ہے،مگر مولانا اسماعیل دہلوی نے ان حضرات کی محنت شاقہ کا بھی خیال نہ کیا،یہ تک سوچنے کی زحمت نہ کی کہ ان کے اس اقدام وعمل سے کن کن چمن کی

تاراجی ہوگی، اس کے مضر اثرات کہاں کہاں ظاہر ہوں گے۔اور اس سے کیا کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حق یہ ہے کہ جو چیزیں روحانی تقویت کا سامان فراہم کرتی تھیں۔جس سے دلوں میں عشق کی گرمی اور محبت کا گداز پیدا کیا جاتا تھا جسے اکابرین وسلف صالحین نے سینے سے چمٹائے اور کلیجے سے لگائے رکھا۔مولانا اسماعیل نے کچھ پرواہ کئے بغیر ان تمام معمولات عقیدت ومحبت پر اپنے آزاد قلم کی کالک پوت دی۔

پروفیسر ڈاکٹر منظور الدین احمد نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔

''اگر دین کسی معاشرے کی روحانی اساس فراہم کرتا ہے تو اسی معاشرے کی ظاہری ہیئت کو بھی متاثر کرتا ہے۔عام انسانوں کی وابستگی دین سے اس کی ظاہری علامت سے قائم رہتی ہے۔اس لئے عوام میں رسوم ورواج جو شریعت الٰہی سے متصادم نہ ہوں اور ان کے حوالے سے انہیں روحانی سکون اور طمانیت قلب نصیب ہو تو اسے کفر یا شرک سے تعبیر نہیں کرنا چاہئے۔اور اسی لئے میرے خیال میں ذات رسول سے عشق و وارفتگی اور تصوف، اور دیگر عوامی سطح پر اسلامی روایات وعلامات معاشرے میں ہم آہنگی پیدا کرتے اور ان کو مجتمع کرتے ہیں''۔ (۱۱)

مولانا دہلوی نے جس طاقت وقوت اور عزم وحوصلہ سے اپنے نظریات کی اشاعت کے لئے کمر ہمت باندھی تھی اور جیسا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس تحریک کو جس طرح انگریزوں کی پشت پناہی حاصل تھی اگر علمائے اہلسنت ان کے سامنے سد سکندری کی طرح ڈٹ نہ جاتے تو شاید اس وقت روحانی برگ وگل کا پتہ لگانا بھی مشکل ہو جاتا، تاہم

علمائے حق نے اپنی فکری، تحقیقی اور سیاسی صلاحیتوں کا عرق نچوڑ کر گلشن روحانیت کی سیرابی و شادابی فرمائی جس کی برکتوں سے آج تک روحانی دنیا میں نورانیت اور اجالا ہے۔

روحانیات کے فروغ میں امام احمد رضا کا حصہ

حضرت رضا بریلوی کے سن ولادت ۱۸۵۶ء سے تقریباً بتیس سال پہلے ۱۸۲۴ء میں جو طوفان اٹھا تھا، جو ہلاکت خیز سیلاب آیا تھا۔اس کے اثرات ونتائج آہستہ آہستہ پورے ملک میں سرایت کر رہے تھے۔حضرت رضا بریلوی جو خود سلف صالحین کی روحانی امانتوں کے امین۔اور روحانی گھرانے کے نور نظر تھے ان نتائج وعواقب اور ان کی فتنہ خیزیوں کا اچھی طرح جائزہ لے کر قوم کو ان کی تباہیوں سے بچانے کے لئے فاضلانہ محاکمہ ، عالمانہ محاسبہ اور محققانہ تعاقب فرماتے ہیں ایک ایک عنوان پر آپ نے بصیرت سے بھر پور کتابیں تصنیف فرمائیں۔ہر مضمون کو کتاب وسنت اور عبارات ائمہ واسلاف سے مزین فرماتے ہیں۔اس طرح دور اخیر میں روحانیات کے تحفظ کے لئے جس طرح کا آپ نے بیڑا اٹھایا حق یہ ہے کہ یہ آپ ہی جیسے صاحب فکر وشعور اور اہل ہمت واستقامت کا حق اور حصہ تھا۔ہندوستان کی تمام خانقاہیں جو ان حملوں سے پریشان تھیں حضرت رضا بریلوی نے اپنے ۵۵ر علوم وفنون سے خانقاہی نظام کو مردہ ہونے سے بچایا۔اتفاق واتحاد کی بنیادی اساس عظمت مصطفیٰ کے پلیٹ فارم سے آپ نے قوم کو آواز دی روحانیت کا پیغام سنایا اور اس طوائف الملوکی کے دور میں مسلمانوں کو مجتمع کرنے کی مستحسن جدوجہد فرمائی۔ خانقاہی نظام کے پروردہ وآراستہ عظیم مورخ خواجہ حسن نظامی دہلوی جو آپ کے معاصر ہیں اس بات کا برملا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

''بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب جن کو ان کے معتقد مجدد مأۃ حاضرہ کہتے ہیں۔درحقیقت طبقۂ صوفیائے کرام میں باعتبار علمی

حیثیت کے منصب مجدد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھی ہیں جو سالہا سال سے فرقۂ وہابیہ کے زیر تحریر و تقریر تھیں اور جن کے جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی و شافی نہیں دیئے گئے تھے۔ ان کی تصنیفات و تالیفات کی خاص شان اور خاص وضع ہے یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحر علمی کا جید سے جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے مولانا احمد رضا خان صاحب جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہیئے۔ ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے............مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسماعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دلآزار کتابیں نہیں پڑھیں جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلے میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیاء علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔'' (۱۲)

حضرت رضا بریلوی نے اپنے نفس گرم اور آہ سرد سے روحانیت کی ایسی شمع روشن کی کہ پوری دنیا میں اب اس کا اجالا محسوس نگاہوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس شمع علم و عشق کے گرد پروانے منڈلانے لگے......دیوانے اترانے لگے......اور ایک نامعلوم شہر شہر محبت و عقیدت میں تبدیل ہو کر مذہبیات و روحانیات کا متحدہ عظیم مرکز ہو گیا۔ تمام روحانی مراکز

بریلی کی مرکزیت کے گرد سمٹ آئے حق ہے کہ بریلی، دہلی،لکھنؤ،رام پور، خیرآباد، بدایوں، وغیرہ کے دینی وروحانی مراکز کا عظیم علمبردار بن گیا۔ اور وہاں سے وہی پیغام نشر ہونے لگا جو کبھی اجمیر کی دھرتی اور بغداد کی وادی سے ہوا تھا، جو کبھی کربلا کی دھوپ اور نجف کی چھاؤں سے ہوا تھا، جو کبھی مدینہ کی سہانی صبح اور مکے کی سعادت آ شام شام سے ہوا تھا۔ خان محمد علی خاں آف ہوتی مرکزی وزیر تعلیم حکومت پاکستان تحریر فرماتے ہیں۔

''اعلیٰ حضرت شمع اسلام میں محبت کا تیل ڈالنے میں ساری زندگی مصروف رہے، عرب وعجم میں کئی تحریکیں اٹھیں جن کے فکری ڈانڈے کہیں دور، اسلام سے جدا پگڈنڈیوں سے ملتے تھے مگر دلنواز و نظر فریب نعروں سے ان کے افکار کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جارہا تھا، حضرت بریلوی ایسی تحریک سے متاثر نہیں ہوئے انہوں نے اسلام کے درخشاں چہرے سے سب غلط افکار کے پردے نوچ پھینکے۔ اسلام اسی آب و تاب سے سامنے آیا جس چمک دمک سے وہ دور نبوت، عہد خلافت، اور دور مجتہدین سے ضیا پاشیاں کرتا تھا(ہفت روزہ افق، کراچی شمارہ ۶ رفروری ۸۵ء)(حیات مولانا احمد رضا خان، ص۲۳)

حوالے

عهد رضا کا روحانی پس منظر

(۱)	محدث بریلوی۔ پروفیسر مسعود احمد مظہری	ص۲۲
(۲)	// // //	ص۲۲
(۳)	البریلویہ کا تحقیقی، تنقیدی جائزہ۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری	ص۳۰۹
(۴)	فاضل بریلوی اور ترک موالات، پروفیسر مسعود احمد مظہری	ص۳۱
(۵)	معارف رضا، شمارہ یازدہم کراچی	ص۱۷۶، ۱۷۷
(۶)	ہدیٰ اسلامی ڈائجسٹ، دہلی دسمبر ۱۹۹۵ء	ص۲۳
(۷)	حقائق تحریک بالاکوٹ، شاہ حسین گردیزی	ص۱۲، ۱۳
(۸)	ننگ دین ننگ وطن، پروفیس فیاض کاوش	ص۲۲
(۹)	سرسید اور ان کا عہد، پروفیسر ثریا حسین	ص۱۷
(۱۰)	مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، شاہ ابوالحسین زید فاروقی	ص۹
(۱۱)	امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار تقدیم	ص۷

(۱۲)	معارف رضا، شمارہ یازدہم، کراچی	ص ۱۹۳، ۱۹۴

حضرت رضا بریلوی کا سیاسی ماحول

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمان صرف جنگ کا میدان ہی نہیں ہارے تھے۔ بلکہ علم وحکمت کا میدان بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ فرنگیوں نے علماء ومجاہدین آزادی اور اس کے خانوادے کے افراد، نیز اس کے پیروؤں کے ساتھ جابرانہ سلوک کیا۔ مسلمانوں کے ضمیر، غیرت اور جوانمردی کو تہہ و بالا کرنے کے لئے۔ خوف۔ لالچ کا سہارا لے کر فرقوں، اور جماعتوں میں تقسیم کر کے تمام اندیشوں کو ختم کر دیا تا کہ شورش اور بغاوت نہ ہو۔

۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف ہندوستان میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ یہ تحریک پورے ملک میں طوفان کی طرح پھیل گئی۔ بچہ بچہ انگریز حکمرانوں کے خلاف نفرت وعداوت کا شعلۂ جوالہ بن گیا۔ اس ہمہ گیر نفرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے موہن داس کرم چند گاندھی نے ۱۹۲۰ء میں کانگریس کی طرف سے ترک موالات کا اعلان

کردیا گاندھی کی اس تحریک میں مولویان فرنگی محل اور علی برادران پیش پیش تھے۔

اسی زمانے میں تحریک ہجرت اور تحریک ترک گاؤ کشی بھی چلیں۔ ملک بڑے ہی سیاسی بحران سے دوچار تھا۔

حضرت رضا بریلوی خالص مذہبی انسان تھے انہیں کرسی وغیرہ اور جاگیر ور یاست یا القاب وخطاب کی سیاست سے کوئی غرض نہ تھی۔ مگر وہ سیاسی، سماجی، تعلیمی، مذہبی کسی بھی رخ سے اور کسی بھی طور پر اپنے دین وایمان پر کوئی چوٹ، حملہ، یا ضرب برداشت نہ کرسکتے تھے وہ حریت پسند تھے۔ انہیں انگریزی حکومت اور انگریزی تہذیب اور طور طریقوں سے سخت نفرت تھی وہ غیرت اسلامی، ملی بیداری، اور قومی خیر خواہی کا پیکر تھے، لہٰذا انہوں نے ہر ایسی تحریک کی مخالفت کی جو اسلام اور مسلمانوں کی دشمن تھی گو کہ بظاہر وہ بڑی خوش نما دکھائی پڑتی تھی، اسی لئے انہوں نے تحریک ہجرت اور ترک گاؤ کشی کے معاملے میں دخل اندازی کی اور ان تحریکات کے حامیوں کا رد کیا۔ فتاویٰ جاری کئے اور مسلمانوں کو اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے صحیح سوجھ بوجھ سے کام لینے اور فتنہ وشر میں مبتلا نہ ہونے کی برابر تلقین کرتے رہے.................. تحریک ہجرت کے سلسلے میں انہوں نے فرمایا۔

''رہا دارالاسلام اس سے ہجرت عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی وبیحرمتی، قبور مسلمین کی بربادی عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی''(۱)

کچھ لوگوں نے انگریزوں سے جہاد کرنے کی اسکیمیں بھی بنائیں اس سلسلے میں متعدد مفتیوں سے فتاوے بھی لئے گئے۔

مولانا محمود حسن دیوبندی عالم ہونے کے باوجود یہ فرماتے ہیں۔

''کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے ہموطن، اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول کے لئے موید بنادیا ہے اور میں دونوں قوموں (ہنود و مسلمان) کے اتفاق واتحاد کو بہت مفید اور منتج سمجھتا ہوں۔ اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائدین نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کے لئے میرے دل میں بہت قدر ہے۔ (علمائے حق۔ حصہ اول ص۹۶) (۲)

ایک ایسے ہی کانگریسی عالم پر تنقید کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد این چہ بوالعجبی است
سرو د بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بیخبر زمقام محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باونہ رسیدی تمام بولہبی است (۳)

جہاد بیشک اسلامی فرائض میں اہم ترین فریضہ ہے۔ لیکن یہ اسی وقت فرض ہوگا۔ جب اس کی شرائط پائی جایں ط اس کی اہم شرائط میں سے سلطان اسلام اور قوت کا موجود ہونا ہے۔ اسی لئے حضرت رضا بریلوی نے کہا تھا۔

''مفلس پر اعانت مال نہیں۔ بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں ولہٰذا مسلمانان ہند پر حکم جہاد وقتال نہیں۔'' (۴)

ایک دوسری جگہ قوت وطاقت کے شرط ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سلطان اسلام جس پر اقامت جہاد فرض ہے۔ اسے بھی کافروں

سے پہل حرام ہے۔ جب کہ ان کے مقابلے کے قابل نہ ہو‘‘(۵)

ظاہر ہے اس وقت ہندوستان میں نہ تو سلطان اسلام موجود تھا اور نہ ہی طاقت پھر جہاد کس برتے پر کیا جاتا۔ کچھ لوگوں نے مولانا بریلوی کے ان فتاویٰ کی بنا پر کہہ دیا کہ وہ انگریز کے ایجنٹ ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر الزام اور بے بنیاد اتہام ہے۔ آج وقت اور تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایجنٹ کون تھا؟ ہجرت کر کے جانے والوں کا جو حشر ہوا وہ بھی صفحات تاریخ پر نقش ہے۔ رئیس احمد جعفری رقم طراز ہیں۔

’’پھر ہجرت کی تحریک اٹھی اٹھارہ ہزار مسلمان اپنا گھر بار جائداد، اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر (خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے) افغانستان ہجرت کر گئے وہاں جگہ نہ ملی واپس کئے گئے۔ کچھ مر کھپ گئے۔ اور جو واپس آئے تباہ حال، خستہ، درماندہ، مفلس، قلاش، تہی دست، بےنوا، بے یار و مددگار...... اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے ہیں۔ تو کیا کہتے ہیں۔ (حیات محمد علی جناح ص ۱۰۸) (۶)

مولانا کوثر نیازی تحریک ہجرت کے منظر پس منظر پر فاضل بریلوی کے نقاط نظر اور اس کے اثرات وثمرات کا یوں تجزیہ کرتے ہیں۔

’’حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے۔ آج ہندو راج میں اسے دارالحرب قرار دینے کا لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتے۔ مطلب واضح ہے کہ انگریز کے سامنے ہندو پس پردہ ان فتووں کی تار ہلا رہے تھے۔ جن میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جا رہا تھا۔ تا کہ مسلمان انگریز کے خلاف تلوار اٹھائیں۔ مرکھپ جائیں اور جو باقی بچیں وہ ہجرت کر کے اس سرزمین ہی کو چھوڑ جائیں۔ آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے تو ہندو

سیکولرزم کا طلسم پاش پاش ہوتا ہے۔ مسلمان جہاد کے نام پر برسر پیکار
ہوں یا ہجرت کریں...... اس لئے آج ہندوستان کو دارالحرب قرار
دینے والے مفتیان کرام کے وارث مہر بلب ہیں اور اس طرح اپنے
عمل سے امام احمد رضا کے فتویٰ کی تائید کر رہے ہیں۔"(۷)

وہ جو ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

حضرت رضا بریلوی کی سیاسی ژرف نگاہی، حالات و ماحول کی کوکھ سے جنم لینے والے شراروں سے بروقت آگاہی، سیاست دانوں کی صف میں ان کے امام برحق ہونے کی بین دلیل ہے۔ جہاں اوروں کی نگاہ پرواز کی پہنچ بھی نہیں ہوتی تھی، ابھی لوگ شش و پنج اور گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہوتے اور آپ اپنی فراست مومنانہ، بصیرت یگانہ اور تدبر سیاسیانہ سے فوراً اٹھنے والے طوفان اور پیدا ہونے والے سیاسی بحران کے نفع وضرر سے باخبر کر دیتے، اس وقت لوگوں نے مخالفانہ حربوں کا اوچھا ہتھیار استعمال کیا آپ کی پیش قیاسیوں کا مذاق اڑایا لیکن بعد کے حالات نے رضوی خیالات کو من وعن سچ کر دکھلایا پھبتیاں کسنے والوں کے منہ کھلے کے کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بالغ نظر مفکرین محسوس کر رہے ہیں کہ اگر اسی وقت موصوف کی تنبیہات کو سماعت قبول سے سنا، اور اس پر عمل کیا گیا ہوتا تو برصغیر کے مسلمانوں کی یہ درگت نہ ہوتی۔ جس کا رونا آج سب مل کر رو رہے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ امام احمد رضا نے عملی سیاست میں گرم جوش حصہ نہیں لیا لیکن وہ ہر سیاسی مورچہ پر قیادت کا حق ادا کرتے رہے۔ اور اپنی فکری سیاست سے قوم وملت کی رہنمائی فرماتے رہے۔ سیاسی ناگہانی حالات میں بھی ان کی پختہ سوجھ بوجھ ان کے مدبر سیاست ہونے کی زندہ علامت ہے۔

تحریک خلافت و ترک موالات

اور حضرت رضا بریلوی

تحریک خلافت وتحریک ترک موالات پورے ملک میں طوفان کی طرح چھا چکی تھی۔اور کچھ ایسی فضا سازی کردی گئی تھی کہ ان کے خلاف لب ہلانا یا قلم کو حرکت دینا اپنے آپ کو تقریباً پورے ملک کا دشمن بنالینے کے مترادف تھا۔ایسے شخص کو ملت اسلامیہ کا دشمن اور برٹش ایجنٹ قرار دیدیا جانا عام سی بات تھی۔مگر ایسے عالم میں بھی حضرت رضا بریلوی نے کسی بھی مخالفت اور الزام کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بصیرت ایمانی کا فیصلہ صادر فرمایا اور طوفان کی زد پر دین وایمان اور عشق وعرفان کا چراغ فروزاں رکھا۔تاریخ شاہد ہے اور مورخین اس اعتراف پر مجبور ہیں۔کہ زمانے کا بڑے سے بڑا طوفان ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ پیدا کرسکا۔بلکہ ان کی جرأت واستقامت اور ایمانی غیرت نے طوفان کا رخ موڑ دیا۔اس وقت تو ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے گئے۔لیکن طوفانی دور گذر جانے کے بعد غیر متعصب اور دیانتدار مورخین نیز رہنمایان قوم ان کی مومنانہ جرأت واستقامت کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکے مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواری جو تحریک ترک موالات میں امام احمد رضا کے مخالفین میں شمار ہوتے تھے۔لکھتے ہیں۔

> ''ترک موالات کی تحریک جب زوروں پر رہی مجھے فاضل بریلوی رحمتہ اللہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی،ترک موالاتیوں نے ان کے متعلق مشہور کر رکھا تھا نعوذ باللہ وہ سرکار برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں۔اور تحریک ترک موالات کی مخالفت پر مامور ہیں............اس قسم کی خبریں خواہ ایک فیصد بھی اپنے اندر صداقت نہ رکھتی ہوں لیکن عام لوگ کسی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے۔بلکہ کوئی ثبوت طلب کئے

بغیر ایمان لے آتے ہیں ....تحریک ترک موالات کے جوش میں تحقیق کا ہوش نہ تھا۔ اس لئے ایسی افواہوں کو غلط سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔لیکن جیسے جیسے شعور آتا گیا مذہبی تعصب اور تنگدلی کا رنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا گیا۔(خیابان رضاء محمد مرید احمد چشتی)(۸)

علی برادران یعنی مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر جو تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے پیش رؤں میں تھے اور جنہیں گاندھی جی کا دست و بازو سمجھا جاتا تھا۔ جب برسوں بعد ان کی آنکھیں کھلیں اور ملک میں مسلمان کی سیاسی زبوں حالی اور غیروں کی سیاسی جکڑ بندی میں انہیں مقید دیکھا تو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے خلیفہ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کے دست حق پرست پر اپنے ان تمام اقوال وافعال سے توبہ کیں جوان سے ان تحریکات کے زمانے میں۔اور گاندھی جی ودیگر غیر اسلامی نظریات کی حمایت میں ان سے سرزد ہوئی تھیں۔(۹)

مولانا محمد علی جوہر کی ایک تقریر سے بھی اخیر میں ان کی گاندھی اور گاندھیائی تحریک سے بیزاری اور تحریک کے مضمرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ تقریر مولانا محمد علی جوہر نے ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو پشاور کے ایک اجلاس میں کی تھی۔مولانا نے فرمایا۔

”ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتا رہا، ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورے کے مصارف خلافت کے سرمایے سے لئے، حتیٰ کہ کانگریس کے لئے ایک کروڑ روپے جمع کرنے کے لئے آپ کے دوروں کے مصارف بھی خلافت نے ادا کئے“۔(۱۰)

اسی طرح مولانا عبدالباری فرنگی محلی جنھوں نے ان تحریکات میں بہت سارے اسلامی اصولوں کو بالائے طاق رکھدیا تھا۔اور گاندھی جی کی حمایت میں اس قدر آگے بڑھ

گئے تھے کہ دین اسلام تک کوفراموش کر دیا تھا۔حضرت رضا بریلوی گاندھی جی سے ان کے تعلقات اورترک موالات سے متعلق ان کے نظریات پرتنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''انہیں (گاندھی جی کو) راز دارودخیل کار بنانا حرام قطعی تھا یہ اس سے بھی بدر جہابڑھ کران کے ہاتھ بک گئے انہیں اپناامام وپیشوابنالیا ۔ان کواپنارہنما بنالیا ہے۔جووہ کہتے ہیں وہی مانتاہوں۔میرا حال تو سردست اس شعر کے موافق ہے۔ ؎

عمر ے کہ بآیات و حدیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستی کردی (۱۱)

حضرت رضاء بریلوی کی گرفت پرمولانا عبدالباری نے جونوٹس لیااس کے عینی شاہد خلیفۂ مولانا بریلوی۔مولانا برہان الحق جبل پوری تحریرفرماتے ہیں۔

''مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی جانب سے اعلیٰ حضرت اورعلمائے حق کے خلاف ایک مضمون شائع ہوا۔اعلیٰ حضرت کی جانب سے الطاری الداری لھفوات عبدالباری (۱۳۳۹ھ) لکھ کر مولانا عبدالباری کورجسٹری کی گئی۔مولانا پراس کااچھااثر ہوا۔''(۱۲)

حضرت رضا بریلوی کی کوشش مخلصانہ تھی رنگ لا کر رہی۔اپنے خلیفہ مولانا ظفر الدین بہاری کوایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''مبارک ،مبارک ،مبارک! مولانا مولوی عبدالباری صاحب نے ان ایک سوایک اوران کے امثال سے توبہ چھاپ دی ملاحظہ ہواخبار ھمدم ۱۱رمضان المبارک ، بروز جمعہ ۲۰رمئی ۲۰ء ص ۳رک ۴''میں نے بہت گناہ دانستہ کئے اور بہت سے نادانستہ سب کی توبہ کرتا ہوں۔اے

اللہ میں نے اور قولاً وفعلاً وتقریراً وتحریراً بھی کئے ہیں جن کو میں گناہ نہیں
سمجھا تھا، مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت
ٹھہرایا ان سب سے اور ان کی مانند امور سے جن میں میرے مرشدین،
اور مشائخ سے کوئی قدوہ نہیں ہے۔ محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد
کر کے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میری توبہ قبول کر۔" (۱۳)

یونہی مولانا ابوالکلام آزاد جنہوں نے ناگپور خلافت کانفرنس کے پنڈال میں جمعہ
پڑھایا۔ اور خطبہ میں گاندھی جی کی صداقت وحقانیت کی شہادت دی اور یہاں تک کہا کہ

"کوشش اور لڑائی صرف اماکن مقدسہ اور خلافت کیلئے نہیں ہے بلکہ
ہندوستان کو خود اختیاری حکومت دینے کے لئے ہے اگر خلافت کا
خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تاہم ہماری جدوجہد جاری رہے گی اس
وقت تک کہ ہم گنگا جمنا کی مقدس سرزمین کو آزاد نہ کرالیں۔" (۱۴)

حضرت رضا بریلوی نے مولانا آزاد کے اس آزادانہ اور عاقبت نااندیشانہ کلام
پر گرفت کرتے ہوئے لکھا۔

"ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اصل مقصد بغلامی ہنود
سوراج کی چکی ہے بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی
ہے بھاری بھرکم خلافت کا نام لو عوام بھڑیں۔ چندہ خوب ملے۔ اور
گنگا وجمنا کی مقدس زمینیں آزاد کرنے کا کام چلے۔

اے پسر و مشرکاں بزمزم نہ رسی
کیں رہ کہ تو میروی بہ گنگ وجمن است (۱۵)

وہ وقت بھی آیا جب مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ العلماء ہند کا ایک جلسہ خود مولانا آزاد کی
زیر صدارت بریلی شریف میں منعقد ہوا۔ اس میں حضرت رضا بریلوی کے تلامذہ وخلفاء نے

ان سے ڈٹ کر مواخذہ کیا۔ اور ۷۰ رسوالات بعنوان ''اتمام حجت تامہ'' شائع کر کے خلافت کمیٹی تک پہنچا دیا گیا۔ مولانا آزاد سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنی توبہ کے الفاظ اخبارات میں شائع کرادیں۔ مولانا آزاد نے وعدہ کیا کہ اجلاس کی روداد میں ان تمام غیر اسلامی حرکات سے رجوع کا اعلان شائع کر دیا جائے گا۔ جلسہ کا اختتام شب میں کسی وقت ہوا ہوگا۔ بریلی اسٹیشن پر روانگی کے وقت مولانا آزاد نے اس مجمع سے جو انہیں گھیرے ہوئے تھا۔ کہا۔

> ''بعض باتیں حقیقت ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اب ہمیں آزادی کا جو مسئلہ حل کرنا ہے اس کے آگے اب تمام باتیں فی الحال زیادہ توجہ کے لائق نہیں ہیں۔ مگر احتیاط بہر حال ضروری ہے''۔ ایک صاحب جو اسٹیشن پر بسکٹ بیچتے تھے انہوں نے یہ روداد بیان کی۔ (۱۶)

ان حوالہ جات واقتباسات سے معلوم ہوا کہ حضرت رضا بریلوی کا موقف تحریک خلافت اور ترک موالات کی تحریک میں درست تھا اور ان حضرات، یعنی علی برادران، مولوی عبدالباری مولانا آزاد وغیرہ سے ان کی مخالفت نجی بنیاد پر نہ ہو کر دینی بنیاد پر تھی اور بالآخر وقت نے ثابت کر دیا کہ حضرت رضا بریلوی حق پر تھے اور ان کی سیاسی بصیرت، دینی حمیت اور سماجی سوجھ بوجھ اوروں سے کہیں بڑھ کر تھی۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی ہند کے ترجمان ماہنامہ الحسنات رام پور کا یہ بیان قابل غور ہے۔

> ''احمد رضا خان کے آخری دور میں سیاست نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا تھا ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت کا آغاز ہوا احمد رضا خان نے اس سے اختلاف کیا اور ایک رسالہ (''المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء'') تحریر کیا اس میں انہوں نے کفار و مشرکین سے اختلاط اور ان کے ساتھ سیاسی اتحاد

کے خطرناک نتائج کا تذکرہ کیا ہے، ان کے معتقدین نے ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کے نام سے دوسری تنظیم قائم کی اور اس کے بعد ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے نام سے دوسری تنظیم قائم کی گئی............ سیاست کے اس نازک دور میں وہ جوش وخروش سے زیادہ سلامت روی کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتے تھے۔''(۱۷)

حضرت رضا بریلوی کا نظریہ فکر قرآن و حدیث کے محکم اشارات پر مبنی تھا وہ معاشرے میں قرآن وسنت کی حکمرانی کے متمنی تھے۔ وہ وہی چاہتے تھے جو کتاب وحکمت کا مقتضا ہوتا تھا۔ اور اس سلسلے میں پیغام حق کی تبلیغ وہ برملا کرتے تھے۔ احقاق حق کے باب میں وہ بڑی سے بڑی شخصیتوں سے بھی مرعوب ہونا نہیں جانتے تھے۔ ان کے نزدیک ترک موالات صرف نصاریٰ ہی سے کیوں؟ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کی روشنی میں مشرکین ہند بھی اس میں شامل ہیں۔ یہ کیا؟ کہ نصاریٰ سے ترک موالات اور ہنود سے محبت واتحاد!.................آپ لکھتے ہیں۔

''حضرات لیاڈر نے مسئلہ موالات میں سب سے بڑھ کر اودھم مچائی اوروں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گئے، اس میں دونوں کی رنگت رچائی، افراط وہ کہ نصاریٰ سے نرمی معاملات بھی حرام قطعی، اور تفریط یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی فرض شرعی'' (۱۸)

تحریک ہجرت، تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت جس نے اچھے اچھوں کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ اعتدال کی جگہ اشتعال۔ اور سنجیدگی کی جگہ برافروختگی نے لے لی تھی۔ ایسے ماحول میں حضرت رضا بریلوی تھے جو ان تحاریک کے ایک ایک گوشے پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ اور اس کے اچھے، برے نتائج واثرات سے مسلمانوں کو باخبر کر رہے تھے۔ ان کی نظر میں تعمق اور ان کی فکر میں تعقل کی جلوہ ریزیاں دیکھنی ہوں تو ان طوفانی

تحاریک کے پس منظر میں ان رہنما اصولوں کا جائزہ لیا جائے۔تحریر فرماتے ہیں۔

''دشمن اپنے دشمن سے تین باتیں چاہتا ہے۔

(۱)..................اول..................اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

(۲)..................دوم..................یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

(۳)..................سوم..................یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے مخالف نے یہ درجے ان پر طے کر دئے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔خیر خواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔

اولاً......جہاد کے اشارے ہوئے اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔

ثانیا......جب یہ نہ بنی،ہجرت کا بھرا کہ یہ کسی طرح دفع ہوں۔ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے۔یہ اپنی جائدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں۔یا یونہی چھوڑ جائیں۔بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں۔ان کی مساجد مزارات اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔

ثالثاً............جب یہ بھی نہ نبھی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترک معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو،کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو،مالگذاری،ٹیکس کچھ نہ دو۔خطابات واپس کر دو۔امر اخیر تو صرف اس لئے ہے کہ ظاہری نام کا دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لئے نہ رہے اور پہلے تین اس لئے کہ ہر صیغہ اور محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں۔(فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۷۱-۷۰''

حضرت رضا بریلوی کے اس دانشمندانہ،مومنانہ اقدام و انداز کو بعض لوگ انگریزی حمایت پر محمول کرنے لگے۔ایک طوفان برپا کیا گیا کہ مولانا احمد رضا تو انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔حضرت رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں۔

''اہل عقل و دین اول تو غو غائے بے ثمر کو خود ہی عبث جان کر صرف توجہ الی اللہ پر قانع رہیں گے۔اگر شاید شرکت چاہیں تو

انہیں مذہب اہلسنت ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ مذہب ہی ان کے نزدیک چیز ہے لہذا ایسے لفظ کی چلاہٹ ڈالو جو خلاف مذہب اہلسنت ہو وہ شریک ہوتے ہوں تو نہ ہوں اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھئے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں۔ یہ تو معاذ اللہ نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں۔

(دوام العیش۔امام احمد رضا)

ایک غیر جانبدار ادیب ونقاد ''شوکت صدیقی'' رقمطراز ہیں۔

''ان کے بارے میں وہابیوں کا یہ الزام کہ وہ انگریزوں کے پروردہ تھے، یا انگریز پرست تھے نہایت گمراہ کن اور شر انگیز ہے......وہ انگریز اور اس کی حکومت کے اس قدر کٹر دشمن تھے کہ لفافہ پر ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگاتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ ''میں نے جارج پنجم کا سر نیچا کر دیا'' انہوں نے زندگی بھر انگریزوں کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کیا۔''

(ہفت روزہ الفتح کراچی، شمارہ ۱۴-۲۱۔مئی ۱۹۷٦ء ص ۱۷)

اور جب آفتاب صداقت کے چہرے سے غبار چھٹا، لوگوں پر جوش کا چھایا ہوا خمار اترا، ہوش آیا تو حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی حضرت رضا بریلوی نے جن خدشات و خطرات کی نشاندہی فرمائی تھی، اپنی مومنانہ فراست سے جو پیش بینی کر دی تھی اس کے اثرات عالم آشکار ہو چکے تھے،

ناکردنی و ناگفتنی کے احساس سے ہر صالح دل درمند بنا ہوا تھا اور ملکی سیاست کا نقشہ بدلا ہوا مگر اب کیا ہو سکتا تھا کاش کہ پہلے ہی حضرت رضا بریلوی کی ملخصانہ تنبیہات کو گوش شنوا سے سنا گیا ہوتا۔ معروف ادیب ونقاد پروفیسر رشید احمد صدیقی، اپنے استاد محترم، اور حضرت رضا بریلوی کے معتمد خلیفہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری صدر

شعبۂ سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے حوالے سے یوں حقائق طراز ہیں۔

''۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے نان کوآپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے گائے کی قربانی، اور موالات پر بڑے بڑے جید اور مستند لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ اس زمانہ کے اخبارات، تقاریر، تصانیف، اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا ہو گیا، ......اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کیا جا رہا ہے وہی سب کچھ ہے یہی باتیں ٹھیک ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی باتیں ٹھیک ہو ہی نہیں سکتیں۔ کالج میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی (مولانا سید سلیمان اشرف) مرحوم مطعون ہو رہے تھے۔ لیکن چہرہ پر کوئی اثر نہ تھا، اور نہ معمولات میں کوئی فرق، سیلاب گذر گیا جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا۔ لیکن مرحوم نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھدیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی، اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا، آج تک اس کی سچائی قائم ہے۔''

(گنجہائے گرانمایہ، پروفیسر رشید احمد صدیقی، ص ۳۰۔۳۱۔

حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اور حضرت رضا بریلوی کے درمیان جو قلبی ربط تھا اور حضرت رضا بریلوی کی سحر انگیز شخصیت نے مولانا بہاری پر جو اثر ڈالا تھا ڈاکٹر سید عابد علی ڈائرکٹر ادارہ بیت القرآن لاہور بیان فرماتے ہیں۔

''استاذ محترم سید سلیمان اشرف پر حضرت مولانا بریلوی کا اتنا اثر تھا کہ میں نے مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ کی عظیم شخصیت کا اندازہ در اصل استاذ محترم کی شخصیت ہی سے لگایا۔ مجھے مولانا سید سلیمان اشرف سے شرف تلمذ کے علاوہ ان کا انتہائی قرب بھی رہا اور میں

دیکھتا کہ اکثر مولانا بریلوی کا ذکر چھیڑ دیتے اور یوں محسوس ہوتا کہ اکثر ان ہی کے تصور میں مگن رہتے حتیٰ کہ استاذ محترم کی طبیعت انہی کے رنگ میں رنگی گئی تھی۔ اور اپنے معتقدات اور ایمانیات میں منطقی استدلال اور علوم عقلیہ میں خوش کلامی اور قوت بیان میں مولانا کے انداز اور کیفیات کو اپنا چکے تھے، غیر اسلامی شعائر کی مذمت میں تشدد اور ہندوؤں کی ہمنوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت گیر رویہ...... یہ سب صفات دونوں بزرگوں میں مشترک تھیں، اسی طرح عشق رسول کے معاملے میں طبیعت کا ایک والہانہ انداز بھی سید صاحب میں حضرت فاضل بریلوی ہی کی طرف سے آیا تھا، لباس اور وضع قطع میں بھی استاذ محترم حضرت مولانا (بریلوی) کا تتبع فرماتے حتیٰ کہ مجھے یاد ہے کہ آپ عمامہ بھی اسی انداز کا رکھتے جیسا کہ حضرت مولانا (بریلوی) مرحوم استعمال فرماتے تھے۔''

(مقالات یوم رضا، لاہور ۱۹۷۱ء/امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات ص ۵۵۳/)

حضرت رضا بریلوی کے جس سیاسی دور کے جبر وجور کو ہم نے حقائق کی چھلنی میں چھاننے کی کوشش کی ہے اس سے اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دور خودفریبیوں اور شور شرابوں کا دور تھا، جذبات سے لوگ اس قدر مغلوب ہو چکے تھے کہ نامور اور قدآور شخصیتیں بھی عواقب سے بے پرواہ ہو چکی تھیں۔

چلو اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

کے مصداق قوم وملت خیر وشر اور نفع وضرر کی پرکھ کئے بغیر محض جبہ ودستار پر فدا ہو رہی تھی۔ تاریخی شواہد گذرے کہ ایسے نازک اور پرخطر ماحول میں تن تنہا حضرت رضا بریلوی کی ذات تھی جو بلاخوف لومت لائم جبل استقامت بن کر مخالف ہوا کی زد پر ڈٹی تھی

اور سیاسی خطرنا کیوں سے قوم وملت کو بچانے کے لئے قدم قدم پر چراغ شعور جلا رہی تھی۔ا ن کی سیاسی بصیرت وشعور کو دیکھتے ہوئے آج کا سیاسی مدبران کے موقف کی اپنے عمل سے تائید کر رہا ہے۔گویا کہ:

ہے ان کے عطر بوئے گریباں سے مست گل
گل سے چمن ، چمن سے صبااور صبا سے ہم

حوالے

حضرت رضا بریلوی کا سیاسی ماحول

۱	فتاویٰ رضویہ جلد ۶ / امام احمد رضا خان	ص ۲
۲	فاضل بریلوی اور ترک موالات ڈاکٹر مسعود احمد مظہری	ص ۴۶
۳	کلیات اقبال۔مطبوعہ دہلی،	ص ۳۵۲
۴	دوام العیش ،امام احمد رضا،	ص ۱۰۸
۵	رسائل رضویہ جلد دوم،امام احمد رضاء	ص ۲۱۰
۶	مولانا احمد رضا بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت مولانا کوثر نیازی	ص ۴۵
۷	// // //	ص ۴۶

۸	گناہ بے گناہی۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۶۰
۹	حیات صدر الافاضل۔ ادارہ نعیمیہ سواد اعظم لاہور	ص ۷۳
۱۱	حیات محمد علی جناح، رئیس احمد جعفری	ص ۱۰۵
۱۱	الحجتہ المؤتمنہ۔ امام احمد رضا	ص ۱۸۴
۱۲	اکرام امام احمد رضا۔ مولانا برہان الحق جبلپوری	ص ۱۰۴
۱۳	حیات اعلیٰ حضرت۔ مولانا ظفر الدین جلد ا	ص۳۰۲
۱۴	شمع ہدایت۔ مفتی محمد عبدالحفیظ مطبوعہ کراچی	ص ۹۳،۹۴
۱۵	دوام العیش۔ افتتاحیہ۔ امام احمد رضا	ص ۱۷
۱۶	اکرام امام احمد رضا۔ مولانا برہان الحق	ص ۱۱۰
نوٹ	مزید تفصیل کے لئے۔ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست (اور) امام رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار کا مطالعہ کرنا چاہیے۔	
۱۷	ماہنامہ ''الحسنات'' رام پور۔ شخصیات نمبر۔ سالنامہ ۱۹۷۹	ص۵۴
۱۸	الحجتہ المؤتمنہ۔ امام احمد رضا	ص۱۹۷

حضرت رضا بریلوی کا مذہبی ماحول

انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل چونکہ بادشاہ خود متصلب سنی العقیدہ تھا اس لئے کسی اور نظریۂ جدید کو فروغ پانے کا موقع نہ ملا، ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی حمایت کی وجہ سے نوخیز فرقوں میں جان پڑ گئی، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کونے سے اس کونے تک آواز سنائی دینے لگی۔

حضرت رضا بریلوی کی پوری زندگی اور آپ کے فتاویٰ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے نہایت شدت کے ساتھ قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی آپ کے آباء واجداد بھی حنفیّت پر سختی سے عمل پیرا تھے حضرت رضا بریلوی کے دور میں جو گروہ شدت کے ساتھ حنفیت پر عمل پیرا تھا۔ وہ علمائے بدایوں اور علمائے بریلی کا گروہ تھا۔ آپ کے دور میں کچھ جدید مسائل ایسے پیدا ہو گئے۔ جس کی بنیاد پر مسلمانوں میں شدید کشمکش اور اختلاف پیدا ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں بہت سے مناظرے اور بے شمار مجادلے ہوئے۔

اختلاف کے نتیجے میں اس وقت کئی جماعتیں وجود میں آئیں۔(۱) بریلوی (۲) دیوبندی(۳) نیچری(۴) وہابی وغیرہ(۱)

ان کے قدرے تفصیل نمبروار یوں ہے۔

۱......اس جماعت کے مقتداء حضرت رضا بریلوی ہیں۔جن کے ماننے والوں کی تعداد ہندوستان میں بے شمار ہے آپ کی آسمان چھوتی شہرت ومقبولیت دیکھ کر آپ کے مخالفین نے شہر کی نسبت سے آپ کے معتقدین کو بریلوی کا نام دیا۔

فاضل بریلوی نے چوں کہ اہلسنت و جماعت کے قدیم مذہب سے ذرہ برابر انحراف نہیں کیا اس لئے ان کا اصرار تھا کہ درحقیقت وہی سنی ہیں۔اس طرح سنی اور وہابی کی اصطلاحیں عام ہوگئیں، بریلی کی نسبت سے مخالفین نے سنیوں کو بریلوی کہنا شروع کر دیا۔

ماہر رضویات ڈاکٹر مسعود احمد مظہری رقمطراز ہیں۔

''احمد رضا نے آفاقیت کے لئے کوشش کی۔گوان کا آفاقی پیغام بریلویت کے نام سے جانا پہچانا گیا، احمد رضا بریلی کے رہنے والے تھے۔اس لئے ان کے آفاقی پیغام کو بریلی سے نسبت دی جانے لگی اور بریلویت سے تعبیر کیا جانے لگا۔دنیا میں لاکھوں کروڑوں ایسے سنی بستے ہیں جو''بریلویت'' کی اصطلاح تک سے واقف نہیں۔مگر عقائد وہی رکھتے ہیں جن کی تبلیغ و اشاعت احمد رضا نے کی۔پاک و ہند میں لاکھوں ایسے مسلمان رہتے ہیں جو خود کو بریلوی نہیں کہتے۔ لیکن جب ان کے عقائد وافکار کا مطالعہ کریں گے تو احمد رضا کا ہمنوا پائیں گے تو دراصل ''بریلویت'' آفاقیت کا دوسرا نام ہے۔'' (۲)

۲......اس جماعت کے مقتداء مولوی اسماعیل دہلوی۔مولوی قاسم نانوتوی ،

مولوی رشید احمد گنگوہی ، مولوی اشرف علی تھانوی، اور مولوی محمود الحسن ہیں۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے موقع پر جب کہ انگریز اپنی آتش انتقام کو مسلمانوں کے خون سے بجھا رہا تھا۔ موقع پا کر، مولانا عبیداللہ سندھی کے لفظوں میں:

”مولانا محمد قاسم نانوتوی دہلی کالج کے عربی حصے کو دیوبند ضلع سہارنپور لے گئے اور سرسید احمد خان انگریزی حصے کو علی گڈھ لے گئے۔ مکتب دیوبند نے اپنے اس جدید نقشے پر دینی تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ کتابیں بھی تصنیف کی گئیں۔ دبستان دیوبند کے معتقدین ومتوسلین دیوبند سے منسوب ہوکر دیوبندی کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ بھی ہندوستان میں اچھی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔(۳)

۳......اس ٹیم کے بانی سرسید احمد خاں ہیں (۱۸۱۷ء/ ۱۹۹۸ء) نیچری وہ مسلمان ہیں جو سرسید کے ہم خیال ہیں۔ جب سائنس کی ترقی بام عروج پر پہنچی تو سائنسدانوں نے مباحثے میں بہت سے دانشور سے عقل وضمیر کی تائید حاصل کرلی، اسوقت یورپ کے کچھ مسلمان، سائنسدانوں سے متعلق ہوگئے۔ سائنسی فرقہ اتنا زبردست ہو چکا تھا کہ وہ مذہب کی دستگیری کا خواہاں نہیں تھا۔ بلکہ مذہب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس لئے یورپ میں دو فرقے ہوگئے ایک کا نام مذہبی، دوسرے کا نیچری (مذاہب اسلام ص۶۹۱) یہی حال ہندوستان کے مسلمانوں کا ہوگیا ہے۔ جو مذہبی باتوں کو تاویلات کے ذریعہ سائنس کا ہم آہنگ بناتے ہیں۔ وہ نیچری کہلاتے ہیں۔

۴......اس جماعت کے محرک ہندوستان میں مولوی سید احمد رائے بریلوی ہیں ان کے معتقدوں میں مولوی محمد اسماعیل دہلوی اس جماعت کے عظیم قائد گذرے ہیں، کچھ دنوں کے بعد غیر مقلدیت (وہابیت) میں بھی دو فرقے ہوگئے یک اسماعیلیہ۔ دوسرا

اسحاقیہ۔اسماعیلیہ سے مقصود وہ فرقہ ہے جو بدعات ورسوم کی مخالفت کے ساتھ تقلید شخصی کا بھی تارک ہو۔جیسا کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان اور جلاء العینین وغیرہ میں لکھا ہے۔(آزاد کی کہانی ص۱۶۴) (۴)

اسحاقیہ سے مقصود وہ فرقہ ہے کہ جو حنفیت اور تقلید سے انکار نہیں کرتا۔لیکن بدعات ورسوم کا مخالف ہے۔(آزاد کی کہانی ص۱۴۶) لیکن ایک دور ایسا بھی آیا جب اسماعیلیہ غیر مقبول ہوگئے تو مقلدیت حنفیت کی راہ اختیار کرکے اپنے عقائد کی اشاعت کرنے لگے۔(آزاد کی کہانی ص۱۶۵)

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد جتنے فرقے ظہور پذیر ہوئے۔وہ سب وہابیت ہی کی کوکھ کے رہین منت ہیں! اسی بطن سے سب نے جنم لیا ہے۔سب اسی گود کی پیداوار نظر آتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں!

”والد مرحوم (مولانا خیرالدین) کہا کرتے تھے کہ گمرہی کی موجودہ ترتیب یوں ہے۔پہلے وہابیت،پھر نیچریت،کے بعد تیسری قدرتی منزل جو الحاد قطعی کی ہے اس کا ذکر وہ نہیں کرتے تھے اس لئے کہ وہ نیچریت ہی کو الحاد قطعی سمجھتے تھے۔لیکن میں تسلیم کرتے ہوئے اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ تیسری منزل الحاد ہے۔اور ٹھیک ٹھیک مجھے یہی پیش آیا۔سر سید مرحوم کو بھی پہلی منزل وہابیت ہی کی پیش آئی تھی۔(آزاد کی کہانی ص۳۸۱) (۵)

گردشِ روز گار اور حضرت رضا بریلوی کا منصفانہ کردار

حضرت فاضل بریلوی کو اپنے دینی اور تہذیبی ورثے میں سواد اعظم ملا۔انہوں نے اس کو قلب سے لگایا۔اپنے ذہن کو اس سے ہم آہنگ کیا اور اس کی خدمت کے لئے اپنے قلم کو رواں کردیا۔ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ دین مبین اور سواد اعظم جس

پر نسلاً بعد نسلٍ مسلمانان عالم بالعموم اور مسلمان ہند بالخصوص قائم تھے۔ اس پر جارحانہ حملہ کرنے والوں کے خلاف قلمی اور علمی جہاد فرمایا۔ ان میں منفی طرز نہیں تھا وہ دلائل اور معقولات کے ذریعہ اپنی بات رکھتے تھے کوئی پھر بھی ہٹ دھرمی کرے تب ان کا قلم شمشیر بن جاتا......مولانا اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان سے اٹھنے والے طوفان ابھی کچھ سرد ہی پڑے تھے کہ پھر وہی طوفان روپ بدل کر مسلمانان ہند کے سروں پر منڈلانے لگا، تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان، فتاویٰ رشیدیہ مختلف اوقات میں لکھی گئیں۔ ان تمام کتابوں میں تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، رسالہ یکروزی کی روح کو موثر و متحرک دیکھا جاسکتا ہے۔۱۸۲۴ء میں جدید نظریات کی جو داغ بیل ڈالی گئی اور جو پودا لگایا گیا تھا مگر ملکی حالات نا مساعد ہونے کی وجہ سے بار آور نہ ہوسکا تھا ۱۸۵۷ء کے بعد ہی سے اس کی باز آباد کاری ہو رہی تھی۔ اور اب انیسویں صدی کی آخری دہائی میں جدید ثمرات سامنے آ رہے تھے۔

جب جدت طرازیوں، فکری بے راہ رویوں، آزا خیالیوں نے مذہبی دنیا میں تہلکہ مچایا۔ ذات خدا و مصطفیٰ کے تعلق سے نئی نئی موشگافیاں زور پکڑنے لگیں، دینی روحانی ماحول اتھل پتھل کا شکار ہونے لگا تو مسلم قوم و ملت میں اضطرابی لہر پیدا ہوئی۔ ملک کے مختلف حصے سے ان کتاب اور صاحب کتاب کے سلسلے میں استفتے آنے شروع ہوئے تو ایسے صبر شکن دور میں حضرت رضا بریلوی نے علمائے ملت اسلامیہ کے منتشر شیرازے کو مجتمع کیا اور بڑے ہی عزم و احتیاط کے ساتھ اپنے علم و فضل کو تحریک کی شکل دیدی۔ اندیشہ تھا کہ آئے دن کی نئی نئی نکتہ آفرینیاں کہیں اسلامی تعلیمات کو مسخ نہ کردیں اور مسلمانوں کو سیاسی ناکامی کے بعد کہیں مذہبی پسپائی کا منھ نہ دیکھنا پڑے۔ یہ تھے وہ سنگین حالات جو امام احمد رضا کے لئے چیلنج بن گئے تو آپ نے دفاعی مورچہ بندی کی تمام ذمہ داری سنبھال لی۔ سو سے زیادہ (جدید تحقیق کے مطابق) علوم و فنون کو اپنی مضبوط گرفت میں لینے والی فکر و نظر

سمٹ سمٹا کر تقدیس الٰہی کی صیانت، ناموس رسالت کی حفاظت، ابطال بدعت وضلالت اورفروغ کتاب وسنت میں لگ گئی۔اس سلسلے میں آپ نے کم وبیش دوسو کتابیں تصنیف کیں اور ہزار ہا دلائل سے احقاق سنت وابطال بدعت کیا۔

حکمت تبلیغ کے پیش نظر صلاح وفلاح کی فضا بنانے اور افہام وتفہیم کی راہ نکالنے میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی کم وبیش بیس سال تک اپنی مختلف تحریروں کے ذریعہ مصنفین ومؤلفین کو دعوت اصلاح وفلاح دیتے رہے۔ پھر خطوط ارسال کئے۔ متعدد رجسٹر یاں بھیجیں، نمائندے بھیجے۔ تحقیق وتنقیح کے تمام تقاضے ادا کئے مگر جواب میں سوائے خاموشی کے اور کچھ نہیں ملا۔ (٦)

آپ نے جو یہ رنگ بے اعتنائی دیکھا تو بیحد آزردہ خاطر ہوئے۔مگر اتمام حجت کے بعد وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔''اگر کوئی شخص اعتقادیات کی ان حدود کو پھلانگ جاتا ہے۔ جو اصولی ہیں۔تو ایسے شخص پر حکم شرع نافذ کرنا خود شریعت کا مطالبہ ہے۔البتہ یہ فیصلہ کرنا ہر کہہ ومہ کا کام نہیں۔ بلکہ اس کا اپنا دائرہ کار ہے اس کے لئے وفور علم ودرک کے ساتھ ساتھ غیر معمولی شعور وفہم محتاط انداز فکر، کامل چھان بین، جچی تلی قوت فیصلہ اور محکم قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے، جو عظیم شخصیت ان اوصاف کی حامل ہو، دین کی حفاظت، اور ملت کی ہدایت اس کے اہم واعظم فریضہ سے ہوجاتا ہے، اس پر ضروری ہوجاتا ہے کہ پوری ملت اور دین کی ہر ضرورت پر کڑی نظر رکھے، کہ کہیں سے دین میں کوئی رخنہ اور ملت میں کوئی فتنہ نہ جنم لے، اگر کدھر سے بھی کسی بھی ضرورت دینی کا انکار ہورہا ہو یا اس کی تحقیر ہورہی ہو تو اس کی منصبی ذمہ داریوں سے ہے کہ رحمانی اشارات، نبوی ارشادات، اور فقہی احکامات کے معیار پر اس کو پرکھے اور بلاخوف لومتہ لائم شریعت مطہرہ کا فیصلہ سنا دے۔اگر اصولی وبنیادی معاملات میں یہ پابندیاں قید وبند کی یہ سختیاں نہ ہوتیں تو لوگوں کی آزاد طبیعت نے دین کو بازیچۂ اطفال بنا کے رکھدیا ہوتا۔اسلام کا اصلی چہرہ مسخ کردیا ہوتا، اور

ایک نیا اسلام ،لیٹیسٹ دھرم وجود میں آ گیا ہوتا ،مگر یہ وہ دین ہے جسے اس کی تمام ضروریات اورلوازمات کے ساتھ اپنی اصلی حالت میں قیامت تک باقی رہنا ہے،اسی لئے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خدا نے بندوں کے کمزور کاندھوں پر نہ رکھ کر اپنے قدرت والے مضبوط ہاتھ میں رکھا ہے(انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون) ہاں خدائے قدیر اپنے دین کی حفاظت فرماتا ہے اپنے مخصوص بندوں کے ذریعہ، یہ اسی رحمانی حفاظت کی کرامت ہے کہ زمانۂ اقدس سے لے کر اب تک نہ جانے کتنے طوفان اٹھے،کتنی آندھیاں چلیں،مصائب وآلام کے پہاڑ توڑے گئے ، رخنہ ڈالنے،فتنہ برپا کرنے کی انتھک منظّم کوششیں کی گئیں،مگر تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی ایسے حالات پیدا ہوئے ہیں تو کوئی مرد حق ،مرد مجاہد طوفان حوادث کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑا ہوا ہے اور مسکراتے ہوئے شدائد کا استقبال کر کے دین کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا ہے،امام حسین ،امام احمد ابن حنبل، امام اعظم وغیرھم کے کارنامے اس تعلق سے انمنٹ مثالیں ہیں، دور کیوں جایئے ابھی ماضی قریب میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جب باب نبوت میں داخلے کی جسارت کی تو حکومتی سطح پر اس کا نوٹس لیا گیا اور سخت شرعی مواخذہ کیا گیا،اگر باب نبوت میں داخلہ پر مواخذہ ہوسکتا ہے تو فتح باب پر کیوں نہیں ہوگا ،سلمان رشدی نے شیطانی آیات لکھ کر،اورتسلیمہ نسرین نے عورتوں کے حقوق کا سہارا لے کر جب فتنہ کرنا چاہا تو عالمی سطح پر اس کی مذمت کی گئی اور فتوے کی دھمک سے لوگوں کے دل دہل گئے ۔آئندہ جب بھی کوئی کسی نئے فتنے کو آواز دے گا تو اس کی مذمت کی جائے گی،اس قوم کی فطرت میں دین کی محبت شامل ہے۔

یہ سب شریعت کے محکم اصول کی برکتیں ہیں کہ دین بادخزاں کے جھونکوں سے محفوظ ہے ۔ یہ سب خدامان دین کی دین سے محبتیں ہیں کہ اسلام آج بھی سدا بہار چمن ہے۔دین میں رخنہ پڑنے کے وقت دینی ذمہ دار شخصیتوں پر حالات چیلنج بن جاتے ہیں

ایسے موقعہ پر احقاق حق اور ابطال باطل فرض قطعی ہو جاتا ہے اور کتمان و اخفاء اعراض و اغماض حرام قطعی، حالات کچھ ایسے ہی تھے جب حضرت رضا بریلوی نے بعض علماء کی بعض عبارات پر نوٹس لیا تھا، اور حکم شرع نافذ کیا تھا، علمائے حرمین طیبین نے جس کی تصدیق و توثیق کی تھی، خود آپ کے حریفوں نے بھی، آپ کی اس جرأت حقانی کی تائید و تحسین کی ہے۔ آپ کے اس عادلانہ اقدام کی تفصیل کے لئے آپ کی تصنیف المعتمد المستند ،اور حسام الحرمین کا مطالعہ کرنا چاہئے............قارئین کے ذہن میں یہ خلجان برپا ہوگا کہ آخر وہ شرعی فیصلہ کیا تھا۔

ے ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اس لئے اس ہیجان کی عقدہ کشائی ہم مولانا بریلوی کی زبانی نہیں خود مولانا تھانوی اور ان کے متبعین کی زبانی کرتے ہیں ۔ جسے ان کے معتقد جناب خورشید علی خانصاحب (جو اس روایت کے عینی شاہد ہیں) جب بریلی ایس۔ڈی،او، بن کر تشریف لائے تو بیان کیا۔واضح رہے کہ جن علماء کے خلاف حضرت رضا بریلوی نے مواخذۂ شرعی کیا ہے ان میں سرفہرست والا صفات مولانا تھانوی ہی کی ذات ہے۔واقعہ یہ ہے کہ بریلی سے مولانا اشرف علی تھانوی کے کسی مرید نے حضرت رضا بریلوی کے وصال پر مسرت کا تار دیا۔تار جب تھانہ بھون پہونچا جناب موصوف خورشید علی خانصاحب (جو اس وقت وہاں محکمہ نہر میں وزیر تھے) نے تار کا مضمون پڑھ کر سنایا تو مولانا اشرف علی تھانوی کے چہرے پر غم کے آثار نمودار ہوئے اور انہوں نے **انا للہ و انا الیہ راجعون** ،پڑھا۔ حاضرین میں سے ایک نے مولانا تھانوی سے کہا کہ انہوں نے آپ کی تکفیر کی اور آپ ان کی موت پر انا للہ پڑھتے ہیں تو مولانا تھانوی صاحب نے جواب دیا کہ ''وہ عشق رسول مقبول میں ڈوبے ہوئے تھے'' انہوں نے جو کچھ میری نسبت لکھا وہ اپنی جگہ صحیح تھا، اگر میں ان کی جگہ ہوتا اور وہ میری جگہ ہوتے اور ان کے قلم سے وہ الفاظ سرزد ہوئے ہوتے تو میں

بھی ان کی تکفیر ہی کرتا، (سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات) ص۱۴۳''مولف حضرت مولانا حسنین رضا خانصاحب برادرزادہ، خلیفہ مولانا احمد رضا بریلوی'' اساطین دیوبند نے بھی مولانا بریلوی کے اس محاکمہ کی تائید کی ہے مولانا مرتضٰی حسن دربھنگی تحریر فرماتے ہیں۔

''اگر خانصاحب (مولانا بریلوی) کے نزدیک بعض علمائے دیوبند ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے سمجھا تو خانصاحب پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہوجاتے۔ کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے (اشدالعذاب ص۱۱ مرتضٰی حسن دربھنگی، مطبوعہ دیوبند)''

محمد بہاء الحق قاسمی لکھتے ہیں ''آپ (حضرت رضا بریلوی) بھی اصولی حیثیت سے معیار تکفیر کے تعین میں فقہائے امت کے ہمنوا تھے'' (اسوۂ اکابر، محمد بہاء الحق قاسمی ص۲۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء

............: حاصل باب :............

صوفیوں بزرگوں کا چمن، سنتوں، رشی منیوں کا مسکن ہندوستان ہمیشہ جنت نشان رہا ہے، صوفیوں، بزرگوں کی جماعت نے اگر روحانیت کی انجمن سجائی ہے تو رشی منیوں کے گروہ نے اپنے اعتبار سے تپیا کرا کر دلوں کو جگانے اور باطن کو جگمگانے کی کوشش کی ہے، گردش ایام سے اگر روحین مردہ ہوتی رہیں تو ان صوفیا و اولیاء روحانیت کے تاجداروں کی نظروں کی برکتوں سے زندگی ملتی رہی، روحین تازہ دم ہوتیں رہیں، اجڑنا اور بسنا، کھلنا اور مرجھانا اس جنت نشان کا شروع ہی سے مقدر رہا ہے۔ اس پر بادصبا کے سبک جھونکے بھی چلے ہیں اور بادسموم کی تیز آندھی بھی آئی ہے۔ مگر یہ اجڑ اجڑ کر بستا ہی رہا اور بکھر بکھر کر نکھرتا ہی رہا................. ایک وقت وہ تھا جب یہاں صرف ''سنی'' ہی تھے دوسرا اور کوئی اس کے مدمقابل، اس کے معمولات میں مزاحم نہ تھا، ہر فرد سنی تھا ہر طرف سنیت کا بول بالا

اور اجالا تھا۔ اسی دور کی تصویر کشی حضرت امیر خسرو نے کی ہے کہ ''ہم اس ملک کے رہنے والے ہیں جس ملک کے دریا کی مچھلی بھی سنی ہے'' اس کے شفاف سنی چہرہ پر بدعت کا داغ کیسے لگا اس کے مسلکی مضبوط دیوار میں نظریاتی شگاف کیسے پڑا...... مذہبی خطوط پر لوگ گروہوں اور فرقوں میں کیسے بٹے...... اس کے وحدت ملی و فکری کا شیرازہ کیسے بکھرا...... یعنی سنیت کے شفاف آسمان پر شیعیت کی کالی گھٹا کیسے چھائی اس سلسلے میں ہم مستند تاریخی حوالے سے حقائق کی رونمائی کرتے ہیں۔ گرچہ غزنویہ خاندان کے وقت سے ہی ایران سے قابل اور بہادر قسمت آزما ہندوستان آنے لگے تھے، لیکن یہ صرف آواگون تھا۔ در اصل شیعیت کا عمل دخل ہندوستانی سیاست و ثقافت میں ہمایوں کے دور نا ہمایوں سے اس وقت شروع ہوا جب ہمایوں ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ہندوستان سے مایوس ہو گیا تو اسنے ایران کا رخ کیا، ایران کا بادشاہ ''طہماسپ صفوی'' اس کے ساتھ بڑے حسنِ سلوک سے پیش آیا اور جب ایک عرصہ قیام کے بعد ہمایوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو شاہ ایران نے کار آزمودہ فوج اس کے ساتھ کر دی۔ جس کی مدد سے وہ ۱۵۵۵ء میں ہندوستان آیا اور دہلی اور آگرہ پر قابض ہو گیا...... چونکہ اس کے ساتھ ایرانی سپاہی کا قابل ذکر جتھہ، امراء کا اچھا خاصا طبقہ اور علماء کی جماعت ایران سے ساتھ آئی تھی جن کی وجہ سے ہندوستان کی اسلامی تہذیب میں ایرانی اور تورانی عرب اثرات سے بھی زیادہ نمایاں ہو گئے۔ ہمایوں کا وزیر بیرم خان خود شیعہ تھا اور شیخ گدائی جنھیں عہد اکبری میں سب سے پہلے شیخ الاسلام کا عہدہ ملا شیعہ عقائد کے تھے۔ سلطان اور سلطنت کے سنی العقیدہ ہونے کی وجہ سے شیعہ حضرات افشائے مذہب اور اظہار مسلک کے معاملے میں تقیہ اور احتیاط سے کام لے رہے تھے۔ نتیجتاً ان کے اصلی نظریات کی تہہ تک پہونچنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لئے ماحول گڈمڈ اور معاشرہ مخلوط ہو کے رہ گیا تھا۔ ۱۵۵۶ میں اکبر تخت نشین ہوا اسکی تخت نشینی سے اسلامی ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ایک بالکل نئے دور کا آغاز ہوا۔

اکبر کی مذہبی پالیسی کے دو پہلو تھے ایک انتظامی اور سیاسی معاملات میں ''صلح کل'' کی پالیسی اور دوسرے مریدان شاہی اور دوسروں کے لئے قواعد وآئین کا وہ ملغوبہ جسے ''دین الٰہی'' کا نام دیا جاتا ہے۔ ویسے اکبر کی ابتدائی اٹھارہ بیس برس کی زندگی بڑی مذہبی اور مذہب نواز رہی ہے۔حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی عقیدت ضرب المثل بنی ہوئی تھی۔نہ صرف یہ کہ ہر سال اجمیر شریف جاتا بلکہ کوئی بھی اہم مہم یا خاص مراد ہوتی تو وہ اجمیر کا رخ کرتا۔ جہانگیر کے تولد ہونے سے پہلے بیٹے کا ارمان دل میں سجا کر آگرے سے اجمیر تک پیدل گیا۔ پہروں مراقبے میں بیٹھا اور لاکھوں روپے کی نذر پیش کی۔عرفانِ غریب نواز سے وہ اتنا متاثر تھا کہ اس نے اپنی فوج کو ''یا ہادی یا معین'' کا نعرہ دیا تھا۔علامہ شیرانی کا خیال ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ کو دسویں صدی ہجری سے جو خاص شہرت حاصل ہوئی ہے اس میں اکبر کی ارادتمندی کو بہت دخل ہے۔اکبر سلیم چشتی کا بھی بڑا معتقد تھا۔شہزادہ سلیم کو انہیں کی دعا کا فیضان یقین کرتا تھا اس لئے انہیں کے نام پر ''سلیم'' نام رکھا۔اکبر کی مجلس میں ملک بھر کے منتخب علماء آتے تھے۔ بڑی خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب سب فرقوں اور طریقوں کے عالم آ گئے اور سنی، شیعہ، صوفی، مہدوی خیالات واختلافات بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے ٹھوس علم نہ ہونے کی وجہ سے بادشاہ یہ سب دیکھ کر حیران بھی ہوا اور اسلام سے بدگمان بھی۔ کچھ دوسرے افراد کے ساتھ شیعہ عالم ملا محمد یزدی ان جھگڑوں میں پیش پیش تھے انہوں نے بادشاہ سے خلوت کی ملاقاتوں میں پہلے تین خلفاء بعض دوسرے صحابہ اولیاء کبار، فرقہ اہلسنت و جماعت اور سنی علماء کو برا بھلا کہتا، یہاں تک کہ سب کے گمراہ ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ بادشاہ اکبر کے عقیدہ کے تزلزل اور افکار کے تنزل میں ملا یزدی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔۱۶۰۵ء میں اکبر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا ایک برگزیدہ امیر شیخ فرید جسے سر برآوردہ لوگوں نے اپنا نمائندہ چنا تھا شہزادہ جہانگیر کے پاس آیا اور امراء کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے کہا کہ ہم سب آپ کی

بادشاہت کی حمایت کرینگے بشرطیکہ آپ اس بات کی قسم اٹھائیں کہ آپ ''شرع محمدی'' کا تحفظ کرینگے۔شہزادے نے ان شرطوں کو پورا کرنے کی قسم اٹھائی اور واقعی بادشا بن جانے کے بعد جہانگیر نے بالعموم شرع اسلامی کی پاسداری کے وعدے کا ایفا کیا جس کا خوشگوار اثر یہ ہوا کہ اکبر کی مذہبی بوالعجبیوں کا کوئی نقش باقی تھا تو وہ عہد جہانگیر میں ناپید ہوگیا۔

شہنشاہ جہانگیر کی بیوی نور جہاں نے جو عقیدۃً ''شیعہ تھی اپنے عقیدہ وافکار کی تبلیغ کے لئے ایران سے شیعہ عالم عبداللہ شوستری کو بلایا عبداللہ شوستری نے نہایت ہی خاموشی اور بردباری سے اپنے نظریات کی اشاعت کی ،اس نے ایک کتاب لکھی جس میں ایک جملہ تھا''زعمرم خویش بیزارم کہ ایں نام عمر دارد''میں اپنی عمر سے اس لئے بیزار ہوں کہ اس کا نام عمر ہے۔اس جملے میں بڑی چابکدستی اور فن کاری سے خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت پرحملہ کیا مگر

ع تاڑ نے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

شہنشاہ جہانگیر نے عبداللہ شوستری سے اس جملے کی توضیح وتوجیہ چاہی۔شوستری نے دیکھا کہ جان کی بھی امان خطرے میں ہے تو اس نے سچ سچ بتادیا۔اس پر جہانگیر نے تلوار کھینچ لی۔ادھر پیچھے سے نور جہاں نے دامن تھام لیا اور کہا بادشاہ سلامت میری محبت کا واسطہ عبداللہ شوستری کی خطائیں معاف کردیں،ان کی جان کو امان دیدیں،شہنشاہ جہانگیر نے کہا۔

'' جان من جان داد ہ ام ایمان نہ دادہ م''

نور جہاں میں تم پر جان تو دے سکتا ہوں مگر ایمان نہیں دے سکتا۔ یہ کہا اور شوستری کو دوٹکڑا کردیا اکبر کی وفات اور جہانگیر کے زمام حکومت سنبھالنے کے بعد بھی قاضی بدستور اپنے عہدے پر رہا۔حتی کہ علمائے مخالفین میں بعض کو پتہ چل گیا کہ وہ شیعی المذہب ہیں چنانچہ انہوں نے بادشاہ کے پاس شکایت کی کہ قاضی نوراللہ شوستری کا مذہب شیعہ ہے بڑی حکمت بالغہ اور خفیہ تدبیر سے ان کی لکھی ہوئی کتاب'' مجالس المومنین''

حاصل کی اوراس کے مندرجات ومضمرات کی خبر بادشاہ کو دیدی۔ جہانگیر نے اس کتاب کی ہولنا کی کی تاب نہ لاکر قاضی کے قتل کا حکم دیدیا۔بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جہانگیر کو سب سے زیادہ طیش اس بات پر آیا کہ قاضی عبداللہ شوستری نے حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت سلیم چشتی اکبر و جہانگیر جن کا دل و جان سے شیدا تھا کی شان میں نا زیبا الفاظ استعمال کیا تھا۔ جہانگیر کی غیرت نے جسے برداشت نہیں کیا۔اوراپنے پیرومرشدِ روحانی کے گستاخ کوقتل کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ تاریخی حقائق بول رہے ہیں کہ یہاں کے سلاطین سنی العقیدہ تھے۔ یہاں کا ماحول سنیت کے رنگ وآہنگ میں ڈوبا تھا۔البتہ ہمایوں کے دور سے شیعیت دبے قدموں چوردروازے سے داخل ہوگئی لیکن معمولات وعقائد اہلسنت کی گرفت ایسی مضبوط تھی کہ شیعیت کوکروٹ بدلنے کا موقع نہ مل سکا تاہم شیعی نظریات کی جو داغ بیل چوری چھپے عہد ہمایونی میں ڈالی گئی عہد اکبری میں تناور درخت ہوگئی اور عہد جہانگیری میں برگ و بار سے لیس ہوگئی۔ یہ جہانگیر کی ہوشمندی دور اندیشی اور راسخ الاعتقادی ہی ہے کہ اس نے مستقبل کے خطرات کو بھانپ کر شیعی عروج پر وہ کاری ضرب لگائی کہ ڈیڑھ پونے دوسوسال کے لئے اس کی کمر ٹوٹ گئی۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے عہد میں پھر جب اس نے بال و پر پھیلائے تو آپ نے ''تحفۂ اثناعشریہ'' لکھ کر اس کے فروغ کے سامنے سدسکندری کھڑی کردی ان تاریخی شواہد کی روشنی میں اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ عہد ہمایوں سے پہلے پورے ہندوستان پر صرف سنیت ہی کا پرچم لہراتا رہا ہے۔اہلسنت کے سوادوسرا کوئی فرقہ نہیں تھا۔دور ہمایوں میں جب شیعیت کی بنیاد پڑی تو اب یہاں دوفرقے ہوگئے۔''سنی اور''شیعہ'' ۱۸۲۴ء تک پورے ہندوستان میں صرف یہی دوفرقے تھے تیسرا کوئی فرقہ بنام اسلام موجود نہیں تھا............۱۸۲۴ء تک انگریز تجارت کے بہانے ملک کی معیشت پر قبضہ جما چکے تھے......انگریزوں نے ہندوستان کا معاشی اعتبار سے تو جائزہ لیاہی تھا، روحانی اور مذہبی اعتبار سے بھی اس نے سنجیدہ مطالعہ کیا

اوراس نتیجے پر پہونچا کہ یہاں کے مسلمانوں کو دینی لحاظ سے مسخر کرنا آسان نہیں ہے، تلوار کے زور سے ان کے سر کو تو جھکایا جاسکتا ہے مگر ان کے دل کو جھکانا سہل نہیں۔اس لئے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کے نبی اور نبی کے منسوبات و متعلقات کی محبت جاگزیں ہے۔ان کے قلب کے آ بگینہ پر اللہ رسول اور قرآن کی محبت مرتسم ہے۔اس لئے یہاں حکومت کا جو خواب ہم دیکھ رہے ہیں اس کی مستحکم تعبیر کے لئے لوح دل سے ان نقوش محبت کو مٹانا ضروری ہے۔ان کے دل میں ان چیزوں کی نفرت کا بیج بونا ضروری ہے جن سے محبت کی کرن پھوٹتی ہے۔عقیدت کے چشمے جاری ہوتے ہیں۔اس لئے کہ یہ وہ قوم جو فاقہ کی حالت میں بھی نبی کی محبت کے خلاف موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔بس ان کے لئے یہی ایک صورت ہے کہ شہد کے پڑیا میں انہیں زہر دیدیا جائے۔ان کو ان کے نبی سے دور کردیا جائے، مگر پہلے ان کو منسوبات و متعلقات نبی سے دور کرنا ہوگا۔وہ زینہ ہی نہیں رہے جس سے یہ کاشانہ نبی تک پہنچ سکیں، چراغ راہ بجھادیئے جائیں نشان راہ مٹادیئے جائیں۔قلندر لاہوری ڈاکٹر محمد اقبال نے ایک ہی شعر میں اس دور کے پس منظر کی پوری تصویر کشی کردی ہے۔انگریز یہ چاہتا تھا کہ ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں کبھی
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

اس منصوبے کی تعمیل اور اس حکمت کی تکمیل کے لئے انگریزوں کو مسلمانوں ہی کی جماعت سے کچھ ایسے افراد کی ضرورت ہوئی جو خاندانی ایک اعتبار سے مستند اور شخصی اعتبار سے معتمد ہوتا کہ اس کے پیغام کا اعتبار ہو،اس کی زبان و بیان کا وزن ہو لوگ اس کی بات بغور سنیں اور قریب آئیں............۱۸۲۴ء میں مولانا اسماعیل دہلوی نے محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب ''کتاب التوحید'' جو عربی میں تھی اس کو اردو کے قالب میں'' تقویۃ الایمان'' کے نام سے ڈھالا،اور پھر وقفے وقفے سے دوسری کتابیں۔صراط مستقیم

جلاء العینین ، رسالہ یکروزی وغیرہ بھی لکھیں۔اس طرح نجدی افکار و نظریات کی درآمد بڑی حکمت اور تدبیر سے کی گئی۔ دوسرے لفظوں میں یہ دوسرا اتفاق تھا جب مذہبی بنیاد پر ایک تیسرے فرقے نے جنم لیا، یعنی وہابیت کی تخم کاری ہوئی۔ گویا کہ اب تین فرقے ہوگئے ۔ا۔سنی ۔۲۔شیعہ۔۳۔وہابی ۔(۱۸۵۷ء کے بعد کی جتنی بھی نومولود جماعتیں ہیں وہ سب شجر وہابیت کی شاخیں ہیں)............پھر کیا ہوا تفصیل کے گل وخار سے ابھی ابھی آپ اصل باب میں گذرے ہیں۔مختصر یہ کہ تمام معمولات محبت پر،مراسم عقیدت پر شرک و بدعت کی سیاہی پوتنے کی کوشش کی گئی، نشانات الفت کو مٹانے اور چراغ راہِ منزل کو بجھانے کی تحریک شروع ہوگئی۔ ہر وہ چیز جس سے عظمت مصطفیٰ کا سراغ ملتا تھا حرام و کفر کہہ کر شجر ممنوعہ قرار دیدی گئیں۔۱۸۵۷ء تک نجدی نظریہ افتاں خیزاں ،گرتے پڑتے آگے بڑھنے پھلنے پھولنے کی کوشش کرتا رہا۔۱۸۵۷ء کے بعد اس نے خوب فروغ پایا جب پورے ملک میں انگریزوں کی حکمرانی کا پرچم لہرانے لگا۔ انگریزوں نے تقویۃ الایمان کا انگریزی ترجمہ کروا کر پورے ملک میں بلا قیمت اس کو تقسیم کروایا۔اس طرح آسانی کے ساتھ تقویۃ الایمان کے مضمرات کے قریب خاص و عام کو آنے کا موقع میسر آیا۔ چوں کہ اس جدید نظریہ کے حاملین ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے اور یہاں کے مسلمان شروع ہی سے تقلید کے عادی تھے اس لئے موقع کی مصلحت سے اس میں دو گروہ ہوگئے ،مقلد، غیر مقلد،تقلید کی بنی بنائی ساز گار فضا تھی لہٰذا وہ گروہ زیادہ کامیاب رہا جس نے تقلید کے لبادے میں اپنے آپ کو پیش کیا......انیسویں صدی ختم ہوتے ہوتے کئی کتابیں سامنے آئیں جن میں افکار تو وہی تھے البتہ الفاظ و انداز جداگانہ، اگر آپ کو میری اس بات میں ذرہ برابر بھی شک ہو تو تقویۃ الایمان ،صراط مستقیم ،رسالہ یکروزی اور جلاء العینین پڑھنے کے بعد،تحذیر الناس،حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا مطالعہ کرڈالئے۔میرے جملوں کی صداقت سر چڑھ کر بولے گی۔۱۸۵۷ء کے تاریخی انقلاب

سے ایک سال پہلے ۱۸۵۶ء میں بریلی میں احمد رضا فکری انقلاب کا آفتاب بن کر طلوع ہوئے ۱۸۷۰ء یعنی صرف چودہ سال کی عمر میں تمام علوم دینیہ ، وعصریہ ،فنون اسلامیہ و سائنسیہ میں مہارت حاصل کر کے فراغت پائی اور اپنے بزرگوں کی امانت سینے میں چھپائے ، چودہ سو برس سے چلی آ رہی دینی سلسلۃ الذہب کی نورانی کڑیوں کو مضبوطی سے تھامے تصنیف و تالیف میں جٹ گئے، آپ نے ہر اس موضوع کو اپنی فکر و تحریر کا عنوان قرار دیا جسے وقت اور حالات نے چیلنج کر دیا تھا، آپ نے ہر اس نظریہ کے جواب میں کتابیں لکھیں جس سے کوئی نشان محبت مٹتا تھا یا جس سے متاع محبت کے گم ہو جانے کا اندیشہ تھا یا جس سے عظمت رسالت کے مجروح ہو جانے کا خطرہ تھا، یوں تو آپ کی ہزار کے قریب تصانیف میں سے ہر تصنیف قرآن و حدیث اور اقوال ائمہ و فقہاء کا شاندار مرقع ہے لیکن جب آپ نے دفاع پر قلم اٹھایا ہے اس وقت کی بات ہی کچھ اور ہے، نور و سرور کی پھلجھڑیاں چھوڑتا ہوا آپ کا قلم گذر گیا ہے۔ قلم کا وہ تیور دیکھنے کے لائق ہے۔ ہر وہ گلہائے عقیدت و محبت جسے انگریزی ریشہ دوانیوں نے ناجائز و خرافات کہہ کر مسل دیا تھا اپنی فکری قوت سے آپ نے اسے بچایا، ہر وہ بدعت جو مزاحم شریعت تھی اس کا قلع قمع کیا اور ہر وہ سنت جو مرور زمانہ سے مردہ ہو رہی تھی آپ نے زندہ فرمایا۔

جب سیاسی پلیٹ فارم سے اسلامیات کی روح مجروح کرنے کی تحریک چلی اور اس تحریک نے طوفان کی شکل اختیار کر لی امام احمد رضا نے اس وقت بھی خلاف شرع تحریکات کا پیچھا نہیں چھوڑا اور المحجۃ الموتمنہ لکھ کر سیاست دانوں کے اقدام میں لغزش ڈال دی......غرض کہ آپ کے دور میں جس محاذ سے بھی اسلام اور مقصد اسلام کو چیلنج کیا گیا تو آپ نے ہر محاذ پر دینی و عصری علوم کے دلائل سے اسلام کی حقانیت کو ثابت فرمایا۔ مذہب کے شبستان سے لے کر سیاست کے میدان تک، اور سیاست کے میدان سے لے کر سائنسی ایوان تک صرف احمد رضا نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے وجود کو خطرے میں ڈال کر

حالات کا رخ موڑا مگر بہرصورت کا شانۂ اسلام میں شگاف نہ پڑنے دیا معاصرانہ چشمک نے آپ کو مطعون بھی کیا، الزام واتہام کے نشتر سے بھی آپ کا دل گھائل کیا گیا حکومت کی حمایت کا سہارا لے کر پاؤں میں بیڑیاں ڈالوانے کی بھی سازش رچی گئی، جب علمی میدان میں لوگ نبرد آزمانہ ہوسکے تو یہ سب اوچھے حربے بھی استعمال کئے، اپنے ایک شعر میں درد دل کا اظہار یوں کرتے ہیں ۔

سنیت سے کھٹکے سبکی آنکھ میں
پھول ہوکر ہوگئے کیا خار ہم

مگر پھراپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے دل کی تسکین کا سامان بھی کرتے ہیں ۔

فصل گل ، سبزہ ، صبا ، مستی شراب
چھوڑیں کس دل سے در خمار ہم

آپ نے اپنے کردار وعمل سے یہ ثابت کر دیکھایا کہ دنیا کی ہر دولت، ہر نعمت ہم سے چھوٹ سکتی ہے مگر مصطفیٰ پیارے کی چوکھٹ کی نسبت نہیں چھوٹ سکتی۔ آپ کا خیال تھا کہ ۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

خلاصۂ کلام یہ کہ جب اکبر نے دین الٰہی کے نام سے مخالف دین تحریک چلائی تو خدا نے اپنے دین کی حفاظت فرمائی حضرت شیخ عبدالحق محقق دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی کے ذریعہ ۱۸۲۴ء میں جب گلش دین مصطفیٰ پر باد سموم کے جھونکے چلے، تو خدا نے اپنے دین یک حفاظت فرمائی علامہ فضل حق خیر آبادی کے ذریعہ اور جب بیسویں صدی میں ناموس رسول پر حملے ہوئے تو خدا نے اپنے دین کی حفاظت فرمائی امام احمد رضا کے ذریعہ۔

یہ بھی قسمت کی عجیب کرشمہ سازی ہے کہ اسلام کے نام پر اسلام کو اور مسلمانوں کے بھیس میں مسلمانوں کو جو اذیتیں پہونچائی گئیں ہیں اس کے سامنے تمام اذیتیں ہیچ ہیں،

تاریخ آشنا نگاہیں اس حقیقت سے نا آشنا نہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو جو نقصان ان مارہائے آستین سے پہونچا اس کے سامنے وہ نقصان ہیچ ہے جو تاتاریوں کی بربریت سے پہونچا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے مخلص و پاکباز بندوں کے ذریعہ سے اگر ان مدعیان اصلاح وتجدید کا راز فاش نہ کرتی تو معلوم نہیں ان کی کوششیں کیا کیا گل کھلاتیں...... علمائے حق کے مسلسل جہاد اور پیہم تگ و دو نے ہر دور میں اسلام و مسلمان کی آن بچائی ہے اور آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا ''ہر فرعونے راموسیٰ'' کے بمصداق مفسد ملت کی سرکوبی مصلح امت سے ہوتی رہے گی۔

حوالے

حضرت رضا بریلوی کا مذہبی ماحول

۱	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا خان	ص ۱۰۶،۱۰۷
۲	اجالا	پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۳۶،۳۷
۳	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا خاں	ص ۱۰۷
۴	// // //	// // //	ص ۱۰۸
۵	سوانح اعلیحضرت	مولانا محمد بدرالدین	ص ۱۹۰
۶	المیزان کا امام احمد رضا نمبر اپریل ۹۸ء		ص ۲۴۶

مزید معلومات کے درج ذیل کتب کا مطالعہ فرمائیں

(۱) ماہنامہ ترجمان اہلسنت کا جنگ آزادی نمبر۔ جولائی ۱۹۷۵ء...... (۲) انقلاب ۵۷ء کا دوسرا

رخ مرتبہ شیخ حسام الدین ......(۳)فضل حق خیر آبادی اور سن ۵۷ء ......حکیم سید محمود احمد برکاتی......(۴)خون کے آنسو، علامہ مشتاق احمد نظامی ......(۵)البریلویہ کا تنقیدی تحقیقی جائزہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری............(۶)امتیاز حق، راجا رشید محمود......(۷)تحقیق الفتویٰ علامہ فضل حق خیر آبادی۔(۸)زیروزبر............علامہ ارشد القادری

دوسرا باب

حضرت رضا بریلوی

سیرت و سوانح

☆............خاندان واجداد

☆............حالات وخدمات

☆............افکار ونظریات

☆............علمی وادبی نگارشات

☆............عالمی سطح پر پذیرائی وتاثرات

خاندان و اجداد

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کا خاندان ہمیشہ عزت وعظمت کا مفتخر نشان رہا ہے۔آپ کا تعلق پٹھانوں کے مشہور قبیلہ یوسف زئی سے تھا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

(۱)امام احمد رضا خاں،(۲)ابن علامہ نقی علی خاں،(۳)ابن امام العلماء رضا علی خاں،(۴) ابن حافظ کاظم علی خاں (۵)ابن محمد اعظم خاں (۶)ابن سعادت یار خان، (۷)ابن سعید اللہ خاں(شجاعت جنگ بہادر)

اس خاندان کے مورث اعلیٰ شہزادہ سعید اللہ خان صاحب ولی عہد حکومت قندھار کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔سوتیلی ماں کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے ولی عہدی کی جگہ حاصل کرنے کے سلسلے میں باپ بیٹوں میں اتنا نفاق کرادیا کہ شہزادہ سعید اللہ خاں صاحب ترک وطن پر مجبور ہو کر قندھار سے لاہور آ گئے۔لاہور کے گورنر نے دربار دہلی کو شہزادے کی آمد کی اطلاع دی۔اس کے جواب میں ان کی مہمان نوازی کا حکم ہوا اور لاہور کا شیش محل ان کی رہائش کے لئے عطا ہوا ان کی شاہی مہمان نوازی ہونے لگی،انہیں

اپنے مستقبل کے لئے کچھ کرنا ضروری تھا وہ جلد ہی دہلی آ گئے، چند ہی دنوں میں وہ فوج کے کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہو گئے۔ اور ان کے ساتھیوں کو بھی فوج میں مناسب جگہیں مل گئیں۔

جب روہیل کھنڈ میں کچھ بغاوت کے آثار نمودار ہوئے تو باغیوں کی سرکوبی ان کے سپرد ہوئی۔ اس بغاوت کے فرو کرنے کے بعد ان کو روہیل کھنڈ کے صدر مقام ''بریلی'' میں قیام کرنے اور امن و امان قائم رکھنے کا حکم ہو گیا۔ یہاں انہیں صوبہ دار بنا دیا گیا۔ جو گورنر کے مترادف ہے۔ آپ کی سیاسی بصیرت اور انتظامی صلاحیت نے شہنشاہ مغلیہ کو بڑا متاثر کیا۔ ان کو ایک جاگیر عطا ہوئی جو غدر ۱۸۵۷ء میں ضبط کر لی گئی۔ (۱)

(۲) سعادت یار خان (وزیر مالیات محمد شاہ، دہلی)

سعید اللہ خاں صاحب جب پیرانہ سالی کی وجہ سے ملازمت سے دستکش ہوئے تو انہوں نے اپنی آخری عمر یاد الٰہی میں متوکلانہ گذار دی۔ اس وقت ان کے صاحبزادے سعادت یا خاں وزیر دربار دہلی ہو چکے تھے۔ انہوں نے دہلی میں اپنی وزارت کی دو نشانیاں چھوڑیں۔

(۱) بازار سعادت گنج

(۲) اور سعادت خان کی نہر

ان کی مہر وزارت خاندان میں بہت دنوں تک محفوظ تھی۔ اپنے وقت کی باوقار ہستیوں میں آپ کا شمار تھا (۲)

(۳) محمد اعظم خاں

آپ سلطنت مغلیہ کی وزارت اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھے۔ بعد میں سلطنت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے، ترک دنیا فرمائی اور عبادت و ریاضت میں ہمہ وقت

مشغول رہنے لگے۔آپ کی ذات والاصفات سے قندھار کے دس خانوادے میں علم وفضل اوراد ووظائف کا بول بالا شروع ہوا۔آپ بریلی کے محلّہ معماران میں اقامت گزیں رہے وہیں آپ کا مزار پاک بھی ہے۔صاحب کرامت بزرگوں میں تھے۔(۳)

(٤)حافظ کاظم علی خاں

حافظ کاظم علی خاں شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے۔دوسوسواروں کی بٹالین آپ کی خدمت میں رہا کرتی تھی۔آپ کو سلطنت مغلیہ نے آٹھ گاؤں جاگیر میں پیش کیا تھا آپ کے عہد میں جب مغلیہ حکومت پر زوال کے آثار ظاہر ہوئے بغاوتوں کا شوراور خودمختاری کا زور بڑھنے لگا۔تو آپ لکھنؤ آ گئے۔اودھ کی سلطنت میں بھی نمایاں کارنامے انجام دیئے۔یہاں بھی جاگیریں عطا ہوئیں۔۱۸۵۴ء میں جب کانگریس نے دیہی جائیدادیں ضبط کیں تو یہ بھی ضبط کر لی گئیں۔(۴)

(۵)مولانا رضا علی خان

حضرت رضا بریلوی کے جدامجد حضرت مولانا رضا علی خاں اپنے زمانے کے بے مثل عالم اور ولی کامل گزرے ہیں۔آپ ہی کے وقت سے حکمرانی کا رنگ ختم ہوکر فقر و درویشی کا رنگ غالب آ گیا۔تلوار کی جگہ قلم نے لے لی۔اب اس خان دان کا رخ ملک کی حفاظت سے دین کی حمایت کی طرف ہوگیا۔وہ اپنے دور میں مرجع فتاویٰ رہے۔انہوں نے خطبۂ جمعہ وعیدین لکھے جو آج کل خطب علمی کے نام سے ملک بھر میں رائج ہیں۔آپ نے وہ خطبے اپنے شاگرد مولانا علمی کو دیدیئے۔البتہ خطب علمی میں اشعار مولانا علمی کے ہیں مولانا رضا علی خان کی علمی حیثیت کو ہندوستان کے معروف مورخ مولوی حکیم عبدالحئی لکھنوی متوفی ۱۳۱۴ھ نے اپنی مشہور تالیف نزہتہ الخواطر میں ان الفاظ میں سراہا ہے۔

"مولانا محمد رضا علی خانے ۲۳ ربرس کی عمر میں علوم منقولہ ومعقولہ

سے فراغت حاصل کی اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز ہوئے۔ اور
علم فقہ میں بڑی مہارت حاصل کی''

(نزہۃ الخواطر، ج ۷ ص ۱۷۹) (۵)

مولانا رضا علی خاں بریلوی حریت پسند تھے۔ اہلسنت کے علماء کی جانب سے جب انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں جہاد کا فتویٰ دیا گیا تو آپ نے نہ صرف فتویٰ کی حمایت کی بلکہ بھرپور جہاد میں حصہ لیا۔ (۶)

آپ ساحر البیان واعظ تھے، نرم کلامی، سبقت سلامی، زہد و قناعت حلم و تواضع، تحریر و تقریر آپ کی خصوصیات سے تھا............۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے ۲ / جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ کو رحلت فرمائی۔ (۷)

حضرت رضا بریلوی نے اپنے جد امجد مولانا رضا علی خاں بریلوی کی ولادت ختم درس، اور وصال کے متعلق جو تاریخیں کہی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

جدی کان عالما	لم یر مثله النظر	
قلت فکیف تهتدی	قال رضاء نا القمر	۱۲۲۴ھ
قلت ختام درسه	قال اخار الدرر	۱۲۲۴ھ
قلت فعام نقله	قال محجد اعز	۱۲۸۲ھ

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیهم ولاهم یحزنون ۱۲۸۲ھ (۸)

(۶) مولانا نقی علی خان:

آپ ہی کو اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی کے والد گرامی ہونے کا شرف حاصل ہے، ماہ رجب ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰ء محلہ ذخیرہ بریلی شریف میں پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد امام العلماء حضرت مولانا رضا علی خان سے علوم دینیہ کی تحصل و تکمیل کی۔ ۱۲۹۴ھ

۱۸۷۷ء میں اپنے فرزند ارجمند حضرت رضا بریلوی کے ساتھ حضرت مولانا شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں حضرات شرف بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ نے تمام سلاسل جدیدہ وقدیمہ کی اجازت و خلافت اور حدیث کی سند عطا فرمائی۔ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں حرمین شریفین کی زیارت اور حج کی سعادت حاصل کی اسی موقع پر حضرت سید احمد زینی دحلان سے تبرکاً سند حدیث حاصل کی۔ (۹)

آپ کے مختصر حالات حضرت رضا بریلوی ''رسالہ جواھر البیان فی اسرار الارکان'' میں تحریر کئے ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

> ''جو دقت انظار، وحدت افکار، حضرت حق جل وعلا نے انہیں عطا فرمائی ان دیار وامصار میں اس کی نظیر نظر نہ آئی، عقل معاش ومعاد دونوں کا بروجہ کمال اجتماع بہت کم سنا۔ یہاں آنکھوں سے دیکھا ....اس ذات گرامی کو خالق عزوجل نے سلطان رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیہ کی غلامی وخدمت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداء پر غلظت وشدت کے لئے بنایا تھا۔ (۱۰)

حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر کے نبیرہ نواب نیاز احمد خاں ہوش فرماتے ہیں۔

> ''اکثر اشخاص کو تعلیم علم کا شوق دلاتے ہیں، اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف فرماتے ہیں، ہنگام کلام علوم کا دریا بہہ جاتا ہے۔ العالم اذا تکلم فھو بحر یموج کا مضمون انہیں کی ذات پر صادق آتا ہے۔

> کیا عجب مدرسہ علم میں اس عالم کے
> شمس آکر سبق شمسیہ پڑھتا ہو اگر (۱۱)

آپ کثیر التصانیف بزرگ گذرے ہیں، آپ کی ہر تصنیف آپ کے تبحر علمی کا

منھ بولتا ثبوت ہیں، انداز بیان ناصحانہ اور دلنشیں ہے، پرسوز لب ولہجہ قاری کے دل ودماغ دونوں کو اپیل کرتا ہے، آپ کی پچیس تصانیف میں سے دو ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' اور ''الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح'' نے خاصی شہرت پائی۔ انگریزی اقتدار کی بیخ کنی کے لئے علمائے اہلسنت نے جو کمیٹی بنائی تھی۔ آپ اس کے فعال رکن تھے، انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے اور دیگر سامان پہنچانے کی ذمہ داری آپ کے سپرد تھی، جس کو آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔

(حیات مفتی اعظم ہند، مرزا عبدالوحید بیگ ص ۳۷)(۱۲)

آپ کے تلامذہ کے اسمائے گرامی معلوم نہ ہو سکے لیکن صرف آپ کے فرزندان ارجمند امام احمد رضا محدث بریلوی، مولانا حسن رضا بریلوی، اور مولانا محمد رضا بریلوی کے نام ہزاروں شاگردوں کی فہرست پر بھاری ہیں۔ حضرت رضا بریلوی اپنے والد اور جد امجد کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے۔

''احمد ھندی رضا ابن نقی ابن رضا''

۵۱ برس پانچ مہینہ کی عمر میں ذی القعدہ ۱۲۹۷ھ میں انتقال فرمایا۔

آپ کی ولادت ووفات پر حضرت رضا بریلوی نے جو مادہ ہائے تاریخ نکالے ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱)..................نقی الشاب علی الشان ۱۲۴۶ھ

(۲)..................ھو اجل محققی الافاضل.................. ۱۲۴۶ھ

(۳)..................ان موتته العالم موتته العَالم............ ۱۲۹۷ھ

(۴).................. خاتم اجل الفقھا ۱۲۹۷ھ (۱۳)

(۷) والدہ :

حضرت رضا بریلوی کی والدہ مغلیہ خاندان کی بڑی غیور، انتہائی ہوشمند خاتون

تھیں، مولانا نقی علی خاں اپنے خاندان و احباب میں سلطان عقل مشہور تھے، اور اعلیٰ حضرت کی والدہ وزیر عقل کہلائیں (۱۴) ....

آپ کی چھ اولاد ہوئی، تین صاحبزادے۔(۱) حضرت مولانا احمد رضا خاں (۲) حضرت حسن رضا خاں (۳) حضرت محمد رضا خاں، اور تین صاحبزادیاں تھیں۔(۱۵)

(۸) مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی

آپ حضرت رضا بریلوی کے برادر اوسط ہیں۔ ۱۹/ اکتوبر ۱۸۵۹ء مطابق ۲۶/ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے آپ اپنے وقت کے جید عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تصانیف کثیرہ اور اپنے عہد کے معروف و مقبول شاعر بھی تھے۔ کالی داس گپتا رضاء لکھتے ہیں......

''نعت گوئی میں اپنے برادر بزرگ مولوی احمد رضا خاں سے مستفیض ہیں۔ اور عاشقانہ رنگ میں بلبل ہندوستان داغ دہلوی سے تلمذ تھا''(۱۶) ....

مولانا حسرت موہانی تحریر فرماتے ہیں ہیں...

> ''شعر و سخن کا شوق حضرت حسن کو ابتدا ہی سے تھا کچھ روز تک بطور خود مشق کرتے رہے اس کے بعد مرزا داغ کو اپنا کلام دکھانا شروع کر دیا اور ایک مدت تک رام پور میں رہ کر استاذ کے گلشن سخن سے گلچینی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ بجائے خود استاد مستند قرار پائے''۔(اردوئے معلیٰ، علی گڑھ)(۱۷)

مولانا حسن رضا بریلوی کا پوری دنیائے سنیت پر یہ عظیم احسان ہے کہ انہوں نے اپنے برادر معظم حضرت رضا بریلوی کی تمام داخلی و خارجی ذمہ داری اپنے سر لے کر اپنے بھائی کو ہمیشہ افکار دنیا سے محفوظ رکھا۔ امام احمد رضا نے جو عظیم علمی سرمایہ چھوڑا ہے اس میں

حضرت حسن بریلوی کا جذبۂ خلوص شامل ہے۔تزک مرتضوی، نگارستان لطافت، بے موقع فریاد کا مہذب جواب، آئینہ قیامت، دین حسن، وسائل بخشش، مثنوی، ذوق نعت، ثمر فصاحت، صمصام حسن، آپ کی چند مشہور و مقبول کتابیں ہیں۔

جس میں ''ذوق نعت'' آسمان شہرت کا روشن ستارہ معلوم ہوتی ہے۔اس کتاب کی طباعت اول کے وقت حضرت رضا بریلوی نے منظوم داد تحسین پیش فرمائی، چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

قوت بازوئے من ، سنی نجدی فگن
حاج وزائر حسن ، سلمہ ذوالمنن
نعت چہ رنگین نوشت شعر خوش آئیں نوشت
شعرگو دیں نوشت دور زہر ریب وظن
کلک رضا سال طبع گفت بہ افضال طبع (۱۳۲۶)
زآنکہ ز اقوال طبع کلک بود نغمہ زن

علم وفضل کے بیش بہا موتی لٹا کر شعر و سخن کی زلف برھم سنوار کر ۱۳۲۶ھ میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔(۱۸)

(۹) مولانا محمد رضا خاں

حضرت رضا بریلوی کے برادر اصغر مولانا محمد رضا خاں کا تفصیلی ذکر تذکروں میں نہیں ملتا۔تاہم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ علوم دینیہ کے ماہر عالم اور مفتی ہوئے ہیں۔ امام احمد رضا جیسے نابغۂ روزگار، عبقری شخصیت کا علم فرائض کے تعلق سے آپ پر اعتماد کر لینا ہی ان کے علم وفضل کی بلندی کے لئے سند افتخار ہے۔

حضرت ملک العلماء فرماتے ہیں۔

''فرائض کا مسئلہ زیادہ تر حضرت مولانا مولوی محمد رضا علی خاں صاحب عرف

ننھے میاں کے حوالے ہوتا''(۱۹)

آپ کی اکلوتی بیٹی کا نکاح حضرت رضا بریلوی نے اپنے چھوٹے فرزند مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں سے کیا تھا۔(۲۰)

حوالے

خاندان و اجداد

۱	سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات	مولانا حسنین رضا خاں	ص ۴۰
۲	//	//	ص ۴۱
۳	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا خاں	ص ۱۱۶
۴	سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات	مولانا حسنین رضا خاں	ص ۴۱
۵	معارف رضا ج13	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی	ص ۱۹۷
۶	//	//	ص ۱۹۷
۷	المیزان کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۱۹۸۹ء.......................	ص ۵۹۶
۸	حیات مولانا احمد رضا	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۸۵
۹	مقدمہ سرور القلوب	بحوالہ تذکرہ علمائے ہند	ص ۵۳۰
۱۰	حیات اعلیٰحضرت	ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری ج1	ص ۶-۷
۱۱	تقریظ سرور القلوب	مولانا نقی علی خاں	ص ۴
۱۲	معارف رضا ج ۱۳	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی	ص ۱۹۹
۱۳	حیات اعلیٰحضرت ج ۱	ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری	ص ۱۰
۱۴	سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات	مولانا حسنین رضا خاں	ص ۵۴
۱۵	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا خان	ص ۱۱۸
۱۶	قاری دہلی کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۱۸۸۹ء	ص ۴۵۶
۱۷	حسن بریلوی نمبر، ماہنامہ سنی دنیا بریلی	اگست ۱۹۹۴	ص ۷

۱۸	معارف رضاج ۱۳	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی	ص ۲۰۰
۱۹	حیات اعلیٰحضرت ج ۱	ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری	ص ۶۸
۲۰	//	//	ص ۱۸

حالات و خدمات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی

آپ اپنے شہر بریلی کے محلّہ جسولی میں اپنے آبائی مکان میں دس شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ، وقت ظہر مطابق ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء پیدا ہوئے۔ اپنا سن ولادت اس آیت کریمہ سے آپ نے استخراج فرمایا۔

اولٰئک کتب فی قلوبهم الایمان و ایدهم بروح منه

۱۲ ھ ۷۲

حسن اتفاق کہ اس وقت آفتاب منزل غفر میں تھا جو اہل نجوم کے نزدیک بہت ہی مبارک ساعت ہے اسی کی طرف آپ نے اپنے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے۔ ؎

دنیا ہزار ، حشر جہاں ہیں غفور ہیں
ہر منزل اپنے ماہ کی منزل غفر کی ہے (۱)

اسم گرامی

آپ کا پیدائشی نام محمد ہے اور تاریخی نام المختار (۱۲۷۲ھ) جد امجد مولانا رضا علی

خاں علیہ الرحمہ (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) نے آپ کا نام احمد رضا تجویز فرمایا، جس نام سے آپ مشہور ہیں، بعد میں آپ نے اپنے اسم شریف کے ساتھ عبدالمصطفیٰ کا اضافہ فرمایا، اپنے نعتیہ دیوان میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ؎

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفےٰ
تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

بسم اللّٰہ خوانی

یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ بسم اللہ خانی کس عمر میں ہوئی لیکن اس قدر یقین ہے کہ بہت کم عمری میں ہوئی ہوگی اس لئے کہ چار سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ناظرہ ختم کرلیا تھا، بسم اللہ خوانی کے وقت عجیب واقعہ پیش آیا، استاد نے بسم اللہ کے بعد، الف، با ،تا، ثا جس طرح پڑھایا جاتا ہے پڑھایا آپ پڑھتے رہے۔ جب لا (لام، الف) کی نوبت آئی تو آپ خاموش رہے استاد نے دوبارہ کہا میاں ''لام الف'' آپ نے فرمایا یہ دونوں حرف تو پڑھ چکے۔ اب یہ دوبارہ کیوں؟ جد امجد مولانا رضا علی خاں موجود تھے بولے بیٹے استاد کا کہا مانو حضرت نے تعمیل کی اور جد امجد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، وہ فراست سے سمجھ گئے کہ بچے کو شبہ ہو رہا ہے کہ حروف مفردہ میں ایک مرکب لفظ کیسے آ گیا فرمایا بیٹا شروع میں تم نے جو الف پڑھا ہے وہ دراصل ہمزہ ہے اور یہ درحقیقت الف ہے۔ لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتداء ناممکن ہے۔ اس لئے ایک حرف یعنی لام اول میں ملا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے، آپ نے عرض کیا تو پھر کوئی ایک حرف ملا دینا کافی تھا۔ لام کی کیا خصوصیت ہے، جد امجد نے فرمایا لام اور الف میں صورۃً سیرۃً مناسبت خاص ہے ظاہراً لکھنے میں بھی دونوں کی صورت میں ایک سی ہوتی ہے ۔(لا یا لا) اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے، یعنی یہ اس کے بیچ

میں ہے وہ اس کے بیچ میں۔ گویا۔ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری (۲)

تعلیم وتربیت

رسم بسم اللہ خوانی کے بعد اعلیٰ حضرت کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری ہوگیا چار برس کی ننھی سی عمر میں جب دوسرے بچے اپنے وجود سے بھی بےخبر رہتے ہیں۔ قرآن مجید ناظرہ ختم کرلیا۔ چھ سال کی عمر میں ربیع الاول شریف کے جلسے میں بہت بڑے مجمع سے خطاب کیا۔ (۳)

آپ زبردست قوت حافظہ کے مالک تھے ایک بار جو کتاب دیکھ لیتے دوبارہ دیکھنے کی نوبت نہ آتی۔ مضمون ہمیشہ کے لئے حافظہ میں محفوظ ہوجاتا۔ خود فرماتے ہیں۔

"میرے استاد جن سے میں ابتدائی کتاب پڑھتا تھا جب مجھے سبق پڑھادیا کرتے ایک دو مرتبہ دیکھ کر کتاب بند کردیتا۔ جب سبق سنتے تو حرف بحرف لفظ بہ لفظ سنادیتا روزانہ یہ حالت دیکھ کر سخت تعجب کرتے ایک دن مجھ سے فرمانے لگے "احمد میاں" یہ تو کہو تم آدمی ہو یا جن۔ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔" (۴)

چھ برس ہی کی عمر میں آپ نے معلوم کرلیا تھا کہ بغداد شریف کدھر ہے۔ پھر اس وقت سے دم آخر تک بغداد شریف کی جانب پاؤں نہیں پھیلایا۔ ترجمان شمارہ پنجم تا دہم ص ۹۰

شان مطالعہ:

آپ کی امتیازی خصوصیات سے ہے کہ جو کتاب پڑھتے یا زیر مطالعہ رکھتے اس پر

حسب ضرورت حاشیہ بھی تحریر فرماتے جاتے.................لکھتے ہیں...........

''حاشیہ نویسی کا سلسلہ زمانۂ طالب علمی سے اب تک جاری ہے کیوں کہ اس وقت میرا یہ دستور رہا کہ جب کوئی کتاب پڑھی اگر وہ میری ملک میں ہے تو اس پر حواشی لکھدیئے۔ اگر اعتراض ہوسکتا ہے تو اعتراض لکھ دیا۔ اور اگر مضمون پیچیدہ ہے تو اس کی پیچیدگی دور کردی (۱) مسلم الثبوت، (۲) صحیح بخاری کے نصف اول۔ (۳) صحیح مسلم (۴) جامع ترمذی (۵) رسالہ قطبیہ (۶) امور عامہ (۷) اور شمس بازغہ (۸) پر اکثر حواشی اس وقت لکھے جب کہ طلب علم کے زمانے میں اپنے سبق کے لئے مطالعہ کرتا تھا۔ (۵)

جامع العلوم

حضرت رضا بریلوی نے جن علوم وفنون کی تحصل اپنے اساتذہ اور ذاتی مطالعہ سے کی ان کی تعداد بقول ان کے ۵۹ ہے۔ یہ تمام تفصیلات حضرت رضا بریلوی نے اس عربی سند اجازت میں دی ہے جو انہوں نے حافظ کتب حرم شیخ اسماعیل خلیل مکی کو ۱۳۲۴ھ میں عطا کی۔ رضا بریلوی نے اس میں اپنے مندرجہ ذیل علوم وفنون کا ذکر کیا ہے۔

(۱) علم قرآن، (۲) علم حدیث، (۳) اصول حدیث، (۴) فقہ حنفی، (۵) کتب فقہ جملہ مذاہب، (۶) اصول فقہ، (۷) جدل مہذب، (۸) علم تفسیر، (۹) علم العقائد و الکلام، (۱۰) علم نحو، (۱۱) علم صرف، (۱۲) علم معانی، (۱۳) علم بیان، (۱۴) علم بدیع (۱۵) علم منطق، (۱۶) علم مناظرہ، (۱۷) علم فلسفہ، (۱۸) علم تکسیر، (۱۹) علم ہیأۃ، (۲۰) علم حساب، (۲۱) علم ہندسہ،

مندرجہ بالا اکیس علوم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''یہ اکیس علوم ہیں جنہیں میں نے اپنے والد قدس سرہ الماجد سے حاصل کیا۔''

ان علوم وفنون کے بعد مندرجہ ذیل دس علوم وفنون کا ذکر کرتے ہیں۔

(۲۲) قرأت، (۲۳) تجوید، (۲۴) تصوف، (۲۵) سلوک، (۲۶) اخلاق، (۲۷) اسماء الرجال، (۲۸) سیر، (۲۹) تاریخ، (۳۰) لغت (۳۱) ادب مع جملہ فنون۔ ان دس علوم کے بارے میں لکھا ہے۔

میں نے اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھا پر نقاد علماء کرام سے مجھے ان کی اجازت حاصل ہے۔ پھر ان علوم وفنون کا ذکر کیا۔

(۳۲) ارثماطیقی، (۳۳) جبر ومقابلہ، (۳۴) حساب سیتی، (۳۵) لوغارثمات، (۳۶) علم التوقیت، (۳۷) مناظر ومرایا، (۳۸) علم الاکر، (۳۹) زیجات، (۴۰) مثلث کردی، (۴۱) مثلث مسطح، (۴۲) ہیئات جدیدہ، (۴۳) مربعات، (۴۴) جفر، (۴۵) زائرجہ، (۴۶) نظم عربی، (۴۷) نظم فارسی، (۴۸) نظم ہندی، (۴۹) نثر عربی، (۵۰) نثر فارسی، (۵۱) نثر ہندی، (۵۲) خط نسخ (۵۳) خط نستعلیق (۵۴) حساب، (۵۵) ہیئت، (۵۶) ہندسہ (۵۷) تکسیر (۵۸) نثر اردو (۵۹) نظم اردو

مندرجہ بالا ۵۹ علوم وفنون کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''اللہ کی پناہ میں نے یہ باتیں فخر اور خواہ مخواہ کی خودستائی کے طور پر بیان نہیں کیا ہے بلکہ منعم کریم کی عطا فرمودہ نعمت کا ذکر کیا ہے''۔

ان ۵۹ علوم وفنون میں سے ۲۸ سے متعلق لکھتے ہیں کہ

''محض رب تعالیٰ کے الہامی فیض سے حاصل کیا ہے۔'' (۶)

پروفیسر مجید قادری اپنے مقالہ ''قرآن، سائنس اور امام احمد رضا'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''امام احمد رضا محدث بریلوی جن کو تمام علوم وفنون (عقلیہ ونقلیہ/ جدیدہ وقدیمہ) میں ۵۵/ سے زیادہ علوم وفنون پر مکمل دسترس حاصل تھی، راقم الحروف نے علوم جدیدہ کے حوالے سے جو کتب و رسائل اور فقہی مسائل میں جدید علوم کے جزئیات مطالعہ کئے ہیں۔ اس سے مزید مندرجہ ذیل علوم وفنون کی شاخوں کا اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح آپ کے علوم وفنون کی تعداد ۷۰/ تک جا پہنچی ہے۔

(۱) علم طبیعات، (۲) علم صوتیات، (۳) علم نور، (۴) علم کیمیا، (۵) علم طب، (۶) علم الادویہ (۷) علم معاشیات، (۸) علم اقتصادیات، (۹) علم تجارت (۱۰) علم شماریات، (۱۱) علم ارضیات (۱۲) علم جغرافیہ، (۱۳) علم سیاسیات، (۱۴) علم بین الاقوامی امور، (۱۵) علم معدنیات، (۱۶) علم اخلاقیات''......(۷)

جناب سید ریاست علی قادری نے ایک سو پانچ علوم وفنون کا تعارف اور فہرست پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو معارف رضا ۱۹۹۱ء شمارہ یازدہم ص ۲۳۵-۲۳۴

اور حیرت یہ ہے کہ حضرت امام بریلوی نے ان تمام علوم وفنون میں قلمی یادگار چھوڑا ہے۔ کسی بھی علم وفن کو آپ نے تشنۂ تحریر نہیں رہنے دیا۔ جدید علوم وافکار کے حاملین وماہرین کی تجسس وتتبع کا سلسلہ جاری ہے۔ جس سے علم وفن کی اس تعداد میں مزید اضافے کے امکانات روشن ہیں۔

سال فراغت

حضرت رضا بریلوی اپنی بے نظیر ذکاوت اور محیر العقول ذہانت کی وجہ سے بہت جلد علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل وتکمیل سے فارغ ہو گئے۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں۔

''میں نے جب پڑھنے سے فراغت پائی اور میرا نام فارغ التحصیل

علماء میں شمار ہونے لگا یہ واقعہ نصف شعبان ۱۲۸۶ھ کا ہے اس وقت میں تیرہ سال، دس ماہ پانچ دن کا تھا۔ اسی روز مجھ پر نماز فرض ہوئی تھی اور میری طرف شرعی احکام متوجہ ہوئے تھے"۔ تاریخ فراغت کلمۂ غفور"۱۲۸۶ اور "تعویذ ۱۲۸۶" ہے۔ (۸)

اساتذہ

جن حضرات سے آپ نے اکتساب علم کیا یا سند حدیث وفقہ حاصل کی ان کی تعداد صرف ۸ رہے جو یہ ہیں۔

(۱) شاہ آل رسول مارہروی .... (۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء)
(۲) مولانا محمد نقی علی خان .... (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء)
(۳) شیخ احمد بن زین دحلان مکی .... (م ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)
(۴) شیخ عبدالرحمان سراج مکی .... (م ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء)
(۵) شیخ حسین بن صالح .... (۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء)
(۶) مولانا عبدالعلی رام پوری .... (م ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء)
(۷) شاہ ابوالحسین احمد النوری .... (م ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء)
(۸) مرزا غلام قادر بیگ .... (م ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء)

حیرت انگیز قوت حافظہ

حضرت محدث سورتی، پیلی بھیتی سے آپ نے عقود الدریہ مطالعہ کو لی، شب سے لے کر صبح تک دو جلدوں کا مطالعہ فرمایا۔ حضرت محدث صاحب کے پوچھنے پر کہ کیا ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہو گیا تو آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دو تین

مہینے تو تک جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی فتاویٰ میں لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ عمر بھر کے لئے محفوظ ہوگیا۔(۹)

تصنیف و تالیف

امام احمد رضا بریلوی پونے چودہ سال کی عمر میں جب علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور سند و دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے (۱۴/شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ) اسی دن رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا۔ اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ اس دن سے آخر عمر تک آپ مسلسل لکھتے رہے اور اپنی تصنیفات کا عظیم انبار اور گرانقدر سرمایہ امت مسلمہ کو دے گئے۔ آج جب کہ آپ کے وصال کو پون صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے ابھی تک آپ کی تمام تصانیف چھپ کر منظر عام پر نہ آسکیں۔ الدولۃ المکیہ (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء) میں خود امام احمد رضا نے اپنی تصانیف کی تعداد دو سو سے زائد بیان کی۔ آپ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا نے حاشیہ میں وضاحت فرمائی۔ ''یعنی وہابیہ کے رد میں ورنہ بحمداللہ تعالیٰ چار سوئے زائد ہیں''۔ (الدولۃ المکیہ ص ۱۱/امام احمد رضا) ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں مولانا ظفرالدین بہاری نے ایک فہرست المجمل المعدد لتالیفات المجدد ترتیب دی۔ جس میں ۳۵۰/ تصانیف کا اجمالی تذکرہ کیا۔ اور ساتھ ہی یہ تصریح فرمادی ''میں نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں۔ بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقراء میں میرے پیش نظر ہیں۔ فضل خدا سے امید واثق کہ تفحص تام۔ اور تمام قدیم و جدید بستوں پر نظر عام کی جائے تو کم و بیش پچاس رسالے اور نکلیں (المجمل المعدد) مجلس رضا لاہور ص ۴، ۱۹۳۸/ میں مولانا ظفرالدین بہاری نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' لکھی اس میں وہ فرماتے ہیں ''اعلیٰحضرت کی تصانیف چھ سو سے زائد ہیں''۔(۱۰)

ملک العلماء مولانا محمد ظفرالدین بہاری کے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار الدین آرزو، علی گڈھ تحریر فرماتے ہیں۔

''۱۹۴۴ء میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے مسودات درست کئے جائیں مفتئ اعظم مولانا مصطفٰی رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۱ء) کے اصرار پر ملک العلماء بریلی تشریف لے گئے اور تین ماہ وہاں رہ کر بہت محنت وتوجہ سے منتشر مسودات مرتب کئے۔''(۱۱)

۱۹۴۴ء کے اسی مرتب مسودات کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں۔اب تصانیف کی تعداد ایک ہزار کے قریب پہنچتی ہے جو پچاس سے زائد علوم وفنون پر مشتمل ہیں (۱۲) جناب سید ریاست علی قادری لکھتے ہیں۔

'' پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب (پرنسپل گورنمنٹ ڈگری سائنس کالج ٹھٹھ سندھ پاکستان) نے اپنی تصانیف ''حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی'' میں ۸۴۴ کتب وحواشی کا تذکرہ کیا ہے۔ موصوف ''ببلو گرافیکل انسائیکلوپیڈیا آف امام احمد رضا خاں'' ترتیب دئے ہیں۔جو تکمیل کے آخری مرحلے میں ہے''۔(امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری ص ۷) (۱۳) ان متعدد روایات پر مبنی فہرست کتب کی روشنی میں علامہ عبدالحکیم شرف قادری یہ مبنی پر حقائق تبصرہ ثبت قرطاس کرتے ہیں۔

''ان حالات میں ہم دعویٰ سے یہی کہہ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کی تصانیف ورسائل کی تعداد آٹھ سو چوالیس ہے تاوقتیکہ اس سے زیادہ نگارشات کی فہرست سامنے نہ آجائے۔''(۱۴)

تجدید دین و ملت

حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان للّٰہ عــز و

جـل يبـعـث لهـذه الامت علی راس کل مأة سنة من يجدد لها دينها . (ابوداؤد شریف ج ثانی،ص ۲۴۱) یعنی ہر صدی کے ختم پر اس امت کیلئے اللہ تعالیٰ ایک مجدد ضرور بھیجے گا۔ جوامت کے لئے اس کا دین تازہ کردے۔اسلامی بولی میں مجدد اسے کہتے ہیں جو امت کو بھولے ہوئے احکام شرعیہ یاد دلائے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مردہ سنتوں کو زندہ فرمادے۔علمائے اسلام نے بیان فرمایا ہے کہ مجدد کے لئے ضروری ہے کہ ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول میں اس کے علم وفضل کی شہرت رہی ہو۔علماء کے درمیان اس کے احیاء سنت ازالۂ بدعت اور دیگر دینی امور و خدمت کا چرچا کیا جاتا ہو۔علمائے کرام کے بیان فرمودہ اصول کے مطابق چودہویں صدی ہجری کے جلیل القدر مجدد اعلیٰحضرت امام احمد رضا محدث بریلوی ہیں۔اس لئے کہ آپ کی ولادت ۱۰/ شوال ۱۲۷۲ھ میں اور وفات ۲۵/صفر ۱۳۴۰ھ میں ہوئی۔آپ نے تیرہویں صدی کا ۲۸ سال دو مہینہ بیس دن پایا۔جس میں آپ کے علوم وفنون،تالیف وتصنیف،درس وتدریس ،وعظ وتقریر،اصلاح وتبلیغ،کا شہرہ ہندوستان سے عرب تک پہنچ چکا تھا۔اور چودہویں صدی کا انتالیس سال ایک مہینہ ۲۵ دن پایا جسمیں اعانت سنت واماتت بدعت کے فرائض منصبی کو اس خوبی وکمال کے ساتھ آپ نے انجام دیا جو آپ کے مجدد ہونے کا بین ثبوت بن گیا۔حضرت محدث بریلوی کی مقدس زندگی کے کارناموں پر ایک نگاہ ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے پاک نے اپنے اس خاص بندے کو اپنے دین کی حمایت و اشاعت ہی کے لئے پیدا فرمایا تھا۔دین کی اصلاح وتبلیغ،اسلام کی نصرت وتجدید،سنیت کی حفاظت وصیانت ہی آپ کی زندگی تھی۔مقدس دین کی تجدید واحیاء کے فرض منصبی کو آپ نے جس خوبی کے ساتھ انجام دیا وہ آپ کی تصنیفات مقدسہ سے ظاہر ہے۔آپ نے پوری حیات اسلام وسنیت کی ترقی وتحفظ پر قربان کردی۔ملحدین مبتدعین مشرکین مرتدین کی طرف سے ہونے والے تمام حملوں کا محققانہ جواب دیا۔مصلحانہ دفاع فرمایا۔

آج دنیا میں جتنے بھی باطل فرقے ہیں ان میں سے کوئی مشہور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے رد میں آپ کی متعدد تصنیفات نہ ہوں اور جتنے بھی غلط مراسم و رواج ہیں ان میں کوئی غلط رسم و رواج ایسا نہیں ہے جسکی بیخ کنی کے لئے آپ نے قلمی جہاد نہ فرمایا ہو۔ اور کثیر تالیفات نہ پیش کی ہو۔ تجدید دین وملت کا وہ عظیم کارنامہ آپ نے انجام دیا کہ عرب وعجم کے مشاہیر فضلاء اکابر علماء نے بالاتفاق آپ کو چودہویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا۔ آپ کے تجدیدی بہت سے کارناموں میں ایک اذان کا خارج مسجد ہونا بھی ہے اذان کی یہ سنت (خارج مسجد ہونا) تو تقریباً مٹ چکی تھی۔ بے پناہ جدو جہد کر کے آپ نے اسے زندہ فرمایا آج جہاں کہیں بھی جمعہ کی اذان ثانی باہر ہورہی ہے آپ ہی کے مبارک فتویٰ پر عمل ہے۔[1]

[1] کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ مجدد ہونا محدث ہونے سے عظیم تر ہے اس لئے کہ مراتب میں محدث سے یہ اعلیٰ بلکہ آخری مرتبہ ہے۔ اپنے اس خیال پر وہ اتنے مصر ہیں کہ اعلحضرت کو محدث بریلوی کہنا ان کے زعم میں کسر شان ہے۔ ہر چند کہ مجددیت بہت ہی اعلیٰ اور بلند وبالا مرتبہ ہے تاہم محدثیت کی شان نہایت ممتاز ہے کتب اصول واسماء الرجال سے محدث کے لئے جتنے علوم ومعارف کا التزام نظر آتا ہے مجددین کی فہرست دیکھنے سے اتنے عوامل کا اہتمام نظر نہیں آتا اور یہ مسلمہ امور سے ہے کہ ہر فضیلت، علمی رسوخ ووثوق سے مشروط ہے۔ اعلحضرت کے کار تجدید واصلاح کا تنوع دیکھ کر اعلحضرت کو مجدد اعظم کہا جارہا ہے تو علم حدیث میں آپ کی مہارت وممارست دیکھ کر حضرت محدث کچھوچھوی نے آپ کو امیر المومنین فی الحدیث کہا ہے۔ یہ وہ اعظم لقب ہے جو متقدمین میں سب سے پہلے امام بخاری کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اوران کے بعد غالباً صرف، حضرت عبداللہ ابن مبارک کے لئے اوراب دور متاخرین میں اعلحضرت امام احمد رضا کے لئے۔ دوسری چیز یہ کہ اگر صفت مجددیت صفت محدثیت سے عظیم ہوتی تو "امام اعظم" حضرت امام شافعی کو ہونا چاہئے نہ کہ حضرت امام ابوحنیفہ کو اس لئے کہ وہ دونوں صفتوں سے متصف تھے اور یہ صرف صفت محدثیت سے، مگر ایک صفت کے باوصف "امام اعظم" ابوحنیفہ ہی ہیں۔ اور تیسری چیز یہ کہ اپنی متعلقہ منصبی ذمہ داریوں کے لحاظ سے بھی محدث، مجدد سے نمایاں ہوتا ہے۔ محدث، دین کے اصول اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس) میں سے دوسرے نمبر کے اصول یعنی "حدیث" کا عارف، شارح اور ناشر ہوتا ہے جب کہ مجدد کی خدمت تجدید واصلاح کے دائرہ سے متعلق ہونے کی وجہ کر عمومی درجے کی ہوتی ہے۔ حدیث کی خدمت میں درجہ خصوص پر فائز ہوکر امیر المومنین فی الحدیث کا منصب پالینا، تجدید و اصلاح کی خدمت کے مقابلے میں کہیں زیادہ سعادت عظمیٰ کا حامل ہے یہ وہ رتبہ ہے جہاں سے ہر رتبے کا قد بونا نظر آتا

ہے۔اور چوتھی چیز یہ کہ حدیث چونکہ اسلامیات کی دوسری ایسی بنیادی ماخذ ہے کہ دوسرے علوم وفنون کا سوتا بھی اسی سر چشمہ حکمت سے پھوٹتا ہے اس لئے بہت منظم منصوبہ کے تحت "نزھتہ الخواطر" میں یہ کہہ کر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی گئی کہ " کان قلیل البضاعت فی الحدیث وہ" (امام احمد رضا) حدیث میں کم استعداد رکھتے تھے،اس جملے کے دفاع میں ہمارے مقرروں مصنفوں نے زبان وقلم کے وہ جوہر دکھائے کہ امام احمد رضا کی حدیثی خدمات اظہر من الشمس ہو گئیں اور ان کی محدثانہ عظمت پر پے در پے کئی معرکتہ الآرا کتابیں مارکیٹ میں آ کر دعوت حق و انصاف دینے لگیں ۔دفاعی نقطۂ نظر سے آج بہت ضروری ہے کہ امام احمد رضا کی محدثانہ شان کو زبان وقلم سے اجاگر کیا جائے انہیں محدث بریلوی بولا اور لکھا جائے۔ پانچویں چیز یہ کہ شاید خیال مذکورالصدر کے حاملین، مجتہد اور مجدد میں معمولی لفظی مشابہت کی وجہ سے دونوں کو ایک سمجھتے ہیں، یا مجددانہ اوصاف اور مجتہدانہ بصیرت کو ہم پلہ وہم معنی، جب کہ مفہوم ومقصود کے اعتبار سے دونوں میں بعدالمشرقین ہے، میں سمجھتا ہوں اپنی اسی خوش فہمی کی وجہ سے وہ مجدد کو محدث سے اعلیٰ سمجھتے ہیں، حالانکہ جس طرح اس میں کوئی شک نہیں کہ مجتہد کا مقام محدث سے اوپر ہے اسی طرح اس میں بھی کوئی دورائے نہیں کے مجدد کا مقام محدث سے نیچے ہے، ایسے میں جو لوگ اعلیٰحضرت کو مجدد ہی کہنے اور کہلوانے پر اٹل ہیں اور محدث کی اصطلاح سے ناگواری کی حد تک بیزاری کا اظہار کرتے ہیں وہ خود فیصلہ کریں کہ اپنے ممدوح کے ساتھ کتنا علمی اور اعتقادی انصاف کر رہے ہیں۔ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ بحیثیت مجدد ایک طرف اعلیٰحضرت مقام سدرۃ المنتہیٰ پر فائز ہیں تو بحیثیت محدث دوسری طرف مقام عرش معلیٰ پر۔۔۔

چھٹی چیز یہ کہ اگر ظاہری معنی پر محمول کیا جائے تو خود بانیء اسلام علیہ الصلاۃ السلام کا ارشادِ گرامی اس مبحث کے ترکش کا آخری تیر ہے۔''حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جتنے انبیائے اکرام علیہم السلام دنیا میں مبعوث ہوئے ہر نبی کی اُمت میں ایک محدث ضرور ہوا ہے۔اور اگر کوئی محدث میری اُمت میں ہے تو وہ عمر ہیں، صحابہء اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ محدث کیسا ہوتا ہے؟ تو حضور نے فرمایا جس کی زبان سے ملائکہ بات کریں وہ محدث ہوتا ہے۔''(خطباتِ محرم بحوالہ تاریخ الخلفاء)

ساتویں چیز جو اس بحث کے لئے آخری کیل ہے وہ خود مجدّدِ اعظم امام احمد رضاء محدث بریلوی کا یہ جملہ ہے کہ ''مجدّد کے لئے کم از کم مسلمان ہونا تو ضرور ہے''(فتاویٰ رضویہ ج۔۶ ص۔۸۱) حضرت محدث بریلوی کے اس جملے کو آپ چاہے جتنی بار پڑھیں اس منطقی نتیجہ پر پہنچینگے کہ مجدّد کے لئے صرف مسلمان ہونا بھی کافی ہے، یعنی انسان صرف مسلمان بھی ہو تو مجدّد ہوسکتا ہے لیکن انسان اگر صرف مسلمان ہو تو محدث ہرگز نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ بقول علاّمہ غلام رسول سعیدی ''حدیث کے معلم کو محدث کہتے ہیں''(تذکرۃ المحدثین، ص۔۳۸) اور حدیث کا معلم بننے کے لئے کن زہرہ گداز علمی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور اُن کی منصبی ذمہ داری کیسی نازک اور اہم ہوتی ہے اس تعلق سے حضرت سیّد میر عبدالواحد بلگرامی رقمطراز ہیں۔''وہ علماء جو دین کے راستوں پر چلتے ہیں اُن کے تین گروہ ہیں۔اوّل محدیثین، دوّم فقہاء، اور سوّم صوفیاء، اُن میں سے علماء حدیث قرآن شریف کے مطالب پر ملکہ پانے کے بعد رسول خدا ﷺ کے ظاہری قول وفعل میں اہتمام تام کو اختیار کرتے ہیں۔اور حق تو یہ ہے کہ یہی چیز دین اور اسلام کی بنیاد ہے، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا رسول جو تمہیں دے اسے لے لو اور

جن سے منع کرے اس سے باز رہو، پس وہ لوگ حدیث شریف کے سننے، اسکے نقل کرنے، اسکے لکھنے، صحیح کو ضعیف سے جُدا کرنے، آحاد، متواتر، اور مشہور حدیثوں میں فرق کرنے، اور حدیثوں کو قرآن شریف کے مطابق کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔(سبع سنابل شریف ص۔۴۹۔۵۰) خوب روشن ہو گیا کہ محدث، مجدّد سے بہت ہی بلند رتبہ والا اور اپنی شان میں نہایت ہی اولیٰ واعلیٰ ہوتا ہے۔حضرت کی اس تحریرِ پُر تنویر سے امام احمد رضا کی شانِ تجدید مزید جگمگا اٹھتی ہے کہ جب صرف مسلمان بھی مجدّد ہو سکتا ہے تو، جو اپنے دور کا عبقری محدث ہو وہ اگر مقام مجدّدیت پر بھی فائز ہو تو وہ یقیناً اپنے دور کا مجدّدِ اعظم ہوگا۔

هذاماظهرلی الآن لعل الله يحدث بعدذلک امرا

خدمت خلق

حضرت رضا بریلوی اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبلیغ و ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔اور علماء کرام ورثۃ الانبیاء ہیں۔اسی طرح اس پر بھی یقین کامل رکھتے تھے۔علماء کے ذمہ دو فرض ہیں۔ایک تو شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا۔دوسرا فرض مسلمانوں کو ان کی دینی باتوں سے واقف بنانا۔حضرت رضا بریلوی کی زندگی ان دونوں فرائض کا انمول ترین مرقع معلوم ہوتی ہے۔لوگوں کو دینی بات بتانے انوار شریعت اور افکار طریقت سے سجانے سنوارنے میں آپ نے اپنی زندگی صرف فرمادی خدمت خلق تو آپ کی زندگی کا روشن باب ہے۔اپنے عیش و آرام پر ہمیشہ آپ نے خدمت خلق کو ترجیح دی۔۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء کو پونے چودہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوئے۔اس دن سے اخیر عمر تک مسلسل یہ گرانقدر ذمہ داری ادا کرتے رہے۔آپ کا وصال ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء کو ہوا اس طرح آپ کی فتویٰ نویسی کا عرصہ سن ہجری کے اعتبار سے چون (۵۴) سال بنتا ہے اس چون سال میں ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے سوالات کے جوابات کمال دیانتداری سے دیتے رہے۔حیرت یہ ہے کہ کبھی ٹال مٹول یا پہلو تہی سے کام نہیں لیا نہ یہ

کہا کہ اس کا جواب پھر کسی وقت دوں گا۔اور نہ الفاظ جواب میں کبھی کوئی لفظ شک کا استعمال کیا۔ (۱۵)

شب وروز کی محنتہائے شاقہ سے طبیعت متاثر بھی رہتی تھی ۔، بخار، دردسر کوتو گویا آپ سے عقیدت تھی۔کئی بار زبردست علیل ہوئے۔جس کا ذکر الملفوظ شریف میں کئی جگہ ہے۔ایک علالت کے ذکر پر حضور مفتی اعظم ہند (شہزادہ اصغر حضرت رضا بریلوی)حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

'' اللہ اکبر کام اس حالت علالت میں بھی نہ چھوٹتا ۔ اسی مرتبہ کا واقعہ ہے کہ دوات سینۂ اقدس پر رکھوالی اور لیٹے لیٹے ہی تحریر فرمایا۔'' (۱۶)

ان تمام خدمات میں قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ کبھی بھی کسی سے کوئی فیس نہ طلب کی پوچھنے والوں نے آپ سے آپ کی فیس پوچھی بھی۔جو جواب آپ نے دیا ہے اس کی سطر سطر سے خلوص کے چشمے بہہ رہے ہیں۔ایک مسئلے کے جواب کے بعد رقمطراز ہیں۔

''یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی۔بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہندوستان و دیگر ممالک مثل چین، وافریقہ، امریکہ، وخود عرب شریف،وعراق سے استفتے آتے ہیں۔اور ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہوجاتے ہیں بحمد اللہ تعالیٰ حضرت جد امجد، قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے اکانوے برس اور خود فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے بعونہ تعالیٰ اکاون برس ہونے آئے یعنی اس صفر کی ۱۴؍تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گذرے۔اس نوکم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھ گئے۔بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاوی کے ہیں بحمد اللہ

تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا۔ بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد معلوم نہیں کون
لوگ ایسے پست فطرت، دنی ہمت ہیں جنہوں نے یہ صیغہ کسب کا
اختیار کر رکھا ہے۔ جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی
بار پوچھ چکے ہیں۔ کہ فیس کیا ہوگی بھائیو۔ **ما اسئلکم علیه من
اجر ان اجری الا علی رب العالمین** ۔ میں تم سے اس پر کوئی
اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے اگر وہ
چاہے۔ (۱۷)

نظام الاوقات

قوم کی ہر اہم ضرورت اور حاجت پر آپ کی نظر تھی۔ اور اسی اعتبار سے نسخے
تجویز فرمایا کرتے ان کی اس طرح کی بہت ساری خدمات میں سے نقشہ اوقات الصلوٰۃ
بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ نماز کے صحیح اوقات کے لئے اس سے پہلے کوئی بھی نقشہ کسی
بھی مکتب فکر میں موجود نہیں تھا۔ امام احمد رضا نے اس پر سب سے پہلے توجہ فرمائی آج بر
صغیر کی تمام مساجد میں آویزاں نقشۂ اوقات الصلوٰۃ آپ کے فیضان علمی اور خدمات قومی
کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ طارق تحریر فرماتے ہیں۔

''روزمرہ کی عملی زندگی میں بھی امام صاحب کی خدمات سے ان کے
مخالفین کے لئے بے نیاز ہونا ممکن نہیں ہے برصغیر ہندو پاک کی ہر
مسجد میں نقشہ نظام اوقات صلوٰۃ سے استفادہ کرنے والے بیشتر
حضرات شاید اس سے بے خبر ہیں کہ یہ نظام اوقات امام احمد رضا
خاں کی دین ہے۔'' (۱۸)

شادی

عزت مآب عالیجناب فضل حسن صاحب کی منجھلی صاحبزادی جو آپ کی پھوپھی زادی بھی تھیں شرعی پابندیوں کے ساتھ شادی ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں ہوئی موصوفہ صوم و صلوٰۃ کی سختی سے پابند تھیں۔ نہایت خوش اخلاق، بڑی سیر چشم انتہائی مہمان نواز اور بہت ہی سنجیدہ و متین تھیں۔ اعلیٰحضرت قبلہ کی ضروری خدمات وہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں خصوصاً اعلیٰحضرت کے سر میں تیل ملنا ان کا روزمرہ کا کام تھا جس میں کم و بیش آدھا گھنٹہ کھڑا رہنا پڑتا تھا اور اس شان سے تیل جذب کیا جاتا کہ ان کے لکھنے میں اصلاً فرق نہ پڑے یہ عمل ان کا مسلسل تاحیات اعلیٰحضرت برابر جاری رہا۔ اعلیٰحضرت قبلہ کے گھر کے لئے ان کا انتخاب بڑا کامیاب انتخاب تھا۔ رب العزت نے اعلیٰحضرت قبلہ کی دینی خدمات کے کے لئے جو آسانیاں عطا فرمائی تھیں ان آسانیوں میں موصوفہ مرحومہ کی ذات گرامی بھی تھی۔ (۱۹)

اولاد

آپ کو سات اولادیں ہوئیں دو صاحبزادے حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ حامد رضا قادری قدس سرہ (۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء) ۱۳۶۲/۱۹۴۳ء) اور قدوۂ زمانہ حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری قدس سرہ (۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) اور پانچ صاحبزادیاں مصطفائی بیگم، کنیز حسن، کنیز حسین، کنیز حسنین مرتضائی بیگم جس سے سلسلہ نسب وسیع تر ہو گیا۔

خلفاء و تلامذہ

حضرت رضا بریلوی کے خلفا و تلامذہ کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے لیکن اس کے باوجود کام کی رفتار دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک کثیر تعداد برسر کار رہے۔ امام احمد رضا

نے اپنے خلفاء وتلامذہ کے ذہن و دماغ میں اسپرٹ کا جوہر پیدا کیا تھا۔اس کی وجہ سے ایک فرد پوری قوم پر بھاری تھا۔یہی وجہ تھی کہ مختصر وقت میں امام کا غلغلہ پوری دنیا میں بلند ہوا۔حرمین شریفین میں آپ کے تیس خلفاء اور ہند و پاک میں اکتیس لیکن ان لوگوں نے ہزاروں کا کام کیا اور جو کیا انتہائی پائدار کیا اگر صرف علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی ۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری اور صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی علیہم الرحمہ کے کاموں اور کارناموں کا ہی تفصیلی جائزہ لیا جائے تو ایک دفتر درکار ہے۔اس کے علاوہ ہر شخص اپنی جگہ ایک انجمن ایک قوم،اور ایک تحریک تھا۔

آخری تحریر

آپ نے ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ بروز جمعہ مبارکہ وصال سے دو گھنٹہ سترہ منٹ پیشتر تجہیز و تکفین وغیرہ سے متعلق ضروری وصایا جو چودہ اہم باتوں پر مشتمل ہے قلمبند کرائے اور آخر میں بارہ بج کر اکیس منٹ پر خود دست اقدس سے حمد و درود شریف کے مندرجہ ذیل کلمات تحریر فرمائے۔

واللہ شھیـد ولـہ الـحمد و صلی اللہ تعالی و بارک وسلم علی شفیع الـمـذنبیـن و آلہ الطیبین وصحبہ المکرمین و ابنہ وحزبہ الی ابد الآبدین آمین و الحمد للہ رب العالمین۔(۲۰)

سفر آخرت

۲۵رصفر ۱۳۴۰ھ رمطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ءکو جمعہ مبارکہ کے دن دو بج کر ۳۸ر منٹ پر عین اذان جمعہ میں ادھرحی علی الفلاح کی پکارسنی ادھر روح پرفتوح نے داعی الی اللہ کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون ع

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

اظہار تعزیت

موت العالم موت العالم کے بموجب پوری دنیا نے اس حادثہ کو شدت سے محسوس کیا ،خصوصاً برصغیر میں صف ماتم بچھ گئی............لاہور کے ''پیسہ'' اخبار نے اپنے تعزیتی نوٹ میں لکھا۔ ''آپ ہندوستان میں علوم اسلامیہ دینیہ کے آفتاب تھے بڑے فاضل اور متبحر و جید عالم ،آپ کی وفات سے ہندوستان سے ایک برگزیدہ ہستی اٹھ گئی ،جس کی خالی جگہ پر کرنا ناممکن نظر آتا ہے ،آپ صادق مسلم کا صادق نمونہ اور پابند شرع تھے ،اور ہمیشہ ترویج علوم اسلامیہ میں مصروف رہے ۔آپ سے فیض پانے والوں کا دائرہ بہت وسیع ہے ، ہندوستان کے مذہبی حلقوں اور علمائے دین میں آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی............اس میں کلام نہیں کہ مخالفین تک مرحوم کی اعلیٰ اور بے نظیر قابلیت کے دل سے معترف تھے۔'' پیسہ'' اخبار۔لاہور شمارہ ۳ر نومبر ۱۹۲۱ءص۲)

حوالے

حالات و خدمات

۱	حیات اعلیحضرت	مولانا ظفر الدین	ص ا
۲	//	//	ص ۳۲
۳	سوانح اعلحضرت	مولانا بدرالدین	ص ۹۸
۴	حیات اعلحضرت	مولانا محمد ظفرالدین	ص ۳۲
۵	رسائل رضویہ	مرتب اختر شاہجہاں پوری	ص ۳۱۵ تا ۳۵۷
۶	//	//	ص ۳۰۹
۷	امام اہلسنت	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۱۰
۸	معارف رضا،	شمارہ نہم ۱۹۸۹ء	ص ۷۸،۷۹
۹	حیات اعلحضرت	مولانا محمد ظفرالدین	ص ۳۹،۳۸
۱۰	//	//	ص ۱۳
۱۱	جہاں رضا	جلد ۵/شمارہ ۴۹	ص ۳۶/۴۰
۱۲	//	//	ص ۳۶
۱۳	البریلویہ کا تنقیدی تحقیقی جائزہ	علامہ عبدالحکیم شرف قادری	ص ۲۰۰
۱۴	//	//	ص ۲۰۰
۱۵	سیرت اعلحضرت مع کرامات	مولانا حسنین رضا خاں	۱۰۱
۱۶	الملفوظ	الشاہ مفتی مصطفیٰ رضا خاں	ج ۴/ص ۴۲
۱۷	فتاویٰ رضویہ	امام احمد رضا خاں	ج ۳/ص ۲۳۰
۱۸	افکار رضا	شمارہ جولائی تا ستمبر ۹۶ء	ص ۲۰
۱۹	سیرت اعلحضرت مع کرامات	علامہ حسنین رضا خان	ص ۵۲،۵۳
۲۰	سوانح اعلحضرت	مولانا بدرالدین احمد	۳۷۸

افکار و نظریات

حضرت رضا بریلوی ماہر علوم وفنون، عبقری فقیہ، بالغ نظر مدبر، اور نکتہ رس مفکر کی حیثیت سے آج عالمی سطح پر متعارف ہیں ان کی کسی چھوٹی سے چھوٹی کتاب کا قاری صفحہ صفحہ بلکہ سطر سطر میں ندرت افکار اور دقت انظار کے بہتے چشموں سے سیراب و سرشار ہوتا ہے۔ جا بجا نئے اور انوکھے معارف وبصیرت کے گلشن کی بوئے مست مشام جاں کو معطر و معنبر کرتی ہے۔ ان کے نظریاتی گلشن سے صرف چند پھولوں کا انتخاب نذرِ ناظرین ہے۔

مسلکی نظریہ وفکر

آپ شریعت میں حضرت امام اعظم اور طریقت میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہما کے افکار ونظریات کے سختی سے پابند رہے۔ انہوں نے تمام عمر اہلسنت کے عقائد کے مطابق اسلام اور اسلامی سوسائٹی کا جدید دنیا کے حملوں کے خلاف دفاع کیا۔ خاص طور پر ان اندرونی حملوں کے خلاف جوان لوگوں کی طرف سے تھے جن کا مقصد اہلسنت کے عقائد کے مطابق اسلام سے جان چھڑا کر ایک نئی چیز کو رائج کرنا تھا۔ حضرت رضا بریلوی نے ایسے دور اور ماحول میں جمہور علماء کے افکار ونظریات سے مسلک حق کی حمایت کی۔

بقول ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری

''انہوں نے وہی مسلک اپنایا جو صدیوں سے جمہور کا مسلک رہا ہے
انہوں نے قرآن وحدیث اور جمہور علماء کے اقوال سے مسلک حق
روشن کیا۔(۱)

اپنے اسلاف کے نظریات وتصورات کو انہوں نے کلیجے سے لگائے رکھا۔ تحریر و تقریر اور تصنیف و تالیف سے اس کے ایک ایک نکتہ ونقطہ کی وضاحت و حفاظت فرمائی۔ انہوں نے نئے عقیدہ وفکر کی بنیاد نہیں رکھی اور نہ علماء سو کی طرح کسی جدید نظریہ وفکر کی پیروی کی، بلکہ انہی قدیم روایات ورجحانات کی پیروی کی جو متوارث ومتواتر صحابہ وتابعین ، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین سے چل کر آپ تک پہنچی تھی ، اہلسنت و جماعت کے عقائد ہوں یا معمولات ہر موضوع پر انہوں نے قلم اٹھایا اور اسے کتاب وسنت ، ائمہ دین ، فقہائے اسلام کے ارشادات کی روشنی میں پایہ ثبوت تک پہنچایا۔ آپ کی سیکڑوں تصانیف میں سے کسی کو اٹھا کر دیکھ لیجئے ہر کتاب میں آپ کو یہ انداز مل جائے گا۔ مبلغ اسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی کچھوچھوی فرماتے ہیں۔

''غور فرمائیے کہ فاضل بریلوی کسی نئے مذہب کے بانی نہ تھے از اول
تا آخر مقلد رہے۔ ان کی ہر تحریر کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کی صحیح
ترجمان رہی نیز سلف صالحین وائمہ مجتہدین کے ارشادات اور مسلک
اسلاف کو واضح طور پر پیش کرتی رہی۔ وہ زندگی کے کسی گوشے میں
ایک پل کے لئے بھی سبیل مومنین صالحین سے نہیں ہٹے''۔

(تقدیم دور حاضر میں بریلوی اہلسنت کا علامتی نشان)

وہ تو سلف صالحین کے طریقوں کے ایسے پرستار اور سخت گیر تھے کہ بستر مرگ سے بھی وہی پیغام نشر کیا۔ جس کی پوری زندگی اشاعت فرماتے رہے۔ فرماتے ہیں۔

"اے لوگو تم پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو۔ اور بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں۔ تمہیں فتنے میں ڈال دیں............ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں۔ حضور سے صحابہ روشن ہوئے۔ صحابہ سے تابعین روشن ہوئے۔ تابعین سے تبع تابعین روشن ہوئے ان سے ائمہ مجتہدین روشن ہوئے۔ ان سے ہم روشن ہوئے۔ اب ہم تم سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لے لو۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو وہ نور یہ ہے کہ اللہ و رسول کی سچی محبت انکی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم۔ اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ۔ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو۔ فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو۔ پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ (۲)

ایسا ٹھوس منشور وہی پیش کر سکتا ہے اور ایسی دوٹوک بات وہی کر سکتا ہے جس نے اسلاف کے افکار کو حرز جاں بنائے رکھا ہو۔ اور خون پسینہ ایک کر کے اس کے نشو و نما اور تحفظ و بقا کی کوشش کی ہو۔ پیغام کے اندر سے جھانکتا ہوا ان کا سوز و درد مسلک سے ان کی بے پناہ محبت اور لگاؤ کا واضح اعلامیہ ہیں۔ جس طوائف الملوکی اور افراتفری کے ماحول میں آپ نے مسلک کی کشتی کو نظریاتی انتشار کے طوفان سے بچایا اور ساحل قرار سے ہمکنار کیا اس کا درد انھیں ہونا ہی چاہئے اور آپ کے اس اخلاص و ایثار کی جتنی داد دی جائے کم ہے بطور تحسین و تبریک ہی قوم و ملت نے پورے مسلکی اثاثہ کو آپ کی طرف منسوب کر کے اسی مسلک اسلاف کو مسلک اعلیٰحضرت کا نام دے دیا اور ایسا کرنا باطل مسالک کے ہجوم میں مسلک حق کے تشخص اور امتیاز کے لئے ضروری جانا، ایک بار پھر واضح کر دوں کہ مسلک اعلیٰحضرت کوئی نیا مسلک نہیں ہے بلکہ یہ وہی مسلک اعتدال ہے جس پر صحابہ و

تابعین بزرگان دین اور دیگر سلف صالحین عمل پیرا تھے۔مگر جب اہلسنت کے علاوہ غیروں نے اپنے اپنے مسلک کو مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کہنا شروع کر دیا تو ان لوگوں کے مسلک سے امتیاز کیلئے مسلک اہلسنت کو مسلک اعلیٰحضرت کہا جانے لگا اور یہ نسبت اعلیٰحضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی طرف اس لئے کی گئی کہ انہوں نے ہی اپنی خدا داد صلاحیتوں اور قلم حق رقم سے مسلک اہلسنت کے محاسن کو اجاگر کیا اور دشمنان حق کی طرف سے لگائے گئے الزامات کا مسکت و مثبت جواب دیا اس لئے مسلک حق کی شناخت اور پہچان اس وقت سے لیکر آج تک صرف مسلک اعلیٰحضرت سے ہوتی رہی ہے۔اکابر اہلسنت کا اس پر متفقہ قول وعمل رہا ہے گویا کہ یہ وہ حقیقت ہے جس پر اجماع امت ہے۔ اتنی صداقتوں کے آئینہ ہو جانے کے باوجود بھی بعض لوگ جو اپنے سنی ہونے کا دم بھرتے ہیں اپنے متبعین اور پیروکاروں کو اس لفظ کے استعمال سے روکتے ہیں ذیل میں فقیہہ ملت مفتی محمد جلال الدین امجدی اوجھا گنج ضلع بستی کا حق آشکار فتویٰ سائل کے سوال کے ساتھ بعینہ دیا جارہا ہے۔امید ہے کہ اسکی روشنی سے حق کا چاند نکھرے گا اور صداقت کا سویرا نمودار ہوگا۔لوگ شکوک کے گھروندے سے نکل کر یقین کے فولادی محل میں پہونچیں گے۔

سوال: ہمارے یہاں ایک مولانا صاحب اور ایک پیر صاحب آتے ہیں جو سنی ہیں مگر وہ مسلک اعلیٰحضرت کہنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کافی ہے۔مسلک اعلیٰحضرت کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔تو ایسے لوگوں کو کیا جواب دیا جائے۔بینوا توجروا

المستفتی

محمد سرمد پاشا قادری ہاسپیٹ، ضلع بلاری، کرناٹک

الجواب: جو لوگ سنی ہونے کے باوجود مسلک اعلیٰحضرت پر اعتراض کرتے ہیں وہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت، مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ و الرضوان کے حسد میں مبتلا ہیں اور حسد حرام و گناہ کبیرہ ہے۔حدیث شریف میں ہے "وہ

حسد کرنے والے کی نیکیوں کو اس طرح جلاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو جلاتی ہے۔'' (ابوداؤد شریف ج ۲، ص ۳۱۶) یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کہنا کافی ہے۔ اس لئے کہ دیوبندی اور مودودی بھی مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کے دعویدار ہیں۔ تو دیوبندی مسلک اور مودودی مسلک سے امتیاز کے لئے موجودہ زمانے میں مسلک اعلیٰحضرت بولنا ضروری ہے۔ یعنی مسلک اعلیٰحضرت دیوبندی اور مودودی مسلک سے امتیاز کے لئے بولا جاتا ہے۔ اگر کوئی اپنے کو مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کا ماننے والا بتائے اور یہ نہ کہے کہ میں مسلک اعلیٰحضرت کا پابند ہوں ہوں تو ظاہر نہیں ہوگا کہ وہ سنی ہے یا بدمذہب۔ لہٰذا مذہب حق اہلسنت و جماعت سے ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اس زمانہ میں مسلک اعلیٰحضرت سے ہونے کو بتانا ضروری ہو گیا ہے۔ اس پر اعتراض کرنے والے کو خدائے تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔ (دارالعلوم دیو بند کا بانی کون؟ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ص ۴۵-۱۴۴)

معاشی نظریہ وفکر

فاضل بریلوی قومی اور ملی استحکام کے لئے عقائد و نظریات کی درستی کے علاوہ معاشی استحکام کو نہایت ضروری سمجھتے تھے چنانچہ معاشی حالات کی اصلاح کے لئے ۱۹۱۲ء میں انہوں نے مندرجہ ذیل تاریخی نکات پیش کئے

(۱)................ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے۔ مسلمان اپنے معاملات باہم فیصلہ کریں۔ تاکہ مقدمہ بازی میں جو کڑوروں روپئے خرچ ہوتے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

(۲)................بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد (دکن) کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بینک کھولیں۔

(۳)..................مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

(۴)..................علم دین کی ترویج اشاعت کی کوشش کریں۔

(تدبیر فلاح ونجات واصلاح۔امام احمد رضا)

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی (ایم،ایس،کنیڈا) ڈاکٹر محمد ہارون،(برطانیہ) اورڈاکٹر سید عبداللہ طارق (علیگ) نے حضرت رضا بریلوی کے اس مقالے پر جس میں انہوں نے اپنے معاشی افکار ونظریات پیش کئے ہیں۔بڑے جامع مقالات قلمبند کئے ہیں۔

''ڈاکٹر سید عبداللہ طارق،انکم ٹیکس انسپکٹر (لکھنؤ) ظہور افسر صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے ایک ایسے وقت میں بینک کاری کی بات کی اور اس کا مشورہ دیا جب ملک میں بینک کوئی خصا کردار ادا نہیں کر رہے تھے۔''

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی تحریر فرماتے ہیں

''اقتصادی نظریات کی ابتداء ۱۹۳۰ء سے ہوتی ہے۔مگر محدث بریلوی نے ۱۹۱۲ء میں اپنے معاشی نظریات پیش کر کے سبقت حاصل کرلی۔'' (۳)

ڈاکٹر محمد ہارون اپنے معرکۃ الآرا مقالہ (جو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے) میں یوں گہر ریز ہیں۔''۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا نے غور کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ دانستہ تفریق (تعصب) برتا جارہا ہے امام احمد رضا کا منصوبہ اس مسئلے کا حل ہے۔(۴)

آج جب کہ ۲۰/ویں صدی ختم ہونے کو ہے انسانیت کو ایک نئی ابتداء کی ضرورت ہے امام احمد رضا کا پیش کردہ نظام مسلمانوں اور انسانیت کو سیاست،معیشت، معاشرہ اور تہذیب میں نئی شروعات کا موقع فراہم کرے گا۔انسانیت اور اسلام کے لئے

امام احمد رضا کا یہ وہ نظریہ ہے جس سے استفادہ کرنا چاہئے اور جس سے صرف نظر کر کے ایک امن وشانتی اور فوز وفلاح کے انوار سے معمور معاشرے کی تشکیل غیر ممکن ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ امام احمد رضا کے افکار ونظریات کا بغور مطالعہ کیا جائے۔

تعلیمی نظریہ و فکر

حضرت رضا بریلوی ایک ماہر تعلیم بھی تھے، اسی لئے ندوۃ العلماء کی نصاب کمیٹی کے وہ ایک اہم رکن تھے، بعد میں بعض وجوہ کی بنا پر علیحدہ ہو گئے۔ وہ خود دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف کے بانی بھی تھے۔ اور بکثرت طلباء کو انہوں نے پڑھایا تھا، تعلیم و تعلم کے نشیب وفراز سے اچھی طرح باخبر تھے۔ انہوں نے تعلیم وتدریس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے مقصدیت، اولیت، صداقت، افادیت، للّٰہیت، حمیت، حرمت، محبت، سکینت وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے...........ملت کی ترقی اور نشو ونما کے لئے تعلیم بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم تشکیل وترتیب دیتے وقت یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ ترقی اور نشو ونما کی نہج کیا ہونی چاہئے۔ نہج کا تعین قومی مزاج، قومی نظریات اور قومی ضرورت کو سامنے رکھ کر کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں فاضل بریلوی کا موقف یہ ہے۔

(۱)..................اسلام کی تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہئے اور تعلیم کا محور دین اسلام ہونا چاہئے کیوں کہ ملت اسلامیہ کے ہر فرد کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کیا ہے اور دین اسلام کیا ہے؟

(۲)..................مقصدیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ تعلیم کا بنیادی مقصد خدارسی اور رسول شناسی ہونا چاہئے تا کہ ایک عالمگیر فکر ابھر کر سامنے آئے۔ سائنس اور مفید علوم عقلیہ کی تحصیل میں مضائقہ نہیں مگر ہیئت اشیاء کی معرفت سے زیادہ خالق اشیاء کی معرفت ضروری ہے۔

(۳)..................اولیت پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابتدائی سطح پر رسول اکرم ا کی محبت وعظمت کا نقش طالب علم کے دل پر بٹھایا جائے کہ اس وقت کا بتایا ہوا پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔حضور ا کی محبت کے ساتھ آل واصحاب اور اولیاء وعلماء کی محبت وعظمت دل میں پیدا کی جائے۔

(۴)..................اولیت کے بعد حضرت رضا بریلوی صداقت پر زور دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ پڑھایا جائے وہ حقائق پر مبنی ہو، جھوٹی باتیں انسان کی فطرت پر برا اثر ڈالتی ہیں۔جس طرح جسم کے لئے صحیح غذا ضروری ہے۔اسی طرح ذہن اور دماغ کے لئے بھی صحیح غذا ضروری ہے، صحت فکر اسی سے وابستہ ہے۔

(۵)..................صداقت کے بعد انہوں نے افادیت پر زور دیا ہے۔ان کے خیال میں صرف انہیں علوم کی تعلیم دی جائے جو دین ودنیا میں کام آئیں۔غیر ضروری اور غیر مفید علوم وفنون کو نصاب سے خارج کر دیا جائے اس سے افراد کی توانائی، مال اور عمر تینوں ضائع ہوتے ہیں جو ایک بڑا قومی نقصان ہے۔

(۶)..................افادیت کے بعد وہ للّٰہیت پر زور دیتے ہیں اور اساتذہ کے لئے لازمی قرار دیتے ہیں کہ ان کے دل میں اخلاص ومحبت ہو اور قومی تعمیر کی لگن ہو وہ علم کو کھانے کمانے کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ طلبہ کے لئے ایک اعلیٰ نمونہ ہوں۔

(۷)..................للّٰہیت کے بعد وہ حمیت وغیرت پر زور دیتے ہیں اور طلباء میں خودداری اور خودشناسی کا جوہر پیدا کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔تاکہ وہ دست سوال دراز کرنے کے عادی نہ ہوجائیں اور اپنا یہ جوہر کھوکر معاشرے کے لئے ایک بوجھ اور اسلام کے لئے ایک داغ نہ بن جائیں۔

(۸)..................حمیت کے بعد حضرت رضا بریلوی حرمت پر زور دیتے ہیں

یعنی طالب علم کے دل میں تعلیم اور متعلقات تعلیم کا احترام پیدا کیا جائے۔

(۹)..................حرمت کے بعد وہ صحبت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔یعنی طالب علم کو بری صحبت سے بچایا جائے۔کہ یہی عمر بننے اور بگڑنے کی ہوتی ہے............وہ مفید کھیل اور سیر وتفریح کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔تا کہ طالب علم کی طبیعت میں نشاط و انبساط باقی رہے اور وہ مسلسل تحصیل علم سے اکتا نہ جائے۔ (۱۰)

آخر میں حضرت رضا بریلوی سکنیت پر زور دیتے ہیں۔یعنی تعلیمی ادارے کا ماحول پرسکون اور باوقار ہونا چاہئے تا کہ طالب علم کے دل میں وحشت اور انتشار فکر نہ پیدا ہو۔(امام احمد رضا خاں کا نظریہ تعلیم،محمد جلال الدین) (۵)

سائنسی نظریہ وفکر

حضرت موصوف نے سائنسی تحقیقی دنیا میں بھی اہم رول ادا کیا ہے۔ اور نوادرات افکار سے جدید علوم کے دامن کو مالا مال کیا ہے۔اپنے نظریئے سے پرانے نظریات واصول کے بخئے ادھیڑے ہیں۔جو نظریات بھی اسلامی افکار سے متصادم ہوئے حضرت رضا بریلوی نے اس کا عقلی اور نقلی رد فرمایا۔انہیں بے شمار مسائل میں نظریہ حرکت زمین بھی ہے۔ یہ نظریہ فیثا غورث کا ہے۔جس کی تائید ریاضیات کے ماہر پروفیسر کا پرنیکس نے کی اور یہ نظریہ پھر سے زندہ ہوا، 1880ء حضرت رضا بریلوی کے عہد میں پروفیسر البرٹ آئین اسٹائن نے ایک تجربہ کیا جس سے اس نظریہ کا رد ہوتا تھا۔لیکن انہوں نے پھر اس کی ایسی توجیہ کی جس سے یہ ثابت ہوگیا۔مگر بقول سید محمد تقی یہ سائنس کی تاریخ کی سب سے زیادہ غیر عقلی توجیہ تھی۔حضرت رضا بریلوی آئین اسٹاٹن کے ہمعصر ہیں انہوں نے آئین اسٹاٹن اور دیگر سائنس دانوں کے افکار وخیالات کی گرفت کی اور ایک سو پانچ دلائل سے نظریہ حرکت زمین کو باطل قرار دیا۔خود فرماتے ہیں۔

''بعونہ تعالیٰ فقیر نے ردفلسفہ، جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب مسمّٰی بہ
نام تاریخی فوزمبین (۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء) لکھی جس میں ایک سو پانچ
دلائل سے حرکت زمین باطل کی اور جاذبیت و نافریت وغیرھا
مزعومات فلسفۂ جدیدہ پروہ روشن رد کئے جن کے مطالعے سے ہر ذی
انصاف پر بحمدہٖ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہوجائے کہ فلسفۂ
جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں'' (الکلمۃ الملہمہ ، امام احمد رضا)

اوراب تو ایک سو سے زیادہ آئین اسٹائن کے ناقدین پیدا ہو چکے ہیں۔ان ناقدین کی قیادت کا سہرا محدث بریلوی ہی کے سر ہے۔

فوزمبین میں ایک مقدمہ ہے جس میں مقررات ہیأۃ جدیدہ کا بیان ہے جس سے مقالے میں کام لیا ہے۔پھر چار فصلیں ہیں۔فصل اول میں نافریت پر بحث کی ہے۔اوراس سے ابطال حرکت زمین پر بارہ دلیلیں قائم کی ہیں۔فصل دوم میں جاذبیت پر بحث کی ہےاوراس سے حرکت زمین کے بطلان پر پچاس دلیلیں قائم کی ہیں۔فصل سوم میں خود حرکت زمین کے ابطال پر تینتالیس دلیلیں ہیں۔اس طرح مجموعی طور پر ۱۰۵ر دلائل سے نظریہ حرکت زمین کو باطل کیا ہے۔

ان تمام دلائل میں نوے دلائل حضرت رضا بریلوی کی طبع زاد ہیں فصل چہارم میں ان شبہات کا رد ہے جو ہیأۃ جدیدہ حرکت زمین کے ابطال میں پیش کرتی ہے۔آخر میں خاتمہ ہے جس میں کتب آسمانیہ سے گردش آفتاب اورسکون ارض کو ثابت کیا گیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے سائنسی کارناموں میں فوزمبین ایک عظیم شاہکار ہے۔وہ وفور علم وشعور کے زور سے سائنس ہی کو مسلمان کردینے کی تمنااورحوصلہ رکھتے تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے حضرت رضا بریلوی کے سائنسی موقف کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ

''فلسفۂ جدیدہ کے متعلق مولانا بریلوی کا طرزِ عمل مقلدانہ نہ تھا۔ بلکہ مجتہدانہ تھا۔ چنانچہ آقائے بیدار بخت (لاہور) کے استاذ پروفیسر حاکم علی (پروفیسر ریاضی ، اسلامیہ کالج لاہور) کو لکھتے ہیں ....محبّ فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی۔ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دوراز کار کر کے سائنس کے مطابق کرلیا جائے یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام، وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔

(نزول آیات فرقان، بسکون زمین وآسمان، امام احمد رضا ص۲۴)

فلسفہ، ہیئت، نجوم، ریاضی اور جدید سائنس کی جملہ شاخوں پر آپ کو کامل مہارت اور درک حاصل تھا۔ آپ کی ذات علوم جدیدہ وقدیمہ، معقول ومنقول کی حسین سنگم تھی، ایسی مجمع البحرین شخصیت آپ کے معاصرین میں اور کوئی نظر نہیں آتی۔ اپنی اسی مہارت کی بنیاد پر آپ چاہتے تھے کہ سائنس کے جسم میں اسلام کی روح ڈالی جائے تا کہ علوم سائنس کی حیرت انگیز ایجادات سے کسی طرح اسلام پر تنقید نہ کی جاسکے۔ بلکہ اسلام کی صداقت وحقانیت مزید اجاگر ہوجائے۔ ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف نے مبنی برصداقت تبصرہ کیا ہے۔

''باطل نے جس محاذ پر دین وسنیت پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی چاہے تھیوریز اور نظریات کا لبادہ اوڑھ کر، چاہے فیشن وتہذیب کا بھیس بدل کر، چاہے فلسفہ اور سائنس کا روپ دھار کر امام احمد رضا قدس سرہ نے اسے ہر موڑ پر پسپا کیا اور باطل کے دام فریب کو تار تار کیا۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس رسالہ (فوز مبین) میں نقلی دلائل سے زمین کی گردش کی نفی کی ہے اور تمام قدیم وجدید فلاسفہ خصوصاً

کوپرنیکس ، کیلی لو نیوٹن ، البرٹ ، ایف پورٹا ، اور آئین اسٹائن
وغیرہ کارد کیا۔بس اتنا کہتا ہوں کہ فاضل بریلوی کو کیمسٹری ،فزکس ،
جغرافیہ،اسٹرونوی،اورریاضی کے مختلف شعبوں،ڈائنامکس،اسپٹکس
،بائرالجبرا،اورسعولڈ جیومیٹری میں بے پناہ مہارت تھی اورانہوں نے
مختلف تھیوریوں مثلاً ماش اینڈ ویٹ،حجم،اسپفک گریویٹی،اٹریکشن
زبلیشن گریوشینل فورس،سینٹرل ،ٹیبل ،سینٹری ، فیوگل فورس اور میتھ
میٹکس کی مختلف تھیوریوں ۔اور نکات کو آپ نے پیش کیا ہے کہ علوم
عقلیہ میں جتنے سبجیکٹ آج کی یونیورسٹیوں میں رائج ہیں ان سب کا
محقق دنگ رہ جائے گا۔''(٦)

حضرت رضا بریلوی کے سائنسی نظریئے کو سمجھنے کے لئے ان کی درج ذیل کتب کا مطالعہ کافی ہوگا۔(۱)الکلمۃ الملہمہ (۲) فوز مبین ردحرکت زمین ،(۳)نزول آیات فرقان،(۴)الکشف شافیا،(۵)الجواہر والیواقیت۔

اصلاحی نظریہ و فکر

حضرت رضا بریلوی نے اپنے دور میں سیاست و مذہب اور سائنس و دین میں تجدید واحیاء کے فرائض انجام دیئے وہ ہر اس شخص کو جو دین میں نئی نئی باتیں داخل کرتا ہے ۔ بدعتی قرار دیتے تھے۔ اور اس شخص کا تعاقب کرتے تھے جو ان کی نظر میں تجدید کے بہانے بے راہ روی اختیار کرتا تھا۔آپ نے معاشرے کی خلاف شرع عادات ورسوم پر تنقید کی ہے اور اس طرح تجدید واصلاح کی ذمہ داری پوری کی۔

مثلاً (۱)اسلامی معاشرے کے بعض افراد فرائض وسنن کو چھوڑ کر صرف مستحبات و مباحات کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔رضا بریلوی کی نظر میں ایسے لوگوں کی نیکیاں شریعت کی نظر میں مردود ہیں (اعزالاکتناہ فی ردصدقۃ مانع الزکوٰۃ،امام احمد رضا)(ص۱۰-۱۱)

(۲) بعض لوگ شریعت وطریقت کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ رضا بریلوی اس تقسیم کو سختی کے ساتھ رد کرتے ہیں اور طریقت کو عین شریعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل ومردود فرما چکا''

(مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء، امام احمد رضا ص ۷)

(۳) عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض مسلمان بزرگوں کے مزارات پر جا کر سجدہ کرتے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی نے غیر اللہ کے لئے سجدۂ عبادت کو کفر وشرک، اور سجدۂ تعظیمی کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ سجدۂ تعظیم کے خلاف اپنے ایک مستقل رسالے میں وہ لکھتے ہیں۔

''سجدہ، حضرت عزت عز جلالہ کے سوا کسی کے ئے نہیں اس کے غیر کو سجدہ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین وکفر مبین اور سجدۂ تحیت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین''

الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیہ، امام احمد رضا ص ۷)

(۴) آج کل تصویریں لگانے اور مجسمے سجانے کا عام رواج ہو گیا ہے بعض ان پڑھ مسلمان تبرکاً براق کی تصویریں بھی لگاتے ہیں حضرت رضا بریلوی نے اس کی سختی سے ممانعت کی ہے البتہ نعلین مبارک اور قبہ شریف کے عکس کو جائز ومستحسن قرار دیا ہے۔

(شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ امام احمد رضا ص ۳۵)

(۵) مسلمانوں میں فاتحہ، سوم چہلم، برسی وغیرہ کا رواج عام ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے اس کی روح کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اس میں غیر ضروری لوازمات کو بے اصل، وہ تعین یوم کو آسانی وسہولت کے لئے جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس خیال کو غلط تصور کرتے ہیں کہ متعین دنوں ہی میں زیادہ ثواب ملتا ہے (الحجۃ الفاتحہ، امام احمد رضا ص 14) اسی طرح

وہ نیت کو ایصال ثواب کی روح تصور کرتے ہیں اور اس رسم کی تائید نہیں کرتے کہ اہتمام کے ساتھ کھانا سامنے لا کر رکھا جائے۔ البتہ سامنے رکھنے میں مضائقہ بھی نہیں کہ ایصال ثواب کے بعد فوراً تقسیم کر دیا جائے، میت کی فاتحہ وایصال ثواب میں وہ غربا و مستحقین کو فوقیت دیتے ہیں۔ اور اس کے خلاف ہیں کہ امیروں اور برادری کے لوگوں کو بلا کر اہتمام کے ساتھ کھانا کھلایا جائے۔ (الملفوظ حصہ سوم، الشاہ مصطفےٰ رضا خاں ص ۴۵)

(۶) دور جدید کی بدعات میں عورتوں کا بے محابا گھونا، پھرنا، نامحرموں کے سامنے آنا، میت کے گھر جمع ہو کر کھانا پینا، رہنا سہنا، زیارت قبور کے لئے قبروں پر جانا اور نامحرم پیروں کو محرم سمجھ کر ان کے سامنے آنا عام ہے۔ مولانا بریلوی نے ان بدعات کی مخالفت کی۔ (مروج النساء لخروج النساء امام احمد رضا)

(۷) زیارت قبور کے لئے قبرستان جانے کی عورتوں کو سختی سے ممانعت کی اور یہ رسالہ لکھا۔ جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور، مگر حضور اکرم ا کے روضہ مبارک پر حاضری کو مستثنیٰ قرار دیا۔ کیوں کہ عورتوں اور مردوں کا اس دربار میں حاضر ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ (الملفوظ حصہ دوم، ص ۱۱۰)

(۸) صالحین کی قبروں پر چادر چڑھانے کے لئے دریافت کیا تو اس کو مشروط طور پر جائز قرار دیا کہ عوام الناس ان کی طرف متوجہ ہو کر مستفیض ہوں۔ اور وہ بھی صرف ایک چادر، جب پھٹ جائے تو دوسری، نہ یہ کہ لامتناہی سلسلہ کر دیا جائے۔ رسم کے طور پر چادر چڑھانے کو انہوں نے فضول قرار دیا اور لکھا ہے۔ ''جو دام اس میں صرف کریں۔ ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لئے محتاج کو دیں''۔ (امام اہلسنت ص ۳۰)

(۹) آلات موسیقی کے ساتھ خانقاہوں حتیٰ کہ مساجد کے قریب مقابر پر قوالیوں کا عام رواج ہے حضرت رضا بریلوی نے اس قسم کی قوالیوں کو ناجائز قرار دیا۔ (مسائل

سماع،امام احمد رضا ص۲۴)

حتیٰ کہ ایسے اعراس میں شرکت کی ممانعت کی جہاں مزامیر کے ساتھ قوالی کا اہتمام ہو۔ (احکام شریعت حصہ اول،امام احمد رضا ص۳۳)

(۱۰) آج کل حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ،ص،صلعم، وغیرہ لکھنے کا عام رواج ہوگیا ہے۔حضرت رضا بریلوی نے اس پر سخت تنبیہ فرمائی۔اسے مہمل و جہالت ومحرومی کا سبب بتایا اور سخت ناجائز قرار دیا اور وضاحت فرمائی کہ اگر قصداً استخفاف شان ہو تو قطعاً کفر ہے ورنہ بے برکتی،کم بختی،زبوں قسمتی میں شک نہیں۔"(۷)

ان کے فکر ونظر کے صدا بہار گلشن سے یہ چند گل تر پیش ہیں۔جن سے ان کے افکار وآرا کو سمجھا جاسکتا ہے۔خلاف شرع رسم ورواج اور بدعات وخرافات کے خلاف تو ان کا قلم شمشیر براں بن جاتا تھا۔انہوں نے قدم قدم پر قوم کی رہنمائی فرمائی اور غلط روی سے روکا............مولانا کوثر نیازی فرماتے ہیں۔

"کیا ستم ظریفی ہے کہ جو رد بدعات میں شمشیر برہنہ تھا اسے خود حامی بدعات قرار دیا گیا۔ان کے افکار وفتاویٰ کا مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ جتنی سخت مخالفت "خلاف پیغمبر راہ گزینی" کی انہوں نے کی شاید ہی کسی اور نے کی ہو۔" (۸)

تحقیقی نظریہ وفکر

قدرت نے آپ کو ایسا دراک دل،اور مواج دماغ بخشا تھا کہ ہمیشہ فکر ودرک، تحقیق وتدقیق اور شعور وآگہی کے گل بوٹے آپ کے قلم حقیقت رقم سے دامن قرطاس پر بکھرتے ہی رہتے تھے۔آج جوں جوں چہرۂ لیل ونہار پر پڑی غفلت کی دبیز چادر کے گرد صداقت وحقانیت کا اجالا پھیل رہا ہے۔شک وتردد کی تاریکیوں میں صبح انقلاب کی دھمک محسوس کی جارہی ہے اور رخ روشن کی تابانی دور تک تسلیم کی جانے لگی ہے۔

اب سے سو برس پہلے جب اردو کا دامن لسانی مسائل اور تحقیقی جواہر پاروں کے لئے دریوزہ گر ہے۔حضرت رضا بریلوی نے نہ صرف یہ کہ اپنی کتابوں میں تحقیقی کا اعلیٰ وار فع معیار پیش کیا بلکہ جو تحقیقی اصول وضع فرمائے وہ دورِ جدید کے محققین کی نگاہوں کے لئے سرمۂ بصیرت ہے............ڈاکٹر قمر رئیس بڑے حسرت و یاس کے ساتھ اپنے احساس کو سپردِ قرطاس کرتے ہیں۔

''اردو میں کوئی ایسا ادبی نقاد پیدا نہ ہو سکا جسے ہم فخر و اعتماد سے مغرب کے ممتاز ناقدین کی صف میں کھڑا کر سکیں لیکن ایسے مستند عالم اور محقق ضرور ہیں جن کا موازنہ وثوق کے ساتھ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے محققوں سے کیا جا سکتا ہے۔''(۹)

ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ فخر و اعتماد کے ساتھ جن مستند عالم اور محقق کو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے محققوں کی بزم میں پیش کیا جا سکتا ہے کم از کم انیسویں اور بیسویں صدی میں تو ان کی قیادت کا سہرا حضرت رضا بریلوی ہی کے سر ہے۔اس لئے کہ بقیہ جتنے بھی ہیں دو، چار، یا مبالغے سے کام لیا جائے تو دس، پندرہ سے زیادہ علوم وفنون کے ماہر نظر نہیں آتے اس پر ان کی تصنیفات و مضامین و مقالات گواہ ہیں۔مگر حضرت رضا بریلوی ۵۹ علوم وفنون (جدید تحقیق کے مطابق ۱۰۵/(۱۰) کے ماہر ہیں اور لطف یہ کہ ہر فن میں آپ نے اپنی قیمتی، علمی یادگاریں چھوڑیں ہیں۔ایسا بھی نہیں ہے کہ بس یونہی انہیں لکھنے کا شوق ہوا اور کاغذ سیاہ کر دیا ہو، بلکہ ان کی ہر تحریر سے تحقیق کی خوشبوئے جانواز ٹپکتی ہے۔ اس حقیقت کے وہ رمز شناس تھے کہ ''تحقیق محض الفاظ کو گرامر کے اصول کے مطابق جمع کرنے کا نام نہیں، تحقیق صرف اپنی معلومات کے انبار لگا دینے کا بھی نام نہیں لکھتے وقت وہی الفاظ استعمال کرنا چاہئے جو قاری کو بات صحیح طور پر سمجھا سکیں۔اور اصل مدعا بیان کر سکیں تحقیق میں ضروری ہے کہ معلومات اس طور سے سامنے لائی جائیں کہ ان کا منطقی ربط بھی باقی

رہے اور قاری کو نتائج اخذ کرنے میں دشواری بھی نہ ہو(۱۱) وہ جو کہتے تھے بہت سوچ کر کہتے تھے، وہ جو لکھتے تھے بہت پرکھ اور سمجھ کر لکھتے تھے جو محقق قرآن وحدیث کے علوم ورموز کا ماہر و نباض ہو، جس کے سامنے تحقیق وتنقید کے تمام اصول وفنون ہوں دیانتداری اس کے قلم کی شان ہونی ہی چاہئے اور اس کی تحریر سے بوئے صداقت آنی ہی چاہئے ۔حضرت رضا بریلوی کی تصنیف کا ہر جملہ گویا کہ میزان اعتدال میں تلا ہوا ہے۔ان کی کسی بھی کتاب کو سر سری نظر بھی دیکھنے والا دانشور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا شان تحریر ہی کچھ ایسی دل پذیر ہے کہ معلوم ہوتا ہے تاثیر کی کرن پھوٹ رہی ہے ۔مشہور شامی عالم شیخ عبدالفتاح ابو عزہ سابق پروفیسر الشریعہ محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض، سعودی عرب، جو عربی زبان وادب کے ممتاز ادیب ودانشور اور تقریباً پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں فرماتے ہیں۔

”میں نے جلدی جلدی میں (امام احمد رضا کا) ایک عربی فتویٰ مطالعہ کیا عبارت کی روانی اور کتاب وسنت واقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران وششدر رہ گیا۔اور اس ایک ہی فتویٰ کے مطالعے کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے۔“ (۱۲)

ان کے شعور کی پختگی ،فکر کی بلندی اور تحقیق کی بے مثالی کو اچھے اچھوں اور بڑے بڑوں نے خراج تحسین پیش کیا ہے............ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی اپنے ایک فکر خیز مقالے میں فرماتے ہیں۔

”مولانا بریلوی نے اپنی تالیف اور تصانیف، فتاویٰ میں جس تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے وہ ان کا امتیازی وصف ہے۔ان کی ناقد نظر اور تحقیق پسند طبیعت نے جو تحقیق کا طرز اپنایا ہے اس کے سامنے آج کے محقق اور ریسرچ اسکالر بھی شرمندہ ہو جاتے ہیں۔“(۱۳)

جدید تحقیق میں جو چیز اساسی حیثیت کی حامل ہے وہ ہے۔(۱) صحت نسخ اور (۲) صحت متون، کسی کا کثیر التصانیف ہونا فی نفسہ کوئی خوبی نہیں۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اسکا اسلوب تحریر و تحقیق کیا ہے۔ وہ رطب یا بس بیان کرنے کا عادی تو نہیں، اپنی فکری جولانی سے کتابوں کے ڈھیر لگا دینا اور باتوں باتوں میں مضامین کے گلستاں سجا دینا اور بات ہے، اور تحقیق و تصحیح متن کی پابندی و رعایت کے ساتھ کچھ کہنا اور لکھنا کار دیگر......حضرت رضا بریلوی نے تحقیق و ریسرچ سے متعلق بعض نکات پیش کئے ہیں۔ یہاں ان میں سے بعض نکات پیش کئے جاتے ہیں۔ جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ ان کا معیار تحقیق کتنا بلند ہے د۔ انہوں نے ایک مختصر رسالے میں، صحت نسخ، صحت متون، اتصال سند تداول، احتیاط، استدلال وغیرہ پر بحث کی ہے ذیل میں ان سے چند نکات پیش ہیں۔

(۱) **صحت نسخ**:۔ کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام منسوب ہونا اس سے ثبوت قطعی کو مستلزم نہیں، بہت رسالے خصوصاً اکابر چشت کے نام منسوب ہیں۔ جس کا اصلاً ثبوت نہیں۔(۱۴)

(۲) **صحت متون** :۔ کسی کتاب کا ثابت ہونا اس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں ہے بہت سے اکابر کی کتابوں میں الحاقات ہیں جن کا مفصل بیان کتاب الیواقیت والجواہر، امام عارف باللہ شعرانی رحمتہ اللہ میں ہے............ایضاً۔

(۳) **اتصال سند** :۔(الف)۔ علماء کے نزدیک ادنیٰ درجہ ثبوت یہ تھا کہ ناقل کے لئے مصنف تک سند مسلسل، متصل بذریعہ ثقات ہو......ایضاً

(ب) اگر ایک اصل تحقیقی معتمد سے مقابلہ کیا ہے تو یہ بھی کافی ہے۔ یعنی اصول معتمدہ، متعددہ سے مقابلہ زیادت احتیاط ہے۔ یہ اتصال سند اصل وہ شئے ہے جس پر اعتماد کر کے مصنف کی طرف نسبت جائز ہو سکے......ایضاً

(۴) **تواتر** :۔(الف)۔کتاب کا چھپ جانا اسے متواتر نہیں کر دیتا کہ چھاپے کی اصل وہ نسخہ ہے جو کسی الماری میں ملا۔اس سے نقل کر کے کاپی ہوئی......ایضاً

(ب)متعدد بلکہ کثیر ووافر قلمی نسخے موجود ہونا ثبوت تواتر کو بس نہیں، جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ سب نسخے جدا جدا اصل مصنف سے نقل کئے گئے، یا ان نسخوں سے جو اصل سے نقل ہوئے۔ورنہ ممکن ہے کہ بعض نسخ محرفہ ان کی اصل ہوں۔ان میں الحاق ہوا اور یہ ان سے نقل، نقل در نقل ہو کر کثیر ہو گئے......ایضاً

(۵) **تداول** :۔اور متاخرین نے کتاب کا علماء میں ایسا مشہور و متداول ہونا جس سے اطمینان ہو کہ اس میں تغیر و تحریف نہ ہوئی اسے مثل اتصال، سند جانا (۱۵)

(ب) تداول کے معنیٰ کہ کتاب جب سے اب تک علماء کے درس و تدریس یا نقل و تمسک یا ان کے مطمح نظر رہی ہو۔جس سے روشن ہو کہ اس کے مقامات و مقالات علماء کے زیر نظر آ چکے۔اور وہ بحالت موجودہ اسے مصنف کا کلام مانا کئے............ایضاً

(ج) زبان علماء میں صرف وجود کتاب کافی نہیں۔کہ وجود و تداول میں زمین و آسمان کا فرق ہے..................(۱۶)

(۶) **احتیاط، نقل و استدلال** :۔علماء نے فرمایا جو عبارت کسی تصنیف کے نسخے میں ہے اگر صحت نسخہ پر اعتماد ہے، یوں کہ اس نسخے کو خود مصنف یا کسی اور ثقہ نے خاص اصل مصنف سے مقابلہ کیا ہے۔یا اس نسخے سے جسے اصل پر مقابلہ کیا تھا یوں ہی اس ناقل تک، تو یہ کہنا جائز ہے کہ مصنف نے فلاں کتاب میں یہ لکھا ورنہ جائز نہیں۔ایضاً۔

(ب) اس نسخۂ صحیحہ معتمدہ سے جس کا مقابلہ اصل نسخۂ مصنف یا اور ثقہ نے کیا وسائط زائد ہوں تو سب کا اسی طرح کے معتمدات سے ہونا معلوم ہو تو یہ بھی ایک طریقۂ روایت ہے۔اور ایسے نسخے کی عبارت کو مصنف کا قول بتانا جائز۔(۱۷)

ان چند دفعات ونکات میں اصول تحقیق سے متعلق جو نکات حضرت رضا بریلوی نے تحریر فرمائے ہیں۔ جامعیت و مانعیت کی ہم آہنگی کے ساتھ ضابطہ بندی کے جو گل کھلائے اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں کوزے میں سمندر کو بند کر دینے کا جو جوہر دکھایا ہے آج جدید علم وادب میں یہ چیزیں سرمایۂ تحقیق سمجھی جا رہی ہیں۔ کوشش بلیغ کے بعد ارباب نقد ونظر اس منزل رفیع پر پہونچے ہیں یا پہونچنے والے ہیں۔ جب کہ حضرت رضا بریلوی برسوں پہلے جلوہ ہائے رنگ برنگ دکھا چکے ہیں۔

انہوں نے کبھی لکھائی سنی سنائی بات پر تکیہ نہ فرمایا اصل متون کا خود مطالعہ فرمایا اور جب تک خود مطمئن نہ ہوتے حوالہ نہ دیتے۔ دنیا کا کوئی محقق متن کے لئے یہ اہتمام نہیں کرتا۔ جو امام احمد رضا اہتمام فرماتے تھے۔

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، ایم، اے، پی، ایچ، ڈی فرماتے ہیں۔

''ان کے فضل وکمال، ذہانت وفطانت، طباعی ودراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء، فضلاء، یونیورسٹی کے اساتذہ، محققین اور مشترقین نظروں میں نہیں جچتے (18)

حوالے

افکار و نظریات

۱	رہبرو رہنما	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ٦
۲	وصایا شریف	علامہ حسنین رضا	ص ۲۲-۲۱
۳	محدث بریلوی	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۸۸
۴	امام احمد رضا کے ۱۹۱۲ کے منصوبہ کا تجزیہ	ڈاکٹر محمد ہارون ، مترجم ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	ص ۱۳
۵	افکار رضا	قمرالحسن بستوی	ص ۱۱۸
٦	ماہنامہ سنی دنیا،	مدیر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	شمارہ ۱۵ ج ٦
۷	فتاویٰ افریقہ	امام احمد رضا	ص ۴٦-۴۵
۸	مولانا احمد رضا خاں بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت	مولانا کوثر نیازی	ص ۳۷
۹	اصول تحقیق و ترتیب متن	ڈاکٹر تنویر علوی	ص ۱۲
۱۰	معارف رضا	شمارہ یازدہم ۱۹۹۱	ص ۲۳۵
۱۱	تصنیف و تحقیق کے اصول	ڈاکٹر قاضی عبدالقادر، مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۲ء	ص ۳
۱۲	امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں	مولانا یاسین اختر مصباحی	ص ۱۵۴
۱۳	فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی مطالعہ۔	مفتی محمد مکرم احمد دہلوی	ص ۸۵
۱۴	حجب العوار عن مخدوم بہار	امام احمد رضا	مطبوعہ لاہور ص ۲۰۱
۱۵	//	//	مطبوعہ لاہور ص ۸،۷
۱٦	//	//	مطبوعہ لاہور ص ۴
۱۷	//	//	مطبوعہ لاہور ص ۵
۱۸	کلام رضا	اصغر حسین نظیر لدھیانوی	ص ۵

علمی، تحقیقی نوادرات

حضرت رضا بریلوی اپنی علمی و ادبی خدمات کے آئینے میں ایسے روشن اور تابناک ہیں کہ علم وادب کی کسی بزم میں فخر سے ان کا نام لیا، اور کام پیش کیا جاسکتا ہے۔ سات سال میں بچے کی شخصیت کا باطن پختہ ہوتا ہے، امام احمد رضا چھ سال کی عمر میں منبر پر بیٹھ کر میلاد شریف کے مقدس موضوع پر فصیح و بلیغ تقریر فرماتے ہیں۔ تیرہ سال دس ماہ کی مختصر عمر میں علوم دینیہ عقلیہ ونقلیہ سے فراغت پا کر ۱۲۸۶ھ میں مسئلہ رضاعت پر ایک محققانہ فیصلہ لکھ کر فتویٰ نویسی کا آغاز کرتے ہیں۔ اور لگ بھگ پچپن سال تحقیق وتدقیق سے علمائے عرب وعجم کو مسخر کئے رکھا۔ مولانا وارث جمال قادری تحریر فرماتے ہیں!۔

''ان کے علمی کارنامے، وسعت تنوع، مضامین کی بلندی، جودت فکر، اور تعداد کی کثرت کے لحاظ سے ایک پورے اکیڈمی کے صد سالہ خدمات پر بھاری بھرکم ہیں۔ ایک متحرک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا جو کام تھا۔ اعلحضرت امام احمد رضا خاں نے تنہا انجام دے کر اپنی ہمہ گیر و جامع وتابندہ شخصیت کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں (امام شعرو ادب، ص۱۳)(۱)

آپ کی نگارشات کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کی تصانیف،اردو،عربی،فارسی تینوں زبانوں کےادب کے لئے ایک قیمتی ورثہ ہیں۔علم وادب کے جملہ فنون اور جملہ فنون کی تمام شاخوں کے تعلق سے ناقدین جس چیز کو خوبی تصور کرتے ہیں۔حضرت رضا بریلوی کے یہاں وہ خوبی دور سے جھلکتی اور چمکتی محسوس ہوتی ہے۔تعجب ہے کہ علم وادب کے سمندر کا ایک ایسا شناور جس کا جواب ماضی قریب تو کیا ماضی بعید میں بھی مشکل ہی سے نظر آئے۔ ہمارے اردو ادب کے ناقدین ، ومورخین ، نے ان کے ذکر و تذکرہ سے بڑی بےاعتنائی کا مظاہرہ کیا ہے۔پروفیسر مجید اللہ قادری رقم طراز ہیں۔

''اردو ادب کے حوالے سے سرسید احمد خاں (م۱۸۹۸ء) مولانا ابوالکلام آزاد (م۱۹۵۸ء) مولانا شبلی نعمانی (م۱۹۱۴ء) ڈپٹی نذیر احمد (م۱۹۱۲ء) اور مولانا الطاف حسین حالی (م۱۹۱۴) کو ناقدین حضرات نے نہ صرف اردو ادب کا عناصر خمسہ قررا دیا ہے ۔ بلکہ لازمی عنصر بھی ،مگر تعجب ہے کہ (نقادوں) کی نظر سے ادیب بے بدل مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی کی کوئی بھی تحریر نظر سے نہیں گذری۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جتنا ان عناصر خمسہ نے مل کر اردو نثر نگاری کا کام کیا ہے امام احمد رضا نے تن تنہا ان کے مجموعی کام سے زیادہ تحریری یادگار چھوڑی ہیں،اوران تمام تحریروں میں انفرادیت یہ ہے کہ عناصر خمسہ کی مجموعہ تحریر میں گنتی کے چند موضوعات کے مد مقابل فاضل بریلوی نے ستر سے زیادہ علوم وفنون کے سو سے زیادہ موضوعات پر اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں۔''(۲)

ہم ان کی ہزار کے قریب تصانیف میں سے یہاں پرصرف دو مختصر تعارف و تبصرہ پیش کرتے ہیں علم وادب کے پارکھ انہی سے اندازہ لگالیں گے کہ حضرت رضا بریلوی کیسے

علوم وفنون کے جامع، عظیم محقق، نابغۂ روزگار ادیب، اور بے مثل مصنف ہیں۔

1۔ کنزالایمان

(۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء)

یہ قرآن کریم کا اردو ترجمہ ہے جو دیگر اردو تراجم پر امتیازی شان رکھتا ہے۔ جو مقبولیت کی بلند ترین منزل پر فائز ہے۔ ہندو پاک اور دیگر ممالک میں اس کی اشاعت جس پیمانے پر ہو رہی ہے اس کا مقابلہ دنیا کی دیگر زبانوں کے ترجمے تو کیا خود اردو تراجم میں بھی کوئی ترجمہ نہیں کرسکتا، کنزالایمان کی خوبیاں ایسی نہیں کہ صرف امام احمد رضا کے معتقدین و مریدین ہی مداح ہیں بلکہ جنہیں امام احمد رضا سے مسلکی ہم آہنگی بھی نہیں وہ بھی جب حقیقت بیں نگاہوں سے ترجمہ امام احمد رضا کی زیارت کرتے ہیں اور اس کی تہ بہ تہ خوبیوں سے واقف ہوتے ہیں تو بے ساختہ حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہیں کرتے۔ ذیل میں ایسے ہی دو تاثرات ہدیۂ ناظرین ہیں۔

مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا کی حقائق نگاری و آداب آموزی اور محتاط طرز نگارش سے متاثر ہو کر تحریر کرتے ہیں۔

> ''ادب و احتیاط کی یہی روش امام احمد رضا کی تحریر و تقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ یہی ان کا سوز نہاں ہے۔ ان کا طغرائے ایمان ہے۔ ان کی آہوں کا دھواں ہے۔ حاصل کون و مکاں ہے۔ برتر از این و آں ہے۔ باعث رشک قدسیاں ہے۔ راحت قلب عاشقاں ہے۔ سرمۂ سالکاں ہے۔ ترجمہ کنزالایمان ہے''۔ (۳)

امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان جناب سعید بن عزیز یوسف زئی لکھتے ہیں۔

> ''اب آیئے اصل مضمون کی طرف جو کہ کنزالایمان کے بارے میں

ہے کہ ہمارا اس کے بارے میں کیا نظریہ ہے۔ جہاں تک علمائے دیوبند کا تعلق ہے وہ تو نہایت شدومد سے اس کی مخالفت بلکہ تکفیر تک کرتے ہیں۔ مگر میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ کہوں گا کہ الم سے لے کر والناس تک ہم نے کنز الایمان میں نہ تو کوئی تحریف پائی ہے۔ اور نہ ہی ترجمہ میں کسی قسم کی غلط بیانی، نہ ہی کسی بدعت یا شرک کے کرنے کا جواز پایا ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا ترجمہ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ کے لئے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت علو تقدس وعظمت و کبریائی، کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ جب کہ دیگر تراجم خواہ وہ اہلحدیث سمیت کسی بھی مکتب فکر کے علماء کے ہوں۔ ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے۔ اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوب خدا، شفیع روز جزا، سید الاولین و الآخرین امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ؎

زبان پہ بار خدا یا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

سے ہے یا جن میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہاں پر بھی اوروں کی طرح صرف لفظی اور معنوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحب **ما ینطق عن الھویٰ** اور **ورفعنا لک ذکرک** کے مقام عالیشان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ دیگر تراجم میں بالکل ہی ناپید ہے............ کنز الایمان واقعی ایک ایسا ترجمہ قرآن مجید ہے جو

کہ ہر ایک متبع رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پڑھنا چاہیئے۔ میں یہ بات برملا کہوں گا کہ کنز الایمان کا مطالعہ ہر اس شخص کے حق میں مفید ہے جو کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صحیح معنوں میں اطاعت گذار ہے۔ (آئینہ امام احمد رضا ص۶۲ تا ۶۸)

مذکورہ بالا دو فاضل کے (جن کا تعلق امام احمد رضا سے نہ مسلک کا ہے نہ تلمذ و ارادت کا) تاثرات محض اسے لئے پیش کئے گئے ہیں کہ تا کہ قرآن عظیم کے ترجمہ صحیح کنز الایمان کی اہمیت پر بطور خاص توجہ دی جائے............: کنز الایمان کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس کو دنیا کی متعدد زبانوں میں منتقل کیا جاچکا ہے اور کئی ایک زبانوں میں کیا جارہا ہے۔ گویا کہ امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن کنز الایمان صرف اردو ہی میں قرآن کا ترجمہ نہیں بلکہ دوسری بہت سی زبانوں میں بھی قرآن کی ترجمانی کا بہترین ذریعہ ہے۔ اب تک اس کے محاسن پر ساٹھ کے قریب کتب و مقالات لکھے جاچکے ہیں (صدر الشریعہ نمبر ماہنامہ اشرفیہ اکتوبر/نومبر ۱۹۹۵ء)

خصوصیات

(۱) اس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ترجمہ جہاں ایک طرف فنی اعتبار سے مستندترین ترجمہ ہے۔ تو دوسری طرف مکمل سائیٹیفک ترجمان ہے۔ آپ نے سائنس اور قرآن کو کبھی علیحدہ نہ کیا۔ ترجمہ تو بہت سارے لوگوں نے کیا ہے۔ مگر دیگر مترجمین اس معیار کا ترجمہ نہ کر سکے۔ کیوں کہ ان میں کوئی بھی سائنسی علوم سے واقف کار نہ تھا۔ مگر اعلیحضرت عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ چوں کہ عظیم سائنسداں بھی ہیں لہٰذا آپ کا ترجمہ پڑھ کر جہاں ایک دینی عالم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا وہیں علوم عقلیہ کا ماہر بھی امام احمد رضا سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا اور وہ یہ جان کر خوش ہوتا ہے کہ سائنسی قانون جو

آج پیش کئے جارہے ہیں ہمارا قرآن ۱۴/سوسال قبل پیش کر چکا ہے۔ یہاں صرف سورۂ رحمان کی آیت نمبر ۱۷/کے ترجمے کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

”یـمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموت و الارض فانفذوا لاتنفذون الا بسلطن

۱) شاہ رفیع الدین، محدث دہلوی (۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) اے جماعت جنوں کی اور آدمیوں کی اگر طاقت رکھتے ہوں تم یہ کہ بیٹھ جاؤ بیچ کناروں آسمانوں کے اور زمین کے پاس بیٹھ جاؤ گے تم مگر ساتھ غلبہ کے۔

۲) مولوی نذیر احمد دہلوی (۱۳۳۲ھ م۱۹۱۴ء) اے گروہ انسان اگر تم سے ہو سکے۔ کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے (ہو کر کہیں کو) نکل بھاگو تو نکل دیکھو، مگر کچھ ایسا ہی زور ہے تو نکلو (اور وہ تم میں نہ ہے نہ ہو)

۳) مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ م۱۹۴۳ء) اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کے حدود سے کہیں اور باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو! مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں)

۴) مولانا احمد رضا خاں بریلوی (۱۳۴۰ھ م۱۹۲۱ء) اے جن اور انسان کے گروہ اگر تم سے ہو سکے۔ کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ، جہاں تک جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔

مندرجہ بالا تراجم میں لفظ سلطان کا ترجمہ مولوی رفیع الدین دہلوی نے ”غلبہ“ کیا ہے۔ مولوی نذیر احمد دہلوی اور مولوی اشرف علی تھانوی نے ”زور“ کیا ہے۔ مگر حضرت رضا بریلوی نے ”سلطنت“ کیا ہے۔ جس نے دور جدید کی خلائی تحقیقات سے پیدا ہونے والی تمام پیچیدگیوں کو یکسر ختم کر دیا۔

نوائے وقت لاہور کے کالم نگار میاں عبدالرشید نے الابسلطان کا ترجمہ ''مگر سلطان کے ذریعہ'' کیا تھا کیپٹن شفیق احمد نے جس کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا یہ ترجمہ پڑھ کر ایک دوست نے مجھ سے اس خیال کا اظہار کیا کہ۔ پھر امریکی اور روسی خلائی جہاز زمین کی حدود کو پار کر کے چاند پر کیسے اتر سکتے ہیں؟.................. ایسا خیال دوسرے بھائیوں کو بھی آ سکتا ہے۔ میں نے بطور تحقیق قرآن پاک کے تین چار مستند تراجم دیکھے، مولانا مفتی محمد احمد رضا خاں کا ترجمہ صحیح معلوم ہوا جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ انہوں نے بہت پہلے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا تھا ''اے جن وانسان کے گروہ اگر تم سے ہو سکے تو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ، جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے'' لفظ الابسلطٰن کا ترجمہ اردو میں ''مگر اسی کی سلطنت ہے'' درست ہے لفظ سلطٰن کا انگریزی ترجمہ ''اتھاریٹی'' یا ''کنٹرول'' ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ انسان جہاں کہیں بھی جا سکے وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار و قابو سے باہر نہیں جا سکتا (نوائے وقت لاہور، شمارہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۷۵ء) کیپٹن شفیق احمد کے تاثرات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد باقر نے مدیر نوائے وقت کے نام ایک مکتوب میں ''بعنوان'' سورۂ رحمٰن کے ایک آیت کی وضاحت، میں لکھا ہے۔

''مکرمی!

آپ کے موقر جریدے میں کیپٹن شفیق احمد خان صاحب کے توجہ دلانے پر راقم نے عربی لغت کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ ''سلطان'' کے معنٰی ''سلطنت'' لغات میں موجود ہیں (قرآن ص ۴۲۲ رچرڈسن ص ۷۰۱) لہٰذا سورۂ رحمٰن کی آیت میں اعلیحضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خانصاحب بریلوی نے ''سلطان'' کا ترجمہ ''سلطنت'' کر کے............ مذکورہ آیت کی تفہیم کو سادہ اور آسان کر دیا ہے۔ یعنی باری تعالیٰ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ تم زمین اور آسمانوں سے کتنا بھی پرے کیوں نہ نکل جاؤ بہرصورت تم میری سلطنت ہی میں رہو گے ...... راقم شفیق احمد، خان صاحب کا ممنون ہے کہ

انہوں نے دیگر تراجم اور تفاسیر کے مقابلے میں اعلیٰحضرت کے ترجمے کی طرف توجہ دلا کر ایک مفید خدمت سرانجام دی۔(نوائے وقت لاہور ۳۰ ستمبر ۱۹۷۵ء) (۴)

اسی لئے کنزالایمان کی یہ خوبی کہ وہ علوم دینیہ کا ترجمان تو ہے ہی علوم سائنسیہ کی بھی ترجمانی کرتا ہے، ماننا پڑتا ہے کہ ''امام احمد رضا مسلمان سائنسدانوں کی ان چند ہستیوں میں شامل ہیں جو سائنس کا سرمایہ مانے جاتے ہیں جن کو بشرح صدر دینی اور سائنسی دونوں علوم کا مجدد تسلیم کیا جاسکتا ہے''

(۲) کنزالایمان کی دوسری خصوصیت اور خوبی یہ ہے کہ اردو تراجم کے ہجوم میں صرف یہی وہ ترجمہ ہے۔جس میں شان الوہیت کا لحاظ بھی ہے اور مقام نبوت کا خیال بھی باایں ہمہ جو لفظی بھی ہے اور با محاورہ بھی۔الفاظ کے متعدد معانی میں سے ایسے معنیٰ کا انتخاب کیا گیا ہے جو آیات کے سیاق وسباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔صرف ایک مثال پیش ہے۔

ووجدک ضالا فھدیٰ (پ۳۰ سورہ، والضحیٰ)

اس آیت کے اردو تراجم اور مترجمین، نیز ان تراجم کے بطن سے جنم لینے والے شبہات وخدشات پر مولانا کوثر نیازی نے بڑا بے لاگ اور حقیقت افروز تبصرہ کیا ہے،ہم وہی تبصرہ من وعن پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

> تحریر فرماتے ہیں......''**ووجدک ضالا فھدیٰ** کے ترجمہ کو دیکھو لو قرآن پاک شہادت دیتا ہے'' **ما ضل صاحبکم و ما غویٰ** '' رسول گرامی نہ گمراہ ہوئے نہ بھٹکے۔'' ضل ماضی کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ ماضی میں آپ کبھی گم گشتہ راہ نہیں ہوئے۔عربی زبان ایک سمندر ہے۔اس کا ایک ایک لفظ کئی کئی مفہوم رکھتا ہے۔ ترجمہ کرنے والے اپنے عقائد وافکار کے رنگ میں ان کا کوئی سا

مطلب اخذ کر لیتے ہیں ''ووجد ضالاً'' کا ترجمہ ماضل کی شہادت کو سامنے رکھ کر عظمت رسول کے عین مطابق کرنے کی ضرورت تھی مگر ترجمہ نگاروں سے پوچھو انہوں نے آیت قرآنی سے کیا انصاف کیا ہے؟

شیخ الہند مولانا محمود الحسن:۔ ترجمہ کرتے ہیں۔ ''اور پایا تجھ کو بھٹکتا، پھر راہ سمجھائی ''۔ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا محمود الحسن ادیب نہ تھے ان سے چوک ہوگئی، آیئے ادیب شاعر اور مصنف اور صحافی مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کا ترجمہ ہے...... ''اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتایا'' مولانا دریا آبادی پرانی وضع کے اہل زبان تھے، ان کے قلم سے صرف نظر کر لیجئے۔ اس دور میں اردوئے معلیٰ میں لکھنے والے اہل قلم حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے دروازے پر دستک دیجئے۔ ان کا ترجمہ ہے...... '' اور تمہیں ناواقف راہ پایا پھر ہدایت بخشی''۔ پیغمبر کی گمراہی اور پھر ہدایت یابی میں جو وسوسے اور خدشے چھپے ہوئے ہیں۔ انہیں نظر میں رکھئے اور پھر ''کنز الایمان'' میں امام احمد رضا خان کے ترجمے کو دیکھئے۔

بیاورید گر اینجا بود سخن دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

امام نے کیا عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں...... ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔(۵)

ان دو مثالوں ہی سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام احمد رضا علوم قرآنی میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ترجمہ ایسا کیا جو تمام تفاسیر معتبرہ کا خلاصہ اور ان کے علو فکری، وسیع النظری کا نچوڑ اور اردو ادب کے سر کا تاج ہے۔

۲......فتاوی رضویہ

یہ حضرت رضا بریلوی کی ذہانت و فطانت، تبحر علمی، اور تفقہ فی الدین کا عظیم ترین شاہکار ہے جو بارہ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔ ہر جلد جہازی سائز پر ہے۔ ہر جلد بذات خود ایک عظیم علمی، تحقیقی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اور لطف یہ کہ یہ منقولات کے ساتھ ساتھ معقولات کے تمام علوم وفنون کا احاطہ کرتا ہے۔ جیسے، ریاضی، جغرافیہ علم توقیت، ارضیات، فلکیات، علم ہئیت، بینکاری، اقتصادیات، معاشیات علم زیجات، وغیرہ علوم وفنون کو محیط ہے، فتاویٰ رضویہ فقہ حنفی پر مشتمل آخری گرانقدر بیش بہا فتاویٰ بلکہ ساری کتب مفتی بہا کا عطر ہے۔ رضا اکیڈمی، بمبئی نے امام احمد رضا کے ۷۵/ویں سالانہ عرس کے موقع پر صفر ۱۴۱۵ھ اگست ۱۹۹۴ء میں پہلی بار بارہ جلدیں ایک ساتھ بہت ہی دیدہ زیب چھاپی ہے، ہمارے سامنے وہی سیٹ ہے۔ ذیل میں ہر جلد کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

جلد اول	جہازی سائز	تقطیع ۱۲×۹ء۵	صفحات ۸۸۰	اس جلد میں ۱۱۴/فتوے ہیں
// دوم	//	// //	۵۱۲	اس جلد میں ۳۸۸/فتوے ہیں
// سوم	جہازی سائز	تقطیع ۱۲×۹ء۵	صفحات ۸۱۵	اس جلد میں ۴۴۲/فتوے ہیں
// چہارم	//	// //	۷۲۴	اس جلد میں ۹۵۴/فتوے ہیں
// پنجم	//	// //	۷۹۹	اس جلد میں ۴۴۲/فتوے ہیں
// ششم	//	// //	۵۳۶	اس جلد میں ۴۹۷/فتوے ہیں

؍؍ہفتم	؍؍	؍؍ ؍؍	۶۰۰	اس جلد میں ۳۷۵؍فتوے ہیں
؍؍ہشتم	؍؍	؍؍ ؍؍	۶۲۶	اس جلد میں ۵۳۶؍فتوے ہیں
؍؍نہم	؍؍	؍؍ ؍؍	۶۲۶	اس جلد میں ۶۰۰فتوے ہیں
؍؍دہم	؍؍	؍؍ ؍؍	۵۲۷	اس جلد میں ۳۵۰؍فتوے ہیں
یازدہم	؍؍	؍؍	۳۴۳	اس جلد میں ۱۲۱فتوے ہیں
دوازدہم	؍؍	؍؍ ؍؍	۳۰۰	اس جلد میں ۱۱۳؍فتوے ہیں
			۷۲۸۸	۴۹۳۲

بعض فتاوے خود ایسے ضخیم وعظیم ہیں کہ مستقل تحقیقی مقالے کی حیثیت رکھتے ہیں، جوسینکڑوں مسائل کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ جب کہ ابتدائی ۱۲؍سال کے فتاوٰی اس مجموعہ میں شامل نہیں ہیں اور نہ مکررات کو داخل کیا گیا ہے۔(۶)

اس دور میں ہزاروں مسائل جس کا تعلق عبادات سے لے کر معاملات تک پھیلا تھا۔اور مسلمانوں کے لئے حل طلب تھے۔حضرت رضا بریلوی نے ان مسائل پر قلم اٹھا کر ایک عظیم تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے بے شمار اور مستقبل میں ہونے والی ایک سے ایک اعلیٰ ایجاد اور انسانی زندگی پر ان کے اثرات سے پیدا ہونے والے نتائج کے احکام وعلل کی دریافت کے ایسے رہبر و رہنما اصول وضع فرمادیئے کہ آئندہ مسائل جدیدہ کی وجہ سے فقہا اور مفتیان کو جو مشکلات پیش آئیں گی ان

کا حل ان کو اعلحضرت کے ان فتاویٰ میں مل جائے گا۔

طرزِ تحریر کی خوبی یہ کہ پہلے قرآن پاک سے استدلال کرتے ہیں، پھر احادیث مبارکہ اور اس کے بعد ائمہ دین کے ارشادات سے اپنے موقف کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ عقلی و نقلی دلائل کی فراوانی دیکھ کر قاری کو علی وجہ البصیرت اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض مسائل پر دادِ تحقیق دیتے ہوئے آپ نے ۱۲/سو سالہ فقہی ذخیروں کو کھنگال ڈالا ہے۔ آپ کی سرعت تحریر کا عالم یہ تھا کہ آپ کے مسودات کو نقل کرنے والے بیک وقت چار افراد نقل کرتے جاتے یہ ابھی فارغ بھی نہ ہوتے کہ پانچواں صفحہ تیار ہو جاتا۔

الدولة المكيه بالمادة الغيبه (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) آپ کی سرعت تحریر کی تاریخی یادگار ہے جسے آپ نے مکہ شریف میں علماء کرام کے علم غیب مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے استفسار پر بکمال عجلت اور بحالت بخار صرف آٹھ گھنٹے میں تحریر فرمایا۔(۷)

وہ بھی دو چار صفحہ نہیں ۱۹۲ صفحات پر مشتمل تحقیقات علمیہ سے لبریز کتاب تصنیف فرما کر علمائے مکہ کو حیرت میں ڈال دیا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

> ’’حرمین شریفین کے قیام کے زمانے میں بعض رسائل بھی لکھے اور علمائے حرمین نے بعض سوالات کئے تو ان کے جواب بھی تحریر کئے، متون فقہیہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے‘‘۔
>
> (نزہۃ الخواطر، الجزء الثامن ص 39)

آپ کے مجموعۂ فتاویٰ، فتاویٰ رضویہ شریف کی بے شمار خصوصیات سے اختصار کے ساتھ ہم صرف تین خصوصیت کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) شان تحقیق :۔(الف) شریعت مطہرہ کے احکامات جو امر اور نہی دونوں پر مشتمل ہوتے ہیں علمائے اصولین نے ابتداء میں ان کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

فرض	مستحب	مباح
↓	↓	↓
حرام	مکروہ	....

بعدازاں علمائے اصولین نے اس میں مزید توسیع کی اور ان کو پانچ کے بجائے سات اقسام میں اس طرح تقسیم کیا۔

فرض	واجب	سنت	نفل	مباح
↓	↓	↓	↓	↓
حرام	مکروہ	....	....	....

بعد میں اصولین نے مزید کام کیا اور احکام شرعیہ کی روشنی میں ان کو پھیلا کر نو مدارج میں تقسیم کر دیا۔

فرض	واجب	سنت موکدہ	سنت غیر موکدہ	مستحب	مباح
↓	↓	↓	↓	↓	↓
حرام	مکروہ تحریمی	مکروہ تنزیہی	....	....	....

امام احمد رضا محدث بریلوی نے تیرہ سو سالہ دور کے فقہائے کرام کی نہ صرف اصلاح فرمائی بلکہ ان کے دیئے گئے نو مدارج میں مزید اضافہ کر کے گیارہ تک پہنچا دیا۔

فرض	واجب	سنت موکدہ	سنت غیر موکدہ	مستحب	↙
↓	↓	↓	↓	↓	مباح
حرام	مکروہ تحریمی	اسائت	مکروہ تنزیہی	خلاف اولیٰ	↖

جن میں میزان مقابلہ اپنے کمال اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور بیچ میں مباح خالص، احکام کی یہ تمام قسمیں منتشر طور پر کلام فقہاء میں مستعمل ہیں۔ لیکن یکجا اصولی اور میزان کے طور پر ان گیارہ اقسام کا بیان سوائے امام احمد رضا کے کسی اور کے ہاں پورے عالم اسلام میں نہیں ملتا۔'' (فقیہ اسلام ص ۲۸۹)

(ب) فقہائے کرام کی تصانیف میں ان چیزوں کی تعداد ۷۴/ بیان کی گئی جن سے تیمم جائز ہے۔ جب کہ امام احمد رضا بریلوی نے اس پر ۱۰۷/ اشیاء کا اضافہ کیا، اور جن چیزوں سے تیمّم جائز نہیں ان کی تعداد کتب سابقہ میں ۵۸/ بیان کی گئی تھی، فتاویٰ رضویہ میں ان پر ۷۲/ چیزوں کا اضافہ کیا گیا ہے............امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

'' یہ تین سو گیارہ چیزوں کا بیان ہے ۱۸۱/ سے تیمّم جائز، جن میں ۷۴/ منصوص (کتب ائمہ میں بیان کی گئی) اور ۱۰۷/ زیادات فقیر، اور ۱۳۰/ سے ناجائز جن میں ۵۸/ منصوص، اور ۷۲/ زیادات فقیر، ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا۔ (۸)

(۲) مرجع دین و دانش

یہ پہلو بھی لائق توجہ ہے کہ عام طور پر مفتیان کرام کی طرف عوام الناس رجوع کرتے ہیں۔ اور احکام شرعیہ دریافت کرتے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کے مطالعے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی طرف رجوع کرنے والوں میں بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو بذات خود مفتی تھے۔ مصنف تھے، جج تھے، وکیل تھے یا دانش گاہ

کے اساتذہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی جواب دیتے وقت ہاں یا نہیں میں بات نہیں کرتے۔ بلکہ دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں۔

(الف)............سراج الفقہاء مولانا سراج احمد (و ۱۳۰۳ھ) اس عظیم شخصیت کا نام ہے جن سے سینکڑوں علماء نے استفادہ کیا، ایک واقعہ ایسا رونما ہوا جس نے سراج الفقہاء جیسی شخصیت کے ذہن میں عظیم انقلاب پیدا کر دیا تفصیل خود ان کی زبانی

''حسن اتفاق سے مجھے رسالۂ میراث کی تصانیف کے دوران ایک مسئلہ (ذوی الارحام کی صنف رابع کے حکم) میں الجھن پیدا ہوئی، میں نے اس کے حل کے لئے، دیوبند، سہارن پور، دہلی اور دیگر علمی مراکز میں خطوط لکھے کہیں سے بھی تسلی بخش جواب نہ آیا۔ سب نے ''سراجی'' پر ہی اکتفاء کیا......میں نے یہ سوچ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ وہ سوال مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھی بھیجد یا۔ ایک ہفتے کے اندر مولانا کی طرف سے جواب آ گیا، انہوں نے مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ تمام کتب کے اختلافات اور شکوک و شبہات رفع ہو گئے............اس جواب کو دیکھنے کے بعد مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ کے متعلق میرا انداز فکر یکسر بدل گیا اور ان کے متعلق ذہن میں جمائے ہوئے تمام خیالات کے تار و پود بکھر گئے ان کے رسائل اور دیگر تصانیف منگوا کر پڑھے تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے سامنے سے غلط عقائد و نظریات کے سارے حجابات آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہیں............آپ نے جس فن میں قلم اٹھایا اس نے ائمہ کو مبہوت کر دیا............مجھے سائل فاضل ہداہ اللہ کا خطاب دے کر دعاء کی جو میری ہدایت کا باعث بنی کہ وہابیت جو وہابی استادوں کی شاگردی

سے ملی تھی اسی وقت سے جاتی رہی۔''(۹)

(ب)............ڈاکٹر سرضیاء الدین (وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) علم مربعات سے متعلق ایک سوال اخبار دبدبۂ سکندری، رام پور، میں شائع کرایا جس کا مولانا بریلوی نے بروقت جواب شائع کرایا اور اپنی طرف سے ایک اور سوال پیش کر دیا۔ جس کو پڑھ کر سرضیاء الدین کو تعجب ہوا کہ ایک مولوی نے نہ صرف جواب دیا بلکہ الٹا سوال بھی پیش کر دیا، مولانا بریلوی سے یہ سرضیاء الدین کا پہلا غائبانہ تعارف تھا، اس کے بعد وہ پروفیسر سید سلیمان اشرف (صدر شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، خلیفہ امام احمد رضا) کے ساتھ ریاضی سے متعلق ایک لاینحل مسئلہ دریافت کرنے مولانا بریلوی کے پاس گئے جس کو مولانا بریلوی نے حل کر دیا۔ ڈاکٹر سرضیاء الدین صاحب کا تاثر اس واقعہ کے عینی شاہد مولانا برہان الحق کی زبانی سنئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مولانا سید سلیمان اشرف صاحب سے کہا۔

''یارا اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے سوا شاید ہی ہو۔ اللہ نے ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے۔ دینی مذہبی، اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اقلیدس، جبر و مقابلہ، توقیت، وغیرہا میں اتنی زبردست قابلیت اور مہارت کہ میری عقل جس ریاضی کے مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی حضرت نے چند منٹ میں حل کر کے رکھ دیا'' صحیح معنی میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے'' (۱۰)

(ج)............عدالت عالیہ (بھاول پور) کے جج جسٹس محمد دین نے مناسخہ کا ایک فتویٰ جس پر کئی مفتی اظہار خیال کر چکے تھے۔ آخری فیصلے کے لئے محدث بریلوی کو ارسال کیا۔ اور محدیث بریلوی نے اس کا محققانہ اور مفصل جواب ارسال کیا............ خاص بات یہ کہ اس استفتاء کے جواب میں پہلے آٹھ مفتیوں نے فتویٰ صادر کیا اور ہر ایک میں کچھ نہ کچھ اختلاف یا تضاد تھا۔ تو چیف کورٹ، ریاست بھاول پور کے جج جناب محمد دین

صاحب نے اس استفتاء اور تمام مفتیوں کے فتووں کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے پاس بھجوایا، اور ان الفاظ میں ہدایت کی۔

''یہ سوالات جو ابھی تک تفصفیہ طلب ہیں۔نقول فتاویٰ کے ساتھ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرسل ہوں اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاویٰ کو ملاحظہ فرما کر اپنی رائے مع اسناد مرحمت فرمادیں، مبلغ پانچ روپے بذریعہ منی آرڈر بھجوادیئے جائیں۔ (۱۱)

امام احمد رضا کا جواب صفحہ ۲۱۴ر سے ۲۶۰ر تک پھیلا ہوا ہے۔جس کی سطر سطر سے فکر و تحقیق کے چشمے ابل رہے ہیں۔مشتے نمونہ از خروارے ان تین مثالوں ہی سے اظہر من الشمس ہے کہ امام احمد رضا کی بارگاہ ارباب دین اور اصحاب دانش دونوں کے لئے آخری پناہ گاہ تھی جو عقدے کہیں حل نہیں ہوتے آپ اسے چشم زدن میں حل کر کے اصحاب فکر و نظر کو متحیر کر دیتے تھے۔

۳۔ ندرت فکر

امام احمد رضا کی تحریر و تصنیف میں جودت خیال، ندرت فکر کی بہتات بھی ایک عظیم خصوصیت ہے۔ایسے ایسے نوادرات صفحۂ قرطاس پر جلوہ ریز ہیں کہ بعض مقامات پر حیرت کو بھی حیرت ہوتی ہوگی۔کہ جہاں اکابرین کا ذہن نہیں پہنچ سکا امام احمد رضا کی پرواز فکر نے وہاں پہنچ کر علوم و افکار کے تارے توڑے ہیں۔متقدمین نے جس بحث کو تشنہ چھوڑ دیا تھا۔امام احمد رضا نے اپنی ذہانت و طباعی سے اس کی تکمیل فرمائی بعض جدید مسائل جہاں امام احمد رضا کے معاصرین (اپنے حلقے میں فقیہ النفس اور حکیم الامت کہلانے والے حضرات) عاجز و ساکت رہ جائیں امام احمد رضا کے علوئے فکر نے ان مسائل کو بھی دلائل کے گوہر نایاب سے مزین و مبرہن فرمایا۔ہم ذیل میں صرف دو مثال پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(۱) بعض حدیث میں قرآن کو آسمانوں اور زمین اوران میں رہنے والے سب سے افضل بتایا گیا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی افضل ہے یانہیں؟ بعض علماء اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔علامہ شامی فرماتے ہیں۔ظاہر حدیث سے یہی معلوم ہوتاہیکہ قرآن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی افضل ہے اور مسئلہ اختلافی ہے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ توقف کیاجائے (رد المختار ۱/۱۲۰)

امام احمد رضا جدالممتار میں والاحوط الوقف کے تحت فرماتے ہیں۔

(عربی سے ترجمہ)۔''توقف کی کوئی ضرورت نہیں میرے نزدیک خدا کی توفیق سے مسئلہ کا حکم واضح ہے اس لئے کہ قرآن سے اگر مصحف یعنی کاغذ اور روشنائی مراد ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ حادث ہے اور حادث مخلوق ہے اور جو بھی مخلوق ہے اس سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل ہیں اور اگر قرآن سے مراد کلام باری تعالیٰ ہے جو اس کی صفت ہے۔تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صفات باری تعالیٰ جمیع مخلوقات سے افضل ہیں اور مخلوق جو غیر خدا ہیں۔ بھلا اس کے (صفت کے) برابر کیونکر ہو جو غیر ذات نہیں۔اس کا ذکر بلند ہو۔ ہماری اس توجیہ سے دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہوجائیگی ....یعنی جن علماء نے قرآن کو افضل بتایا قرآن نے ان کی مراد کلام الٰہی صفت خداوندی ہے۔صفات باری تعالیٰ بلاشبہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔اور جن علماء نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سے افضل بتایا قرآن سے ان کی مراد ''مصحف'' ہے جو کاغذ اور روشنائی کا مجموعہ ہے یقیناً سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم اس سے افضل ہیں۔ (۱۲)

(۲)............چاندی کے سکے کی جگہ جب کاغذ کے روپئے نے لے لی تو اس وقت کئی مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مثلاً (۱) نوٹ مال ہے یا رسید؟ (۲) اگر یہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو کیا اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں۔ کیا اسے (۳) درہموں دیناروں اور پیسوں کے ساتھ بیچنا جائز ہے؟......اسی طرح کے اور سوالات بھی چوں کہ نوٹ بالکل نو ایجاد چیز تھی اس لئے مفتیان کرام کی بارگاہ میں استفتے پہنچے۔ بڑے بڑے مفتیان کرام فقہی جزئیات کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ کچھ تھک ہار کر بیٹھ چکے تھے اور کچھ عدم جواز کا فتویٰ دے چکے تھے......علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے اپنے فتویٰ میں عدم جواز پر جو دلیل دی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ثمن خلقی، یعنی سونا چاندی میں بوجہ موزوں ہونے کے تفاضل حرام ہے اور نوٹ بھی ثمن خلقی یا اس کے حکم میں ہے اس وجہ سے اس میں بھی تفاضل حرام ہے۔ مولانا عبدالحئ کی دلیل کا رکن اول یہ ہے کہ نوٹ ثمن خلقی (یعنی سونا چاندی) یا اس کے حکم میں ہے بہر حال نوٹ کا بعینہ سونا چاندی ہونا تو بداہتاً باطل ہے۔

(فتاویٰ عبدالحئ جلد دوم فتوی نمبر ۲۶)

یعنی نوٹ کو اس سے کم یا زیادہ رقم کے بدلے نہیں بیچا جاسکتا۔ اور مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے فتویٰ دیا۔

''نوٹ وثیقہ اوس روپے کا ہے جو خزانۂ حاکم میں داخل کیا گیا ہے۔ مثل تمسک کے اس واسطے نوٹ میں نقصان آجاوے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہوجاوے بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ بیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے نقصان یا فنا ہوجائے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہوجائے کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے،

فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین۔ان میں زکوٰۃ نہیں۔اگر بہ نیت تجارت نہ
ہوں۔اورنوٹ تمسک ہے،اوس پرزکوٰۃ ہوگی،اکثرلوگوں کوشبہ ہورہا ہے
کہ نوٹ کومبیع سمجھ کرزکوٰۃ نہیں دیتے،کاغذکومبیع سمجھ رہے ہیں کہ یہ غلطی
ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ ج۲ص۱۴۹)(۱۳)

امام احمد رضا محدث بریلوی سے اسی سے متعلق علماء حرم نے۱۲/سوالات کئے آپ نے قیام مکہ کے دوران ہی ایک دن اور کچھ گھنٹوں میں جواب تحریر فرما کر تاریخی نام **كفل الفقيه الفاهم فى احكام قرطاس الدراهم**(۱۳۲۴ھ) سے موسوم فرمایا۔

سوال نمبر۱/کے جواب میں آپ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
''نوٹ قیمتی مال ہے۔رسید نہیں۔فتح القدیر میں فرمایا کہ اگرکوئی شخص
ایک کاغذ(ہزارروپئے مثلاً)کے بدلے بیچے تو بلاکراہت جائز ہے،
یہ نوٹ کی ایجاد سے پہلے اس کے بارے میں ایک جزئیہ ہے۔
سوال(۲)کے جواب میں آپ نے فرمایا۔
''یاں!شرائط زکوٰۃ پائے جانے پر اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی،
کیوکہ یہ ذاتی طور پر مال متقوم ہے''
سوال نمبر(۳)اصل کتاب میں نمبر(۶)کے جواب میں آپ نے فرمایا۔
''ہاں جائز ہے جیسے عام شہروں میں لوگوں کے درمیان معمول ہے''
(۱۴)

اپنی کتاب میں آپ نے دلائل وشواہد کی وہ روشنی بکھیری ہے کہ مسئلہ کا ہر جز نکھر اور سنور گیا ہے......جواب دیکھ کر علمائے مکہ انگشت بدنداں رہ گئے۔اور پوری دنیائے اسلام کے علماء عش عش کرا ٹھے۔بیس وجوہ سے علامہ عبدالحئی کے فتویٰ پر تنقید کی اور ان کے

دلائل کے تار و پود بکھیر دیئے۔ ایک سو بیس وجوہ سے مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتویٰ کی تردید کی۔ اور ان کے شواہد کا قلع قمع کر دیا۔ کاغذی نوٹ استعمال کرنے والوں کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ آج کاغذی نوٹوں کا جہاں کہیں بھی ازادانہ استعمال ہو رہا ہے یہ امام احمد رضا کے اسی فتویٰ کی دین ہے۔ امام احمد رضا کے احسانات میں سے یہ بھی عوام و خواص سب پر عظیم احسان ہے خواص پر تو اس لئے کہ جس مسئلہ پر عالمی فضلاء و متردد تھے امام احمد رضا نے ٹھوس ثبوت سے رفع تردد کر دیا اور عوام پر اس لئے کہ انہیں شریعت مطہرہ کا نکھرا ہوا ایک مسئلہ ہاتھ آ گیا صرف یہی ایک مسئلہ نہیں ڈھیر سارے مسائل ہیں جن میں امام احمد رضا خاص و عام سب کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رقم طراز ہیں۔

''جزئیات فقہ میں فاضل بریلوی کی نظر کتنی گہری تھی، ایک طرف ان کی نگاہ نے اس گوشے کو تلاش کر لیا۔ جو خود ان کے استاذ الاستاذہ شیخ جمال علیہ الرحمہ کی نگاہوں سے اوجھل رہا اور دوسری طرف وہ بات پالی جو ہندوستان کے مشہور فقیہ مولوی عبدالحئی فرنگی محل اور رشید احمد گنگوہی نہ پا سکے۔ موخر الذکر کے مقام فقاہت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے ان کے بارے میں کہا کہ'' فقیہ النفس تھے'' ایسا فقیہ النفس عالم بھی فاضل بریلوی کے پرواز فکر کے سامنے عاجز نظر آتا ہے۔ صاحب نزہتہ الخواطر کا یہ قول اب کسی تشریح کا محتاج نہیں (عربی سے ترجمہ) ''فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر مولانا احمد رضا خاں کو جو عبور حاصل ہے اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے اور اس دعویٰ پر ان کا مجموعہ فتاویٰ شاہد ہے۔ نیز ان کی تصنیف جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ لکھی تھی۔''

(نزہتہ الخواطر، عبدالحئی لکھنوی ج ۸ رص ۴۱) (۱۵)

پوری کتاب کفل الفقیہ الفاہم خالص فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔آپ کے فتاویٰ کی انفرادی شان اورادب وزبان پرآپ کا احسان یہ بھی ہے کہ جس زبان میں آپ سے سوال ہوا ہے، اسی زبان میں آپ نے جواب دیا ہے، یہاں تک کہ نثر کا جواب نثر، او رنظم کا نظم میں آپ نے التزام رکھا ہے، اردو، فارسی، عربی، انگریزی، چاروں زبانوں میں فتاوے آپ کے مجموعہ فتاویٰ میں موجود ہیں، خالص ہندی زبان میں فتاویٰ دیکھنے میں نہیں آیا، البتہ ہندی کے الفاظ کا برمحل و برجستہ استعمال بکثرت موجود ہے جس سے ہندی زبان پر آپ کی مہارت مترشح ہے، انگریزی زبان کے بارے میں مولانا بریلوی نے خوداپنی تصانیف میں یاان کے سوانح نگاروں نے کچھ نہیں لکھا، اس لئے اندازہ یہی ہے کہ انگریزی فتوے کسی صاحب نے ترجمہ کئے ہوں گے۔

حضرت رضا بریلوی نے اور کچھ بھی نہیں لکھا ہوتا یہی دو نادر تصنیفیں (ا رکنزالایمان، ۲ رفتاویٰ رضویہ) یادگار چھوڑی ہوتیں تو بھی آپ کے نام کو قیامت تک روشن وتابندہ رکھنے کے لئے کافی تھا، آپ کی تصانیف میں یہ دونوں چاند وسورج کا درجہ رکھتی ہیں اور باقی ستاروں کا، اور کمال یہ ہے کہ جو جس فن میں ہے وہ اسی فن کی نمائندگی کررہی ہے، وہ اسی فن میں معراج کمال دکھارہی ہے، کنزالایمان کو دیکھئے تو اردو زبان میں اس شان کا ترجمۂ قرآن نظر نہیں آتا اور فتاویٰ رضویہ کو دیکھئے تو اس انداز کا مسائل دینیہ کی باریکیوں کا خزانہ اردو زبان میں عنقاء ہے............ وہ ترجمۂ قرآن کیا جو قرآن کا ترجمہ ہوتے ہوئے صاحب قرآن کی عظمت کا نقیب وامین نہ ہو، اور وہ فتاویٰ کیا جو مسائل کے پیش کرنے میں دلائل قاطعہ سے عاجز ہو،

وجہ یہ ہے کہ اوروں کی نظریں لفظوں کے ظاہری چہرے مہرے کی دلفریبیوں پر ہی ٹک جاتی تھی جب کہ حضرت رضا بریلوی کی نظریں لفظوں کی تہہ میں چھپے معانی کے سمندر

سے مفاہیم کے گوہر تابدار چنتی تھیں۔منتخب موتی اگر صرف معانی کے اوصاف کا متحمل ہے تو کنزالایمان کی جبین سجادی اور اگر اس سے مسائل کی بھی جوت پڑ رہی ہے تو فتاویٰ رضویہ کے دامن کی زینت بنادیا ہے ۔ اس لئے جس طرح کنزالایمان اردو تراجم قرآن کا درشہوار ہے تو فتاویٰ رضویہ مسائل فقہیہ کا شاہکار۔کنزالایمان اگر اردو زبان کا قرآن ہے، تو فتاویٰ رضویہ اردو زبان میں حدیث وفقہ کا تازہ گلستان ۔

حوالے

۱	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ..................مولانا عبدالمجتبیٰ	ص۴۲۴
۲	فقیہ اسلام بحیثیت شاعر وادیب۔پروفیسر مجید اللہ قادری	ص۱۶،۱۷
۳	مولانا احمد رضا خاں ایک ہمہ جہت شخصیت......مولانا کوثر نیازی	ص۴۰
۴	حیات مولانا احمد رضا..................ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص۱۰۴،۱۰۱
۵	مولانا احمد رضا بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت......مولانا کوثر نیازی	ص۴۱،۴۰
۶	فتاویٰ رضویہ............امام احمد رضا	ج۱ص۴
۷	الدولۃ المکیہ //	ص۹
۸	فتاویٰ رضویہ //	ج۱ص۱۷۵
۹	قاری کا امام احمد رضا نمبر............اپریل ۱۹۸۹ء	ص ۱۸۶،۱۷۹
۱۰	اکرام امام احمد رضا...........مفتی برہان الحق	ص۶۰،۵۹

علمی تحقیقی نوادرات

۱۱ فتاویٰ رضویہ..................امام احمد رضا ص۱۹۶

۱۲ امام احمد رضا کی فقہی بصیرت......مولانا محمد احمد مصباحی ص۴۰

۱۳ قاری کا امام احمد رضا نمبر............اپریل ۸۹ء ص۲۰۴

۱۴ فتاویٰ رضویہ..................امام احمد رضا ج۷ص۱۲۹، ۱۲۶

۱۵ امام اہلسنت ....پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری ص۱۹

عالمی سطح پر پذیرائی و تاثرات

دنیا کی وہ چند شخصیتیں جو شہرت دوام اور مقبولیت خاص و عام کے منصب پر فائز المرام ہیں ان میں ایک نمایاں اور ممتاز نام حضرت رضا بریلوی کا ہے، تاہم جامعیت علم وفن اور وسعت فکر ونظر کے زاویے سے اگر دیکھا جائے تو بہت کم شخصیتیں نکلیں گی جنہیں امام احمد رضا کے مقابل لایا جا سکے اور جنہیں اتنے علوم وفنون پر مہارت حاصل ہو جتنے علوم وفنون پر امام احمد رضا کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ پھر یہ کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جتنے علوم و فنون پر مہارت حاصل ہو ان تمام میں تصانیف بھی چھوڑی ہوں۔ حضرت رضا بریلوی کا کمال یہ ہے کہ علم وفن کا ہر گوشہ آپ کی تحریر سے پرتنویر ہے۔ وہ ایک درخشاں سورج تھے

جدھر نگاہ ڈالی روشنی ہی روشنی ہوگئی۔ وہ ایک مہکتے ہوئے چمن تھے جہاں جہاں خوشبو پہنچی دل ودماغ معطر ہوگئے۔ ان کے خیالات میں مقناطیسیت اور ان کے افکار میں وہ کشش ہے کہ جو بھی قریب آ رہا ہے ان کی بلندیٔ خیال کو داد دے رہا ہے۔ ان کی خدمات جلیلہ کو خراج تحسین پیش کر رہا ہے...... ان کی حیات ظاہری ہی میں علم و دانش کی فضا ان کی گرویدہ ہو رہی تھی...... کالج و یونیورسیٹی کا علمی ادبی ماحول ان کے ذکر و تذکرے سے گونجنے لگا تھا۔ اب تو یہ آواز افق در افق پہنچ چکی ہے اور تذکار و نغمات رضا سے گلستاں کا گلستاں جھومنے لگا ہے۔ دانشوروں کے گلہائے افکار سے وادی وادی عطر بیز ہو رہی ہے...... ارباب علم و دانش کے افکار و تاثرات پر مبنی کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ہم ذیل میں ان میں سے صرف چند تاثرات پیش کرتے ہیں۔

(۱) رئیس الخطباء شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میر داد............ مکہ مکرمہ

"وہ تو حقائق کا خزانہ ہے، اور محفوظ خزانوں کا انتخاب۔ معرفت کا آفتاب جو دوپہر کو چمکتا ہے علوم کی ظاہر و باطن مشکلات کھولنے والا جو شخص اس کے علو وفضل سے واقف ہو جائے اس کو کہنا چاہئے کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔

(عربی سے ترجمہ، فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں) (۱)

(۲) محافظ کتب حرم شیخ اسماعیل بن سید خلیل.................. مکہ مکرمہ

"میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل، عالم فاضل، صاحب مناقب ومفاخر، جس کو دیکھ کر یہ کہا جائے کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ یکتائے روزگار وحید عصر، مولانا شیخ احمد رضا خاں کو مقرر فرمایا۔ اور وہ کیوں ایسا نہ ہو کہ علمائے مکہ معظّمہ اس کے لئے ان فضائل کی گواہی دے رہے ہیں۔ اگر وہ

اس مقام رفیع پر متمکن نہ ہوتا تو علمائے مکہ معظّمہ اس کے لئے یہ
گواہی نہ دیتے ، ہاں ہاں میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ
کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو حق وصحیح ہے''

(فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں)(۲)

(۳) شیخ کریم اللہ مہاجر مدنی .... مدینہ منورہ

'' میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں۔ ہندوستان سے
ہزاروں صاحب علم آتے ہیں۔ان میں علماء صلحاء اور اتقیاء سب ہی
ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ شہر کے گلی کوچوں میں مارے
مارے پھرتے ہیں کوئی بھی ان کو مڑ کر نہیں دیکھتا لیکن (فاضل
بریلوی کی شان عجیب ہے) یہاں کے علماء اور بزرگ سب ہی ان
کی طرف جوق در جوق چلے آ رہے ہیں اور ان کی تعظیم وتکریم میں
سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

(الاجازت المتینیہ ،امام احمد رضا)(۳)

(۴) مفتی شافعیہ شیخ احمد علوی .... مدینہ منورہ

فاضلوں سے افضل ،سب عاقلوں سے زیادہ دانشمند، اگلوں کا فخر ، پچھلوں کا
پیشوا حضرت احمد رضا خاں بریلوی اللہ تعالیٰ اپنے پوشیدہ لطف سے اس کے ساتھ معاملہ
کرے''......رسالہ الدولۃ المکیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

'' اور بے شک وہ اس لائق ہے کہ سیاہی اور روشنائی کے بدلے
سونے سے لکھی جائے''

(الدولۃ المکیہ امام احمد رضا)(۴)

(۵) شیخ یوسف بن اسماعیل نبھانی .... بیروت

رسالہ الدولۃ المکیہ کے تعلق سے لکھتے ہیں۔

''میں نے اس کو شروع سے آخر تک پڑھا اور تمام دینی کتابوں میں زیادہ نفع بخش اور مفید پایا۔ اس کی دلیلیں بڑی مستحکم ہیں جو ایک امام کبیر، علامہ اجل ہی کی طرف سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے مصنف سے راضی رہے اور اپنی عنایتوں سے ان کو راضی کرے''

(۵)

(۶) **شیخ احمد رمضان.......................................شام**

''میں نے یہ کتاب (الدولۃ المکیہ) مطالعہ کی اور اس کو حسن بیان اور پختگی برہان میں آفتاب کی مانند چمکتا پایا..................اللہ تبارک وتعالیٰ مولف علامہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور علمائے اہلسنت و جماعت کی تائید فرمائے۔''(۶)

(۷) ''اس کتاب (الدولۃ المکیہ) کے مولف بڑے صاحب فضل مولانا شیخ احمد رضا خاں ہیں جو اپنے ہم مثلوں میں بہترین اور قدر و منزلت والے ہیں۔''(۷)

(۸) **شیخ عبدالرحمٰن حنفی مدرس جامع ازہر..................قاہرہ مصر**

'' مجھے اپنی عمر کی قسم مصنف نے رسالہ میں کافی دلائل ذکر کر دیئے ہیں اور حاسد کے لئے تو طویل عبارتیں بھی ناکافی ہوتی ہیں''۔ (الدولۃ المکیہ)(۸)

(۹) **ڈاکٹر پروفیسر محی الدین الوائی جامع ازہر...........مصر**

''جن علمائے ہند نے مروجہ علوم عربیہ ودینیہ کی خدمات میں اعلیٰ قسم کا حصہ لیا ہے۔ ان میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کا نام سرفہرست

نظر آتا ہے علوم عربیہ اسلامیہ کو آراستہ کرنے میں آپ کا بہترین ریکارڈ ہے۔(۹)

(۱۰) پروفیسر عزیز اللہ.................................انگلینڈ

''اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی تصانیف کے کمالات علمیہ اور خدمات دینیہ پر تحقیقات کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس سے عوام وخواص کو صحیح طور پر متعارف کرانا صرف اہلسنت و جماعت ہی کی خدمت کرنا نہیں بلکہ اصل میں آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے صحیح دین کی اشاعت کرنا اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب کی نمائندگی کرنا ہے''۔ (۱۰)

(۱۱) ڈاکٹر یعقوب ذکی، پروفیسر ہارڈ ورڈ یونیورسٹی......امریکہ

''امام احمد رضا کے فتاویٰ ''فتاویٰ رضویہ'' کے نام سے جانے جاتے ہیں جو بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں۔فتاویٰ رضویہ فقہ حنفی کا ایک عظیم سرمایا ہے جس طرح فتاویٰ عالمگیری، جو ہندوستان میں مسلم عہد حکومت کی ایک عظیم فقہی خدمت ہے......امام احمد رضا ایک متبحر فاضل علوم اسلامی تھے۔فقہی بصیرت، تبحر علمی، خداداد فکری و قلمی صلاحیت و خدمت کی وجہ سے دنیا نے انہیں مجدد تسلیم کیا''۔ (انگریزی ترجمہ) (۱۱)

(۱۲) حضرت ابراہیم مجددی.......................کابل افغانستان

''مفتی احمد رضا قادری ایک جید عالم اور واقف اسرار طریقت تھے۔ اسلامی علوم کی تشریح میں ان کا عظیم الشان ملکہ اور باطنی حقائق کی توضیح میں ان کے معارف بہت زیادہ ستائش کے لائق ہیں اور فقہی

علوم میں ان کی تحقیقات اہلسنت و جماعت کے بنیادی نظریات میں قابل قدر یادگار کی حیثیت رکھتی ہیں''۔(۱۲)

(۱۳) مولانا عبدالکریم نعیمی .... بنگلہ دیش

''بارہویں و تیرہویں دو صدیوں میں دنیائے اسلام میں اعلیٰ حضرت جیسے جامع و مانع متصف بہمہ صفات کوئی عالم پیدا نہیں ہوا ...... جلالت علمی و کمال علمی میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ وسعت علم اور رائے کی پختگی میں پورے دور میں آپ کا کوئی ثانی نہیں''۔(۱۳)

(۱۴) پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی......کوئز یونیورسٹی ......کینیڈا

''اقتصادی نظریات کی ابتداء ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہی ہوئی۔ اور یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہ مرد مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء ہی میں دکھادی تھی اگر ۱۹۱۲ء سے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے نکات پر غور و فکر کیا جاتا اور صاحب حیثیت مسلمانان ہند اس پر عمل کرتے تو ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت معاشی اعتبار سے انتہائی مستحکم ہوتی۔''(۱۴)

(۱۵) شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال .... پاکستان

''ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع و ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاویٰ، ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عدل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے۔ اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے تھے۔ لہٰذا انہیں اپنے شرعی فیصلوں

اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑی‘‘۔(۱۵)

(۱۶) ڈاکٹر سید عبداللہ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور...... پاکستان

’’عالم اپنی قوم کا ذہن اور اس کی زبان ہوتا ہے اور وہ عالم جس کی فکر ونظر کا محور قرآن کریم اور حدیث نبوی ہو وہ ترجمان علم وحکمت، نقیب حق وصداقت اور محسن انسانیت ہوتا ہے اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خان بریلوی بھی ایسے ہی عالم دین تھے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا بلکہ اعتراف حقیقت ہوگا۔‘‘(۱۶)

(۱۷) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، صدر شعبۂ اردو کراچی یونیورسٹی پاکستان

’’علمائے دین میں نعت نگاری کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ہے ......سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ وشگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار اور سلام سیرت کے جلسوں میں عام طور پر پڑھے اور سنے جاتے ہیں۔‘‘(۱۷)

(۱۸) ڈاکٹر جمیل جالبی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی کراچی ...... پاکستان

’’مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی چودھویں صدی ہجری کے بلند پایہ فقیہ، متبحر عالم، بہترین نعت گو، صاحب شریعت وصاحب طریقت بزرگ تھے۔ ان کا امتیازی وصف جو دوسرے تمام فضائل وکمالات سے بڑھ کر ہے وہ ہے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم‘‘(۱۸)

(۱۹) مولانا ابوالکلام آزاد......................... ہندوستان

''مولانا احمد رضا خاں ایک سچے عاشق رسول گذرے ہیں''(۱۹)

(۲۰) ڈاکٹر ضیاء الدین سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

''اپنے ملک میں معقولات کا جب اتنا بڑا ایکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا وقت ضائع کیا۔''(۲۰)

(۲۱) ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد لکھنو یونیورسٹی......ہندوستان۔

''مجدد اسلام حضرت مولانا احمد رضا خاں اگر ایک طرف تبحر علمی، زہد وتقویٰ اور روحانی تصرفات کے معیاری نمونہ تھے تو دوسری طرف رسول اکرم سے ان کی بے پناہ محبت وعقیدت بھی مثالی تھی۔ انہوں نے اپنی علمی اور دینی صلاحیتوں سے مسلمانوں میں جو ذہنی انقلاب پیدا کیا اس کی شہادت ہماری پوری صدی دے رہی ہے''(۲۱)

(۲۲) مولانا محمد انور شاہ کشمیری..............................انڈیا

جب بندہ ترمذی شریف اور دیگر کتب احادیث کی شروح لکھ رہا تھا تو حسب ضرورت احادیث کی جزئیات دیکھنے کی ضرورت پیش آئی تو میں نے شیعہ حضرات واہل حدیث حضرات ودیوبندی حضرات کی کتابیں دیکھیں مگر ذہن مطمئن نہ ہوا بالآخر ایک دوست کے مشورے سے مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کی کتابیں دیکھیں تو میرا دل مطمئن ہوگیا کہ میں اب بخوبی احادیث کی شروح بلاجھجک لکھ سکتا ہوں، (رسالہ دیوبند، ص۲۱، جمادی الاول ۱۳۳۰ھ)

(۲۳) مولانا سید سلیمان ندوی..............................انڈیا

اس احقر نے جناب مولانا احمد رضا صاحب بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں تو میری آنکھیں خیرہ کی خیرہ رہ گئیں، حیران تھا کہ واقعی مولانا

بریلوی صاحب مرحوم کی ہیں جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں، مگر آج پتہ چلا کہ نہیں ہرگز نہیں یہ اہل بدعت کے نقیب نہیں بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکالر اور شاہکار نظر آتے ہیں، جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی تو میرے استاد مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں، جس قدر مولانا بریلوی کی تحریروں کے اندر ہے'' (ماہنامہ، ندوہ اگست ۱۹۱۳)

(۲۴) مولانا شبیر احمد عثمانی، دیوبند، انڈیا (شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند)

مولانا احمد رضا خاں کو تکفیر کے جرم میں برا کہنا بہت ہی برا ہے کیونکہ وہ بہت بڑے عالم دین اور بلند پایہ محقق تھے، (رسالہ، ہادی، دیوبند ذوالحجہ ۱۳۹۶)

(۲۵) مولانا محمد شبلی نعمانی.........................اعظم گڑھ۔ انڈیا

مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجرہ اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالم دین اس مولوی احمد رضا خانصاحب کے سامنے پاسنگ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے'' (رسالہ ندوہ، اکتوبر ۱۹۱۴)

(۲۶) مولانا ابوالحسن علی ندوی.................لکھنؤ انڈیا

وہ (حضرت رضا بریلوی) نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور عالم

تھے، رواں دواں قلم کے مالک، اور تصنیف وتالیف میں جامع فکر کے حامل تھے............فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر معلومات کی حیثیت سے اس زمانہ میں ان کی نظیر نہیں ملتی'' (نزہتہ الخواطر، ج۸رص ۴۱)

(۲۷) مولانا محمد الیاس صاحب، بانی تبلیغ جماعت......دیوبند، انڈیا

''اگر کسی کو محبت رسول (علیہ التحیہ والتسلیم) سیکھنی ہو تو مولانا بریلوی سے سیکھے'' (فاضل بریلوی اور ترک موالات ۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری، ص مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء)

(۲۸) پروفیسر مختار الدین احمد آرزو، ڈین فیکلٹی آف آرٹس، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ہندوستان

''آپ کی ذات الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی زندہ تصویر تھی، اللہ و رسول سے محبت کرنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ و رسول کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آتے کبھی دشمن سے سخت کلامی نہ فرمائی۔ بلکہ حلم سے کام لیا۔ لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی............آپ نے بعض مردہ سنتوں کو زندہ کیا۔'' (۲۲)

(۲۹) ڈاکٹر وحید اشرف، برودہ یونیورسٹی......ہندوستان

مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت ایسی پہلودار اور جامع العلوم ہے کہ آپ کے کسی ایک پہلو پر سیر حاصل بحث کے لئے اس فن کا ماہر ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ (۲۳)

(۳۰)ڈاکٹر حسن رضا خاں ادارہ تحقیقات عربی وفارسی............پٹنہ

''فتاویٰ رضویہ'' کے صفحات پر عقل ونقل، اور علم وفن کے بے شمار شاخوں میں اعلیحضرت کے علمی رسوخ، دقت نظر، اور مہارت وتبحر کی تفصیلات سے گذرتے ہوئے میں بار بار سوچنے لگا کہ ہماری یہ فروگذاشت کیا تاریخ کبھی معاف کرے گی۔ کہ ہم نے چودہویں صدی کی ایک عبقری اور نادرالوجود شخصیت کے مقام وفضل سے اہل علم کی دنیا کو کبھی متعارف نہیں کرایا اور نہ خود دانشوران ہند کو کبھی یہ توفیق ہوئی کہ وہ مسلک کے اختلاف سے پرے ہوکر ایک مسلم الثبوت اور یگانۂ روزگار شخصیت کے کارناموں کا غیر جانبدارانہ طور پر مطالعہ کرتے اور ان کے مقام علم وفضل سے روشناس ہوتے۔ حکمت وفن کا گوہر گرانمایہ جہاں بھی ملے وہ بہرحال مردمومن کی میراث ہے''۔

(۳۱) مولانا غلام مصطفےٰ رضوی............بہار ہندوستان

یہ شمع جمال محمدی کا کمال ہے کہ جو پروانہ اس ایک شمع کا سچا دیوانہ ہوجائے اپنی ہستی کو دیدار محبوب کی مستی میں فنا کردے، دنیا سمجھتی ہے کہ وہ مٹ گیا مگر اس شمع کی رحمت بھری کرن اسے مٹنے نہیں دیتی، مٹتے مٹتے اسے انمٹ بنادیتی ہے۔

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہوہی جائے گا

مٹتے مٹتے ایسا جانواز بنادیتی ہے کہ کل تک جو خود پروانہ تھا، تڑپنا مچلنا جس کا مقدر تھا، اب شمع کا روپ دھار لیتا ہے، اور اب خود جلنا مگر

دیدۂ اغیار کو بینا کر دینا اس کی فطرت ہو جاتی ہے۔ پھر کیا ہے، دنیا اس کے گرد پروانہ وار نثار ہونے لگتی ہے۔ ؎

مثل پروانہ پھرا کرتے جس شمع کے گرد
اپنی اس شمع کو پروانہ یہاں کا دیکھو

حضرت بریلوی وہی پروانۂ شمع جمال محمدی ہیں جو ماہ رسالت کے لئے پروانہ اور محفل امت کے لئے شمع کی حیثیت رکھتے ہیں۔کل کہتے تھے ؎

ہمارے درد جگر کی کوئی دوا نہ کرے
کمی ہو عشق نبی میں کبھی خدا نہ کرے

اور آج جیسے گنبد رضا سے یہ آفاقی پیغام نشر ہو رہا ہے کہ

خاک ہوکر عشق میں آرام سے سو نا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی (۲۵)

(۳۲) حضرت نظمی مارہروی.......................یوپی انڈیا

مشعل نوری لئے جب چل پڑے احمد رضا
نور احمد ان کے ہر ہر حال میں شامل رہا
علم ظاہر علم باطن کی امامت مل گئی
فضل حق سے مل گیا وصف فنا فی المصطفٰے (۲۶)

(۳۳) مرزا عبدالشکور نقشبندی.............................حیدر آباد

احمد رضا کا تازہ گلستاں ہے آج بھی
خورشید علم ان کا درخشاں ہے آج بھی
سب ان سے جلنے والوں کے گل ہوگئے چراغ

احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی(۴۷)

(۳۴) انتخاب قدیری.............................مرادآبادی یوپی

مسلک اعلیٰحضرت ہی ہے دین حق اس کی حد سے جو باہر نکل جائے گا
کل بروز قیامت خدا کی قسم دیکھنا وہ جہنم میں جل جائے گا
وارث مصطفیٰ نائب مصطفیٰ عاشق مصطفیٰ شاہ احمد رضا
وقت مشکل کہو المدد یا رضا وقت مشکل اسی وقت ٹل جائیگا(۴۸)

یہ ان عارفوں، عالموں، دانشوروں اور شاعروں کے گوہر خیالات ہیں جو اپنے اپنے فن میں یکتا، فکر میں ممتاز، اور فہم وشعور میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ان کی ذمہ دار شخصیت، اور حساس طبیعت سے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ انہوں نے یونہی، رسمی طور پر قلم اٹھایا اور تاثرات نذر قرطاس کر دیا ہو، نہیں بلکہ تحریر کا تیور، خیالات کا تعمق اور واردات کی گہرائی وگیرائی بتا رہی ہے کہ انہوں نے بعد از مطالعہ بسیار وتفحص تام یہ گہر ریزی کی ہے، یہ ان کے ضمیر کی آواز اور روح کی پکار ہے۔ہر خیال اپنی جگہ پر قیمتی نگینہ ہے، رضا بریلوی کی گوناگوں شخصیت نے جس کو جس اعتبار سے متاثر کیا اس نے اسی اعتبار سے اپنے افکار کو ہمارے سامنے رکھا ہے، اگر علوم دینیہ میں تبحر وتعمق دیکھا تو فقیہ اسلام، محدث بریلوی کہا انظار غالیہ کا جائزہ لیا تو مجمع البحرین، امام اہلسنت، علوم عصریہ پر قدرت ومہارت دیکھا تو عبقری مفکر، جامع العلوم کہا، اور شعر وسخن کی مشاطگی دیکھی تو استاد مسلم، امام شعر وادب کہا، اور روحانی بزم میں حاضری ہوگئی اور بربط دل سے عشق رسول کے نغمے ابلتے دیکھا، تو عارف باللہ، عاشق مصطفیٰ، نائب غوی الوریٰ کے معزز لقب سے یاد کیا۔یوں تو وہ اپنی کثیر الجوانب شخصیت کے ہر پہلو میں مقام امتیاز پر فائز ہیں، تاہم عاشق رسول ہونا یہ وہ خوبی ہے جو تمام خوبیوں کی جامع ہے، مجمع محاسن ہے، جو عاشق رسول ہوگا وہ راز دار حقیقت و معرفت ہوگا، نکتہ دان شریعت وطریقت ہوگا۔مومن ہی نہیں مومن کامل ہوگا، جو عاشق

رسول ہوگا وہ اخلاقیات کے جوہر سے مرصع ہوگا، جو عاشق رسول ہوگا اس کا سینہ خوف خدا اور الفت مصطفےٰ کا مدینہ ہوگا، فیضان رسول اس کی جلوت وخلوت کا پہر دہ دار ہوگا، جو عاشق رسول ہوگا اس کی ہر تحریر وتقریر اسلام کے میزان میں تلی ہوگی، جو عاشق رسول ہوگا اس کا ہر فیصلہ حق وصداقت کا آئینہ دار ہوگا، جو عاشق رسول ہوگا وہ مومنوں کے لئے بریشم کی طرح نرم اور منافقوں کے لئے فولاد کی طرح سخت ہوگا۔غرضکہ جو عاشق مصطفےٰ ہوگا وہی حقیقت میں محبوب خدا ہوگا، بارگاہ رسول میں ان کے عشق رسول کی مقبولیت دیکھئے کہ ان کے حریف نے بھی ان کو عاشق رسول ہی کہا ہے، اوران کے شرعی فیصلہ کو عشق رسول ہی پر محمول جانا۔ گویا کہ ع،

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

وہ ایک درخشاں سورج تھے جدھر نگاہ ڈالی روشنی ہی روشنی ہوگئی۔ وہ خلوص ووفا کا لالہ زار تھے جہاں جہاں خوشبو پہونچی بہاروں کی بارات اتر پڑی۔ ان کے افکار میں وہ وسعت اور مقناطیسیت ہے کہ جو بھی قریب آرہا ہے خراج تحسین پیش کررہا ہے۔ رضا اور رضویات پر دانشوروں نے وہ جوہر دکھائے ہیں، اور بحر رضویات سے ایسے ایسے آبدار موتی باہر نکالے ہیں کہ بعض فکر کی بنجر زمین پر بھی اب احترام وعقیدت کی گلکاری ہونے لگی ہے۔

..................: حاصل باب :..................

حضرت رضا بریلوی کی سیرت وسوانح بحر بیکراں کی طرح وسعت بکنار ہے، ان کی سیرت کے اتنے گوشے اور حیات کے اتنے پہلو ہیں اور ہر پہلو ایسا تابناک ہے کہ اس سے چند اہم پہلوؤں کا انتخاب یہ خود اہم مسئلہ اور بڑی آزمائش ہے۔ ہر پہلو تقاضا کرتا ہے کہ اس سے مقالات وعنوانات کو چمکایا جائے۔ ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست ہم نے اپنے اعتبار سے کچھ گوشوں کو چن کر مقالہ کو باوقار کرنا چاہا ہے۔ ہر پہلو اپنی جگہ پر

مستقل باب ہے اسی لئے اختصار کی قینچی چلاتے چلاتے بھی بات پھیل گئی ہے اور گوشہ در گوشہ نکھرتا اور ابھرتا چلا گیا ہے............حضرت رضا بریلوی امیر کبیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے، انہیں یہ کہنے کا حق تھا کہ پدرم سلطان بود۔ لیکن انہوں نے تواضع کا دامن نہیں چھوڑا، وہ چاہتے تو پھولوں کی سیج پر سوتے مگر انہوں نے شاہی میں فقیری کو پسند کیا اور فقیری میں شاہی کا لطف اٹھایا۔ اپنا عیش وعشرت، اپنا آرام وچین، اپنی مسرت خوشی سب انہوں نے دین وملت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ان کا پورا وجود خدمت دین وملت کے جذبے میں شرابور تھا............ہمارے کالج وجامعات ہمارے علم وفکر کے مراکز ہیں جہاں منتہی تعلیم کی ڈگریوں سے طلباء کو نوازا جاتا ہے، دنیا کی کوئی یونیورسٹی نہیں ہے جہاں ۵۹/علوم پر درس ہوتا ہو یا جہاں سے کوئی طالب علم کبھی ایسا بھی نکلا ہو جسے چھپن علوم پر بیک وقت مہارت رہی ہو۔ آدمی دو چار علوم اگر حاصل بھی کرے تو ایک دو فنون ہی میں درجۂ خصوص پر فائز ہوتا ہے۔ اسپشلیسٹ ہوتا ہے۔ یہ اعزاز صرف حضرت رضا بریلوی کو حاصل ہے کہ بیک وقت ۵۹/علوم وفنون میں حذاقت وممارست رکھتے ہیں اور کمال یہ ہے کہ ہر علم میں درجۂ خصوص پر فائز ہیں، ہر فن میں اسپشلیسٹ ہیں۔ ہزار کے قریب آپ کی تصانیف اس دعویٰ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جب کہ آپ کا گھر ہی آپ کی یونیورسٹی تھا، حصول علم کے لئے گھر سے باہر آپ نے قدم نہیں رکھا، اس سے آپ کے گھر گھرانے کے علمی ماحول اور فکری بلندی کا ضرور اندازہ ہوتا ہے پھر بھی یہ کہے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا کہ آپ کا علم علم لدنی تھا، مدنی فیضان تھا............افکار ونظریات کسی بھی شخصیت کے داخلی عوامل کی پہچان ہوتی ہے، تشخص کا عرفان ہوتا ہے، قوم وملت کی تعمیر میں اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، حضرت رضا بریلوی کے جو افکار ونظریات ہیں اس میں فرد کے لئے بھی سامان فلاح و نجات ہے اور جماعت کے لئے بھی، ملک کے لئے بھی اس میں تدبیر عمل ہے اور ملت کے لئے چراغ راہ بھی، جس مسلکی نظریہ کے وہ موید ہیں وہ وہی نظریہ ہے جو چودہ سو برس سے

سینہ بسینہ یا سفینہ بہ سفینہ چلا آ رہا تھا اور شہید اعظم ،امام اعظم ،غوث اعظم سے ہوتا ہوا آپ تک پہونچا تھا۔ آپ نے اپنے علم عمل اور عشق سے اسی نظریہ کی پرورش وحفاظت فرمائی۔ اور اپنی قوت فکر وعمل سے توانائی بخشی اس میں چار چاند لگایا............ آپ کا تعلیمی اور اقتصادی نظریہ تو خاصے کی چیز ہیں اور بہت ہی وقیع ہیں، تعلیمی نظریہ کے تاریک اور نہاں گوشوں کو آپ نے اپنے علم اور تجربہ کی ضیا پاشی سے عظمت کا ایسا قطب مینار بنا دیا ہے کہ جو بھی اس کے سایہ میں جائے گا مستنیر اور مستفیض ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اقتصادی نظریہ تو آپ ہی کی ایجاد ہے۔ آپ نے اس نظریہ کے تعلق سے اس وقت نکتہ ریزی کی ہے جب لوگوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ مرکزی عالمی سبجکٹ بننے والا ہے، اب چاہے کوئی کچھ کہے احمد رضا سبقت لے گئے، اولیت کا سہرا انہیں کے سر سجتا ہے۔

کسی دوسری قوم میں اگر اس خوبو کا آدمی پیدا ہوا ہوتا تو لوگوں نے نہ معلوم اسے کیا سمجھا ہوتا، عزت ورفعت کے اونچے مقام پر بٹھایا ہوتا، اپنا آئیڈیل اور رہنما بنا کر عالمی برادری میں اپنا سر اونچا کر لیا ہوتا، اس لئے کہ ایسی ہستیاں روز بروز پیدا نہیں ہوتیں بلکہ ع: بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔ حضرت رضا بریلوی کی سیرت وسوانح کا ہر گوشہ ہمیں پکار کے کہہ رہا ہے کہ ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

حوالے

عالمی سطح پر پذیرائی

وتاثرات

ا۔	حسام الحرمین اردو	امام احمد رضا	ص۲۳
۲۔	// // //	// // //	ص۳۰
۳۔	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص۳۶
۴۔	// // //	// // //	ص۱۲۹
۵۔	الدولتہ المکیہ	امام احمد رضا	ص۱۸۰
۶۔	// // //	// // //	ص۱۸۱
۷۔	// // //	// // //	ص۱۸۷
۸۔	امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں	مولانا یاسین اختر مصباحی	ص۱۳۳
۹۔	قاری کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۱۹۸۹ء	ص۴۷۳
۱۰۔	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص۲۴۶
۱۱۔	امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں	مولانا یاسین اختر مصباحی	ص۱۰۴
۱۲۔	// // //	// // //	ص۱۱۸-۱۱۷
۱۳۔	قاری کا امام احمد رضا نمبر	اپریل 1989ء	ص۳۵۸
۱۴۔	// // //	// // //	ص۴۸۳
۱۵۔	امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں	مولانا یاسین اختر مصباحی	ص۸۰،۷۹
۱۶۔	// // //	// // //	ص۸۲
۱۷۔	// // //	// // //	ص۸۳
۱۸۔	// // //	// // //	ص۸۶
۱۹۔	// // //	// // //	ص۹۰
۲۰۔	// // //	// // //	ص۸۱
۲۱	قاری کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۱۹۸۹ء	ص۴۵۹
۲۲۔	// // //	// // //	ص۳۳۱

۳۲۔	// // //	// // //	ص۴۴۱
۲۴۔	فقیہ اسلام (مقالہ ڈاکٹریٹ)	ڈاکٹر حسن رضا خان	ص۱۳
۲۵۔	پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر	۱۹۹۶ء	ص۲۱،۲۰
۲۶۔	تجلیات امام احمد رضا	قاری امانت رسول	ص۱۶۳
۲۷۔	// // //	// // //	ص۱۶۳
۲۸۔	// // //	// //	// // // //

تیسرا باب

تصور عشق پر عمومی بحث

☆.................عشق حقیقت کے آئینے میں

☆.................تصور عشق اسلام کی نظر میں

☆.................تصور عشق، عارفوں، دانشوروں اور شاعروں کی نظر میں

عشـــق!

حقیقت کے آئینے میں

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو
ساری دنیا میں بھر رہا ہے عشق

لگتا ہے جب میر نے عشق کا یہ جہانگیر تصور پیش کیا تھا۔ تو پہلے اس نے کائنات کے بطون اور مخلوقات کے اندرون میں حقیقت بیں نگاہوں سے جھانک کر کیفیات عشق کا بھرپور مشاہدہ کرلیا تھا۔ پھر اپنے مشاہدہ کا وہ عطر پیش کیا ہے کہ اختلاف سے بھری دنیا میں تصورات عشق کی اس ہمہ گیری پر آج تک سب نے اتفاق ہی کیا ہے۔ بلبل کی پھول سے محبت............چاند سے چکور کی محبت.................شمع سے پروانے کی محبت.................

رسول سے صدیق کی محبت ایک تسلیم شدہ عالم آشکار حقیقت بن چکی ہے ۔

پروانے کو ہے چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

عشق اور دردِ عشق، محبت اور سوزِ محبت سے دنیا کی کوئی چیز خالی نہیں۔اور خالی ہو بھی کیسے دنیا کی تخلیق بھی محبت ہی کے بھرپور جذبے کی کرشمہ سازی ہے۔مخلوق سے مخلوق کی محبت بھی اگر حسن نیت اور طہارت قلب کے ساتھ ہو تو کچھ کم مرتبہ نہیں رکھتی۔تاہم کمال الفت اور معراج محبت یہ ہے کہ مخلوق خالق سے محبت کرے......اس بحث میں ہم عشق و محبت کے رازہائے سربستہ کی بھی نقاب کشائی کریں گے اور مجازی و حقیقی عشق کے رموز و اسرار کا بھی پتہ لگانے کی کوشش کریں گے مگر پہلے لغوی اعتبار سے عشق کا بے لاگ جائزہ لیں گے۔پھر اصطلاحی اعتبار سے۔

عشق: کسی شی کو نہایت دوست رکھنا۔بعض طبیب کہتے ہیں کہ عشق ایک مرض ہے قسم جنون سے۔جو شکل حسین دیکھنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔یہ لفظ ماخوذ ہے "عشقہ" سے (اسے) لبلاب اور عشق پیچاں بھی کہتے ہیں اور اس نبات کا قاعدہ یہ ہے کہ جس درخت پر لپٹتی ہے اس کو خشک کر دیتی ہے۔ بس یہی حالت عشق کی بھی ہے جس کو ہوتا ہے اس کو خشک اور زرد کر دیتا ہے۔ (۱)

عشق:۔حد سے زیادہ محبت (۲)

عشق:۔محبت کی زیادتی، پارسائی اور فسق دونوں طرح سے ہوتا ہے۔(۳)

عشق:۔عشق،عشقا،وعشقا،ومعشقا تعلق بہ قلبہ،چنانچہ عشق بالشئ کے معنی ہیں:

"لصق بہ" وہ اس کے ساتھ چمٹ گیا۔(۴)

اردو شاعری میں لفظ عشق لفظ محبت کی بہ نسبت زیادہ استعمال ہوا ہے۔یہ دونوں عربی کے الفاظ ہیں۔لیکن قرآن مقدس میں اس لفظ عشق کا کوئی صیغہ وارد نہیں ہوا ہے۔

عشق اور محبت کا موازنہ کرتے ہوئے ابن منظور نے احمد بن یحییٰ کے حوالے سے لکھا ہے۔

وسئل العباس احمد بن یحیٰ من الحب و العشق ایھما احمد فقال الحب لان العشق فیہ افرط۔

ابوالعباس احمد بن یحییٰ سے جب سوال کیا گیا کہ محبت اور عشق دونوں میں سے کون زیادہ قابل ستائش ہے۔ تو انہوں نے کہا ''محبت'' کیوں کہ عشق میں انسان حد اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے۔(۵)

ابن منظور نے اس افراط کی یہ توجیہہ پیش کی ہے کہ وہ شدت آرزو اور محبت سے دبلا ہوتا چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک جھاڑی ''العشقہ'' جب اسے کاٹ دیا جاتا ہے تو پتلی ہو جاتی ہے۔ اور ''عشقہ'' وہ پودا ہے جو ابتداء میں سرسبز و شاداب ہوتا ہے لیکن پھر پژمردہ ہو جاتا ہے اور زرد پڑ جاتا ہے(ایضاً)

لہٰذا معلوم ہوا کہ محبت جب حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو اسے عشق کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ابن منظور نے لسان العرب میں اس مفہوم کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔(ترجمہ) عشق محبت کی زیادتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عشق محبوب کے ساتھ محبّ کا والہانہ شغف ہے جو محبت کی پارسائی اور غیر پارسائی دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ (۶)

محبت :۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ محبت ''حبہ'' سے ماخوذ ہے اور حبہ کے معنیٰ تخم کے ہیں جو زمین پر گرتا ہے۔ لہٰذا ''حب'' کا نام ''حب'' رکھا گیا۔ چنانچہ اصل حیات اسی میں ہے۔ جس طرح میدان میں بیج کو بکھیرا جاتا ہے۔ اور مٹی میں چھپایا جاتا ہے۔ پھر اس پر پانی برستا ہے۔ آبیاری کی جاتی ہے۔ سورج چمکتا ہے۔ گرم و سرد موسم گذرتا ہے۔ لیکن زمانہ کے تغیرات اسے نہیں بدلتے۔ جب وقت آتا ہے تو وہ تخم اگتا ہے پھل و پھول دیتا ہے۔ اسی طرح جب محبت کا بیج دل میں جگہ پکڑتا ہے۔ تو اسے حضور و غیبت، بلا و ابتلاء، مشقت،

راحت ولذت، اور فراق وووصال کوئی چیز نہیں بدل سکتی۔ اس معنی میں کسی کا شعر ہے ۔

یا من سقام جنونہ لسقام عاشقہ طبیب
جارت المودۃ فاستوی عندی حضورک و المغیب

ترجمہ: اے وہ ذات کہ اس کی دیوانگی کا مرض اس کے عاشق کی بیماری کے لئے طبیب ہے۔ محبت کی برقراری میں میرے نزدیک تیرا حضور اور غیبت برابر ہے۔ (۷)

محبت :۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حباب سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنیٰ پانی کے جوش کے ہیں۔ اور شدید بارش میں پانی سے جو بلبلے اٹھتے ہیں۔ اسی لئے محبت نام رکھا گیا ۔ لان اغثیان القلب عند الاشتیاق الی لقاء المحبوب ۔ دوست کا دل دوست کے دیدار کے اشتیاق میں ہمیشہ مضطرب رہتا ہے۔ جس طرح اجسام روح کی مشتاق ہیں۔ یا جسم کا قیام روح کے ساتھ ہے اسی طرح دوستی کا قیام محبت کے ساتھ ہے۔ اور محبت کا قیام محبوب کے وصال اور اس کی رویت میں ہے۔ ۔

اذا تمنی الناس روحا وراحۃ
تمنیت ان القاک یا غر حالیا

جس وقت لوگوں نے خوشی و راحت کی تمنا کی تو اے عزیز میں نے یہ خواہش کی کہ میں تجھے ہر کام سے فارغ کردوں۔ یعنی تیرا سارا بوجھ میں خود اٹھالوں۔ (۸)

ارباب تصوف نے عشق و محبت کے مسائل پر معرکتہ الاراء مباحث پیش فرمائے ہیں، ان بحوث سے اندازہ ہوتا ہے کہ عشق ہی سب کچھ ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں .... حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''**سمیت المحبتہ لانھا تمحو من القلب ماسوئ المحبوب** محبت اسی لئے نام رکھا گیا ہے کہ وہ دل سے محبوب کے ماسوا کو مٹا دیتا ہے''۔ (۹)

امام غزالی فرماتے ہیں..................''محبت نام ہے پسندیدہ چیز کی طرف میلان طبع کا۔اگر یہ میلان شدت اختیار کر جائے تو اسے ''عشق'' کہتے ہیں۔(۱۰)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں ....'' جاننا چاہئے کہ محبت اہل ایمان کے دلوں کی زندگی اور اروح کی غذا ہے اور مقامات رضا اور احوال رضا اور احوال محبت میں یہ مقام سب سے بلند اور افضل ترین ہے، اور جو شخص اور جو وقت بغیر محبت کے گذرتا ہے وہ گویا بے روح رہ جاتا ہے ....مواہب لدنیہ میں بعض محققین سے منقول ہے۔کہ محبت کی حقیقت اہل معرفت کے نزدیک ایک معلوماتی کیفیت ہے۔جس کی لفظوں میں تعریف وتحدید نہیں کی جاسکتی اور نہ ہر کوئی اسے جان سکتا ہے ....بحسب وضع اس کے معنی جھکنے اور کسی ایسی چیز کی طرف دل کے مائل ہونے کے ہیں۔جو اسے مرغوب وموافق ہو۔بعض کہتے ہیں کہ تمام احوال میں محبوب کی موافقت کرنے کا نام محبت ہے۔(۱۱)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''محبت یہ ہے کہ محبوب پر اپنی ہر چیز کو قربان کر دیا جائے۔اور اپنے لئے اپنی کوئی چیز باقی نہ رہے اور کہتے ہیں کہ دل سے محبوب کے سوا سب کچھ فنا کر دینے کا نام محبت ہے۔ اور یہی کمال الفت کا اقتضاء ہے تا کہ دل میں غیر کے آنے اور غیر کی محبت رہنے کی جگہ ہی باقی نہ رہے۔(۱۲)

جب منصور حلاج کو قید میں اٹھارہ دن گذر گئے تو جناب شبلی رحمۃ اللہ نے ان کے پاس جا کر دریافت کیا، اے منصور محبت کیا ہے؟ منصور نے جواب دیا آج نہیں کل یہ سوال پوچھنا جب دوسرا دن ہوا اور ان کو قید سے نکال کر مقتل کی طرف لے گئے وہاں منصور نے شبلی کو دیکھ کر کہا۔محبت کی ابتداء جلنا، اور انتہا قتل ہو جانا ہے۔ (۱۳)

اصحاب دل ونظر کے ان گوہر خیالات سے محبت وعشق کی گونا گونی اور بوقلمونی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس نے محبت کی کیفیت میں خود کو جیسا پایا اس نے محبت کی ویسی ہی تعبیر پیش کردی۔ ان مختلف خیالات میں کوئی تضاد نہیں بلکہ محبت وعشق کی الگ الگ صفتیں ہیں جو بیان ہوئی ہیں۔ محبت انیک اور روح محبت سب میں ایک ہی ہے۔

عشق ایک نفسیاتی حقیقت ہے، ہر آدمی کی فطرت میں یہ صفت ودیعت کردی گئی ہے اسی لئے اسلام خواہشات کی تکذیب نہیں کرتا بلکہ اس کی تہذیب وتادیب کا حکم صادر فرماتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کی مبارک پسلی سے جب اللہ عزوجل نے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا فرمایا۔ آدم علیہ السلام نے دیکھا تو دل میں کچھ خیال پیدا ہوا۔ چوں کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم اطہر میں ''شہوت'' بھی پیدا فرمادی تھی، آدم علیہ السلام نے عرض کیا یااللہ میرا اس سے نکاح کردے، ارشاد باری ہوا اس کا مہر ادا کرو، عرض کیا ۔مولیٰ اس کا مہر کیا ہے فرمایا میرے حبیب پر دس بار درود پڑھو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے درود پاک پڑھا اور اللہ عزوجل نے ان کا نکاح حضرت حوا کے ہمراہ کردیا۔ (۱۴)

نفسانی خواہشات، باطل تصورات، فاسد نظریات، انسان کے آئینہ دل کو گدلا بلکہ میلا کردیتے ہیں۔ جب کہ دل کے مقام ومرتبہ کی تفہیم کے لئے اتنا کافی ہے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ............ ''میری گنجائش نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

اسی لئے اسلامی تعلیمات میں طہارت قلب، صفائی روح، تزکیہ باطن، پاکیزگی نفس پر بھرپور زور دیا گیا ہے۔ اور صوفیاء اسی لئے اپنے ارادتمندوں، مریدوں کو اوراد و وظائف مجاہدہ و چلہ کی مشقت سے گذارتے ہیں۔ تاکہ آئینہ دل منور ہوجائے۔

حضرت رضا بریلوی بیس سال کی عمر میں جب مرید ہونے کے لئے عارف باللہ حضرت سید آل رسول ماہروی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے دیکھتے ہی مرید بھی کرلیا اور اجازت بھی دیدی۔ وہاں حاضر باشوں میں سے کسی نے خلاف معمول بات دیکھ کر دامن ادب پکڑ کر مچل کر عرض کیا............''حضور یہاں تو ریاضت و مجاہدہ کی مشقت سے گذار کر ہی کسی کو مرید کیا جاتا ہے۔احمد رضا ابھی آئے اور آپ نے مرید بھی کرلیا خلافت بھی دیدی..................'' حضرت نے فرمایا........................''اور لوگ گندا دل لے کر آتے ہیں۔اس لئے صفائی کی ضرورت ہوتی ہے یہ تو پاک وصاف، منور ومطہر دل لائے تھے۔صرف نسبت کی ضرورت تھی (۱۵)!'' اسی انسانی فطرت کے اقتضاء ہی کے لحاظ سے عشق حقیقی اور مجازی کا محاورہ وجود میں آیا ہے۔عشق اگر ایسا ہے جو شریعت کا مقصود ومطلوب ہے تو حقیقی ہے۔ورنہ مجازی............ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں۔

> ''تصوف میں پہلا درجہ حسن کے ظہور سے متعلق ہے عام زندگی میں بھی بقائے نسل کا سلسلہ اسی جذبے کا مرہون منت ہے۔جو محبوب کے سراپا کو دیکھ کر عاشق کے دل میں کروٹ لیتا ہے......محبوب کی یہ کشش محض جسم کی سطح تک رہے تو جنسی کشش کہلائے گی۔اور اگر اس کی تہذیب ہوجائے تو محبت کی لطافت میں تبدیل ہوجائے گی''(۱۶)

بعض حضرات عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ بھی قرار دیتے ہیں۔یعنی عشق مجازی تجربہ ہے اور حقیقی منزل مقصود تک رسائی۔عشق چاہے حقیقی ہو یا مجازی مراد و مدعاء وصال محبوب، لذتوں میں گم ہوجانا، کیفیتوں میں کھوجانا، ظاہر ہے یہ راستہ بہت ہی پرخطر اور پرضرر ہے قدم قدم پر رہنمائی و رہبری کی ضرورت ہے تا کہ دل کا آئینہ بے غبار بھی رہے اور آدمی دائمی مسرتوں سے ہمکنار بھی ہوجائے۔اسی لئے صوفیاء نے محبت کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک یہ کہ جنس کی محبت دوسرے ہمجنس کے ساتھ ہو ایسی محبت میلان طبع اور نفس پرستی کہلاتی ہے

۔ایسا طالب محبوب کی ذات کا عاشق اور اس پر فریفتہ ہوتا ہے۔دوسری قسم یہ کہ ایک جنس کی محبت کسی غیر جنس کے ساتھ ہو۔ایسی محبت میں اپنے محبوب کی کسی صفت پر سکون وقرار حاصل کرنا ہوتا ہے۔تاکہ وہ اس خوبی سے راحت پائے۔اور انس حاصل کرے۔ (17)

صوفیٔ باصفا مولانا جلال الدین رومی عشق مجازی کی ایک حکایت بیان فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

''عارضی حسن معشوق بنانے کے قابل نہیں ہے۔عشق اسی ذات سے ہونا چاہئے جو لازوال ہے۔انسان کی ابتداء بھی وہی ہے اور منتہا بھی وہی ہے۔اللہ **یبدی الخلق ثم یعیدہ ثم الیہ ترجعون** :اللہ ہی شروع میں پیدا کرتا ہے۔پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔اللہ کے وصل کے بعد پھر کسی معشوق کا منتظر نہ بن۔وہی ظاہر ہے وہی باطن۔عاشق خدا احوال پر حاکم ہوتا ہے۔احوال کا محکوم نہیں ہوتا۔جو شخص احوال کے تابع ہے وہ کامل نہیں۔فناء الفنا کے درجے پر پہنچ کر احوال اس عاشق کے تابع ہوجاتے ہیں جس حال کی اس کو خواہش ہو وہ پیدا ہو جائے گا۔وہ چاہے تو موت جیسی تلخ چیز بھی شیریں بن جاتی ہے اور کانٹے پھول بن جاتے ہیں''(18)

حضرت میر عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ نے محبت کی بڑی نفیس توجیہ اور اس تعلق سے بڑا لذیذ نکتہ بیان فرمایا ہے۔عشق کے تعلق سے بہت سارے راز حضرت نے آشکار فرمائے۔اور بہت سے نہاں گوشوں کو عیاں کیا ہے۔فرماتے ہیں......''محبت جمیل حقیقی کا خود اپنے جمال کی جانب کلی توجہ اور تفصیل سے میلان کا نام ہے اور وہ چار قسم پر ہے۔کل سے کل کی جانب میلان، اور وہ جمال ذات کا مشاہدہ ہے آئینہ ذات میں بلا واسطۂ کائنات (۲) دوسرے کل سے تفصیل کی جانب توجہ، جیسا کہ ذات یکتا کا اپنے بے

شمار ولا تعداد لمعات جمال مظاہر کا مشاہدہ اور اپنی صفات کا مطالعہ، وہ خود اپنے ہی جمال سے عشق کرتا ہے اس کے سوا کچھ اور نہیں (۳) تیسرے تفصیل سے تفصیل کی جانب التفات جیسا کہ اکثر انسانی افراد جمال مطلق کا عکس، آثار قدرت کی تفصیلات کے آئینے میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اسی جمال مطلق کو اپنا مقصود کلی بنا لیتے ہیں۔ اسی کے وصل کی لذتوں سے خوش ہوتے ہیں۔ اور اس کے فراق میں دردمند پھرتے ہیں۔ ؎

اے حسن تو کردہ جلو ہا در پردہ
صد عاشق و معشوق پدید آوردہ
از حسن تو لیلیٰ ، دل مجنوں بردہ
و زشوق تو وامق غم عذرا خوردہ

تیرے ہی حسن نے پردے پردے میں جلوہ نمائی کی۔ اور ہزاروں عاشق و معشوق پیدا فرما دیئے۔ تیرے ہی حسن کی بدولت لیلیٰ نے مجنون کا دل لیا اور تیرے ہی شوق سے وامق کو عذرا کا غم کھانا پڑا۔ (۴) چوتھے تفصیل سے کل کی جانب رجوع، چنانچہ بندگان خاص عقل کے سرمایے کو افعال و آثار کے کارخانے سے باہر لے آتے ہیں۔ اور حالات و صفات کے حجابات کو پھاڑ کر اپنی مرادات سے لپٹے ہوئے ہیں۔ اور ان کے دل کی توجہ کا قبلہ گاہ سوائے اس ذات برگذیدہ صفات کے اور کوئی نہیں۔ حضرت ناصر الحق والدین عبید اللہ قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر غور سے نظر کرو تو تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مراتب وجود میں کسی مرتبہ کو دوست نہیں بنایا۔ اس لئے کہ کسی صاحب جمال کا آئینے سے محبت رکھنا آئینے کی ذات کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے کہ وہ اس میں اپنے حسن و جمال کا مشاہدہ کرتا ہے اس لئے حقیقتاً یہ محبت اپنی ذات سے محبت ہے۔ ؎

یحبھم و یحبونہ چہ اقرار است   بزیر پردہ مگر خویش را خریدار است (۱۹)

شان قدرت کے نظارے ہی کے لئے آئینہ نبوت کی تخلیق عمل میں آئی تھی، کنت

کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق.................یعنی بلفظ غالب ؎

دہر جز جلوۂ یکتائی محبوب نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عشق کا محل ذات باری تعالیٰ ہے۔کائنات میں جو کچھ حسن و جمال ہے سب اللہ جمیل کا عکس و پرتو ہے۔لہٰذا وہی ذات محبت کے لائق ہے۔ یہ اسی درد محبت کی ٹیس ہے کہ۔مولانا روم پکار اٹھتے ہیں۔ ؎

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما

یہ اسی سوز عشق کی کسک تھی کہ رضا بریلوی گنگنا اٹھتے ہیں۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

تاہم عشق کا یہ بلند مرتبہ ہر کس و ناکس کا حصہ نہیں ہے محبت کا یہ وہ قصر رفیع ہے جس کی بلندی کو دیکھنے اور جھانکنے کے لئے بڑے بڑوں کے سروں سے ٹوپیاں گر پڑتی ہیں۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ۹/ مدارج شمار کئے ہیں جس میں نواں درجہ محبت و عشق ہے حضرت کی ترتیب یہ ہے۔(۱) میل (۲) رغبت (۳) طلب (۴) ولع (یعنی فریفتگی اور اچھی چیز کی تمنا) (۵) صبابہ یعنی مطلوب کے نہ ملنے پر دل تنگ ہونا (۶) ہوا (۷) شغف (۸) اغرام، یعنی طلب مطلوب میں اپنے آپ کو ہلاک کر دینے کے درپئے ہوجانا (۹) حب مطلق، یا عشق.......................(۲۰)

منازل عشق کی اس صوفیانہ ترتیب کی روشنی میں عشق کے درجہ تک پہنچنے کے لئے پہلے آٹھ منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔جب کہ ہر منزل صبر آزما، زہرہ گداز، اور جان جوکھم میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ان مدارج کے سر کئے بغیر اگر کوئی عشق کا دعویٰ کرے تو

وہ اپنی قلعی آپ کھولے گا اپنا منہ آپ چڑھائے گا۔ ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ''عشق'' کا استعمال جائز ہے کہ نہیں اس میں مشائخ کے اختلافات ہیں۔ عشق کے تعلق سے پچھلے اوراق میں جو اس کی معنوی توجیہ اور اصطلاحی توضیح پیش کی گئی ہے اس کی بھی شقیں غماز ہیں کہ اس لفظ عشق کا استعمال مخلوق کے مناسب ہے خالق کے مناسب نہیں اور یہی احوط واسلم راستہ ہے کہ خدا کی ذات کے لئے اس لفظ کے استعمال سے احتراز کیا جائے............ چنانچہ اس سلسلے میں ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ کا عشق ہوسکتا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کو کسی سے عشق ہو یہ سمجھنا جائز نہیں ۔ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ بندہ کا حق تعالیٰ پر عاشق ہونا بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ حد سے بڑھ جانے کا نام عشق ہے۔ اور حق تعالیٰ محدود نہیں۔ صوفیائے متاخرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا عشق دونوں جہاں میں درست نہیں ہوسکتا۔ البتہ ادراک ذات کا عشق ممکن ہے مگر حق تعالیٰ کی ذات مدرک نہیں لہٰذا اس کی کسی صفت کے ساتھ ہی عشق و محبت درست ہوسکتا ہے۔ اس کی ذات کے ساتھ درست نہیں ہوسکتا۔

حق تعالیٰ نے اپنی صفات وافعال کے ساتھ جب اپنے اولیاء پر احسان وکرم فرمایا تو بایں وجہ صفات کے ساتھ محبت کرنا درست ہوجاتا ہے، (۲۱) اللہ تعالیٰ کو عاشق اور حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا معشوق کہنا جائز ہے یا نہیں اس تعلق سے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں............ ''ناجائز ہے کہ، معنیٔ عشق اللہ عزوجل کے حق میں محال قطعی ہیں ایسا لفظ بے ورود ثابت شرعی حضرت عزت کی شان میں بولنا ممنوع قطعی'' (تعلیمات اعلحضرت ص۳۳ ربحوالہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم) ذات سے نہ سہی صفات ہی سہی، خالق سے نہ سہی مخلوق ہی سے سہی جب عشق کا کانٹا دل میں چبھ جاتا ہے۔ جب محبت اپنے کمال کو پہنچ

جاتی ہے تو عاشق محبوب کا بندۂ بے دام بن جاتا ہے۔ اب تصور محبوب، ذکر محبوب کے بغیر اسے ایک پل بھی کل نہیں ملتا۔ اس معرکے کو سر کرنے کے لئے وہ ہر طرح کی قربانی و جانبازی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ مال و دولت، عزت و عظمت سب نچھاور کر دینے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں اپنا حسن اور مال و دولت قربان کر دیا۔ زلیخا کے پاس ستر اونٹوں کے بوجھ کے برابر جواہر اور موتی تھے جو عشق یوسفی میں نثار کر دیئے۔ جب بھی کوئی کہہ دیتا کہ میں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا ہے تو وہ اسے بیش قیمت ہار دیتی۔ یہاں تک کہ کچھ بھی باقی نہ رہا۔ اس نے ہر چیز کا نام یوسف رکھ چھوڑا تھا۔ اور فرط محبت میں یوسف علیہ السلام کے سوا سب کچھ بھول گئی تھی۔ جب آسمان کی طرف دیکھتی تو اسے ہر ستارے میں یوسف نظر آتا تھا۔ (۲۲)

یہاں تک کہ محبوب سے نسبت رکھنے والی چیز محبوب سے تعلق رکھنے والا کا ہر کام اسے عزیز از جان ہوتا ہے۔ وہ کتا جو لیلیٰ کے کوچے میں رہتا تھا مجنوں اس کو چومتا اور نوازتا تھا، کبھی شکر آمیز گلاب اسے پلاتا۔ کبھی لپٹ کر جان نثار کرتا کسی شخص نے دیکھا اور کہا اے ناقص پاگل یہ کیسی مکاری ہے جو تو ہمیشہ کرتا ہے۔ تو مجنون نے کہا تو مجسم نقش اور صورت ہے۔ اندر آ اور اس کو میری نظر سے دیکھ کہ یہ طلسم مولیٰ کا قائم کیا ہوا ہے یہ لیلیٰ کے کوچے کا محافظ ہے۔ ؎

آں سگے کہ گشت در کویش مقیم
خاک پایش بہ زشیران عظیم

وہ کتا جو اس کے کوچے میں مقیم ہے۔ عظیم شیروں سے اس کے پیر کی خاک بہتر ہے۔ (۲۳)

محبوب کی ذات میں فنا ہو جانا، محبوب کے تصور میں گم رہنا۔ محبوب کے ذکر و خیال میں کھو جانا بھی محبت کے تقاضے سے ہے۔ مجنوں سے کسی نے پوچھا۔ تیرا نام کیا ہے ؟............ بولا............ لیلیٰ !............ ایک دن اس سے کسی نے کہا لیلیٰ مر گئی، مجنوں نے

جواب دیا لیلیٰ نہیں مری وہ تو میرے دل میں ہے۔اور میں ہی لیلیٰ ہوں۔ایک دن جب مجنوں کا لیلیٰ کے گھر سے گذر ہوا۔تو وہ ستاروں کو دیکھتا ہوا گذرنے لگا۔کسی نے کہا نیچے دیکھو شاید تمہیں لیلیٰ نظر آ جائے مجنوں نے کہا میرے لئے لیلیٰ کے گھر کے اوپر چمکنے والے ستارے کی زیارت ہی کافی ہے......(۲۴)

سچ کہا ہے شاعر مشرق نے۔ؔ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

طوفان کے آلام اور موجوں کے شدائد سے وہی صحیح معنی میں باخبر ہوسکتا ہے جو خود کبھی طوفان کی المناکی سے گذر چکا ہو، تھپیڑوں کے مدوجزر کا جسے تجربہ ہو چکا ہو، ساحل سمندر تماشہ بینوں کو کیا معلوم کہ اس پر کیا گذری، کیا بیتی، اسی طرح درد محبت کی لذتوں سے وہی لطف اندوز ہوسکتا ہے جو خود اس جانگسل رہگذر سے ہو کر آیا ہو، جسے جادۂ عشق کے سنگریزوں نے لہولہان کیا ہو جو مرد جانباز ان زہرہ گداز مراحل سے گذر گیا وہ پھر ناز دوا اٹھانے کی بات نہیں کرتا، اس کی نظر میں آسائش حیات اور لذائذ دنیا کی کوئی وقعت نہیں رہتی وہ تو جلوہ جاناں کی نیرنگیوں میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ جدھر دیکھتا ہے جلوہ محبوب نظر آتا ہے، جدھر جاتا ہے تصور محبوب کی چاندنی اس کا سائبان ہوتی ہے یہاں تک کہ قبر کی تیرگیوں میں بھی وہ جلوۂ محبوب ہی کا اجالا دیکھتا ہے۔ؔ

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لیکے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لیکے چلے

اور جب قالب جلوۂ عشق کا نگارخانہ بن جاتا ہے، جسم کی سلطنت پروہ گوہر مقصود روح بن کر حکومت کرنے لگتا ہے، اب اس کی حرکت وسکون اس کی نہیں ہوتی وہ تو جلوۂ محبوب کی تجلیات ہوتی ہیں۔اب اس کو کشش غیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی مہلت نہیں ہوتی،

اس چوکھٹ کی لذت آشنائی شاہی اعزاز سے بھی اسے مستغنی وبے نیاز کردیتی ہے۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
(رضا)

حوالے

عشق ! حقیقت کے آئینے میں

۱۔	لغات کشوری	مطبع نول کشور	ص۴۹۲
۲۔	فیروزاللغات (اردو)	// // //	ص۴۸۲
۳۔	مصباح اللغات	// // //	ص۵۵۴
۴۔	لسان العرب، جلد دہم	مطبوعہ بیروت ۱۹۵۶ء	ص۲۵۱
۵۔	// // //	// // //	ص۲۵۶
۶۔	المنجد	// // //	ص۵،۷
۷۔	کشف المحجوب	داتا گنج بخش علی ہجویری	ص۴۴۰
۸۔	// // //	// // //	ص۴۴۱
۹۔	// // //	// // //	ص۴۴۰
۱۰۔	مکاشفۃ القلوب	امام غزالی	ص ۸۴
۱۱۔	مدارج النبوت، ج اول	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	ص۵۱۵
۱۲۔	// // //	// // //	ص۵۱۶
۱۳۔	مکاشفۃ القلوب	امام غزالی	ص۸۵
۱۴۔	فیضان سنت	مولانا الیاس قادری	ص۱۴۶

۱۵۔	پیغام رضا کا، امام احمد رضا نمبر	۱۹۹۶ء	ص ۱۶
۱۶۔	اقبال کے تصورات عشق وخرد	ڈاکٹر وزیر آغا	ص ۱۶۸
۱۷۔	کشف المحجوب	داتا گنج بخش علی ہجویری	ص ۴۴
۱۸۔	مثنوی مولانا روم	سب رنگ کتاب گھر دہلی	ص ۱۴۳،۱۴۲
۱۹۔	سبع سنابل شریف حضرت خواجہ میر عبد الواحد	میر عبدالواحد بلگرامی، رضوی کتاب گھر دہلی (ملخصا)	ص ۱۴۶ تا ۲۴۴
۲۰۔	اردو غزل میں تصوف ولی سے اقبال تک	ڈاکٹر اعجاز مدنی (بحوالہ جذب القلوب)	ص ۱۶۵
۲۱۔	کشف المحجوب	داتا گنج بخش علی ہجویری	ص ۴۴۸ تا ۴۴۷
۲۲۔	مکاشفۃ القلوب	امام غزالی	ص ۸۴
۲۳۔	مثنوی مولانا روم	مولانا جلال الدین رومی	ص ۶۵
۲۴۔	مکاشفۃ القلوب	امام غزالی	ص ۸۵

تصور عشق اسلام کی نظر میں

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

تخلیق کائنات کا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ اللہ کی عبادت واطاعت کی جائے، اس کی ذات وصفات سے محبت کی جائے۔ بندہ اس کے ذکر وفکر میں ڈوبا رہے، محبت الٰہی میں بندہ اس کمال تک پہنچ جائے کہ اس کی اطاعت کی بجا آوری میں تکلف ومشقت معلوم نہ ہو۔ اللہ سے جتنی زیادہ محبت ہوگی اتنی ہی اس کے احکام کی بجا آوری آسان ہوگی۔ نیز یہ کہ اس کی عطا پر شاکر اور ابتلا پر صابر رہے۔ ایک حرف شکوہ ولفظ شکایت بھی زبان پر نہ لائے۔

حضرت **یحیٰی بن معاذ رازی** رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حقیقۃ المحبۃ لا ینقص بالجفاء و لا یزید بالبر والعطاء۔ حقیقی محبت نہ ظلم سے کم ہوتی ہے اور نہ نیکی وعطاء سے بڑھتی ہے۔(۱)

چوں کہ راہ عشق میں کرم و جفا دونوں برابر ہیں اس لئے محبّ محبوب کی بلا میں خوش

ہوتا ہے، وفا جفا کی مانند اور جفا وفا کی طرح معلوم ہونے لگتی ہے...... حضرت استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ...... **المحبۃ محو المحب بصفاتہ و اثبات المحبوب بذاتہ** ۔محبت وہ ہے کہ وہ اپنی تمام صفتوں کو محبوب کی طلب اور اس کی ذات کے اثبات میں فنا کردے۔ (۲)

حضرت **سہیل بن عبداللہ تستری** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **المحبۃ معانقۃ الطاعات و مباینۃ المخالفات** ۔محبت یہ ہے کہ محبوب کی طاعتوں میں ہی ہم آغوش رہے۔اور اس کی مخالفتوں سے ہمیشہ بچتا رہے۔ (۳)

حضرت الشاہ **ابوالحسین احمد** نوری مارہروی فرماتے ہیں کہ............
...... جاننا چاہئے کہ نسبت بہ خدا دو قسم پر ہے ایک عاشقانہ یعنی اس تعلق کا غلبہ جو عاشق کو معشوق کے ساتھ ہوتا ہے۔پہلی نسبت خلیلی ہے۔اور دوسری نسبت حبیبی۔نسبت جیسی نسبت خلیلی یہ ہے کہ طالب کے تمام کام مطلوب کی مرضی کے مطابق انجام پائیں اور نسبت حبیبی یہ ہے کہ مطلوب کے جملہ امور طالب کے موافق وجود میں آئیں۔ (۴)

مومنوں کی محبت اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ وہ اس کے احکام پر عمل کریں، اس کی عبادت کریں اور اس کی رضا کے طلبگار رہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی مومنوں کے ساتھ محبت یہ ہے کہ وہ ان کی تعریف کرے، انہیں ثواب عطا فرمائے، ان کے گناہوں کو معاف کرے، اور انہیں اپنی رحمت سے حسن توفیق، عفت و عصمت عطا فرمائے حدیث قدسی ہے کہ بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میری نزدیکی چاہتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں۔جب وہ میرا محبوب ہوجاتا ہے تو میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور زبان بن جاتا ہوں، نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جب خدا کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے تو جبرئیل امین سے فرماتا ہے اے جبرئیل میں نے فلاں بندے کو محبوب بنالیا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبرئیل بھی اس کو محبوب سمجھنے لگتے ہیں۔اس کے بعد جبرئیل آسمان والوں سے

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بندے کو محبوب بنالیا ہے۔اے آسمان والو تم بھی اسے محبوب سمجھو، پھر وہ زمین والوں سے فرماتے ہیں تو زمین والے بھی اسے محبوب سمجھنے لگتے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کی عنایات ونوازشات، اس کی رحمت ورافت کے بحر بیکراں کو سمجھا جا سکتا ہے۔کوئی اپنے دامن میں محبت کے پھول سجا کر ذرا اس کی بارگاہ میں پیش ہو کر تو دیکھے۔وہ کیسا رحیم وکریم اور کیسی نرالی شان کی محبت والا ہے۔ایسا مہربان کہ اسے اپنے بندوں کی ناکردنی وناشدنی ظلم وزیادتی پر بھی پیار آتا ہے اور اس کی رحمت ومحبت داغ معاصی دھونے کے لئے بیقرار ومضطرب ہو جاتی ہے۔اس کی معافی کا دامن اپنے خطا کار بندوں کو ڈھانپ لینا چاہتی ہے۔حضرت شیخ میر عبدالواحد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلافت بخشی تو ان میں پہلے (ان کے لائق) معصیت اور لغزش پیدا فرمائی، اگر یہ لغزش ان میں نہ ہوتی تو اسماء اور صفات کا علم ان پر منکشف نہ ہوتا اور وہ لغزش کی وادی سے نہ گذرتے تو یحبہم کی تجلی یحبونہ کی صورت میں ان پر نہ ڈالی جاتی اور اگر ان میں تخم جرم کی اہلیت نہ ہوتی تو امانت کا بوجھ کس طرح اٹھا لیتے۔حضرت آدم کی لغزش فرشتوں کی معصومیت پر بازی لے گئی کہ انہیں مسجود ملائکہ بنایا گیا، اور چوں کہ فرشتوں کو گناہ سے کوئی سروکار نہ تھا اس لئے وہ اس سوال کی جرأت کر بیٹھے اور بولے اتجعل فیہا من یفسد فیہا اور یہ جواب پایا کہ انی اعلم مالا تعلمون۔جو ہم جانتے ہیں تم کیا جانو۔''ے

کمال صدق محبت بہ بیں نہ نقص گناہ
کہ ہر کہ بے ہنر افتد نظر بعیب کند

تو کمال صدق کو دیکھ، گناہ کے نقص پر نظر نہ ڈال، اس لئے کہ جو بے

ہنر ہوتا ہے اسی کی نظر دوسروں کے عیبوں پر پڑتی ہے۔ جب کہ یہی
معصیت ، رافت و رحمت ، اور مغفرت کے خزانوں کی کنجی ، اور
حسرت وندامت اور معذرت کا وسیلہ ہے۔ (۵)

اس میں کوئی دورائے نہیں اور اس حقیقت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ معراج بندگی ، اعزاز زندگی اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت ہے اللہ کی محبت اللہ کی رحمت و رضا کے حصول کا قوی اور توانا تر ذریعہ ہے اور تخلیق انسانی کا مقصد بھی یہی ہے کہ بندہ خدا سے محبت کرے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اور حدیث نفیس کی بکثرت روایات اس پر شاہد عدل ہیں۔ اس سے کچھ لوگ لغزش فہم وفکر کا شکار ہو گئے اور وہ رسول کی محبت سے ہٹ کر صرف اور صرف خدا کی محبت پر زور دینے لگے، ان کے نزدیک توحید ہی سب کچھ ہے۔ رسالت کی اتنی اہمیت نہیں جتنی اسلام وایمان کا مراد ومقصود ہے۔ حالانکہ رسول کی محبت سے ہٹ کر خدا کی محبت کی کچھ حیثیت واہمیت نہیں ہے۔ توحید وہی مقبول بارگاہ ہے جو رسالت کے حسین غلاف میں لپٹی ہوئی ہو، خدا کی وہی محبت کار آمد اور نتیجہ خیز ہے۔ جو در مصطفیٰ سے حاصل ہو۔ محبّ سے ترقی کر کے محبوب تک پہنچنا حضور کی پوری اطاعت کے بغیر ناممکن ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ۔ لوکان موسیٰ حیالماوسعہ الا اتباعی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ اور کوئی محبّ محبوبیت کا خواہشمند ہو خدا رسیدہ نہیں ہوسکتا مگر کسی محبوب کے وسیلے سے۔

حضرت **سید مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”جان لو کہ ازلی محبت حقیقت مصطفویہ کی کشش میں ایسی ہے جس
طرح مقناطیس کی خاصیت لوہے کی کشش میں، جس طرح مقناطیس
اپنی صفت یعنی خاصیت کشش کو اپنے متصل لوہے کو بخش دیتا ہے

تا کہ وہ دوسرے لوہے کو کھینچ سکے ۔ اسی طرح ہر کشش والی چیز کی
خاصیت اس کے کشش کردہ میں سرایت کرجاتی ہے ۔روح محمدی نے
(علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام) جواللہ تعالیٰ کی محبوب وکشش کردہ ہے ۔
اہل ایمان کی ارواح کی کشش کی خاصیت محبِّ ازلی کے مقناطیس
سے بدرجۂ اولیٰ حاصل کی ،اور ہزار ہاارواح مومنین کودنیا کے گوشوں
سے اپنی جانب کھینچ لیا۔اوران میں سے ہرایک نے اپنی استعداد کے
موافق اس خاصیت سے حصہ پایااورارواح تابعین کواپنی طرف کھینچا
۔اس طرح ہردور کے مشائخ وعلماء عارفین تک یہ خاصیت منتقل ہوئی ۔
اور ہرمرید خودمراد ہوگیا یہ سب حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی اتباع کی برکت ہے۔ (٦)

حضرت کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ روح محمدی محبت الٰہی کی کشش سے فیضیاب ہوئی اور علماء مشائخ آپ کی اتباع سے ہی فیوض ربانی کے مرکز بنتے اورمحبوبیت وولایت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں ۔ یہ سب کمالات محمدی کے جلوے ہیں ۔جس کی تحصیل آپ کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات کی محبت کے ساتھ مشروط ہے۔بغیر حضور کی محبت کے خدا کی محبت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔محبوبیت کے منصب سے سرفراز ہونا تو بہت دور کی بات ہے شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز برپئے مصطفےٰ

اے سعدی تم گمان بھی مت کروکہ صفا(خدا کی محبت) کا راستہ حضور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر طے کرسکتے ہو۔صاف ظاہر ہے کہ خدا تک وصول کے

لئے حضور کی محبت کا حصول لازمی اور بنیادی عنصر ہے۔ اسی مفہوم کو حضرت رضا بریلوی نے یوں الفاظ کے پیکر میں ڈھالا ہے۔ ؎

بخدا خدا کا یہی در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

قرآن حکیم کے مقدس ارشادات اور حدیث مبارک کے منور فرمودات جو اس سلسلے میں وارد ہیں ان سے دینیات کا ورق ورق مزین ہے۔ چونکہ آپ کی اطاعت و اتباع ہی روح اسلام ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کی محبت و اطاعت پر بہت زور دیا ہے۔ صرف چند آیات پارے اور رکوع کے حوالے کے ساتھ پیش ہیں۔

(۱) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم واللہ غور الرحیم . قل اطیعو اللہ والرسول فان تولو فان اللہ لایحب الکافرین۔ (پ۳، ر۱۱)

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔ پھر اگر وہ منھ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر (ترجمہ کنز الایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق اور دوستی قائم کرنے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع ضروری ہے۔ یعنی اگر کوئی اللہ کو محبوب بنانا چاہے تو اس کے رسول کی پیروی کرے اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بندہ بنالے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرتے اور آپ کے طریقۂ کار کو نہیں اپناتے تو ان کا دعویٰ محبت جھوٹا ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ اسی لئے اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اگر تم خدا

سے محبت رکھنے کے دعویٰ میں سچے ہوتو میری سنتوں پرعمل کرو۔ تو اس وقت وہ تمہارا چاہنے والا بن جائے گا۔ بعض صوفیا کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تیرا چاہنا کوئی بات نہیں، لطف تو اس وقت ہے کہ خدا تجھے چاہنے لگ جائے۔ ؎

ہر جفا ہر ستم گوارہ ہے   اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

غرض خدا کی محبت کی نشانی یہی ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت کو مدنظر رکھا جائے۔ پھر آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے کی مخالفت کفر ہے۔ یعنی ایسے لوگ خدا کے دوست نہیں ہو سکتے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی نہ کریں۔

(۲) تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا و ذالک الفوز العظیم(۴/۱۳)

یہ اللہ کی حدیں ہیں اور حکم مانے اللہ او راللہ کے رسول کا ، اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جس کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی (کنزالایمان)

زندگی گذارنے کے ضابطے، قرآنی احکام اور سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت میں ہر ایک کے سامنے موجود ہیں، جنہیں حدود اللہ کہا گیا ہے اور جو شخص ان حدود میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اسے آخرت میں جنت میں داخل کیا جائے گا اور یہ اطاعت رسول کا انعام ہوگا، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ ایک شخص ستر سال تک نیکی کا عمل کرتا رہے لیکن موت سے پہلے اپنی وصیت میں ظلم وستم کر جاتا ہے تو اس طرح اس کا خاتمہ برے عمل یعنی خلاف سنت اعمال پر ہو تو وہ جہنمی بن جاتا ہے۔ اور ایک شخص ستر سال تک برائی کا عمل کرتا رہتا ہے لیکن اپنی وصیت میں اتباع سنت سے کام لیتا ہے تو اس کا خاتمہ بہتر ہوا۔ تو وہ جنت میں جائے گا، معلوم ہوا کہ انسانی کامیابی اسی میں ہے کہ قیامت

کے روز انسان بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہو اور اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہی بتایا ہے کہ اس کی اور اس کے رسول کی اتباع کی جائے، اور یہی کامیابی کی دلیل ہے۔

(۳) قل اطیعو اللہ و اطیعو الرسول فان تولو ا فانماعلیه ما حمل وعلیکم ماحملتم و ان تطیعوہ تهتدو ا وما علی الرسول الا البلاغ المبین (۱۲/۱۸)

تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منھ پھیرو تو رسول کے ذمہ وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا ہے اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا۔ اور اگر رسول کی فرماں برداری کروگے، راہ پاؤ گے ۔ اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچانا (کنزالایمان)
منافقین کا رویہ یہ تھا کہ آپ کے پاس آ کر قسمیں کھاتے کہ ہم ہر طرح سے آپ کی اطاعت میں ہیں حالانکہ وہ سچے دل سے اطاعت نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کی اطاعت زبان کی حد تک محدود تھی، عملی طور پر وہ مومن نہ تھے، ان کے اس طرز عمل پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تاکید کی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، قرآن اور سنت کے مطابق اپنی زندگی کو بسر کرو اور اگر تم اتباع سنت سے منھ موڑ لو اور اسے چھوڑ دو تو تمہارے اس گناہ کا وبال میرے نبی پر نہیں بلکہ تم پر ہے۔ اس لئے ہدایت پر آ جاؤ اور ہدایت صرف اتباع رسول میں ہے بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ

(عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال والذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ وولدہ.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے (قدرت) میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک میں اسے اس کے والدین اور اس کی اولاد سے عزیز تر نہ ہوں۔ (۷)

بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے

عن انس قال قال رسول اللہ ا لایومن احدکم حتیٰ اکون احب الیه

من والدہ وولدہ والناس اجمعین

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے والدین، اولاد، اور دنیا بھر کے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ (۸)

اس حدیث کے تحت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں (فارسی سے ترجمہ)

''یعنی مومن کامل کے ایمان کی نشانی یہ ہے کہ مومن کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام چیزوں اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب و معظم ہوں۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیادہ محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اونچا مانے۔ اس طرح کہ حضور کے لائے ہوئے دین کو تسلیم کرے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کرے۔ حضور کی تعظیم وادب بجالائے۔ اور ہر شخص اور ہر چیز، یعنی اپنی ذات، اپنی اولاد، اپنے ماں باپ، اپنے عزیز واقارب، اور اپنے مال واسباب پر حضور کی رضا وخوشی کو مقدم رکھے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ہر پیاری چیز، یہاں تک کہ اپنی جان کے چلے جانے پر راضی رہے، لیکن حضور کے حق کو دبتا ہوا گوارہ نہ کرے''۔ (اشعۃ اللمعات، ج ا ص ۴۷)

اور حضرت ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

''اس حدیث میں محبت سے مراد محبت ایمانی ہے جو آپ کی بزرگی، قدر وعظمت اور آپ کے احسان ومہربانی کے سبب (قلب مومن میں) پیدا ہوئی ہے۔ محبت ایمانی کا تقاضہ یہ ہے کہ محبّ اپنے محبوب

کی تمام خواہشوں کو دوسرے لوگوں یہاں تک کہ اپنے عزیز، اور خود اپنی ذات کی اغراض پر ترجیح دے۔ اور چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محبت کئے جانے کے تمام اسباب یعنی، خوب صورتی، خوش خلقی، کمال بزرگی، اور کمال احسان کے جامع ہیں۔ اور ایسے جامع ہیں کہ آپ کے سوا کوئی دوسرا اس جامعیت کو نہیں پہنچ سکتا لہٰذا آپ ہر مومن کے نزدیک اس کے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہونے کے مستحق ہیں۔ تو مومن کے تئیں اس کے غیر سے بدرجۂ اولیٰ آپ محبوب ہوں گے خاص کر اس صورت میں کہ آپ اس محبوب حقیقی یعنی خدائے تعالیٰ کی طرف سے رسول ہیں۔ اور خدا تک پہنچانے والے، اور اس کی بارگاہ جبروت میں عزت وعظمت والے ہیں"......(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ا ص ۶۴)

مسلم شریف نے ایک باب ہی باندھا ہے جس کا عنوان ہے۔ **باب وجوب محبته رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اكثر الولد والوالد والناس اجمعين و اطلاق عدم الايمان علىٰ من لم يحبه هذهٖ المبحة .**

باب، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بی بی، اولاد، ماں، باپ، اور سب لوگوں سے زیادہ محبت رکھنا واجب ہے اور جس کو ایسی محبت نہ ہو۔ وہ مومن نہیں" اور اس کے نیچے وہی حدیث ذکر کی ہے جو حضرت انس کی روایت، بخاری شریف کے حوالے سے گذری، اس حدیث کے ذیل میں مولانا وحید الزماں، شرح نووی کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔

"خطابی نے کہا مراد وہ محبت نہیں ہے جو طبعی ہوتی ہے اور غیر اختیاری، بلکہ مقصود محبت اختیاری ہے، تو مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اور آپ کے ارشاد کی تعمیل سب چیزوں سے مقدم رکھے، ماں باپ، بی بی، اولاد، آشنا، یہ سب اگر

ناراض ہوجائیں تو قبول کرے، پر خدا اور رسول کی نافرمانی ہرگز اختیار نہ کرے، یہی محبت صادقہ ہے جس پر ایمان کا مدار ہے۔ابن بطال اور قاضی عیاض نے کہا، محبت تین قسم کی ہوتی ہے، ایک تو محبت بزرگی کی وجہ سے، جیسے بیٹے کو باپ سے ہوتی ہے۔اور شاگرد کو استاذ سے۔ دوسری محبت شفقت اور پیار کی جیسے ماں، باپ کو اولاد سے ہوتی ہے۔تیسری محبت، ہم شکل اور ہم خیال ہونے کی، جیسے دوست آشناؤں سے ہوتی ہے، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان تمام محبتوں کو جمع کیا ہے، ابن بطال نے کہا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کا ایمان کامل ہو وہ اس بات کا یقین کرے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق اس پر زیادہ ہے، اس کے باپ اور بیٹے کے حق سے۔کیوں کہ رسول اللہ کے طفیل سے ہم کو جہنم سے نجات ملی ہے، اور ہم نے گمراہی سے نکل کر ہدایت پائی ہے............قاضی عیاض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کی سنت کی مدد کرنا اور آپ کی شریعت پر جو اعتراض کرے اس کا جواب دینا، اور آپ سے ملنے کی آرزو کرنا، اگر چہ جان اور مال سے تصدق ہوجائے اور جب یہ بات معلوم ہوئی تو یہ بات ثابت ہوئی کہ ایمان کی حقیقت پوری نہیں ہوتی بغیر اس محبت کے اور ایمان صحیح نہیں ہوتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر و منزلت، ماں، باپ، بزرگ، محسن (سے) زیادہ دل میں نہ ہو اور جس کا یہ اعتقاد نہ ہو۔وہ مومن نہیں ہے۔ (۹)

(۴) بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کا پہلا ٹکڑا ہے۔''**قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من کن فیه وجد بهن حلاوت الایمان من کان اللہ و رسوله احب الیه مما سوا هما**

فرمایا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جس میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی لذت پالے گا''اس کی تشریح میں حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

'' جیسے جسمانی غذاؤں میں مختلف لذتیں ہیں ۔ ایسے ہی روحانی

غذاؤں ایمان و اعمال میں بھی مختلف مزے ہیں۔ اور جیسے ان غذاؤں کی لذتیں وہی محسوس کرسکتا ہے جس کے حواس ظاہری درست ہوں، ایسے ہی ان ایمانی غذاؤں کی لذتیں وہی محسوس کرسکتا ہے جس کی روح درست ہو، اور جیسے ظاہری حواس درست کرنے کی مختلف دوائیں ہیں ایسے ہی ان حواس کی درست کرنے والی روحانی دوائیں ہیں۔ اس حدیث میں انہی دواؤں کا ذکر ہے۔ حضور جسمانی وروحانی حکیم مطلق ہیں۔ جو ایمان کی حلاوت پالیتا ہے وہ بڑی بڑی مشقتیں خوشی سے جھیل لیتا ہے جاڑوں کی نماز، جہاد، خنداں پیشانی سے ادا کرتا ہے۔ کربلا کا میدان اس حدیث کی زندہ جاوید تفسیر ہے۔ لذت ہی ہر مشکل کو آسان کرتی ہے۔ اسی سے رضا بالقضا نصیب ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور سے اللہ والی محبت چاہئے۔ (۱۰)

حضرت سہیل تستری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''جس نے اپنے تمام احوال میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولایت نہ دیکھی اور خود کو حضور کی ملکیت نہ جانا اس نے سنت کی چاشنی نہ چکھی۔'' (۱۱)

ان تمام احادیث وتشریحات سے یہ بات حقیقت کے اجالے میں آ گئی کہ اصل حیات مدار ایمان، اور بنیاد نجات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت واطاعت ہی کا ثمرہ ونتیجہ ہے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا والی اور اپنی جان کا مالک ماننا ضروری ہے۔ ورنہ ایسا شخص سنت کی لذت سے محروم ہی رہے گا۔ اور جو سنت کی لذت سے محروم رہے اسے محبت کی حلاوت کہاں سے نصیب ہوگی۔ محبت کی حلاوت اور جنت کی سکونت تو صرف غلامان مصطفیٰ اور محبان رسول مجتبیٰ کے لئے ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم سے سچی محبت کرے جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ قیامت کب ہوگی؟ حضور نے فرمایا تو نے قیامت کے لئے کتنے اعمال کی تیاری کر رکھی ہے؟ مطلب یہ کہ قیامت کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو عمل کرو۔ تا کہ روز قیامت تمہارے کام آئے۔ اس نے عرض کیا۔ ''میں نے قیامت کے لئے نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ اعمال کی کثرت تو کی نہیں ہے۔ البتہ میں خدا کو اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ ''انت مع من احببت'' تو اس کے ساتھ ہوگا۔ جس سے تو محبت رکھتا ہے۔ (۱۲)

حضرت صفوان بن قدامہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنا دست مبارک دیجئے۔ تا کہ میں آپ کی بیعت کروں۔ حضور نے اپنا دست مبارک مجھے دیا میں نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ احبک'' قال المرٔ مع من احب' یا رسول اللہ میں آپ کو محبوب رکھتا ہوں۔ فرمایا آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا۔ (۱۳)

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ آپ میرے نزدیک میرے اہل مال اور اولاد و جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ جب آپ کی یاد مجھے ستاتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک حاضر ہو کر آپ کے جمال مبارک کو نہ دیکھ لوں۔ اور میں جب اپنی موت کو اور آپ کے رحلت فرمائے جانے کو یاد کرتا ہوں اور یہ سوچتا ہوں کہ جب آپ جنت میں داخل ہوں گے تو آپ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مقام اعلیٰ و گرامی تر پر فائز کیا جائے گا۔ اور اگر میں جنت میں گیا بھی تو وہاں حضور کی زیارت کیسے میسر آئے گی۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمایا من یطیع اللہ و الرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین و الصدیقین ۔

(جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے، جن نبیوں اور صدیقوں پر اللہ نے انعام فرمایا) اس کے بعد حضور نے اس شخص کو بلایا اور یہ آیت سنا کر مژدہ دیا............حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا۔ **من احبنی کان معی فی الجنته** ''جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا (14)

پیارے نبی کے ان پیارے ارشادات کی روشنی میں یہ امر متحقق ہوگیا۔ کہ جنت آپ کی محبت کے ثمرات و برکات ہیں۔ اور یہ کہ آپ اللہ کے ایسے محبوب ہیں کہ جو ان کا محبوب ہو جائے وہ خدا کا بھی محبوب ہو جاتا ہے جبھی تو جنت اس کی قسمت ہو جاتی ہے۔ نیز اس سے حضور کے اختیار کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے جس غلام سے خوش ہو جائیں اسے جنت بخشدیں اور صحابہ کرام کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو عشق تھا اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ محبوب دو جہاں کے جمال جہاں آرا کے دیدار کے بغیر جنت میں بھی انہیں سکون و قرار نہیں۔ حضور اپنے چاہنے والوں کو کتنا نوازتے ہیں کہ جنت کی رفاقت تک عطا فرما دیتے ہیں۔ یہ سب صدقہ اور ثمرہ ہے نبی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا۔ حضرت قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

> ''حب رسول اس اعتقاد کو کہتے ہیں کہ اجراء سنت میں آپ کی معاونت اور مدد کو لازم جانے، اور سنت کی پیروی کر کے مخالفین سنت کی مخالفت ہی نہیں بلکہ ان کی بیخ زنی کرے۔ اور مخالفت سنت سے خوفزدہ رہے۔(۱۵)

اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے محبوب سے ایسا پیار ہے کہ آپ کی ایک ایک ادا اور آپ کے ایک ایک طریقہ کو شریعت کا قانون بنا کر ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما دیا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ کل کائنات میں آپ کی ذات سب سے محبوب ترین ہے۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کنت کنزا مخفیا، میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا فاحببت ان اعرف پس مجھے محبت

آئی کہ میری معرفت ہو، میرا عرفان ہو۔فخلقت الخلق ،تو پھر میں نے ایک مخلوق کو پیدا کیا۔ حضور فرماتے ہیں۔اول ماخلق اللہ نوری،سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔تو حضور ہی اول خلق ہیں۔اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ یہ مخلوق میں نے کیوں پیدا کی ہے؟ کائنات کو کیوں پیدا کیا ہے؟اس لئے پیدا کیا ہے کہ عرفان کی محبت تقاضا کرتی تھی،اللہ کی محبت اس بات کو چاہتی تھی کہ اس کی معرفت حاصل ہو۔اور معرفت الٰہی کو سب سے زیادہ اس ذات نے حاصل کیا ہے جو سب سے پہلی مخلوق ہے۔تو عرفان الٰہی گویا محبت الٰہی کی بنیاد ہے اور اسی محبت عرفان،حب عرفان کی وجہ سے کائنات کو پیدا کیا۔اور اللہ کی معرفت پوری کائنات میں سب سے زیادہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے عرفان اس کے لئے پیدا کیا ہے۔اس عرفان میں سب سے آگے میرا رسول ہے اس لئے سب سے زیادہ محبوب ہے۔یعنی آپ کا محبوب ہونا اس بنیاد پر ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کی وجہ،معرفت الٰہی تھی اور معرفت الٰہی سب سے زیادہ سب سے کامل تر آپ کو حاصل ہوئی۔اس لئے اللہ کو یہی بات تو محبوب تھی جس کو سب سے زیادہ معرفت ہوئی اللہ نے اسی کو سب سے بڑا محبوب بنالیا اور لطف بالائے لطف یہ کہ آپ کی محبت کو اصل ایمان قرار دیدیا ہے،پچھلے اوراق میں یہ بات آچکی ہے کہ ایمان نام ہے رسول کی محبت کا۔ کچھ حضرات اس آیت سے دھوکہ کھا گئے والذین آمنوا شد حباللہ ایمان والے اللہ سے بڑی محبت کرتے ہیں ایمان نام ہے اللہ کی محبت کا اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اللہ کی محبت سے رسول کی محبت کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔اس دل میں محبت خدا آ ہی نہیں سکتی جس دل میں محبت رسول نہ ہو اس لئے کہ اللہ اور رسول کی محبت میں دوئی اور تفریق کی گنجائش ہی نہیں ہے۔اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت،رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم اللہ اور رسول کی پکار پر حاضر ہوجاؤ جب وہ تمہیں پکاریں،پکارا تھا رسول نے مگر رسول کی پکار کو خدا اپنی پکار فرمارہا ہے۔ و مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ

رمٰـــی۔اور جب کنکری پھیکی تو تم نے نہ پھیکی بلکہ اللہ نے پھیکی۔کنکری پھیکا رسول نے مگر رسول کے پھیکنے کو خدا اپنا پھینکنا فرما رہا ہے۔ وانہ لقول رسول کریم بے شک قرآن رسول کریم کا کلام ہے۔دنیا جانتی ہے قرآن خدا کا کلام ہے مگر خدا اپنے کلام کو اپنے محبوب کا کلام فرما رہا ہے۔علیٰ ھذاالقیاس۔بالکل اسی طرح خدا کی محبت رسول کی محبت اور رسول کی محبت خدا کی محبت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ **والذین آمنو ا اشد حبا للہ** وہ لوگ جو ایمان لا چکے اللہ سے بڑی محبت کرتے ہیں ....اللہ سے بڑی محبت کون کرتے ہیں وہ جو ایمان والے ہیں،تو ایمان لانے کے بعد خدا کی محبت ملی۔مگر ایمان کیسے ملا۔تو جواب ملا۔ایمان ملا ہے رسول کی محبت سے،تو رسول کی محبت کا نام ہے ایمان۔خدا کی محبت کا نام ہے ایمان کا نتیجہ، رسول کی محبت ہے جڑ،اللہ کی محبت ہے ثمر ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول کی محبت نہ ہو اور ایمان مل جائے۔ایمان رسول کی محبت کا نام ہے۔تو زندگی و بندگی کا حاصل،ایمان واعمال کی اصل صرف حضور کی کی محبت ہے۔اور محبت کا مرکز حسن ہے اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار کائنات کو اپنے حسن کا آئینہ بنایا ہے ہر قطرے میں اسی کا حسن چمک رہا ہے تمام اٹھارہ ہزار کائنات خدا کے حسن کی ہی جلوہ گاہ ہے۔ہر ذرہ خدا کی ہستی کی دلیل ہے۔لیکن یہ سب خاموش دلیلیں ہیں۔ایسی خاموش کہ درخت و چاند وسورج وغیرہ کو پوجا جاتا رہا مگر یہ خاموش رہے یہ سب خدا کی ہستی کی دلیل ہیں مگر بولتے نہیں۔حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''اٹھارہ ہزار کائنات میں خدا کے حسن کے جلوے پھیلے ہوئے ہیں۔خدا نے ان سارے جلوؤں کو سمیٹ کر ایک انسان کے دامن میں رکھا،انسانیت کا حسن پھیلا ہوا تھا تمام جہاں انسانیت کے حسن کو سمیٹا اور ایک نبی کے دامن میں رکھ دیا۔نبوت کی کائنات بھی پھیلی ہوئی تھی۔آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کے اندر وہ حسن سمٹ کر

آیا۔تو جس خدانے اٹھارہ ہزار کائنات کا حسن سمیٹا اور ایک انسان میں رکھ دیا۔اور دنیائے انسانیت کا حسن سمیٹا اور نبی کے دامن میں رکھدیا۔اور دنیائے نبوت کے حسن کو سمیٹا تو کیا کیا ؟رخسار مصطفیٰ میں رکھدیا۔ ؎

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دو سرا آئینہ
نہ ہماری چشم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں'' (۱۶)

حضور فرماتے ہیں۔**انا مرأة جمال الحق** ۔میں حق کے جمال کا آئینہ ہوں۔
محبت کا مرکز حسن ہوتا ہے اور خدا کے حسن کی جلوہ گاہ حضور کی ذات مقدسہ ہے تو اسی مرکز حسن کی طرف محبت جائے گی۔اور جب تک محبت وہاں نہ جائے محبت پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔پتہ چلا رسول کی محبت خدا کی محبت سے الگ ہو ہی نہیں سکتی۔خدا کے حسن کی جلوہ گاہ محمد مصطفیٰ کی درسگاہ ہے لہٰذا جب تک حضور کی محبت نہ ہو خدا کی محبت کیسے ہو سکتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حضور کی محبت کی علامتیں اور نشانیاں کیا ہیں؟ تو اس سلسلے میں مختلف عشاقان جمال محمدی نے مختلف نشانیاں تحریر و تجویز کی ہیں ۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے حضور کی محبت کی تیرہ علامتیں ذکر کی ہیں ۔ (۱۷)

ان میں سے دو،ایک یہ ہیں

(۱) حضور نے فرمایا **حبک الشئ یعمی و یصم** (بخاری،ادب المفرد بسند صحیح)

کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ محبت اس کو محبوب کا عیب دیکھنے سے اندھا، محبوب کا عیب سننے سے بہرہ کر دیتی ہے،............اس حدیث مقدس سے محبت کا معیار صحیح معلوم ہوا کہ مدعیٔ محبت کی آنکھ اور کان،محبوب کا عیب دیکھنے اور سننے سے پاک ہو۔عقل سلیم کے نزدیک بھی محبت کا معیار یہی ہے کیوں کہ محبت مرکز حسن و جمال ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ محبت والی آنکھ کو محبوب کی ذات میں کوئی عیب نظر آئے اگر کسی کو محبوب میں عیب

نظر آتے ہوں تو وہ اپنے دعوئ محبت میں جھوٹا ہے، محبت والی آنکھ کومحبوب کا واقعی عیب نظر نہیں آتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو بے عیب ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت ماٰب میں عرض کرتے ہیں۔ ؎

واحسن منک لم تر قط عینی   واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرا من کل عیب   کانک قد خلقت کما تشاء

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری آنکھ نے آپ سا حسین وجمیل اور کوئی نہیں دیکھا۔ کیوں کہ آپ سا حسین وجمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ تو ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں۔ گویا کہ آپ ایسے پیدا کئے گئے ہیں جیسا کہ آپ خود چاہتے تھے۔

مولانا شفیع اوکاروی رقمطراز ہیں۔

''خدا کی قسم! حضور تو محمد ہیں۔ اور محمد کے معنیٰ ہی بے عیب ہیں۔ تو جس نے محمد کے اندر عیب مانا اس نے محمد کو محمد ہی نہیں مانا۔ حضور کو محمد وہی مانتا ہے جو حضور کو بے عیب مانتا ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پس ثابت ہوا کہ تمام فرقوں میں وہ فرقہ اپنے دعوئ محبت میں سچا ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمکو تمام عیوب ونقائص سے منزہ او رپاک مانتا ہے۔'' (۱۸)

۲۔ حضور کی محبت کی دوسری علامت .... حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من احب شیئا اکثر ذکرہ جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اکثر اسی کا ذکر کرتا ہے۔ (زرقانی علی المواہب ج۶ ص ۳۲۴)

پس جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جتنی زیادہ محبت ہوگی۔ وہ اتنا ہی کثرت سے آپ کا ذکر کرے گا۔ معلوم ہوا کہ آپ کا کثرت سے ذکر کرنا تقاضائے محبت

وایمان ہے۔

علامہ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ کے ذکر شریف کے وقت آپ کی تعظیم کی جائے اور خصوصاً آپ کے نام مبارک کے سننے کے وقت خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کا اظہار کیا جائے .... آپ کا محبّ آپ کے ذکر شریف سے روحانی لذت وسرور پائے۔ اور آپ کے نام مبارک کے سننے کے وقت خوش ہو (زرقانی علی مواہب ص ۳۱۵،۳۲۲)

اب ان لوگوں کی حالت کا اندازہ کیجئے جو آپ کے ذکر پاک، فضائل وکمالات، صورت وسیرت کے بیان سے مسرور شاداں نہیں۔ بلکہ دل تنگ ہوتے ہیں۔ کیا ان کا آپ کے ذکر پاک سے دل تنگ ہونا ایمان ومحبت سے محروم ہونے کی کھلی ہوئی دلیل نہیں جو شخص کسی کو محبوب رکھتا ہے تو کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کر کے اپنے دل کو تسکین پہنچاتا ہے ایک شاعر نے محبوب کے ذکر کو مشک سے تشبیہ دی اور کہا کہ مشک جتنی مرتبہ مجلس میں لایا جاتا ہے مجلس کو مہکا دیتا ہے۔ اس لئے محبوب کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔ مجازی عاشق و معشوق کا معیار محبت جب اتنا بلند ہے تو محبوب حقیقی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر وتذکرہ اور آپ کی محبت بھری جلوت وخلوت کی باتوں کی کثرت کس قدر سرور افزا، سکون بخش نصیبہ افروز اور سعادت اندوز ہوگی۔ وہ لوگ جن کو ذکر مصطفےٰ کی کثرت نہیں بھاتی، عقیدت ومحبت کی مجالس اچھی نہیں لگتی ان پر حضرت رضا بریلوی تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

(۳) حضور کی محبت کی تیسری علامت یہ ہے کہ اس سے دشمنی وعداوت رکھے جو

اللہ اوراس کے رسول کا دشمن ہو۔سنت نبوی کی مخالفت کرنے والے سے کنارہ کشی اختیار کرے اوراس شخص کی صحبت سے بھی احتراز کرے جو دین میں ایسی باتیں ایجاد کرے جو فتنہ وفساد کا سبب بنیں، اورخلاف شریعت باتوں کو گوارہ نہ کرے۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے لاتجد قوما یومنوں با اللہ والیوم الآ خر یوادون من حاد اللہ ورسولہ۔آپ ان لوگوں کو ایسا نہ پائیں گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اوراس کے رسول کے مخالف ہیں۔نیز ایسے شخص کو مبغوض رکھے۔جس کو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہو۔صحابۂ کرام نے اس باب میں محبت الٰہی اور حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ عملی مظاہرے کئے جن کی نظیر نہیں ملتی۔ مومن کی غیرت ایمانی کا تقاضہ تو یہ ہونا چاہئے کہ بقول اقبال۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

غرض کہ عشق رسول ہی محبت خدا ہے، عشق رسول دل کا نور ہے اورروح کی غذا ہے۔ عشق رسول ہی سے کونین کی سعادت ملتی اور حجابات کے پردے اٹھتے ہیں۔عشق رسول متاع لازوال ہے۔عشق رسول ایمان کی جان اور عمل کا جمال ہے۔آج ضرورت اس امر کی ہے کہ عشق مصطفیٰ کے پیغام سے دنیا کو پھر آشنا کردیا جائے، نئی نسلوں کی رگوں میں عشق رسول کی بجلیاں دوڑادی جائیں۔اوراسی عشق رسول کی تاثیر سے دنیا کی تسخیر کی جائے۔ ؎

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے

اسلام کی مراد، دین کا مقصود، اللہ کی رضا، ایمان کی جان محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس ذات گرامی ہے۔اس لئے محبت صرف انہیں سے کی جائے تا کہ سب کچھ مل جائے۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

قرآن وحدیث اور اقوال علماء وعرفا کا ماحصل صرف یہ ہے کہ یہ گنبد نیلوفری اور اس میں آویزاں یہ کروڑوں قندیلیں، یہ کرہ ارضی اور اس کے فلک بوس پہاڑ، اور ان سے ابلتے ہوئے چشمے، بہتی ہوئی ندیاں اور پرشور دریا، ان کی گل فروش وادیاں اور سبزہ زار ڈھلوانیں، یہ ہموار میدان اور ان میں لہلہاتے ہوئے کھیت، اور یہ جنت نگاہ باغات اور پھر ''یہ ہوا کا محیط بیکراں، الغرض یہ کل کائنات اور کائنات کی ساری آرائشوں، زیبائشوں کا کعبۂ آرزو، قبلۂ جستجو محبوب خدا علیہ التحیہ والثناء کی ہی کی ذات والا صفات ہے، بزم عالم میں بس وہ ہیں اور ان کے کرم کی تجلیات اس لئے قلب کا ماویٰ روح کا ملجاء صرف انہیں قرار داد دیا جائے، دین ودنیا کا فریادرس، حاجت روا انہیں کو سمجھا جائے، شفیع روز جزا، ٹوٹی آسوں کا آسرا انہیں کو مانا جائے۔ یہ ہے اسلامی تصور عشق کا رمز ومغز، لب لباب اور حاصل محصول، ان اسلامی نظریہ عشق کی تصویروں کو تصور میں سجایئے، اور دل تھام کر دیدہ عبرت سے ان نایاب خیالات کا مطالعہ کیجئے ''محمد یا علی جس کا نام ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں'' (تقویۃ الایمان) ''آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا خیال نماز میں آنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے'' (صراط مستقیم) ''آپ کا علم جانوروں، پاگلوں، بچوں اور دیوانوں کی طرح ہے'' (حفظ الایمان) ''شیطان اور ملک الموت کا علم آپ سے زیادہ ہے'' (براہین قاطعہ) ''حضور کے بعد بھی نبی آسکتا ہے'' (تحذیر الناس) ''خدا بھی جھوٹ بولنے پر قادر ہے'' (رسالہ یکروزی) الجہد المقل) شرعی محاکمہ سے ہٹ کر ہم معروضی انداز میں ضرور کچھ کہنا

چاہیں گے۔ان جملوں سے نتائج کی جو روشنی مل رہی ہے اس کے حوالے سے پہلی چیز یہ کہ محبت کے دعویداروں کی زبانی ایسی باتیں ہرگز زیب نہیں دیتیں، کیوں کہ یہ باتیں معاون محبت نہیں، منافیٔ محبت ہیں اس لئے کہ محبت دل نشینی مانگتی ہے نکتہ چینی نہیں، محبت حضوری چاہتی ہے دوری نہیں، محبت حال طلب کرتی ہے قال نہیں۔محبت نعت گوئی چاہتی ہے، عیب جوئی نہیں، محبت جانثاری مانگتی ہے دل آزاری نہیں .... دوسری چیز یہ کہ یہ باتیں مرکز دائرہ کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی گرامی ذات سے بعد کی طرف مشیر ہیں، جب کہ مرکز سے دوری موت کی علامت ہے، مرکز سے جدائی تباہی کی نشانی ہے، بوئے گل کو گل سے جدا ہوکر بھٹکتے ہی دیکھا گیا ہے۔

اور تیسری چیز یہ کہ ایسے خیالات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدارج رفیعہ، اور مراتب عالیہ کو مشتبہ کرتے ہیں اور یہ بین حقیقت ہے کہ جن خیالات سے حضور کی ردائے عظمت داغدار بلکہ تار تار ہوان سے (نام بھلے ہی سے تقویۃ الایمان، حفظ الایمان کیوں نہ ہو) نہ ایمان کو تقویت مل سکتی ہے: نہ ان سے اسلام کی حفاظت ہو سکتی ہے، مشتبہ و مشکوک کرنیوالے انداز خیال میں استحکام کا جوہر اور استقامت کا عنصر تلاش کرنا، بانجھ سے دودھ مانگنا، یا زمین شور سے سنبل کی امید رکھنا ہے۔امتی ہوکر نبی کے حق میں ایسی لا یعنی باتوں کا طومار دیکھ کر ہر غیرت مند مومن کی پیشانی ٹھنکے گی حضرت رضا بریلوی نے ہر ایسے افکار کا جو اسلامی تصور عشق سے متصادم ہو محاسبہ کیا ہے اور کڑی تنقید کی ہے، آپ فرماتے ہیں ؎

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسو ل اللہ کی

ظالموں محبوب کا حق تھا یہی
عشق کے بدلے عداوت کیجئے

جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا
ایسے پیارے سے محبت کیجئے

علامہ اسماعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں۔ **فمن ادعیٰ محبة اللہ و خالف سنت نبیہ فھو کذا ب بنص اللہ تعالیٰ لان من احب آخریحب خواصه و المتصلین به وھذا ھو قانون العشق** (روح البیان) یعنی جو شخص اللہ سے محبت کا دعویٰ کرے، اور نبی کی سنت کی مخالفت کرے اس کے جھوٹے ہونے پر خدا کی کتاب صراحت کے ساتھ اعلان کرتی ہے، کیوں کہ جو شخص کسی سے محبت کرے گا تو یقیناً وہ اپنے محبوب کے خواص اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے بھی محبت کرے گا یہی عشق و محبت کا قانون ہے.................. اسی لئے حضرت رضا بریلوی نے اپنا سب کچھ انہیں کو جانا، اپنا سب کچھ انہیں کو مانا۔ انہیں کے ذکر، انہیں کی یاد سے اپنی جلوت و خلوت کو آباد رکھا، ان کا احسان یاد کر کر کے یوں تڑپتے ہیں۔ ؎

جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا
یا د اس کی اپنی عادت کیجئے
کر اس کی یاد جس سے ملے چین عندلیب
دیکھا نہیں کہ خار الم ہے خیال گل

یہاں گل کا تصور ہے خار کے الم کے ساتھ، شمع کا تصور ہے دھواں کے کرب کے ساتھ، مگر اس گلشن ہستی میں صرف حضور ہی کی ذات ایسی ہے کہ آپ گلشن نبوت کے ایسے گلاب ہیں کہ گلشن کائنات اسی گلاب کے صدقے میں ہے آپ پھول ہیں مگر کانٹے کی خلش سے بے نیاز۔ آپ شبستان حیات و کائنات کی شمع ہیں۔ ؎

لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی

آپ شمع مکاں ولا مکاں ہیں مگر دھواں کی اذیت سے بے پرواہ۔ اگر محبت کا مرکز حسن ہے تو اس حسن سے محبت کی جائے جو نقص کے عیب سے مبرا ہے، یہ ڈھلتی چاندنی جو پہر دو پہر کی ہے اس پر جان دینے کی بجائے اس حسن ازل پر ہی سب کچھ لٹا یا جائے جس کا حسن روز افزوں مدار ترقی پر ہے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

محبوب کے چہرے کی تشبیہ چاند سے بہت پرانی اور بہت مشہور بات ہے۔ محبوب کے چہرے کی تشبیہ چاند سے تو شعراء کے دواوین میں ملتی ہے، مگر محبوب کے کٹے ناخن کی تشبیہ ہلال نو سے نہیں ملتی یہ حضرت رضا بریلوی کی جدت فکر اور ندرت خیال ہے............ تو اگر وہ محبوب جس کے حسن کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ وہ چاند جیسا ہے، چاند جیسی شکل ہونے ہی پر جو محبت کے لائق ہے۔ تو پھر وہ حسین کیسی انوکھی شان اور نرالی آن بان والا ہوگا جس کے پاؤں کا ناخن ہلال نو جیسا ہے، جب ناخن پا پر چاند کی چاندنی شرمندہ ہے تو پھر اس کے چہرۂ والضحیٰ کی کیا کوئی مثال پیش کر سکتا ہے۔ پھر ہم کیوں اس سے محبت کریں جس کا چہرہ چاند جیسا ہے ہم تو اس مہر منیر سے محبت کریں گے جس کا ناخن پا بھی مہ نو جیسا ہے۔ دیکھئے رضا کا انداز والہانہ۔

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول (۱۹)

حوالے

تصور عشق اسلام کی نظر میں

۱	کشف المحجوب	داتا گنج بخش علی ہجویری	ص ۴۵۱
۲	// // //	// // //	ص ۴۴۸
۳	// // //	// // //	ص ۴۴۹
۴	شریعت وطریقت	شاہ ابوالحسین احمد نوری	ص ۹۹
۵	سبع سنابل شریف	میر عبدالواحد بلگرامی ترجمہ مفتی محمد خلیل برکاتی	ص ۳۵۳
۶	لطائف اشرفی	حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی	ص ۱۲۱، ۱۲۰
۷	بخاری شریف	امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری	ص ۱۰۴
۸	// // //	// // //	ایضاً
۹	صحیح مسلم، شرح نووی،	مترجم مولانا وحید الزماں	ص ۱۳۶-۱۳۵

۱۰	مرآۃ المناجیح۔	شارح حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی	ص ۳۰
۱۱	مدارج النبوت،	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	ص ۵۱۸
۱۲	// // //	// // //	ص ۵۲۰
۱۳	// // //	// // //	ص ایضاً
۱۴	// // //	// // //	ص ۵۲۰ تا ۵۲۲
۱۵	کتاب الشفاء ج دوم،	قاضی عیاض مالکی مترجم مولانا اطہر نعیمی	ص ۷۱
۱۶	خطبات یوم رضا	مرتبہ مولانا محمد عالم مختار حق	ص ۱۶
۱۷	عشق رسول	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	ص ۱۰۷ تا ۱۳۰
۱۸	ذکر جمیل	مولانا محمد شفیع اوکاڑوی	ص ۲۳
۱۹	حدائق بخشش	امام احمد رضا	ص ۱۱ تا ۲۶

تصور عشق
عارفوں، دانشوروں اور شاعروں کی نظر میں

عشق کے جلوہ ہائے خوش رنگ نے کیسے کیسے لالہ وگل کھلائے ہیں اپنی قوت و سطوت سے کیسی کیسی کرشمہ سازی دکھائی ہے، بے رونق اور بے برگ وبار گلشن میں جس کی آمد نے بہاروں کی کیسی کیسی بارات اتاری ہے۔اور ہنستے مسکراتے نشیمن کو جس کی آہ وکراہ نے کیسے کیسے خاکستر کیا ہے یہ سب تاریخ کے صفحات پر واقعات کی شکل میں موجود ہیں۔ یہ آگ جہاں سلگ گئی وہاں سے قرار رخصت ہوگیا، سروشمساد کی رعنائیاں نذر خزاں ہوگئیں، تڑپنا، مچلنا اور بے خودی میں رونا مسکرانا دل حزیں کے لئے سامان مسرت بن گئے ۔لطف یہ کہ اندھا ہوتے ہوئے بھی یہ ایسا انکھیارا ہے کہ جو جیسا سخت جان، بلاخیز) نکلا عشق نے اپنی قرابت ورفاقت سے اس کو اتنا ہی حصہ دیا۔اسی لئے عشق کی تعبیرات وتاویلات

میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔یعنی مقام عشق میں جو جس اعتبار ومعیار کا تھا جتنا سوز عشق سے ہمکنار تھا وہ اتنا ہی محظوظ ہوا اور اسی اعتبار سے اس کیف کو محسوس کیا اور پھر مکتوب وملفوظ کی وساطت سے محفوظ کیا۔ذیل میں عارفوں، دانشوروں اور شاعروں کے چند تاثرات پیش ہیں۔ایک جلوہ عشق کو مختلف رنگ وآہنگ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ے

کون مقصد کو عشق بن پہنچا
آرزو عشق ، مدعاء ہے عشق

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، غوث اعظم رضی اللہ عنہ

محبت کے تین اصول ہیں (1) وفا (2) ادب (3) اور مروت

وفا : یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت میں مشغول رہے۔اپنے دل کو سب سے جدا کرلے۔اور صرف اسی کے نور ازل سے دل مانوس ہو جائے۔

ادب : یہ ہے کہ حفظ اوقات وماسویٰ سے انقطاع کرتا رہے۔

مروت :قولاً وفعلاً صدق وصفا کے ساتھ ذکر اللہ پر قائم ہو جائے، ظاہر وباطن میں اغیار سے روگردانی کرلے، جب بندہ میں یہ تینوں خصلتیں جمع ہو جاتی ہیں تو لذت وصال پانے لگتا ہے، اوراس کے اندر آتش شوق بھڑک اٹھتی ہے۔(۱)

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

محبت کی دو قسمیں ہیں، ایک محبت عام، دوسری محبت خاص، محبت عام کی تشریح حکم بجالانے سے ہوتی ہے۔یعنی حکم بجالانا محبت عام ہے۔بسا اوقات محبت عام مرکز علم سے نعمتوں اور احسانات کے باعث صادر ہوتی ہے۔ایسی محبت کا مخرج (سرچشمہ) صفات ہیں۔بعض مشائخ نے محبت کو روحانی مقامات میں سے ایک مقام قرار دیا ہے، ایسی

صورت میں یہ عام محبت وہ ہے جس میں انسان کی کوشش اور تدبیر کا دخل موجود ہے۔ یہ تو تھی محبت عام، محبت خاص، ذات کی محبت کا نام ہے جو مشاہدہ روح سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی محبت میں سکرات لاحق ہوتے ہیں۔ یہ بندۂ حق پر خداوند کریم کی جانب سے خاص احسان وعنایت ہے، اس کا تعلق احوال سے ہے (یہ ایک حال ہے) کیوں کہ یہ محض عطیہ ایزدی ہے۔ اور اس میں بندے کی تدبیر اور کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ (۲)

خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمتہ اللہ علیہ

جو شخص محبت کا دعویٰ کرے اور مصیبت کے وقت فریاد کرے وہ درحقیقت سچا دوست نہیں ہوتا بلکہ جھوٹا ہے اس واسطے کہ دوستی اس بات کا نام ہے کہ جو کچھ دوست کی طرف سے آئے اس پر راضی رہے اور لاکھوں شکر بجالائے۔ (۳)

حضور ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ

آپ وعظ فرمارہے تھے کہ کسی نے اٹھ کر سوال کیا کہ محبت کیا چیز ہے؟۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ جب دریائے محبت جوش میں آئے گا تو بتاؤں گا۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے محبت کے بارے میں بیان کرنا شروع کیا تو اس آدمی نے وہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کی محبت کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک مخلوق کی مخلوق کے ساتھ محبت، اور دوسری مخلوق کی خالق کے ساتھ محبت .... پہلی قسم کی محبت کے متعلق تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اور دوسری قسم کی محبت یہ ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے گریباں میں ہاتھ ڈال کر اسے چاک کیا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور نالہائے آہ وفریاد بلند کر کے سینہ پر ہاتھ مارنا شروع کیا اور فرمایا یہ محبت خالق ہے۔ اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ (۴)

حضرت شیخ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ

یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا کچھ عوض مقرر کر رکھا ہے اس عوض کے

بدلے میں وہ شئ حاصل ہوجاتی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے محبت الٰہی کا کوئی عوض نہیں رکھا ہے تا کہ وہ قیمت بن سکے اورعوض ہو سکے۔اور محبت کا عوض محبت ہی سے ادا کیا جا سکے۔محبت کا بدلہ محبت ہے۔یہی اس پوری کائنات کا منشاء اور مقصد ہے۔لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب اگر اللہ تعالیٰ کو اپنا لیا ہے۔تو پھر ہر طرح کے غیر اللہ سے کنارہ کش ہوجانا چاہئے۔ایضاً

حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمتہ اللہ علیہ

معرفت الطاف الٰہی کے دروازں میں سے ایک دروازہ ہے۔اور فیوض لامتناہی کے معدن کا ایک جوہر ہے۔کون سعادت مند ہے جس کے حال کے تاج میں یہ گراں بہا ہیرا لگتا ہے۔انتہائی خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے دل کے نہاں خانے میں معرفت کا یہ موتی موجود ہے۔

دردرجک دلے کہ بود در معرفت
آں دل بہ ازہزار جہاں بالیقین

جس دل میں معرفت کا موتی ہے۔یقیناً وہ ہزار عالم سے بہتر ہے۔(۵)

حضرت شیخ عبدالواحد زید رحمتہ اللہ علیہ

نقل ہے کہ شیخ عبدالواحد زید ہمیشہ خدائے تعالیٰ سے ڈرتے رہتے۔اور ہمیشہ روزہ رکھتے۔دو تین فاقے کرتے اور افطار کے وقت دو تین نوالے کھا لیتے۔لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اتنا کم کیوں کھاتے ہیں؟ فرمایا کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مولیٰ علی اور اپنے مرشد کی پیروی کرتا ہوں۔کہ ان حضرات کو فاقہ کشی محبوب تھی۔اور درویش وہی ہے جو قول وفعل میں مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم،علی مرتضیٰ،اور اپنے مرشد کی پیروی کرے، ورنہ اسے درویش نہیں سمجھا جاتا......لہٰذا درویش کو چاہئے کہ اپنے مرشد برحق کی پیروی نہ

چھوڑے کہ پیر کی پیروی مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔(۶)

مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ

بھائی شمس الدین:............جانو کہ دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کی ہمتیں بلند نہیں ہیں۔ فرشتوں کا کام جو سیدھے طریقے پر چل رہا ہے وہ اس لئے ہے کہ ان تک محبت کا گذر نہیں ہوا ہے اور یہ اونچ نیچ جو انسان کے ساتھ پیش آیا کرتی ہے اس لئے ہے کہ اس کو محبت سے سروکار ہے............تو جس کے دماغ میں ذرا بھی اس کی محبت کی بو پہنچی ہے اس سے کہدو کہ سلامتی سے اپنا دل اٹھالے اور اپنی ہستی کو خیر باد کہدے۔

عشق تو مراچناں خراباتی کرد ورنہ بسلامت وبساماں بودم

تیری محبت نے مجھ کو ایسا برباد کردیا ہے ورنہ میں بھی کسی وقت سلامتی اور سروسامان والا تھا۔ (۷)

مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ

مولانا صلاح الدین احمد تحریر فرماتے ہیں" مولانا روم نے عشق کے جس تصور کو اپنے افکار، اپنے جذبات، اپنے عقیدے اور اپنے عمل کا محور بنایا وہ علو انسانیت کا ایک ہمہ گیر اور دل پذیر تصور ہے۔ رومی کی اصطلاح میں عشق کسی محبوبۂ پری تمثال کی ہوس آمیز محبت نہیں وہ ایک ایسا لافانی جذبہ ہے جو کائنات کے حسن کو اپنی گرفت میں لیتا اور اس خیر مطلق سے فروغ حاصل کرتا ہے جو خود خالق کائنات کا جمال ہے۔(۸)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ

"حسن سے صرف وہی شخص محبت کرسکتا ہے جو اسے دیکھنے پر قادر ہو کیوں کہ حسن کا نظارہ کرنا بجائے خود مسرت ہے۔ بے شک خوبصورت چیزوں کو ان کے حسن کی بنا پر

پیار کرنا چاہیئے نہ کہ اس مقصد کے لئے جو ان سے حاصل ہوسکتا ہے۔ مثلاً جب ہم سبزہ زاروں اور بہتی ندیوں سے محبت کرتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ سبز پتوں کو کھائیں یا (ندیوں کے) پانی کو پئیں ۔ اسی طرح خوبصورت تر شئے، پرندوں اور شاداب پھولوں کو دیکھنا بجائے خود تحصیل مسرت کی ایک صورت ہے اس سے انکار ممکن نہیں، جب حسن کا جلوہ نظر آتا ہے تو قدرتی طور پر اس سے محبت جاگ اٹھتی ہے۔ خدا حسن ہے اور اسی لئے جس پر اللہ تعالیٰ کا حسن منکشف ہوتا ہے۔ وہ مجبور ہے کہ اس سے عشق کرے۔'' (۹)

حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

'' ایک شب پروانے ایک جگہ اکٹھے ہوئے، اپنے دلوں میں شمع سے ہمکنار ہونے کی آرزو لئے۔ ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔ ہمیں کسی ایسے ساتھی کی تلاش کرنی چاہیئے جو ہمیں اس کی خبر لا کر دے جس کے لئے ہم اس قدر بے قرار ہیں۔ تب ان میں سے ایک پروانہ ایک دور افتادہ قلعے کی طرف اڑا اور اس نے قلع کے اندر ایک شمع کی روشنی دیکھی۔ وہ واپس آیا اور اس نے دوسروں کو بتایا، پھر شمع کے بارے میں بڑی دانشمندی سے باتیں کرنے لگا۔ مگر پروانے میں سب سے عقلمند پروانے نے کہا۔ یہ پروانہ ہمیں شمع کے بارے میں کوئی معتبر خبر نہیں دے سکتا۔ ایک اور پروانہ شمع کے پاس گیا۔ وہ شمع کے اس قدر قریب چلا گیا کہ اس کے پروں نے شمع کے شعلے کو چھولیا مگر تپش اتنی زیادہ تھی کہ اسے واپس آنا پڑا واپس آ کر اس نے بھی روشنی کے اسرار پر سے پردہ اٹھایا اور بتایا کہ شمع سے وصال کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔ مگر عقلمند پروانے نے کہا تم جو توضیح پیش کر رہے ہو وہ اتنی ہی بیکار ہے۔ جتنی تمہارے ساتھی کی۔ تب تیسرا پروانہ اڑا، اور یہ پروانہ عشق کے نشے میں سرشار تھا وہ گیا اور اس نے جاتے ہی خود کو شمع کے حوالے کر دیا۔ پھر جب وہ شعلے سے ہمکنار ہو گیا۔ تو شمع ہی کی طرح لو دینے لگا۔ جب عقلمند پروانے نے دور سے دیکھا کہ شمع نے پروانے کو خود میں جذب کرلیا ہے۔ اور پروانے کو اپنی روشنی عطا کر دی ہے۔ تو اس نے کہا اس

پروانے نے اپنی عشق کی تکمیل کر دی ہے۔لیکن اس تجربے کوصرف وہی جانتا ہے۔کوئی اور نہیں جان سکتا۔(۱۰)

حضرت **خواجہ غریب نواز سلطان الہند** رحمۃ اللہ علیہ

اے عزیز! یہ فقیر کہتا ہے کہ کمال عشق یہ ہے کہ اپنی ہستی کو معشوق کی ہستی دیکھے، یعنی اپنی ہستی کا حجاب از رہ عشق عاشق کے دل سے بیزار یعنی دور ہوجائے۔جس طرح ایک شمع ہزار آئینوں کو دیکھنے سے ہزار شمعیں نظر آتی ہیں مگر دراصل ایک ہی شمع سب میں ہوتی ہے، اسی طرح ایک ہی نور کا جلوہ دوآنکھوں میں ہے، سالہا سال سے یہ فقیر یار کی کمند زلف میں اسیر ہے، اگرچہ بعض سالکان راہ حقیقت فراق میں جلا کرتے ہیں لیکن یہ فقیر عین وصال میں ہلاک ہے۔عاشق معشوق دونام ہیں عاشق کا مقام تلوین ہے اور معشوق کا مزاج تمکین، جب عاشق خود کو درمیان میں نہیں دیکھتا تو اسے اپنی ہستی عاشق نظر آتی ہے۔یعنی خدا از تو بتو نزدیک تر است، بایزید نے ''سبحانی ما اعظم شانی'' فرمایا پس عارف خود کو خود سے دیکھتا ہے۔خود سے کلام کرتا ہے، خود سے سنتا ہے اور خود سے خود کی طلب کرتا ہے۔جب طالب لا وجود الا اللہ کا مقام از رہ عشق طے کر لیتا ہے تو سوائے ذات مطلق کے اور کچھ نہیں رہتا۔(انیس الارواح)

شاعر مشرق۔ڈاکٹر محمد اقبال

مولانا صلاح الدین رقم طراز ہیں......''یہ سعادت ساڑھے چھ سو برس بعد شاعر مشرق اقبال ہی کے حصے میں آئی کہ اس نے رومی کے فکر فلک رس اور اس کی سیرت باصفا کے امتزاج سے ایک پیکر بے مثال تیار کیا۔پھر اس کے سوز عشق سے اسے حرارت بہم پہنچائی۔اس کے حسن نظر سے اسے جلا بخشی اور اس کے نفس آتشیں سے اس میں روح پھونکی ......اسی پیکر کا نام مرد مومن ہے۔جس کی فطرت مہر نبوت سے مستیز اور جس کی نگاہ فرمودہ

تقدیر ہے۔ وہ قلب گداز جو سوز خفی سے پگھل جاتا ہے اور وہ پنجۂ فولاد جو دست قضا سے قوت آزما ہے اسی کے حصے میں آیا ہے۔ اور وہ عشق جس کے فروغ سے کائنات روشن ہے اور وہ عمل جس کا تسلسل گردش ایام پر خندہ زن ہے اسی کو ارزانی ہوا ہے۔ (۱۱)

ڈاکٹر محمد وزیر آغا

انسان کی ذات کے اندر دو فکری میلانات از منہ قدیم ہی سے موجود رہے ہیں ۔ ان میں سے ایک میلان فکر کی جولانیوں کے تابع ہے، اور کسی اسپ تازی کی طرح صفحۂ ہستی پر آگے ہی آگے بڑھے چلے جانے کا آرزومند ہے ۔ جب کہ دوسرا میلان آگے بڑھنے اور پھیلنے کے بجائے ایک نقطے پر مرتکز ہونے پر زور دیتا ہے اور قطرہ میں دجلہ اور جز میں کل کو دریافت کرنے کے لئے کوشاں ہے (ایک کا نام ہے تصوف دوسرے کا فلسفہ) تصوف میں فکر کے ان میلانات کے لئے کثرت اور وحدت کے الفاظ مستعمل رہے ہیں ۔ جبکہ فلسفے میں وجود اور موجود کے الفاظ کے تحت اس موضوع پر مباحث کا ایک طویل سلسلہ جاری رہا ہے۔ (۱۲)

ایک انگریز مفکر، روسو

انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر وہ ہر جگہ پابند سلاسل ہے شہری زندگی کی پیچیدگیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے عقل کا ہتھیار کارآمد سہی، مگر زندگی کے کسی بھی بڑے بحران میں مبتلا ہونے پر عقل بےکار محض ہو کر رہ جاتی ہے ۔ ایسے موقعوں پر جذبہ ہی انسان کی صحیح سمت میں رہنمائی کرنے کا اہل ہے،...... کلچر اور اس کے اثمار ہی نے نبی نوع انسان کے کرب میں اضافہ کیا تھا۔ ہمیں دماغ کی صلاحیتوں کو توانا کرنے کی بجائے دل کی دنیا اور محسوسات کے عالم پر توجہ صرف کرنی چاہئے کیونکہ جبلت، عقل کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتبار شئے ہے۔ (۱۳)

پروفیسر نکہت شاہجہاں پوری

وہ دردِ عشق ہی کیا جس سے خوشی و مسرت کے بجائے عاشق کو غم نصیب ہو، محبت ایسی نعمت کو قدر کی نگاہ سے گوشہ دل میں چھپا نہ سکے، یار کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھنا اور ہر حیثیت سے بندہ کو تسلیم ورضا بن کر سکون قلب ڈھونڈنا چاہئے، جب محبوب مجازی ہو یا حقیقی اس کی مرضی ہی کی وقعت نہ ہوئی تو محبت میں خلوص کس طرح سمائے گا۔ اور دوست کی نظر کرم کیوں ملتفت ہوگی؟ ایسی محبت تو بازاری قسم کی ہوسکتی ہے۔ جو بولہوسی ہے، عشق صادق نہیں!......سچا محبوب اور سچا عاشق جس مجلس ہم آہنگ و ہم نفس ہوں وہاں رنج و غم اور مایوسی و اداسی مکروہات کیوں محسوس ہو۔ (۱۴)

مارگریٹ سمتھ، انگریز مفکر

عشق کے بارے میں صوفیا کے پاس کہنے کو بہت کچھ ہے یہ (عشق) شراب حیات ہے یہ وجد کی اس حالت تک لے جاتا ہے جو خدا کے قریب موجود رہتی ہے، یہ سچا عشق ہے جو تمام خودغرضانہ مقاصد سے مبرا ہے۔ ان عاشقوں میں سے ایک سے پوچھا گیا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں کے ارادے ہیں۔ تو اس نے جواب دیا کہ وہ اپنے محبوب کے پاس سے آیا ہے اور محبوب کی طرف جا رہا ہے۔ جب پوچھا گیا کہ اسے کس کی تلاش ہے تو جواب ملا کہ اسے اپنے محبوب کی تلاش ہے جب اس سے استفسار کیا گیا کہ اس نے کیا پہن رکھا ہے۔ تو اس نے جواباً کہا کہ محبوب کے برقعے سے خود کو ڈھانپا ہوا ہے اور اس کا چہرہ اس لئے زرد ہے کیوں کہ وہ اپنے محبوب سے جدا ہے، پھر جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ کب تک محبوب! محبوب!! کی رٹ لگاتا رہے گا تو اس نے کہا کہ جب تک وہ اپنے محبوب کا چہرہ نہیں دیکھ لیتا وہ اس کے نام کا ورد کرتا چلا جائے گا۔ (۱۵)

سوامی رام تیرتھ

لوگ باگ سیاروں کی طرح انتہائی شدت کے ساتھ سورج کی طرف سفر کرتے ہیں ۔لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد روحانی طور پر سست پڑنے کے بعد دائرے میں گھومنے لگتے ہیں اوراس لئے کبھی سورج تک نہیں پہنچ پاتے ، کچھ مرکزی سچائی کے گرد ایک مدار میں گھومنے لگتے ہیں ۔لیکن ذرا فاصلے پر دوسرے اپنے مدار کو تنگ کرتے جاتے ہیں ، رام (یعنی سوامی رام تیرتھ) اس مذہبی نظام شمسی سے ہمیشہ محظوظ ہوا ہے ۔لیکن پوچھتا ہے کہ کون ہے جو پروانے کا کردار ادا کرے کہ روشنی کے گرد گھومتے ہوئے اس کے قریب ہوتا جائے اور پھر اپنی محدود خودی کو روشنی میں جلا کر (خود روشنی بن جائے) تت توام آسی (وہ تم ہو) ۔(۱۶)

مولانا صلاح الدین احمد

تلاش کی بے تابی ظاہر ہے کہ جو پایائے جمال کو پایان کار اپنی ذات ہی کی طرف مائل کرتی ہے اور اگر اس کی جستجو میں خلوص اس کی نگاہ میں گہرائی اور اس کے عزم میں صلابت ہے تو وہ بالآخر اپنے آپ کو پالیتا اور حسن مطلق سے ہمکنار ہو جاتا ہے ۔(۱۷)

ابن سینا ، مشہور فلسفی

عارف کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ وہ اپنے ارادے کو بروئے کار لا کر روح کی تربیت کرے اور اس کا رخ اللہ کی طرف کردے ، تاکہ وہ وصال کی مسرت سے ہمکنار ہو سکے ، دوسرا مرحلہ تربیت ذات ہے ۔جس کا رخ تین چیزوں کی طرف ہوتا ہے ۔

۱) عارف کے ذہن سے خدا کے سوا تمام خیالات کو خارج کرنا ۔

۲) اس کی شہوانیت کو روح کے عقلی پہلو کے تابع کرنا تاکہ اس کے خیالات اور تصورات ارفع چیزوں کی طرف منتقل ہوں ۔

۳) تیسرے مرحلے کا مطلب یہ ہے کہ اب روح حیوانی خواہشات سے آزاد

ہوکر اچھے خیالات سے لبریز ہوگئی ہے۔اور روحانی محبت سے سرشار ہوکر محبوب ازلی کے اوصاف حمیدہ کے تابع ہونے کی کوشش میں ہے۔(۱۸)

مشہور ذی علم مستشرق، پروفیسر ہچ اے گب

تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں۔کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اوراس کو اتنی قوت وتوانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔(۱۹)

پروفیسر ڈاکٹر طاہرالقادری

آج اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ قرون اولیٰ کے ان عشاق صحابہ کرام اور صلحائے امت کے تذکرے عام کئے جائیں۔جنھوں نے اپنی زندگیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور والہانہ عشق کی بھٹی میں سے گزارتے ہوئے قدم قدم پر ایسے انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں کہ رہتی دنیا تک کوئی عاشق ومحبّ اپنے محبوب کے لئے محبت کی دنیا میں ایسے نذرانے پیش نہیں کرسکتا۔ان کی ان ہی اداؤں کو آج ہم بھی اپنے لئے نمونہ بناسکتے ہیں۔کیوں کہ پریشان امت کے دکھوں کا مداوا حضور کی محبت میں سرشار ہوکر سنت واتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے بغیر ناممکن ہے۔ (۲۰)

صحابی رسول حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ

واحسن منک لم ترقط عینی واجمل منک تلدالنساء

خلقت مبرا من کل عیب کانک قد خلقت کماتشاء

آپ سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی نہیں دیکھا،اور آپ سے زیادہ جمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔(۲۱)

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

روحی الفداء لمن اخلاقه شهدت — بانه خير مولود من البشر

لولم يكن فيه آيات مبينته — كانت بريهته تكفى عن الخبر

میری جان اس پر فدا جن کے اخلاق شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں افضل ترین ہیں اگران صداقت پر مہر تصدیق ثبت کرنے والی نشانیاں نہ ہوتیں تو بھی ان کی واضح شخصیت ان کی صداقت کے لئے کافی تھی۔ (۲۲)

صحابی رسول حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ

ان الرسول لنور يستضاء به — مهند من سيوف الله مسلول

فقد آتيت رسول الله معتذرا — والعذر عندرسول الله مقبول

بے شک رسول اللہ وہ سیف ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ وہ اللہ کی تلواروں میں ایک کھینچی ہوئی تلوار ہیں۔ مجھے مہلت دیجئے، خدا نے آپ کو ہدایت دی، قرآن عطا کیا، اور بیش از بیش نصیحتیں بخشیں۔ (۲۳)

محمود وراق

تعصى الاله وانت تظهر حبه — هذا محال فى القياس بديع

لوكان حبك صادقالاطعته — ان المحب لمن يحب مطيع

تم خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کی محبت ظاہر کرتے ہو، یہ کتنی انوکھی بات ہے جو عقلاً محال ہے۔ اگر تمہاری محبت صادق ہوتی تو تم ضرور اس کی اطاعت کرتے اس لئے کہ محبّ، محبوب کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ (۲۴)

صحابی رسول حضرت خبیب بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ

لست ابالى حين اقتل مسلما — على اى شق كان فى الله مصرعى

وذلک فی ذات الا لہ وان یشاء   یبارک علی اوصال شلو مھنرع

میں جب محبت رسول میں سرشار مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جارہا ہوں تو اس کی کیا پرواہ کہ کس کروٹ میری جان جارہی ہے۔ میری یہ شہادت راہ مولیٰ میں ہے، اس لئے اگر اس کی مرضی ہوئی تو میرے ٹکڑے کئے ہوئے جسم کے جوڑ جوڑ کو اپنی رحمتوں سے بہرہ ور کردے گا۔ (۲۵)

حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب

فلاواللہ نسلمہ بقوم   ولما نقض فیھم بالسیوف

واحمد مصطفی فینا مطاع   فلاتغشوہ باالقول العنف (ایضاً)

خدا کی قسم ہم ان کو کافروں کے سپرد نہیں کریں گے اور ابھی تک ہم نے کافروں کے بیچ تلواروں سے فیصلہ نہیں کیا ہے۔ اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں برگزیدہ ہیں۔ جن کی اطاعت کی جاتی ہے لہٰذا تم ان کے سامنے نامناسب لفظ بھی منھ سے نہ نکالنا (ایضاً)

حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ

بلغ اللہ صلائی وسلامی ابدا   لنبیٍّ عربی مدنی حرمی

شمش فضل وضیاء وسناء اسنی   نور بدا بھا وسماء الکرام

اے اللہ میرا درود وسلام ہمیشہ پہنچتا رہے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو عربی ہیں مدینہ اور حرم شریف کے رہنے والے ہیں۔ فضیلت کے آفتاب اور روشنی اور روشن تر نور کی چمک ہیں نور ماہ کامل ہیں۔ رونق ہیں اور بخشش کے آسمان ہیں (ایضاً)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

نفسی فداء بقبر انت ساکنہ   فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

انت الشفیع الذی ترجیٰ شفاعتہ   علی الصراط اذامازلت القدم

میری جان فدا اس قبر مبارک پر جس میں آپ آرام فرما ہیں اس میں عافیت جودو سخا اور عنایات وکرامات میں آپ ایسے شفیع المذنبین ہیں جن کی شفاعت کے ہم امیدوار ہیں جس وقت پل صراط پر لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔(۲۶)

شیخ شرف الدین بوصیری رحمتہ اللہ علیہ

مولای صل و سلم دائماً ابدا　علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

ھو الحبیب الذی ترجیٰ شفاعته　لکل ھل من الاھوال مقتحم

اے میرے مولیٰ، اپنے حبیب تمام مخلوق میں سب سے افضل صلی اللہ وعلیہ وسلم پر درود وسلام نازل فرما۔ آپ ہی اللہ کے وہ حبیب ہیں۔ جن کی شفاعت کی آس پر خوف وہراس میں اور قیامت کی شدید گھڑیوں میں لگائی جاتی ہے۔(۲۷)

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنفیہ رضی اللہ عنہ

انت الذی لما توسل آدم　من زلة بک فازوھوا باک

یا اکرم الثقلین یا کنز الوریٰ　جدلی بجودک وارضنی برضاک

(ایضاً)

آپ وہ ہیں کہ جب حضرت آدم نے آپ کا توسل اختیار کیا اپنی لغزش پر تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے جد بزرگوار ہیں۔اے جملہ مخلوقات سے بزرگ وبرتر، اے خلاصہ کائنات، مجھے اپنی بخشش وعطا سے نوازیئے اور اپنی خوشنودی دیجئے۔

حضرت عبداللہ بن زبعری رضی اللہ عنہ

وعلیک من علم الملیک وعلامة　نوراغر وخاتم محترم

اعطاک بعد محبته برھانه　شرفا وبرھان الالٰه عظیم

ترجمہ: آپ پر اللہ کے علم کی ایک علامت ہے اور وہ ہے واضح نور اور لگی ہوئی مہر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا محبوب بنا کر دلیل کے طور پر مرتبہ اور شرف عطا فرمایا اور اللہ کی دلیل بڑی دلیل ہے۔ (۲۸)

شیخ سعدی شیرازی

نگین ختم رسالت محمد عربی ۔۔۔ شفیع روز قیامت محمد مختار

اگر نہ واسطہ روئے وموئے اوبودے ۔۔۔ خدائے خلق نہ گفتے قسم بہ لیل ونہار

ترجمہ۔ رسالت کی انگشتری کے نگینہ محمد عربی ہیں۔ قیامت کے دن کے شفیع محمد مختار ہیں......اگر ان کے روو موکا واسطہ نہ ہوتا تو خالق کائنات ان کے لیل ونہار کی قسم نہ یاد فرماتا۔

فیضی

امی ودقیقہ دان عالم ۔۔۔ بے سایہ وسائبان عالم

بنام زہے کعبہ پاکبازاں ۔۔۔ کہ دل ہائے پاکاں سوئے دوست مائل

ترجمہ۔ آپ امی ہیں مگر عالم کے اسرار سے واقف ہیں، خود بے سایہ ہیں لیکن ساری دنیا پر آپ کا سایہ ہے، کیا ہی مبارک نام ہے جو پاکبازوں کا کعبہ ہے ، پارساؤں کا دل اسی دوست حقیقی کی طرف مائل ہے۔

عبدالرحمٰن جامی

وصلی اللہ علیٰ نور کزو شد نورہا پیدا

زمین درجب اوساکن فلک ازعشق اوشیدا

اگر نام محمد رانیا وردے شفیع آدم

نہ آدم یا فتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

ترجمہ۔اس نور پر اللہ کی رحمت ہو جس سے تمام نور پیدا ہوئے، زمین انہیں کی محبت میں ساکن اور آسمان انہیں کے نور کا شیدا ہے، اگر نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آدم علیہ السلام اپنا سفارشی (وسیلہ) نہ بناتے تو نہ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوتی اور نہ نوح علیہ السلام طوفان سے نجات پاتے۔

حافظ شیرازی

یاصاحب الجمال ویاسیدالبشر　　من وجھک المنیر لقد نورالقمر
لایمکن الثناء کماکان حقہ　　بعدازخدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ترجمہ۔اے صاحب جمال اور اے نوع بشر کے سردار آپ کے رخ روشن کی وجہ سے چاند روشن ہے۔آپ کی مدح وثنا جیسا کہ آپ کا حق ہے ممکن ہی نہیں ہے۔قصہ مختصر یہ کہ خدا کے بعد آپ ہی کی ذات دونوں عالم میں بلند ہے۔

امیر خسرو

نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم　　بہ ہر سو رقص بسمل بود شب جائیکہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکان خسرو　　محمد شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

ترجمہ۔ میں نہیں جانتا وہ کون سی منزل تھی رات جہاں میں تھا، ہر سو رقص بسمل کا منظر تھا رات جہاں میں تھا، اے خسرو لامکان میں خدا خود میر مجلس تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم شمع محفل تھے،

شمس تبریزی

یارسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی
برگزیدہ ذوالجلا ل پاک بے ہمتا توئی
نازنین حضرت حق صدر وبدر کائنات

نورچشم انبیاء چشم وچراغ ماتو ئی

ترجمہ۔یارسول اللہ خالق یکتا کے حبیب آپ ہی ہیں، پاک بے مثل رب ذوالجلال کے برگزیدہ وپسندیدہ آپ ہی ہیں ۔ بارگاہ خداوندی کے نازنین ، بزم کائنات کے بدر اور سردار آپ ہی ہیں۔انبیائے کرام کی آنکھ کی روشنی اور ہمارے چشم وچراغ آپ ہی ہیں۔

قدسی

مرحبا سیدی مکی مدنی العربی
دل وجان بادفدایت چہ عجب خوش لقبی
نسبت خود بہ سگت کردم وبس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

ترجمہ۔اے میرے مکی مدنی عربی سردار، آپ کی تشریف آوری مبارک ہو، دل وجان آپ پر فدا ہو، آپ کیا ہی مبارک لقب ہیں، میں آپ کے کتے کی طرف اپنی نسبت کر کے بھی شرمندہ ہوں، اس لئے کہ میری غیرت محبت یہ کہتی ہے کہ آپ کی گلی کے کتے کی طرف اپنی نسبت کرنا بھی بے ادبی ہے۔

غالب دہلوی

ہر کس قسم بآنکہ عزیز است می خورد سوگند کردار بجان محمد است
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کان ذات پاک مرتبہ دان محمد است

ترجمہ۔ہر شخص اس ذات کی قسم کھاتا ہے جو عزیز تر ہو، اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی قسم یاد فرمائی ہے ۔اے غالب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف خدا ہی پر چھوڑتا ہوں، اس لئے کہ وہی صحیح معنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ جاننے والا ہے۔

جگرمرادآبادی

اے مثل تودرجہاں نگارے　　یزداں دیگرے نہ آفریدہ
توپر توحسن ذات ازتو،　　یک شمہ بہ دیگرا ں رسیدہ

ترجمہ۔اے بے مثل ذات، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرح کوئی دوسرا پیدا ہی نہیں کیا، آپ حسن ذات کا عکس ہیں، دوسروں کو جو کچھ ملا ہے آپ ہی کے صدقے میں کچھ ملا ہے۔ (۲۹)

رضابریلوی

زعکست ماہ تاباں آفرید ند　　زبوئے توگلستان آفریدند
برائے جلوہ یک گلبن ناز　　ہزار اں باغ وبستان آفریدند

ترجمہ۔آپ کے عکس جمیل سے اللہ تعالیٰ نے روشن چاند کو پیدا کیا، آپ ہی کی جاں نواز خوشبو سے باغ و بہار کو پیدا کیا، ایک اسی گلبن ناز کے جلوے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ہزاروں گلشن وگلزار کو پیدا کیا۔(۳۰)

حضرت بندہ نواز گیسودراز رحمتہ اللہ علیہ

کروسکلا دل گیان کا انعام دے خوش دھیان کا
چارہ کھلا ایمان کا رکھ باندھ اپنے وارتوں
خوگیر شریعت نعل بند زیں ہے طریقت زیر بند
حق ہے حقیقت پیش بند تنکھ معرفت اختیارتوں
تب قید گھوڑا آئے گا تجھ لامکاں لے جائے گا
تب عشق جھگڑا پائے گا خدمارنے تروار توں
شہباز حسینی کھوئے کر بردوجہاں دل دھوئے کر

اللہ آپے یک ہوئے کربت پاوے گا دیدار توں

شاہ امین الدین اعلیٰ:

ہادی ہدایت جس اپیں وصل بحرامو اج منہ
ورنہ عاشقان اغلب تہاں تاریک راہ با یک امیں
جب ایک تھیں دوجا ہوا پوجا ہوا اس حسن کا
تو مل احد احمد ہوا بند اپنا تو گھٹ ہوا
جن کوئی بھید یو پورا ہوا دو جگ منے
عالم کہتے ہیں اے امیں اس مرد کو اوچٹ ہوا

محمد قلی قطب شاہ

چاند سورج روشنی پایا تمہارے نور تھے
آب کوثر کوں شرف ٹھنڈی کے چنی پور تھے
تمہاری یاد بغیر نہیں ہے بزم ورنگین
کہ میرے بھاگ لکھیا ہے اے عیش روزالست
گنگا ابلیا ہے میرے نین کے انجھواں کے بنداں تھے
منجے ڈر کیا تروان ہاردریا کا ہے تو وارث
الف ہور ہم عین بن جگ منے ہور سچ نا جانوں میں
کہ میں ہوں خاک تج رہ کا کرو موخاک آباد

حکیم مومن خان مومن

چارہ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

....

یہ بے تکلف پھرا رہی ہے کشش عاشقاں کو اس کی
وگرنہ ایسی نزاکتوں پر خرام ناز اک قدم نہ ہوتا

....

تیرے پردے نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

حضرت عبدالعلیم، آسی

تاب دیدار جولائے مجھے وہ دل دینا
منہ قیامت میں دیکھنے کے قابل دنیا

غبار ہو کہ بھی آسی پھروگے آوارہ ۔۔۔ جنون عشق سے ممکن نہیں ہے چھٹکارا
نقد ہستی نثار یار کرے ۔۔۔ یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا
بدرقہ راہ طلب میں نہیں ہمت کے سوا ۔۔۔ راہبر کوئی نہیں جوش محبت کے سوا

سید علی محمد شاد عظیم آبادی

نیاز وناز میں جس دل کو امتیاز نہیں
وہ بارگاہ محبت میں سرفراز نہیں
دل کی وسعت کو بڑھایا تیرے دھیا ن نے
تھا تو قطرہ اس قدر پھیلا کہ دریا ہوگیا
ستاروں کی طرح پیشانیاں ان کی چمکتی ہے
میسر ہے جنہیں سجدہ تمہارے آستانے کا
محو ہیں اپنی جگہ آسو دگان کوئے دوست
آرزو دل میں ہے دل آنکھوں میں آنکھیں سوئے دوست

حسرت موہانی

آتے ہیں وہ خیال میں کیوں میرے بار بار
عشق خدا نما کی یہی ابتداء ہے کیا
تم پر مٹے تو زندہ جاوید ہوگئے
ہم کو بقا نصیب ہوئی ہے فنا کے بعد
نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

سب اس کے آگے ہیچ دنیا کی راحتیں، پروردگار دے تو غم عشق یار دے(31)

حاصل باب

عقل وعشق کا ئنات ہست بود کی انمٹ صداقتیں ہیں۔ انہی سے دماغ میں حرکت وسکون کا لاوا ابلتا ہے۔ عقل بقول اقبال۔ تماشائے لب بام کا منظر پیش کرتی ہے جبکہ عشق اپنی ہی ذات سے پیدا ہونے والی آتش نمرود میں کود کر مجسم روشنی بن جاتا ہے، عقل فرعون عشق موسیٰ عقل نمرود، عشق ابراہیم، عقل بوجہل عشق مصطفیٰ، عقل یزید عشق حسین، عقل شیطان عشق آدم، تاریخ حیات کی آفاقی حقیقتیں ہیں۔

عشق کا وصف یہ ہے کہ وہ عقل کی طرح سیدھی سڑک پر سفر نہیں کرتا بلکہ ایک دائرے کی صورت میں مرکزی نقطے کا طواف کرتا ہے پھر جب وہ دائرے کی لکیر کو توڑتا ہے تو ایک جست سی لگا کر مرکزی نقطے سے ہمکنار ہو جاتا ہے، اور چونکہ عشق عرفان ذات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لہذا یہ عطار کے ڈبے کی طرح ہے بند اور نکہت ریز عشق کی روشنی حواس کے بجائے ذات کے آتش کدے کی مرہون منت ہے، اس لئے بتدریج راستے کو منور نہیں کرتی بلکہ آن واحد میں پوری کائنات کو بقعہ نور بنا دیتی ہے، دنیائے فلسفہ میں عقلی میلانات کو کئی ناموں سے پیش کیا گیا ہے مثلاً اسے منطقی ، سائنسی، استقرائی، علمی، یا حقیقت پسندانہ وغیرہ کہا گیا ہے، اور عشقیہ رویہ کو وجدانی عارفانہ، مذہبی اور ماورائی وغیرہ

متعدد ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔خود فراموشی کی یہ کیفیت جس میں انسان ذات باری کے دھیان کے سوا اور سب کچھ اپنے ذہن سے خارج کر دیتا ہے، عشق کی ارتقائی منازل میں سے ایک ہے چنانچہ عشق میں زندگی کی مسلسل روانی سمٹ کر سوز دوام کی صورت اختیار کر لیتی ہے ۔ اور محبوب کے خیال کے گرد پروانہ وار طواف کرتے ہوئے ایک نقطے میں پوری کائنات کو دریافت کر لیتی ہے۔صوفیہ کے مسلک کے مطابق خواہشات ، بالخصوص نفسانی خواہشات آئینہ دل کو گدلا کر دیتی ہے، اس قدر کہ اس میں ذات واحد منعکس ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے صوفیا ارادتمندوں کو پہلے ریاضت کی مشقتوں سے گزارتے ہیں تاکہ خواہشوں کے ازدہام سے چھٹکارا پالے، اور جب وہ ان مراحل شاقہ سے گزر جاتا ہے ہے از خود نور ازلی کے لئے آئینہ بن جاتا ہے،......عقل ہو یا عشق دونوں گلشن قدرت کے دو پھول اور خزنیہ رحمت کے درمکنون ہیں، ایک کا مقام دماغ ہے تو دوسرے کا مسکن دل، آرائش وکشائش حیات وکائنات سے متمتع وسبکدوش ہونے کے لئے قادر مطلق نے ہر انسان کو ان دونوں نعمتوں سے بہرور کیا ہے۔ہاں کہیں عقل تیز گام ہے تو عشق نازک خرام، کہیں عقل ناکام ہے تو عشق فائز المرام، اور کہیں اسکا علی الرغم، تاہم حقیقت یہ ہے کہ عقل اگر سمند بادپا ہے تو عشق اس کی لگام، یہ دونوں جہاں بھی رہتے ہیں اپنی موجودگی سے ماحول کو چکا چوندر کھتے ہیں، اس لئے صوفی ہوں یا شاعر سب نے عقل کی تہذیب ہی کی کوشش کی ہے تکذیب کی نہیں مقام حیرت یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد بھی ہیں اور ضرورت بھی، عشق بغیر عقل کے جلوہ بالائے بام تک نہیں پہنچ سکتا اور عقل بغیر عشق کے معتبر نہیں ہو سکتی۔عقل چاہتی ہے کہ ایک ہی پھونک میں شعلہ جوالہ بنا دے اور عشق چاہتا ہے کہ وہ جل جل کر بجھتا رہے اور بجھ بجھ کر جلتا ہے، تاکہ وہ مٹ کر بھی انمٹ رہے، جل کر بھی جلتا ہی رہے (روشنی دیتا رہے) وہ موت کو بھی مسیحا بنا دے۔تاہم بات وہی ہے کہ عقل کو عشق کی رہنمائی کی ضرورت ہے اس لئے کہ اگر صحیح سمت میں اس کی جادہ

پیمائی ہوئی تب تو خیر ہی خیر ہے، ورنہ فساد وشر کا آتش فشاں، یہی وہ منزل ہے جہاں بیعت وارادت (پیری، مریدی) کی اہمیت وضرورت شدت اختیار کر لیتی ہے، مرشد کامل کا ظاہری ہاتھ اگر مرید ناقص کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو باطنی ہاتھ رسول کائنات کے ہاتھ میں، پیر اتصال نسبت کا آخری ذریعہ ہے اسی ذریعہ سے نقص کمال سے بدلتا ہے، اور اسی نسبت سے ذرہ آفتاب بن کر چمکتا ہے۔ اسی لئے بیعت لیتے وقت مرشد صراط مستقیم پر چلنے کا وعدہ لیتے ہیں تو آفات دین ودنیا سے محفوظ رکھنے کی ضمانت بھی دیتے ہیں۔ مرید عقل ہے اور مرشد عشق، اب جو جتنی اور جیسی قوی نسبت والا ہوگا برکات وثمرات اسی اعتبار سے منتج ہونگے، یہی وہ سرچشمہ ہے جہاں سے عشق کے گوناگوں تصورات اور اس کی رنگا رنگ تعبیرات کے سوتے پھوٹتے ہیں، اس معرکہ آرائی میں جو جتنا بامراد ہے اس نے اسی معیار سے اس کی حقیقت کو سمجھا اور سمجھایا ہے...... عارفوں، دانشوروں اور شاعروں نے عشق کا جو تصور پیش کیا ہے اور اس حوالے سے انہوں نے اپنے افکار وانظار کے جو دبستان سجائے ہیں ظاہر ہے کہ ان سب کا احاطہ ممکن نہیں ہے تاہم ان کے خوان علم وعشق سے ریزہ چینی کی ہم نے وسعت بھر کوشش کی ہے، پہلے بھی بعض عارفوں کے تصورات عمومی بحث کے ضمن میں آئے ہیں۔ عشق اور تصورات عشق پر مفکروں اور شاعروں نے بھی اپنے اپنے فکر وفن کی جولانی دکھائی ہے، اور نئے انداز میں ڈھالنے اور پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ خوبصورت دل آویز الفاظ کے جسم میں اپنی فکر عالی کی قوت وقدرت سے روح ڈالنے کی سعی محمود بھی اپنائی گئی ہے۔ تاہم صوفیائے کرام نے عشق کے باب میں جو کچھ کہد یا ہے اس کا جواب کہاں، وہ اٹل حقیقت ہے نقش زریں ہے، حرف آخر ہے، چوں کہ یہی جماعت باسعادت ہے جو عشق کے حقیقی رمز سے آشنا، اس کی تلخیوں سے واقف اور جفا میں بھی وفا کے لطف سے مسرور وشادماں ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو ''اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے'' کی ہمت افزائیوں سے لیس ہوکر مشکلات کی وادی سے گزر کر،

تجربات کی بھٹی میں تب کر مشاہدات کی دہلیز تک پہنچتے ہیں، انہی عاشقان جمال خداوندی اور فدایان کمال مصطفوی کے کمال محبت اور جمال عشق کا فیضان ہے کہ گلشن عشق ہرا بھرا ہے ، خاکی ہوکر نوری سے ہم آغوش ہونے بندہ ہوکر خدا تک پہنچ جانے اور تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا، تجھ میں گم ہونا، جیسے جذبات کی کرن سے مستنیر ہونے کی خواہشات رکھنا انہی نفوس قدسیہ کا حق اور حصہ ہے، کیفیات عشق کی جلوہ باری جہاں کہیں بھی موجود ہیں انہی زندہ دلوں، روشن ضمیروں کی آہ وکراہ کے فیوض وبرکات ہیں، اپنے آہ سرد اور نفس گرم سے جو نوری قندیلیں انہوں نے فروزاں کی ہیں کائنات محبت میں انہیں سے چراغاں ہے، ان کا سایہ ایک تجلی ہوتا ہے ان کا نقش پا اک چراغ ہوتا ہے وہ جدھر جاتے ہیں روشنی ہی روشنی ہوجاتی ہے ...... ہندوستان کے کفر وشرک بھرے ماحول میں عشق وایمان کا اجالا کرنے کے لئے ایک مرد قلندر چیشت سے چلا، اپنی آنکھوں میں اخلاص کی چمک لئے اپنے سر پر عمل کا تاج سجائے، سینے میں شعلہ عشق چھپائے، قالب پر شریعت کا لبادہ ڈالے، وارد ملک ہندوستان ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے دلوں کی بنجر زمین کو آباد کرتے، ذہن وفکر کے بند دریچے کو اللہ ہو کی ضرب سے کھولتے، شبستان دل کو عشق مصطفیٰ کی چاندنی سے منور کرتے، بستی بستی صحرا صحرا کو جگاتے اور جگمگاتے گزر گیا۔

آج اگر اس غیر منقسم ہندوستان میں اسلام اور اسلام کا غلغلہ، دین اور دین کا ولولہ ہے تو یہ سب اسی معین الملتہ والدین خواجہ غریب نواز، سلطان الہند چشتی اجمیری کا فیضان کرم فیضان نظر ہے......آپ نے جو بزم شریعت سجائی تھی اور محفل طریقت سنواری تھی آپ کے بعد آپ کے خلفاء تلامذہ نے اس کی لو مدھم نہیں ہونے دی، بلکہ انہوں نے چراغ سے چراغ جلائے اور فیضان وعرفان کو خوب عام وتام کیا۔ یہ انہی حضرات کی جلائی ہوئی شمعیں ہیں جو آج انجمن در انجمن پیام محبت نشر کررہی ہیں۔ بجھے بجھے دل اور مرجھائی مرجھائی روح کو عشق کی گرمی اور محبت کی حرارت سے سرشار وشاد کام کررہی ہیں، ان چشتی

صوفیا کی خدمات اور کارنامے لوح ہند کی پیشانی کا درخشاں جھومر ہیں۔

کہنے کو دانشوروں اور شاعروں نے بھی واردات عشق کے حوالے سے بہت کچھ کہا ہے اور بہت خوب کہا ہے تاہم جو محبت کے ان غوطہ خوروں، دریائے عشق کے ان ناخداؤں یعنی حضرات صوفیاء نے جو تعبیریں پیش کی ہیں، دانشوروں کی دانش اور شاعروں کے شعر میں انہیں کا عکس جھلکتا اور چمکتا محسوس ہوتا ہے، غور کیجئے تو ہر شاعر و مفکر کا شعر و فکر کسی نہ کسی عارف کے قول و کلام کا ترجمان ضرور نظر آئے گا، البتہ ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ عارف کا قول اگر متن ہے تو یہ اس کی خوبصورت تشریح، عارف کا قول اگر مجمل ہے تو یہ اس کی لائق توضیح، عارف کا قول اگر مبہم ہے تو یہ اس کی عقدہ کشاء عارف کے یہاں اگر جملوں کا کھر دراپن ہے تو ان کے یہاں دلفریب لفظوں سے جملوں کی دلکش ترتیب، عارف چوں کہ جسم کی آراستگی کا نہیں روح کی آراستگی کا علمبردار ہوتا ہے اس لئے ان کے یہاں لفظوں پر توجہ نہیں دی جاتی جمال معنی پر دھیان دیا جاتا ہے۔ عقل کی درستگی نہیں عشق کی آراستگی پر توجہ ہوتی ہے۔ تصور عشق کے یہی وہ گلشن و گلزار ہیں جو اپنی بوئے مشک بار سے بے کیف زندگی کو کیف بار اور بے نور بندگی کو مرکز انوار بناتے آرہے ہیں۔ آج بھی ان کی جلوہ طرازی موت کو زندگی اور زندگی کو نمونۂ زندگی کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ ان کی تجلیات کا ایک شمہ جس پر پڑ جاتا ہے وہ ذرہ بھی ہے تو آفتاب بن کر جگمگا اٹھتا ہے۔ وہ احمد رضا ہے تو اعلیٰحضرت بن کر دلوں کے آفاق پر چھا جاتا ہے۔

حوالے

تصور عشق عارفوں، دانشوروں،اور شاعروں کی نظر میں

۱	منازل ولایت	مولانا عالم فقری	رضوی کتاب گھر دہلی	۳۲
۲	//	//	//	۳۷
۳	//	//	//	۳۶
۴	//	//	//	۳۱
۵	لطائف اشرفی، حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، دانش بکڈ پو پوٹانڈہ			۳۲
۶	سبع سنابل شریف		حضرت میر عبدالواحد بلگرامی	۴۰۸
	ترجمہ		مفتی محمد خلیل خان برکاتی رضوی کتاب گھر	
۷	مکتوبات صدی		حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری	۳۱۵
	ترجمہ		شاہ نجم الدین فردوسی وشاہ الیاس یاس	
۸	اقبال کے تصورات عشق وخرد		ڈاکٹر وزیر آغا	۱۷۴،۱۷۳
۹	//		//	۱۶۹
۱۰	//		//	۱۵۹،۱۶۰

۱۱	//	//	۱۸۴
۱۲	//	//	۳
۱۳	//	//	۲۸-۲۹
۱۴	صحیفہ کمال، پروفیسر نکہت شاہجہاں پوری، ناشر ۲۴ نکہت منزل محلّہ شاہجہاں پور		۱۲۳
۱۵	اقبال کے تصورات عشق وخرد۔	ڈاکٹر وزیر آغا۔	۱۵۸-۱۵۹
۱۶	//	//	۱۶۳
۱۷	//	//	۱۷۳
۱۸	//	//	۱۹۶-۱۹۷
۱۹	عشق رسول	ڈ طاہر القادری	۲۳
۲۰	//	//	۳۱
۲۱	فیض الادب حصہ دوم	مولانا محمد بدرالدین	۱۳۱
۲۲	تاریخ نعت گوئی میں حضرت رضا بریلوی کا منصب۔	شاعر لکھنوی	۹
۲۳	یادگار رضا۔	رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۴	۷۶
۲۴	ازہار العرب	ابوعبداللہ محمد بن یوسف، مکتبہ غریب نواز الہ آباد	۸
۲۵	ماہنامہ حجاز جدید،	دہلی شمارہ مارچ ۱۹۹۰	۳۹
۲۶	//	//	۴۳
۲۷	//	//	۴۴
۲۸	//	//	۱۱
۲۹	اقبال اور عشق رسول، رئیس احمد جعفری ناشر کتاب منزل کشمیری بازار لاہور مطبوعہ ۱۹۵۶		۴۲-۱۵
۳۰	حدائق بخشش۔ حضرت رضا بریلوی	رضا دارالاشاعت بریلی	۱۲۲
۳۱	اردو غزل میں تصوف ولی سے اقبال تک	ڈاکٹر اعجاز مدنی مقتبساً	۵۱۲،۳۱۹

چوتھا باب

تصور عشق

ممتاز شعراء کے حوالے سے

☆............میر تقی میر کا تصور عشق

☆............غالب کا تصور عشق

☆............اقبال کا تصور عشق

میر تقی میر کا تصور عشق

میر تقی میر ۱۱۳۵ھ/۲۲/۲۳ ۱۷ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰/ شعبان ۱۲۲۵ھ ۲۰/ ستمبر ۱۸۱۰ء میں انتقال کیا...... یہ وہ عہد تھا جب مغلیہ سلطنت کا زوال اور انگریزی حکومت کا کمال گلے مل رہا تھا ذاتی اور زمانی حالات نے مل کر میر کو وہ کچھ بنا دیا جو آج ہمیں نظر آ رہا ہے۔ میر کے والد محمد علی متقی (م ۲۱/ رجب ۱۱۴۶ھ م ۱۸/ دسمبر ۱۷۳۳ء) درویش صفت انسان تھے۔ اپنے زہد و تقوی کی وجہ سے علی متقی کے خطاب سے موسوم ہوئے ان کی پہلی شادی سراج الدین علی خان آرزو کی بڑی بہن سے ہوئی جن کے بطن سے حافظ محمد حسن پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی کے بطن سے دو بیٹے محمد تقی، اور محمد رضی اور ایک بہن (زوجہ محمد حسین کلیم) پیدا ہوئے، یہی محمد تقی بڑے ہو کر خدائے سخن میر تقی میر کہلائے اور اردو زبان وادب پر ایسے گہرے نقوش ثبت کئے کہ رہتی دنیا تک ان کا نام باقی رہے گا (۱)

میر ایک نہایت غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، والد کا انتقال گیارہ سال کی عمر میں ہوا تلاش روزگار میں شاہجہاں آباد آئے، یہاں محمد باسط کے چچا صمصام الدولہ جو علی متقی کے دوستوں میں تھے، روزینہ ایک روپیہ مقرر کر دیا ۱۷۳۹ء میں تین سال کے بعد وہ بھی بند ہو گیا۔ ان کے سوتیلے ماموں سراج الدین علی خان آرزو اردو فارسی کے بڑے شاعر اور استاد تھے، سات سال ان کے یہاں قیام رہا لیکن وہ یہاں آسودہ نہ رہ سکے، ان کے سوتیلے بھائی محمد حسن نے آرزو کو لکھا کہ محمد تقی فتنہ روزگار ہے۔ ہرگز اس کی تربیت نہیں کرنی چاہئے، آرزو نے آنکھیں پھیر لیں مگر بقول ڈاکٹر اعجاز مدنی ''یہ سب ہوائی باتیں ہیں'' (۲)

ذکر میر اور نکات الشعراء دونوں میں میر نے آرزو کو اپنا استاد و مرشد لکھا ہے۔ اور زبان وفن شاعری انہی سے سیکھا۔ یا ان سے ترغیب ملی اس حقیقت کا اعتراف انہوں نے خود کیا ہے، ایک سال تک مرض جنون میں مبتلا رہے، ۱۱۵۲ھ کے بعد ان پر جنون کا حملہ ہوا جو خاندانی مرض تھا۔ ۱۱۵۳ھ سے باقاعدہ شاعری کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ میر رعایت خان اور بخت سنگھ کے ساتھ ۱۱۴۸ھ میں اجمیر مقدس آئے اور غریب نواز کے مزار کی زیارت کی۔ (۳)

میر پریشانی اور زبوں حالی کی زندہ تصویر تھے، بسیار گردیدم شفیقے نہ دیدم، کے الفاظ سے ان کی اندرونی شکست وریخت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، تاہم میر نے اپنی شاعری کے ذریعہ بہت کچھ آلام روزگار کو آسان کر لیا تھا

بقول ڈاکٹر جمیل جالبی ......اتنے پہاڑ جیسے غموں کے باوجود میر کی بڑی عمر کا راز یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری سے خود اپنے غموں کا تزکیہ کیا ہے (۴)

میر کی سیرت وشخصیت متضاد عناصر سے مل کر بنی تھی۔ ان کا گھر فقیر درویش کا گھر تھا۔ باپ متقی وقناعت شعار، سینہ آتش عشق سے روشن اپنے بیٹے محمد تقی کو تلقین عشق کرتے اور کہتے ......اے بیٹے عشق اختیار کر کہ (دنیا کے) اس کارخانے میں اسی کا تصرف ہے اگر عشق نہ ہوتو نظم کل کی صورت نہیں پیدا ہوسکتی۔ عشق کے بغیر زندگی وبال ہے دل باختہ عشق ہونا کمال کی علامت ہے۔ سوز وساز دونوں عشق سے ہیں عالم میں جو کچھ ہے وہ عشق ہی کا ظہور ہے (۵)

یہی وہ ترغیب تھی جس نے میر کی زندگی میں انسان، معاشرے اور فرد کے رشتوں کا سراغ لگایا اور یہی وہ مرکزی نقطہ ہے، جس سے ان کی شاعری کا دائرہ بنتا ہے،

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

عشق ہی عشق ہے نہیں ہے کچھ
عشق بن تم کہو کہیں ہے کچھ

میر کے ذہنی ساخت ، فطری رجحان، نفسیاتی جائزے کے لئے ان کے عشق کا واقعہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے ۔احمد حسین سحر نے اپنے تذکرہ میں میر کے عشق کی روایت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ اپنے شہر میں ایک پری تمثال سے کہ ان کی عزیز تھی در پردہ عشق کرتا تھا،غم روزگار سے وہ پہلے افسردہ تھے،غم جاناں نے مل کر انہیں مجنوں کر دیا

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
دردوغم کتنے جمع کئے تو دیوان کیا

محبوب کی ہر ادا ہر بات پر میر کی نظر ہے۔محبوب کے جسم، رخسار، قد، بال، ہونٹ، چال، آنکھ، سراپا، ساق، دہن، لباس، رنگ بدن، ہر چیز کو میر عاشق کی نظر سے دیکھتے ہیں، اس کی شوخی، شرارت، ناز وادا، جلوہ آرائی، رعنائی، بے اعتنائی، بے مروتی سخت دلی اور انداز گفتگو کا اپنے مخصوص مزاج کے ساتھ مشاہدہ کرتے ہیں۔اور اس طور پر بیان کر دیتے ہیں کہ میر کے شعر جیسے ابدی جذبے کا ابدی اظہار بن جاتے ہیں۔اس لئے بقول ڈاکٹر جمیل جالبی

’’جب تک جذبہ عشق باقی ہے میر کی شاعری بھی زندہ رہے گی‘‘(۶)

میر ے تغیر حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے
ایک محروم چلے میر ہمیں عالم سے
ورنہ عالم کو زمانے نے کیا نہ دیا
شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے

دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

میر کی شاعری کا ایک رنگ وہ ہے جو حیات بعد ممات پر ایمان کا جانفزا تصور بخشتا ہے یہی وہ عشق ہے جو ہمیں رسول خدا، محبوب کبریا علیہ التحیہ والثناء کی ثنا مولانا روم کی مثنوی، سعدی کی شاعری، اور اقبال کے فکر میں نظر آتا ہے...... میر کی شاعری پر تمام بڑے ناقدوں نے لکھا ہے۔ سید احتشام احمد ندوی نے ایک مضمون میں میر کی شاعری میں تصوف کی ذیلی سرخی کے تحت بہت سی مفید باتیں لکھی ہیں۔ (نگار، جلد ۷۵ ش، جون ۱۹۵۹ء) (۷)

تصوف میر کی گھٹی میں پڑا تھا، والد کی نیک صحبت، سید امان اللہ کی رفاقت، عم محترم کی معیت، خاندانی ماحول کا اثر، میر کی نازک طبعیت نے پوری طرح قبول کیا جس کا اندازہ ان کے کلام سے خاطر خواہ ہوتا ہے۔

درد ہی خود ہے خود دوا ہے عشق　　شیخ کیا جانے تو کہ کیا ہے عشق
عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو　　ساری دنیا میں بھر رہا ہے عشق
عشق معشوق عشق عاشق ہے　　یعنی اپنا ہی مبتلا ہے عشق

میر بذات خود صوفی منش ہو یا نہ ہو تاہم اس کے اشعار سے جو اس کا تصور عشق ابھرتا ہے اس سے اس کے صوفیانہ، عاشقانہ مزاج ہونے کا پتہ ضرور چلتا ہے، خاموشی، تنہائی، حصول ذات، عاجزی، استغناء، طمانیت قلب جیسے تصوف کے خالص مضمون نے بعض ناقد کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ میر تصوف کے الوالعزم شاعروں میں سے ہیں (۸) میر کے تصورات، جذبات واحساسات ان کے خیالات کی بھٹی میں تپ کر اس میں کوئی شک نہیں کہ الفاظ کندن بن کر نکلتے تھے، اردو غزل کے جسم میں میر نے اپنے فن اور کمال فکر سے جو روح پھونکی ہے اس نے میر کو خدائے سخن بنا دیا ہے۔ تاہم ان کے فکر وخیال، نغمہ و لے، شعر وسخن، نالہ وآہ کا محور ومرکز عشق مجازی ہی کے گرد گھومتا ہے، چاندنی رات میں ایک خوش پیکر کا کرہ قمر سے جھانکنا، جدھر نظر اٹھے اسی رشک قمر کا نظر آنا، اور اسی

سے بیخودی کی کیفیت کا پیدا ہو جانا، اپنی کسی عزیز پر فریفتہ وشیدا ہو کر اس کے سراپا کا نقشہ کھینچ دینا، ایک ایک ادا کی تصویر کشی کرنا، بھلا اس تصور کا تصوف اور عشق حقیقی سے کیا رابطہ ہو سکتا ہے۔ جس کی بنیاد ہی غیرت وحمیت کے تابوت پر ہو، اشعار میں عشق حقیقی کا تصور پیش کرنا اور بات ہے اور شاعر کا عشق حقیقی کی میزان پر کھرا اترنا اور بات، میر کی شاعری میں شاعرانہ کمال وجمال کی جلوہ ریزیاں اپنے شباب پر ہیں مگر میر کی زندگی میں عشق حقیقی کے جواہر وعناصر کا فقدان بھی ہے...... شاعری اور زندگی میں مطابقت دور تک نظر نہیں آتی۔

غالب کا تصور عشق

مرزا اسداللہ خان غالب ۸/ رجب المرجب ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲/ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ م ۱۵/ فروری ۱۸۶۹ء کو وفات پائی

غالب نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جو شجاعانہ بانکپن، اور بے مثل دلیری میں دوسرے خاندانوں پر فائق تھا، غالب بھی اس احساس برتری کے شکار تھے، ذوق پر طنز کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

ع...... سو پشت سے ہے پیشہ آباء سپہ گری

باپ کا سایہ بچپن ہی میں غالب کے سر سے اٹھ گیا تھا، اس لئے ننیہال میں پرورش ہوئی تعلیم تو باقاعدہ مکمل نہ ہو سکی ہاں اتنا پڑھ لیا تھا کہ جو اس وقت کے شرفاء کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا،...... تیرہ سال کی بالی عمر میں نواب الٰہی بخش خاں المعروف کی چھوٹی صاحبزادی امراؤ بیگم سے دلی میں شادی ہوئی خوش طبعی سے مرزا اس شادی کو عمر بھر حبس دوام اور پاؤں کی بیڑی کہتے رہے۔ تاہم تجزیہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس شادی نے ان کے ذوق شعری کو بلند کیا، کردار کو پاکیزگی بخشی، نواب معروف بڑے پائے کے

شاعر تھے،نوجوان اور ذہین غالب پر سسرال میں رہنے سے سنجیدہ علمی ماحول کا بہت اچھا اثر ہوا وہ رفتہ رفتہ سنبھلے،ان کا انداز سخن بھی بدلا۔(۹)

غالب اردو فارسی کے عظیم شاعر ہیں،ان کی شعری عظمت کا سورج جس طرح کل روشن تھا۔آج بھی چمک رہا ہے تاہم ان کی فنی عظمت کو صیقل کرنے اور جلا بخشنے میں غالب کے ایک مخلص دوست، مجاہد حریت سالار سنیت علامہ فضل حق خیر آبادی کا زبردست ہاتھ ہے۔مرزا کی شعر گوئی کا طرز سب سے جداگانہ تھا۔طبیعت مشکل پسند واقع ہوئی تھی،علما وفضلاء کی صحبت نے قابلیت میں اور چار چاند لگادئے تھے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ میرے اشعار کے مخاطب یہی باکمال حضرات ہیں۔اس لئے مرزا نئی نئی ترکیبوں اور مشکل ودقیق الفاظ کے استعمال کے لئے مجبور بھی تھے۔مرزا کی اس روش سے مفتی صدرالدین خان آزردہ اور ناخوش رہتے تھے،لیکن مرزا کو آزردہ کی اس روش کی کوئی پرواہ نہ تھی،لیکن علامہ فضل حق خیر آبادی کے شریک مجلس ہونے اور غزلوں کو سننے اور دیکھنے کے بعد جب مرزا کو سمجھانے کی نوبت آئی کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے تو مرزا بہت پریشان ہوئے...... حالی لکھتے ہیں۔

> مولوی فضل حق کی تحریک سے انہوں نے اپنے اردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا دو ثلث کے قریب نکال ڈالا،اوراس کے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا(یادگار غالب ۱۰۲-) (۱۰)

مولوی اسمعیل دہلوی کے نظریہ امکان نظیر کے جواب میں جب علامہ فضل حق نے ''امتناع النظیر'' پیش کیا تو غالب نے اسی موضوع پر ایک مثنوی لکھ ڈالی جو کلیات غالب میں مثنویات کے سلسلہ میں چھٹی مثنوی ہے ،علامہ عبدالشاہد خاں شروانی لکھتے ہیں ''غالب کے انداز بیان کا یہ کچھ کم کمال نہیں کہ ایسے مشکل مسئلہ کو ایسی روانی اور خوبی سے سمجھا دیا۔علامہ اور دوسرے اہل فضل وکمال کی صحبت نے غالب کو فی الواقع غالب بنا دیا

تھا، لکھتے ہیں۔

یک جہاں تا ہست یک خاتم بس است	قدرت حق را نہ یک عالم بس است
خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے	ہم بود ہر عالمے را خاتمے
ہر کجا ہنگامہ عالم بود	رحمتہ للعالمینے ہم بود
کثرت ابداع عالم خوب تر	یا بیک عالم دو خاتم خوب تر
در یکے عالم دو تا خاتم مجوئے	صد ہزاراں عالم و خاتم بگوئے
غالب ایں اندیشہ پذیرم ہمی	خردہ ہم برخویش می گیرم ہمی
اے کہ ختم المرسلینش خواندہ	دانم از روئے یقینش ، خواندہ
ایں الف لامے کہ استغراق راست	حکم ناطق معنیٔ اطلاق راست
منشاء ایجاد ہر عالم یکے است	گرد و صد عالم بود خاتم یکے است
منفرد اندر کمال ذاتی است	لاجرم مثلش ، محال ذاتی است
زیں عقیدت برنگردم والسلام	نامہ را درمی نوردم والسلام

غالب نے ان اشعار میں ابتدائی پانچ شعروں میں اپنی قابلیت سے ایک حل نکالنے کی کوشش کی جس میں دونوں طرف کی بات رہ جاتی تھی، اور یہ کہ خاتم النبین، اللہ جل شانہ نے اس عالم کے لئے بنایا ہے۔ اس عالم میں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر پیدا ہونا محال اور ممتنع بالذات ہے۔ لیکن خدا دوسرا عالم بنا کر آدم سے عیسیٰ تک اس عالم کے لئے پیغمبر پیدا کر کے آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کو خاتم النبین بنا سکتا ہے۔ اسی طرح امکان نظیر کی صورت نکل سکتی ہے۔ آخری چھ اشعار میں اس خیال کو رد کرتے ہوئے علامہ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا ہے۔ اور اسی رائے سے اپنی موافقت ظاہر کرتے ہوئے جس مدلل طریقہ سے اسے ثابت کیا ہے یہ غالب ہی کا حصہ ہے۔(۱۱)

غالب طبیعت اور فطرت کے اعتبار سے صوفیائے کرام کے عقیدت مند تھے، اسی لئے ان کے آستانے کی حاضری کے خواہشمند رہتے تھے، ان کے کلام میں یہ عقیدت ومحبت خوشبو لٹاتی محسوس ہوتی ہے، اسی لئے صوفیاء کرام بھی غالب کو بہت قریب سے چاہتے تھے۔

صفیر بلگرامی لکھتے ہیں کہ...... مارہرہ شریف جب میں پہنچا تو میرے نانا صاحب کو غالب کا بے حد مداح پایا، مارہرہ شریف میں ان کے اور چرچے بہت تھے، یہاں سے صفیر غالب کے شاگرد ہوئے (مارہرہ والے قادریہ سلسلہ کے بزرگ اہل طریقت، اور کٹر شریعت کے پابند، تمام اہل سلسلہ مانے جاتے ہیں۔ یہ سب ساوات کرام ہیں۔ ان کی نشست وبرخاست سے خوشبوئے رسول پرستی معلوم ہوتی ہے، حضرت رضا بریلوی طریقت وتصوف میں اسی نوری آستانے کے فیض یافتہ ہیں) غالب کا یہاں پسند خاطر ہونا غالب کے سنی ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ (۱۲)

غالب کا فن ان کی وجیہہ شخصیت کا عکس جمیل ہے، غالب کے کلام کا بڑا حصہ عشق مجازی پر حاوی ہے۔ لیکن ان کا حکیمانہ انداز، زمزوایماء، دلکش اسلوب، والہانہ تخیل ان کی ہر غزل میں نمایاں ہے۔ مرزا کے شعر میں دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے، تمنا کی خاطر تمنا غالب کا انفرادی انداز ہے...... فرماتے ہیں۔

ہوں میں بھی تماشائی نیرنگ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برآوے

غالب کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے اکثر نقادوں نے لکھا ہے کہ غالب نے ایک نہیں کئی مرتبہ عشق کیا ہے، یوں تو وہ حسن لب وبام کے بھی شیدا ہوئے اور ایک شوخ ڈومنی بھی ان کے دل کو لبھائی، مگر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس حسینہ کو کبھی پانہ سکے، اس لئے اپنے داغ ناتمامی کو انہوں نے اس شمع سے تشبیہ دی ہے، جس کو کسی نے پورا جلنے سے پہلے ہی بجھا

دیا۔

اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
میں بھی جلے ہووں میں ہوں داغ ناتمامی
قہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو......کاش کہ تم میرے لئے ہوتے

تاہم حمیدہ سلطان کا خیال ہے کہ......مرزا صاحب کی شاگرد ایک خاتون شاعرہ ترک بھی تھیں، بہت ممکن ہے کہ غالب کے ہر شعر میں جو دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے، وہ ترک کا عطیہ ہو(۱۳)

بازیچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب روز تماشا میرے آگے
اک کھیل ہے اورنگ سلیماں میرے آگے
اک بات ہے اعجاز مسیحا میرے آگے

ان جیسے اور دیگر اشعار سے خیال بالا کی تائید بھی ہوتی ہے۔

بہر حال غالب نے ہمارے سامنے عشق کا جو تصور پیش کیا ہے۔اس کی بنیادیں، عقلیت، مادیت اور جنسیت پر استوار ہے۔

لے لوں تو سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ
ایسی باتو ں سے وہ کافر بدگماں ہوجائے گا
نے سروبرگ آرزو نے رہ ورسم گفتگو
اے دل وجان خلق تو ہم کو بھی آشنا سمجھ
خواہش کواحمقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہو ں اس بت بیداد گر کو میں

غالب شعرائے اردو میں کیوں ممتاز ہیں۔ ان کا نظریہ شعری کیا ہے، احباب کی رفاقت سے انہوں نے کیا اثر قبول کیا...... ڈاکٹر مختار الدین آرزو اس تعلق سے تحریر فرماتے ہیں۔

"فضل حق خیر آبادی کی غالب سے از حد دوستی، مطالعے میں تصوف کی بے اندازہ کتابیں گزریں۔ وحدت الوجود کے قائل اور وہی مذہب رکھتے تھے، اسی لئے غالب کا کلام نہ صرف اپنے ہم عصروں میں بلکہ بارہویں اور تیرہویں صدی کے تمام شعراء میں ممتاز تھا (احوال غالب، ص 70۔14)

میکش اکبر آبادی لکھتے ہیں۔

"مرزا غالب تصوف کے قائل تھے اور شعروں میں انہوں نے تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں۔ تصوف ان کا قال بھی تھا اور حال بھی۔ ان اشعار سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے"

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جز میں کل
کھیل لڑکو ں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا
ہے تجلی تری سامان وجود
ذرہ بے پر تو خورشید نہیں (۱۵)

اشعار میں نظریہ تصوف کی بھرمار کے باوجود غالب کے صوفی ہونے کا سب نے انکار کیا ہے۔ سید احمد اکبر آبادی کے بقول...... معاملات واسرار تصوف کے اظہار و بیان کے باوصف وہ صوفی نہیں تھے غالب کی فارسی دانی اور تصوف کی کتابوں کے مطالعہ نے غالب کو تصوف کا ہمنوا بنایا

دہر جز جلوہ یکتائی محبوب نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود میں (۱۶)

تاہم سب سے سچی بات وہی ہے جو غالب نے خود کہی ہے جس سے فیصلہ آسان

ہو جاتا ہے

یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیا ن غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا ۔

اقبال کا تصور عشق

ڈاکٹر محمد اقبال ۲۹ردسمبر ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوئے اور ۲۱راپریل ۱۹۳۸ء کو وفات پائی...... یہ زبان اردو کی خوش اقبالی ہے کہ اسے، اقبال سا شاعر نصیب ہوا۔ جس کے کلام کا سکہ اردو داں دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے ۔ اقبال ایک ایسے گھر میں پیدا ہوئے جہاں مذہب کی بالا دستی اور شریعت وسنت کی حکمرانی چھائی ہوئی تھی، آپ کے والد ایک درویش صفت مسلمان تھے، اسلام کی محبت اور مذہب سے وابستگی انہیں ورثے میں ملی ۔ علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد کے عشق مصطفیٰ کی کیفیت کا ایک واقعہ علامہ اقبال کے حوالے سے فقیر سید وحید الدین نے یوں تحریر کیا ہے۔

ایک سائل بھیک مانگتا اور صدا لگا تا ہوا ان کے دروازے پر آیا۔ یہ گدائے مبرم یعنی اڑیل فقیر تھا...... اس کے بار بار چیخ کر صدا لگانے پر علامہ اقبال نے طیش میں آ کر اسے مارا، علامہ کے والد اس حرکت پر بہت آزردہ اور کبیدہ خاطر ہوئے ...... بیٹے سے کہا کہ قیامت کے دن جب خیر الرسل کی امت سرکار کے حضور جمع ہوگی تو یہ گدائے دردمند تمہارے اس برتاؤ کے خلاف حضور رسالت مآب سے فریاد کرے گا اس وقت

اے صراطت مشکل از بے مرکبی
من چہ گویم چو ں مرا پر سد نبی
درملامت نرم گفتار آں کریم

من رہین خجلت وامید وبیم

پھر علامہ کے والد ماجد اپنی ریش سفید کا واسطہ دے کر بیٹے کو کہتے ہیں کہ مجھے میرے آقا ومولا کے حضور رسوانہ کرو......فقیر وحیدالدین لکھتے ہیں کہ

شیخ نور محمد رحمتہ اللہ علیہ کے حسن تربیت کا یہ اعجاز تھا کہ علامہ اقبال قرآن کی آیت اور حدیث رسول سنتے تھے تو فوراً، گردن نہادن بطاعت، کی تصویر بن جاتے تھے۔(۱۷)

علامہ اقبال کی بہن بڑی عابدہ زاہدہ تھیں، خاص طور سے اولیاء اللہ کی کرامات اور خرق عادت کی کتابیں بڑے ذوق وشوق سے پڑھتیں، انہوں نے ایک دن شیخ اعجاز احمد سے کہا کہ میاں جی کو اسم اعظم، معلوم ہے جسے وہ بھائی صاحب (علامہ اقبال) کو بتا چکے ہیں ...... جب شیخ صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، قبولیت دعاء کا ایک نسخہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر دعاء سے قبل اور بعد حضور سرور کائنات پر درود بھیجیں کیوں کہ درود سے بڑھ کر اور کوئی اسم اعظم نہیں (روز گار فقیر۔ ج ۲، ص ۱۲۷) (۱۸)

اقبال کی تعلیم گو مقررہ اصول نظامیہ کے مطابق نہ ہوئی مگر مولانا میر حسن سے انہوں نے کافی استفادہ کیا تھا جو اپنے زمانے کے جید عالم تھے اور علوم اسلامیہ والسنہ شرقیہ پر کافی عبور رکھتے تھے، لندن یونیورسٹی میں ڈاکٹر آرنلڈ کی جگہ چھ مہینے تک انہوں نے عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا تھا...... یوروپ سے واپسی کے بعد انہوں نے اسلامی فلسفہ، دینیات اور تصوف کا وسیع مطالعہ کیا، البتہ دو متضاد چیزوں کو یعنی رومی جیسے زبردست صوفی اور ڈارون کے ملحدانہ نظریہ ارتقاء کے قائل نیشے کو جمع کر دیا۔ اسی تجدید واحیاء پسند طبیعت نے انہیں منتشر رکھا تصوف میں یقین کی کیفیت پیدا نہ ہوسکی،......وہ فقہ اور تصوف دونوں پر ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔ علماء کے اجتہاد کو بھی شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اقبال جب تصوف کے تعلق سے مابعد الطبیعات کے ارتقاء کے لئے عجمی یا ایرانی فلاسفہ کی بات کرتے تو اس کا مطلب کوئی علاحدہ قوم ووطن نہیں ہے یہ وہ صوفیاء ہیں جن

پر زرتشتی فلسفہ کا اثر تھا جسے اقبال غیر اسلامی تصوف کہتے ہیں ۔ اور دوسرے نوافلاطونی نظریات کے بھی قائل ہیں کہ وہ اسلامی تصوف میں داخل ہو کر اسلامی تصوف کی جس نے صورت بگاڑ دی ، اس ضمن میں وہ حافظ شیرازی، منصور حلاج، ابن عربی کی فتوحات کلیہ وفصوص الحکم اور وحدت الوجود کے افکار کے وہ منکر تھے ۔ حافظ کو گوسفندوں میں شمار کرتے تھے ۔ اس لئے خواجہ حسن نظامی ، اور دیگر مقلدین تصوف نے ملک گیر مخالفت اقبال کی مہم جاری رکھی اور اسرار خودی ورموز بے خودی کے جواب میں پیرزادہ مظفر احمد صاحب نے راز بیخودی تصنیف کی اور اقبال کو دشمن اسلام، رہزن اسلام، شغال ،ضر جیسے ناز یباالقاب سے نوازا۔ ''پیام مشرق'' کے جواب میں میر کریم الدین صاحب ساکن گوجرہ لائیلپور نے'' پیام آفتاب لکھی جو ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی ، اقبال کو اپنے سامنے بچہ می ماند:' اور اپنی تخلیق کو خدمت اسلام اور اقبال کی تصنیف کو این فقط کار تجارت است کہتے ہیں الغرض اقبال کا فلسفہ جب تک صرف فلسفہ تھا وہ سر آنکھوں پر بٹھائے جاتے تھے ، لیکن فارسی کی منظوم کاوشوں نے نہ صرف انہیں گمراہ قرار دیا بلکہ کفر کے فتوے بھی دستیاب ہوئے ۔ اقبال نے دل کی منزل کو عقل سے طے کرنی چاہی حقیقت سے بہت دور جا پڑے ۔(اقبالیات کا تنقیدی جائزہ) (۱۹)

قاضی احمد میاں جونا گڈھی کے اس محاکمہ پر ڈاکٹر اعجاز مدنی یوں تبصرہ کناں ہیں ۔اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اقبال کی فکر کی بنیاد ہی غلط تھی کہ تصوف فلاسفہ عجم زرتشتی، نوافلاطونی ویدانت ، گیتا ، وغیرہ پر استوار ہو کر دنیا بھر میں خانوادوں کی شکل اختیار کر گیا ہے وہ خود لکھتے ہیں کہ......خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے مگر افسوس یہ سلسلہ آج عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے ۔یہی حال سلسلہ قادریہ کا ہے ۔جس میں خود بیعت رکھتا ہوں خط میں پیر کا نام نہیں لکھا ہے حالانکہ حضرت محی الدین کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا، مکاتیب میں (ص ۱۳۵) اقبال

بزرگوں کے بیحد مداح اور ارادتمند ہیں ۔مولوی عبدالرزاق صاحب نے اقبال کا خواجہ نظام الدین اولیا، کے مزار اقدس پر رو رو کر منقبت پیش کرنے کا والہانہ حال لکھا ہے (ص ۱۱۔۱۲) ایسے ہی خطوط اقبال میں مولوی انشاءاللہ خان لاہوری کو خط میں لکھا ہے۔ اللہ اللہ محبوب الٰہی کا مزار بھی عجیب جگہ ہے۔بس یہ سمجھ لیجئے کہ دہلی کی پرانی سوسائٹی حضرت کے قدموں میں مدفون ہیں......(خطوط اقبال، رفیع الدین ہاشمی) (۲۰)

اقبال کے نزدیک عشق ومحبت سے فقط جذباتی عقیدت وارادات مراد نہیں۔تقلید بھی اس کا ضرور جزو ہے۔لیکن محبت کا کیمیائی اثر اسی صورت میں ظاہر ہوسکتا ہے۔جب یہ محبت کسی ایسے کامل سے ہوجس کی ذات کا پرتو انسان کو کندن بنادے،اوراس مقصد کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون سی ہستی ہوسکتی ہے۔جن کی زندگی دینی اور دنیاوی ارتقاء کا بہترین نمونہ ہےاور جن کی زندگی کو قرآن نے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔

هست معشوقے نہاں اند دلت ۔۔۔ چشم اگر داری بیا بنما یمت
عاشقان اوزخوباں خوبتر ۔۔۔ خوش تروزیبا ومحبوب تر
دل زعشق اوتوانامی شو د ۔۔۔ خاک ہمدوش ثریا می شود
دردل مسلم مقام مصطفیٰ ست ۔۔۔ آبروئے مازنام مطصفیٰ است
عشق سے پیدانوائے زندگی میں زیروبم ۔۔۔ عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزدمبدم
مردخدا کاعمل عشق سے صاحب فروغ ۔۔۔ عشق ہےاصل حیات موت ہےاس پرحرام

ان کے نزدیک عشق سوز وتب وتاب جاودانہ کے سوا اور کچھ نہیں، اقبال نے مردمومن، قلندر، فقیر، درویش، خلیفہ اللہ فی الارض وغیرہ ناموں سے دراصل ایک ہی ”مرد کامل“ کی شخصیت کی طرف اشارہ کیا ہے ایک ایسا مرد کامل جو افیونیٹ اور سنیاس کے مسلک کا گرویدہ نہیں۔بلکہ کائنات کی تب وتاب کا محرم ہے۔ (۲۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال شمع افکار رومی کے گرد پروانہ وار مچلتے اور اکتساب

فیض کے لئے بل کھاتے نظر آتے ہیں یہ اسی قلندرانہ خلوص کا نتیجہ ہے کہ فکر اقبال میں تجلیات رومی جگہ جگہ بلکہ قدم قدم پر روشن و تجلی ریز ہے۔ بقول مولانا صلاح الدین

یہ سعادت ساڑھے چھ سو برس کے بعد شاعر مشرق اقبال ہی کے حصے میں آئی کہ اس نے رومی کے فکر فلک رس اور اس کی سیرت باصفا کے امتزاج سے ایک پیکر بے مثال تیار کیا پھر اس کے سوز عشق سے اسے حرارت بہم پہنچائی، اس کے حسن نظر سے اسے جلا بخشی، اور اس کے نفس آتشیں سے اس میں روح پھونکی (۲۲) اس تناظر میں ان کے یہ اشعار دیکھئے

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی
عطار ہو رومی ہو، رازی ہو غزالی
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی
اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہوتو مرد مسلماں بھی کافر وزندیق
عشق کی ایک جست نے کردیا قصہ تمام
اس زمین وآسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

اقبال نے اپنے افکار وتصورات سے نہ صرف یہ کہ بندہ مومن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وحقیقت کے قریب کرنے کی کوشش کی بلکہ عملی طور پر وہ خود اس پر گامزن رہے۔ شارح اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی کہتے ہیں کہ...... ایک بار اقبال نے راقم الحروف سے فرمایا کہ عقل انسانی انسان کو خدا تک پہنچانے کے بجائے خدا سے دور کرتی ہے۔ سرکار دو عالم کا ہم سب پر بڑا احسان یہ ہے کہ آپ کے یہ فرمانے سے کہ خدا ہے ہم نے خدا کا اعتراف کرلیا ورنہ ہم ساری زندگی خدا پر ایمان لا ہی نہیں سکتے تھے (اقبال اور عشق رسول) (۲۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرنے والے ایک کافر کو غازی علم الدین شہید نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔اس سلسلہ میں ۸/ جولائی ۱۹۲۷ء کو برکت علی اسلامیہ ہال میں ہونے والے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا کہ......جو مسلمان عملاً توحید پر جمع نہ ہوسکے وہ نبوت پر متفق ہوگئے ...... یہی بات آپ نے ۱۰/ جولائی کی اپنی شاہی مسجد کی تقریر میں بھی کہی............(گفتار اقبال۔ص،۳۹۔۴۳)

علامہ اقبال کے عشق رسول کے اس پہلو کا کمال یہ ہے کہ وہ خالق کائنات سے التجا کرتے ہیں کہ اگر روز محشر میرا حساب کتاب بہت ہی ضروری ہو اور مجھے کسی طرح معاف نہ کیا جاسکتا ہو تو میری فرد عمل سرکار دوعالم کی نگاہ سے پوشیدہ رکھی جائے ۔یعنی اگر کوئی صورت نہ ہو تو خدا فرد عمل دیکھ لے اور جو چاہے سزا بھی دیدے ،مگر حضور کے سامنے ندامت کا موقع نہ آئے۔

تو غنی از دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
وراگر بینی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفی پنہاں بگیر

انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ جس کے صدر علامہ اقبال تھے اس میں کسی خوش الحان نعت خواں نے امام احمد رضا کی ایک نظم شروع کی جس کا ایک مصرع یہ تھا

رضائے خدا ہے رضائے محمد (صلی اللہ وسلم)

نظم کے بعد آپ اپنی صدارتی تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور برجستہ و بے ساختہ ذیل کے دو شعر ارشاد فرمایا۔

تماشا تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش لگائے خدا اور بجھائے محمد
تعجب تو یہ ہے کہ فردوس اعلیٰ بنائے خدا اور بسائے محمد

(نوادر اقبال۔عبدالغفار شکیل) (24)

اقبال کا یہی وہ فکری انداز اور قلبی سوز گداز ہے ،جس سے ہزار مخالفتوں کے

باوجود آج بھی اقبال کا اقبال سلامت و مسلم ہے۔ ان کے خیالات وافکار کی تشریح اور ان کے تصور عشق کی توضیح میں دانشوروں کا ایک طبقہ مصروف ومنہمک ہے، تاہم یہ تو کہنا ہی پڑتا ہے کہ فقہ میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے نوبہار فکر اور باوقار قلم نے کہیں کہیں ٹھوکریں بھی کھائی ہیں، بعض اشعار ایسے بھی سرزد ہوئے ہیں جس سے شریعت کی جراحت کا داغ بھی دامن پر لگا ہے۔ اگر اس تعلق سے احتیاط برت لی گئی ہوتی تو ہر طبقہ ہائے فکر میں عظیم دیدہ ور اور مفتخر دانائے راز کے منصب پر بٹھائے جاتے۔ بااین ہمہ اقبال کے قومی ترانے نعتیہ زمزے خفتہ قوم کو جگانے اور جھنجھوڑ والی نظمیں خاصے کی چیز ہیں ان کے تصور عشق کی خوشبو مشام جاں کو معطر کرتی رہے گی۔ لیکن اقبال جیسے بلند شاعر تھے، جیسے نکتہ سنج مفکر تھے تصوف کے باب میں ان کے فکر وخیال نے وہ گل ریزی نہیں کی جن کی ان سے امید تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رگوں میں منجمد خون کو تو ان کے اشعار متحرک کر سکتے ہیں مگر دلوں کو عشق حقیقی کے جذبات سے گرمانے اور جلانے، پژمردہ روح کو معرفت خداوندی کا مژدہ دے کر کھلکھلانے میں ان کے اشعار ناکام نظر آتے ہیں، میرے نزدیک وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی شاعری جسم کی پاسبان تو ہے جان کی ترجمان نہیں۔

حاصل باب

میر، غالب اقبال یہ تینوں اردو ادب کا وہ معتبر نام ہے جس سے اردو زبان وادب کا بھرم قائم ہے جن کے ذکر وتذکرے سے ادب کے گلشن میں بہاریں آتی ہیں زبان وبیان کی کلیاں کھلکھلا پڑتی ہیں۔ ان حضرات نے اردو ادب کے دامن کو اپنے گلہائے فکر اور قاشہائے جگر کی وہ نذر گزاری ہے کہ اردو زبان وادب آج بھی ان کا مرہون منت ہے اور خراج محبت پیش کر رہا ہے۔ نئے نئے الفاظ وانداز، نئی نئی ترکیب وتشبیہ اور جدید سے جدید محاورے واشعار کے لعل وگہر سے خزینہ زبان وبیان کو ایسا مالا مال کر دیا ہے کہ دوسری زبان وادب بھی اس کی طرف للچائی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔

میر نے اگر انگلی پکڑی ہے تو غالب نے چلنا سکھایا ہے، اور اقبال نے باوقار روش عطا کی ہے، میر نے اگر درد دیا ہے تو غالب نے دل، اور اقبال نے دھڑکنے اور مچلنے کی ادا بخشی ہے، اردو زبان وادب سے اگر یہ تینوں نام حذف کر دیئے جائیں تو اردو کے جسم سے روح نکل جائے۔ تاہم مجھے کہنے دیا جائے کہ لفظی فسوں کاری اور ہے اور حقیقی نقش طرازی اور ظاہری سحر آفرینی اور ہے باطنی گلکاری اور، ان حضرات ثلثہ کا گوہر مقصود کیا ہے ،ان کے افکار کی بلندی کیا ہے، اس میں معنویت کیسی ہے صداقت کی جلوہ گری کتنی ہے قول اور عمل میں کیسا رشتہ ہے، گفتار اور کردار میں کتنا بناؤ ہے، جلوت وخلوت میں کتنا قرب ہے، حقائق دیدہ وروں سے پوشیدہ نہیں، جن کے ذکر وتذکرے سے دانش گاہیں گونج رہی ہیں ان کی زندگی اور تصور عشق کو سامنے رکھئے اور لگے ہاتھ حضرت رضا بریلوی کی زندگی اور تصور عشق کا جائزہ لیجئے

آپ بھی شائد یہی کہیں گے کہ
کوئی اڑ کے رہ گیا بام تک کوئی کہکشاں سے گزر گیا

حوالے

تصور عشق ممتاز شعراء کے حوالے سے

۱	محمد تقی میر	ڈاکٹر جمیل جالبی	ص ۲۰-۱۹
۲	اردو غزل میں تصوف، ولی سے اقبال تک۔	ڈاکٹر اعجاز مدنی	۴۴۹
۳	کچھ میر کے بارے میں	قاضی عبدالودود، نقوش شمارہ ۳۵	ص ۲۶-۲۳
۴	محمد تقی میر	ڈاکٹر جمیل جالبی	ص ۱۰۵-۱۰۴
۵	//	//	ص ۳۵-۳۴
۶	//	//	ص ۱۰۰
۷	اردو غزل میں تصوف ولی سے اقبال تک	ڈاکٹر اعجاز مدنی	ص ۴۴۹
۸	//	//	ص ۴۵۲
۹	فروغ اردو لکھنو، غالب نمبر	شمارہ نومبر دسمبر ۱۹۶۸	
۱۰	باغی ہندوستان	علامہ فضل حق خیر آبادی ترجمہ وسوانح عبدالشاہد خان شروانی	ص ۱۵۸
۱۱	//	//	ص ۱۹۴-۱۹۳

۱۲	اردوغزل میں تصوف ولی سے اقبال تک	ڈاکٹر اعجاز مدنی	ص ۵۳۴
۱۳	فروغ اردو لکھنو، غالب نمبر	شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۶۸	
۱۴	اردوغزل میں تصوف ولی سے اقبال تک	ڈاکٹر اعجاز مدنی	ص ۵۳۵
۱۵	//	//	ص ۵۳۵
۱۶	//	//	ص ۵۳۶
۱۷	اقبال اور احمد رضا	راجہ رشید محمود	ص ۳۰-۲۹
۱۸	اقبال اور احمد رضا	راجہ رشید محمود	ص ۳۱
۱۹	اردوغزل میں تصوف ولی سے اقبال تک	ڈاکٹر اعجاز مدنی	ص ۶۲۳-۶۲۱
۲۰	//	ڈاکٹر اعجاز مدنی	ص ۶۲۴
۲۱	اقبال کے تصور عشق وخرد	ڈاکٹر وزیر آغا	ص ۱۸۲
۲۲	//	//	ص ۱۸۴
۲۳	اقبال اور احمد رضا	راجہ رشید محمود	ص ۷۰-۶۹
۲۴	دبستان رضا	مولانا یسین اختر مصباحی	۸۰

پانچواں باب

حضرت رضا بریلوی کا تصور عشق

☆......حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق کے تشکیلی عناصر

(والد ماجد، خانگی ماحول، مرشد گرامی، دوست واحباب

قرآن وحدیث، تصوف وسلوک)

☆......حضرت رضا بریلوی کا محبوب صورت وسیرت

☆......حضرت رضا بریلوی کی شخصیت تصور عشق کے حوالے سے

☆......حضرت رضا بریلوی کا تصور عشق تصانیف کے حوالے سے

حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق کے تشکیلی عناصر

ہزاروں اختلاف کے باوجود کٹر سے کٹر حریف نے بھی حضرت رضا بریلوی کو عاشق رسول ہی کہا ہے، آپ ان عشاق کی فہرست میں شمار ہو رہے ہیں، عشق حقیقی کو آج بھی جن کی حیات وخدمات پر ناز ہے، آپ کی سیرت وکردار عشق رسول کی علامت وضمانت کے طور پر پیش کئے جا رہے ہیں۔ آخر وہ کون سے اسباب وعوامل تھے، جس نے آپ کی تشکیل سیرت وتعمیر شخصیت میں اہم رول ادا کیا ہے اور آپ کو عالمی، آفاقی، بین الاقوامی عاشق رسول بنا دیا ہے، میرے خیال میں ان کے یہ محرکات ہیں۔

1. خانگی ماحول
2. مرشد گرامی
3. اکابر واحباب
4. قرآن وحدیث
5. سلوک وتصوف

خانگی ماحول

حضرت رضا بریلوی نے ایک ایسے گھر اور گھر کی روحانی وعرفانی فضاء میں آنکھ کھولی تھی جہاں درودیوار عشق مصطفیٰ کی خوشبو سے مست والست تھے ہر فرد دیندار، ہر شخص، تقویٰ شعار ہر آدمی خوش اطوار اور پاک سیرت ونیک طینت کا آئینہ دار تھا، دادا، دادی، والدہ اور والد، بھائی اور بہن ہر ایک باغ وبہار جیسی سیرت کے علمبردار تھے، ذکر خدا اور تذکرہ مصطفیٰ کے نوروسرور سے پوری فضاء معطر تھی۔ گھر کے اندر سے لے کر باہر تک شریعت وطریقت کی چاندنی پھیلی تھی۔خشیت الہٰی اور محبت نبوی کا اجالا تھا، خانگی ماحول کا انوکھا انداز اور نرالا ڈھنگ اپنی خاموش زبان سے جیسے اعلان کررہا تھا۔

ع ہرفرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

دادا، مولانا رضا علی خان (م ۱۲۸۲ھ ۱۸۸۶ء)

امام العلماء قطب الوقت بے مثل ہادی، اور بے لوث خادم دین کی حیثیت سے دور دور تک مشہور تھے...... رضا بریلوی کے خاندان میں آپ ہی کے وقت سے حکمرانی کا رنگ ختم ہوکر فقرو درویشی کا رنگ غالب آگیا۔ ورنہ آپ سے پہلے بزرگوں کا یہ عالم تھا کہ شروع میں امور سلطنت کے عہدوں پر فائز رہے پھر آخر میں اس سے الگ ہوکر عبادت وریاضت میں مشغول ہوجاتے۔لیکن یہ سلسلہ حضرت مولانا شاہ رضا علی کی ذات سے ختم ہوگیا۔ چنانچہ آپ نے دنیوی حکومت کا کوئی عہدہ اختیار نہ فرمایا اور ابتدا ہی سے زہد وتقویٰ، فقر وتصوف کی زندگی گزاری، تذکرہ علمائے ہند، مصنف رحمان علی خان کے حوالے سے ملک العلماء مولانا ظفرالدین، خلیفہ امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں۔

''مولانا رضا علی خان صاحب بزرگ ترین علماء کرام میں سے تھے، ۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور شہر ٹونک میں مولوی خلیل الرحمان

صاحب مرحوم ومغفور سے علوم درسیہ حاصل کر کے ۲۳/سال کی
عمر میں ۱۲۴۷ھ کو سند فراغ حاصل کر کے مشار الیہ اماثل واقران
ومشہور اطراف زماں ہوئے، خصوصاً علم فقر وتصوف میں کامل
مہارت حاصل فرمائی، بہت پر تاثیر تقریر فرماتے نسبت کلام،
سبقت سلام زہد وقناعت، علم وتواضع تجرید وتفرید آپ کی
خصوصیات سے تھا۔''(۱)

ایسے حلیم وکریم کہ ایک بے دین نے آپ پر تلوار سے حملہ کیا تو اس کو معاف فرمادیا، اسی طرح ایک کنیز کے ہاتھوں آپ کا آٹھ سالہ لڑکا محمد عبداللہ خاں مارا گیا تو آپ نے اس کو آزاد فرمادیا۔ اتباع سیرت وسنت میں اپنی نظیر آپ تھے۔''

فن شاعری میں آپ مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی (م ۱۲۸۵ھ م ۱۸۶۸ء) کے شاگرد تھے ان کا ایک شعر ہے

آہ! ہم پر ہوا مسلط وبال فرنگیاں
ہمیں ہیں مالک اور ہمیں آنکھیں دکھائی جاتی ہیں

یہ شعر آپ کے جذبۂ حریت اور ولولہ حب الوطنی کا بہترین غماز ہے۔ آپ انگریزوں کے سخت مخالف اور بریلی کی جماعت مجاہدین کے پشت پناہ تھے، ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں بریلی کے اندر آپ نے مجاہدین کو اپنے گھوڑوں اور سامان رسد کے ذریعہ مدد پہنچائی۔ ہنگامہ میں جب انگریزوں کا تسلط ہوا اور شہر بریلی کے لوگ ادھر ادھر منتشر ہونے لگے تب بھی مولانا رضا علی خان اپنے مکان واقع محلہ ذخیرہ بریلی کے اندر تشریف فرما رہے، اور پنج وقتہ نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ ابھی مسجد ہی میں تھے کہ ادھر سے انگریزوں کا گذر ہوا تو وہ اس خیال سے مسجد کے اندر گھسے کہ کوئی شخص ملے تو اس کی پٹائی کریں۔ مسجد میں گھوم پھر کر انگریزوں نے تلاش کیا مگر انہیں

کوئی نہیں ملا، حالانکہ مولانا رضا علی خان اس وقت مسجد ہی میں موجود تھے۔لیکن اللہ نے ان انگریزوں کو اس وقت بصارت سے محروم کر دیا تھا اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے ۔(۲)
حدیث شریف میں ہے جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے۔ظاہر ہے کہ جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ ہوجائے دنیاوی اذیت ومصیبت اور مخالفت اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔غرض کہ آپ اطاعات وعبادت خداوندی اور اتباع سیرت وسنت مصطفوی میں اپنی نظیر آپ تھے۔

والد ، مولانا نقی علی خان (م ۱۲۹۷ھ م ۱۸۸۰ء)

ایک بلند پایہ عالم جید فقیہہ تھے، آپ نے علوم ظاہری اور باطنی کی تحصیل وتکمیل اپنے والد مولانا رضا علی خان سے کی اپنے وقت کے جلیل القدر فاضل بے نظیر مناظر، اور بے مثل مصنف کی حیثیت سے معروف ومسلم ہیں۔آپ بچپن ہی سے پرہیز گار اور متقی تھے۔پرہیز گاری کا جوہر آپ کو ورثے میں ملا تھا، اس پر فضل خداوندی یہ کہ میلان طبع بھی نیکی وشرافت کی طرف تھا، آپ کی ذات مرجع خلائق وعلماء تھی، کثیر علوم میں تصانیف مطبوعہ وغیر مطبوعہ آپ کے علم وفضل کی شاہد ہیں۔آپ علم القرآن، عقائد وکلام وغیرہ جملہ اٹھائیس علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے۔

آپ کو حضور تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا عشق تھا۔آپ کے ہر عمل سے عشق رسول کی جھلک نمایاں ہے، آپ کو سرور کائنات سے زبردست گرویدگی اور وارفتگی تھی۔سفر میں حضر میں گھر ہو یا عوام کا عظیم اجتماع ہر جگہ سنت رسول کی اتباع کی ترغیب وتلقین میں مصروف ومشغول رہے، تمام عمر پورے عالم کو اتباع نبوی میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے، عوام ہوں یا علماء ومشائخ حاجت مند ہوں یا سرمایہ دار، دانشور ہوں یا کم عقل سب کے سامنے آپ کی گفتگو کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کا ہوتا اور اتباع کی تلقین ہوتی، بات اتباع وعشق رسول کی ہوتی تو آپ کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھتا اور اگر تنقیص وتوہین انبیا ومحبوبان خدا کی ہوتی تو قہر وغضب کے آثار پیشانی پر نمایاں

ہو جاتے۔آپ کے فرزند جلیل حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔''

اس ذات گرامی صفات کو خالق عزوجل نے حضرت سلطان رسالت
علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیہ کی غلامی وخدمت اور حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم کے اعداء پر غلظت وشدت کے لئے بنایا تھا۔(۳)

آپ اپنے والد کی روش پر قائم رہے انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے بھی انگریزوں سے مسلمانوں کو دور رکھنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں وہ اپنے والد کے معین ومددگار رہے۔

آپ کی ایک معرکتہ الآ راتصنیف، تفسیر الم نشرح، ہے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے صرف اس کتاب کے مقدمے سے متاثر ہو کر ایک فاضلانہ مقالہ بعنوان عشق ہی عشق تحریر فرمایا ہے۔ جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے شائع کر دیا ہے اس سے چند اقتباس یہاں پیش ہیں، آپ اس کا تعارف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

قرآن کریم کی آٹھ مختصر آیتوں کی تفسیر بڑے سائز کے ۴۳۸ رصفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔اس تفسیر کو جب غور سے پڑھا تو آنکھیں کھل گئیں،......صفحہ نمبر ۴ر سے پڑھتے پڑھتے جب صفحہ گیارہ پر پہنچا تو یوں محسوس ہوا جیسے ساحل سمندر پر موتی بکھرے ہوں۔

یا جیسے دامن کوہ پر لعل بکھرے ہوں ...... ہر لعل رشک صد لعل بدخشاں ......خواجہ میر درد کا ایک شعر یاد آیا۔

سرسری تم جہاں سے گزرے
ورنہ ہر جا جہاں دیگر تھا

مفسر کے قلمی رشحات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں......تفسیر میں ایک طرف مفسر کے عشق ومحبت کا عالم نظر آتا ہے تو دوسری طرف ان کے علم وفضل کی شان نظر آتی ہے

۔بے شک علم خادم عشق ہیں، انہوں نے علم کو عشق کی چوکھٹ پر جھکا کر بتادیا کہ حاصل علم عشق ومحبت کے سوا کچھ نہیں......نام نامی اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم فکر وخیال کے افق پر طلوع ہوا تو جھوم جھوم گئے......ایسا معلوم ہوتا ہے سراپائے مقدس سامنے آ گیا ہو۔

کھینچی ہے سامنے تصویر یا ر کیا کہنا

......ہاں ذرا آنکھیں کھولئے عشق مصطفیٰ صلی اللہ وعلیہ وسلم کی بہاریں دیکھئے محبّ کو دیکھئے محبوب کو دیکھئے ......عشق ومحبت کی جولانیاں دیکھئے ......حسن وجمال کی سحر آفرینیاں دیکھئے......ہاں ۔

حریم ناز کے پردے اٹھے ہوئے ہیں جگر

مولانا نقی علی خان کی عشق ومحبت کی جولانیاں ملاحظہ کیجئے۔جس میں وہ اپنی ذات میں منفرد نظر آتے ہیں کہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی کتابوں کے نام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کرنے کے لئے اس طرح پرودئے ہیں کہ پڑھنے والا جھوم جھوم جاتا ہے۔

تیسیر اصول تاسیس	روضہ گلستا ن تقدیس
احیاء علوم وکمالات	مطلع اشعتہ لمعات
مقدمہ طبقات بنی آدم	رہنمائے دین محکم ومسلم

......اردو زبان میں اس طرح کے ۲۶۵/القاب وآداب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لئے استعمال کئے ہیں اور پھر آگے چل کر عربی زبان میں بھی ۲۴۸/القاب نبی پاک صلی اللہ وعلیہ وسلم کی شان میں لکھے ہیں۔جو خود ایک مکمل نعت ہے ۔ملاحظہ کیجئے۔

شارع الشرعیہ البیضاء	بارع الرسل والانبیاء
المحمد فی الکلا م القدیم	الموفق بالخلق العظیم
الحریص علیٰ مسلمین	الرؤف الرحیم بالمومنین

......اللہ اللہ !عشق خانہ ویراں ساز نے کیسا مست و بے خود بنادیا......محبوب کا ذکر آیا...... جذبات کا ایک سیلاب امنڈ پڑا کہاں سے چلا تھا اور کہاں تھما؟...... پھر بھی پیاس باقی ہے......دل چاہتا ہے کہ ابھی اور فکر کیجئے۔ ہاں

قلم بشکن سیاہی ریز کا غذ سوز دم درکش
حسن ایں قصۂ عشق است دردفترنمی گنجد (۴)

یہ ہیں امام احمد رضا قدس سرہ کے والد ماجد علامہ محمد نقی علی بریلوی علیہ الرحمہ۔ امام احمد رضا کے سینے میں آپ نے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا نقش جمایا۔ کہ پورا وجود سراپا عشق بن گیا۔ اور پھر اس پیکر عشق ومحبت نے ملت اسلامیہ میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایسی روح پھونکی کے مشرق ومغرب صلوٰۃ وسلام کے نغموں سے گونجنے لگے ہیں

مطصفی جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

حضرت رضا بریلوی کا خاندانی شجرہ خانگی ماحول یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو عشق رسول وراثت میں ملا تھا چوں کہ بچپن ہی میں آپ کو اعلیٰ علمی وادبی ماحول مل گیا تھا، اس لئے اس ماحول نے آپ کے کردار کی تشکیل میں بہت مدد کی، آپ کو ایک مذہبی انسان بنادیا، نتیجہ یہ ہوا کہ عشق مصطفیٰ آپ کی زندگی کا لازمہ اور حیات کا خاصہ ہوگیا۔ ناموس مطصفیٰ کے پاسبان اور شریعت کے بے باک ترجمان کی حیثیت سے آپ کی خدمات عالمی سطح پر سراہی جارہی ہے۔ آپ کی شخصیت کی تعمیر میں والد ماجد شیخ المفسرین مولانا نقی علی خان کا فیضان صحبت وتربیت خاص طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ مولانا حسنین رضا خان علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

''رب العزت نے ایسے گھر میں پیدا کیا جہاں قال اللہ قال الرسول ہی روزمرہ تھا، اور آپ کو اس صحبت کا شوق بھی تھا۔ آپ اپنے والد

ماجد کی صحبت میں زیادہ بیٹھتے اورمسائل بغور سنتے اورانہیں اپنے دماغ میں محفوظ رکھتے اوروقت پر بڑی جرأت سے بتادیتے کہ یہ مسئلہ یوں ہے''۔(5)

مرشد گرامی

خاتم الاکابر،حضرت مخدوم الشاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بماہ رجب المرجب ۱۲۰۹ھ مارہرہ شریف میں رونق افزائے عالم ہوئے۔آپ کا نام نامی آل رسول اورلقب خاتم الاکابر ہے آپ کی تعلیم وتربیت والد ماجد کی آغوش شفقت میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم حضرت عین الحق شاہ،عبدالمجید بدایونی صاحب۔حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی قدس سرہما سے خانقاہ برکاتیہ میں فراغ پاکرفرنگی محل کے علماءمولانا انواراحمد صاحب فرنگی محلی ،حضرت مولانا عبدالواسع سید نپوری،اورحضرت مولانا شاہ نورالحق رزاقی لکھنوی عرف ملانور سے کتب معقولات ،علم کلام وفقہ واصول فقہ کی تحصیل وتکمیل فرمائی۔ اورسلسلہ رزاقیہ کی سندواجازت سے مشرف ہوئے ۱۲۲۶ھ میں حضرت شیخ العالم عبدالحق ردولوی (م ۸۷۰ھ) کے عرس کے مبارک موقع پرمشاہیر علماء ومشائخ کی موجودگی میں دستارفضیلت سے سرفرازفرمایا گیا۔حضرت اچھے میاں قدس سرہ کے ارشاد کے بموجب حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے درس حدیث میں شریک ہوئے۔صحاح ستہ کا دورہ کرنے کے بعد سلاسل حدیث وطریقت کی سندیں مرحمت ہوئیں اورسند علم ہندسہ، دو مقالہ اقلیدس سناکر مولانا نیاز احمد صاحب بریلوی سے حاصل کی (برکات مارہرہ ونور مدائح حضور،ص ۸۱)

حضرت کوخلافت واجازت حضورسیدی اچھے میاں قدس سرہ سے تھی،والد ماجد

نے بھی اجازت مرحمت فرمائی تھی مگر مرید حضرت اچھے میاں قدس سرہ کے سلسلہ میں فرماتے تھے حضرت خاتم الاکابر شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ العزیز سلسلہ عالیہ قادریہ کے سینتیسویں (۳۷) امام وشیخ طریقت ہیں، آپ تیرہویں صدی ہجری کے اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے، آپ کی وہ عظیم شخصیت تھی جس کی مساعی وکوشش سے اسلام ومذہب اہلسنت وجماعت کو استحکام حاصل ہوا۔ بڑے شفیق اور مہربان تھے۔ غرباء ومساکین کی ضرورتوں کو پوری کرتے۔ علوم ظاہر وباطن میں ماہر تھے۔، آپ کے مکاشفہ میں عجیب شان تھی، اپنے اسلاف کی زندہ وتابندہ یادگار تھے۔ آپ کے دور میں سلسلہ برکاتیہ کی کافی اشاعت ہوئی۔ آپ کی شان بڑی ارفع اعلی ہے، حضرت رضا بریلوی جیسا جلیل القدر فاضل وعارف آپ کے فضائل میں یوں رطب اللسان ہے

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آل رسول
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول (۶)

آج کل تو پیری مریدی کیا، خلافت واجازت بھی عام ہوگئی ہے۔ حضرت سیدنا آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں بہت محتاط تھے جب تک ریاضت شاقہ کے صبر آزما مراحل سے گزار نہیں لیتے خلافت نہیں بخشتے تھے۔ حضرت الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رضی اللہ عنہ کے مرید وخلیفہ مولانا صوفی عبدالرحمان صاحب اپنا حال بیان فرماتے ہیں کہ۔

سلوک ومعرفت کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میرے پیرومرشد قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ مارہرہ حاضر ہو اور حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی قدس اللہ تعالیٰ سرہ سے سند تکمیل لاؤ۔ میں حاضر خدمت خاتم الاکابر ہوا اور عرض حال کیا۔ درود اویسیہ کی اجازت چاہی، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ چار اربعین یہاں حاضر رہو۔ اس وقت دیکھا جائے گا۔ میں حاضر رہا اور حسب ہدایات حضور کسب وورود اشغال کرتا رہا ،

چار اربعین کے ختم پر سند تکمیل واجازت عامہ وخلافت مرحمت فرمائی۔(۷)

حضرت رضا بریلوی علوم ظاہری وباطنی کے ماہر وعارف ضرور ہو چکے تھے۔مگر دل کسی قبلہ جاناں کی آستاں بوسی کے لئے مضطرب تھا،اسی اضطرابی کیفیت سے رنجور ایک دن قیلولہ کے وقت سو گئے خواب میں دادا جان حضرت مولانا رضا علی خان صاحب قبلہ علیہ الرحمہ تشریف لائے اور فرمایا وہ شخص عنقریب آنے والا ہے جو تمہارے اس درد کی دوا کرے گا چنانچہ اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے روز حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی علیہ الرحمہ تشریف لائے۔ان سے بیعت کے متعلق مشورہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ جلد ہی مارہرہ شریف چل کر بیعت ہو جانا چاہئے چنانچہ یہیں سے یہ تینوں حضرات مارہرہ شریف کو چل پڑے (حضرت رضا بریلوی والد ماجد اور مولانا عبدالقادر بدایونی) جب مارہرہ شریف پہونچے اور آستانہ عالیہ برکاتیہ پر حاضری ہوئی تو وہاں کے صاحب سجادہ حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی سے پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضرت رضا بریلوی کو دیکھتے ہی جو الفاظ فرمائے تھے وہ یہ تھے،''آیئے ہم تو کئی روز سے انتظار میں تھے''۔حضرت رضا بریلوی اوران کے والد ماجد بیعت ہوئے اور مرشد برحق نے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرما کر تاج خلافت اعلیٰ حضرت کے سر پر اپنے دست کرم سے رکھ دیا۔شریعت کی تعلیم وتربیت باپ سے ملی تھی اور طریقت کی تکمیل پیرومرشد نے کرادی۔(۸)

حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ نے عرض کیا حضور آپ کے خاندان میں تو خلافت بڑی ریاضت اور مجاہدے کے بعد دی جاتی ہے، ان دونوں حضرات کو آپ نے فوراً خلافت عطا فرمادی۔حضرت سیدی شاہ آل رسول رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ''میاں صاحب''

''اور لوگ گندے دل اور نفس لے کر آتے ہیں۔ان کی صفائی کی جاتی ہے، پھر خلافت سے نوازا جاتا ہے۔مگر یہ دونوں حضرات

پاکیزگی نفس کے ساتھ آئے تھے،صرف نسبت کی ضرورت تھی، وہ ہم نے عطا کردی،میاں صاحب، ایک فکرعرصے سے پریشان کئے ہوئے تھی، بحمداللہ آج وہ دور ہوگئی ۔ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آل رسول ہمارے لئے کیالایا؟ تو میں اپنے مولوی احمد رضا خان کو پیش کردوں گا۔"

حضرت مرشد گرامی نے اسی محفل میں حضرت رضا بریلوی کو وہ تمام اعمال واشغال وغیرہا عطا فرمادئے۔ جوخانوادہ برکاتیہ میں سینہ بہ سینہ چلے آرہے تھے۔ مرشد برحق کے فیض روحانی کا یہ عالم تھا کہ جب اعلیٰ حضرت بریلوی حویلیٔ سجادگی سے باہر تشریف لائے تو ایسا محسوس ہوا گویا جوانی کے دور کے حضور سیدی آل رسول تشریف لا رہے ہیں۔ حویلی سے باہر جوفقراء ودرویش حاضر تھے انہوں نے حسب دستور قدیم اسم جلالت ''اللہ'' کا نعرہ بلند کیا۔ چندلمحات کے بعد حضرت رضا بریلوی اپنی شکل میں آ گئے حضرت نوری میاں نے آپ کو''چشم و چراغ خاندان برکاتیہ''فرمایا۔(9)

یہ ہے حضرت رضا بریلوی پران کے پیر ومرشد کا فیوض باطنی وروحانی اورتوجہ خصوصی ونورانی، اپنے ظاہر و باطن اور سیرت وشخصیت میں وہ سونا تو تھے ہی، مرشد گرامی کی توجہ نے کندن بنادیا۔ قالب پر شریعت کے نقش ونگار تو کھینچے تھے ہی اب قلب بھی محبت خدا کا امین اور عشق مصطفیٰ کا گلکدہ بن گیا۔

اکابرواحباب

دادا، والد، اور پیر ومرشد کے علاوہ اور بھی مشائخ وعلماء ہیں جنہوں نے حضرت رضا بریلوی کی حیات وافکار کو متاثر کیا۔ ایسے محبین ومحسنین کا دائرہ بہت وسیع ہے، جس کا احاطہ کرنا اور ہرایک کے اثرات کا جائزہ لینا اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں ان میں سے چند جو علم وفضل میں ممتاز اور اکناف عالم میں اپنی فیوض بخشی کے لئے مشہور ہیں، صرف ان

کے مختصر ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔......ان شخصیات کی اجمالی فہرست یہ ہے۔

☆	شاہ ابوالحسن احمد نوری	م۱۳۲۴ھ	م ۱۹۰۶ ء
☆	شاہ عبدالقادر بدایونی	م۱۳۱۹ھ	م۱۹۰۱ء
☆	شاہ علی حسین کچھوچھوی	م ۱۳۵۵ھ	م۱۹۳۶ء
☆	شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی	م ۱۳۱۳ھ	م۱۸۹۵ء
☆	مولانا محمد کفایت علی کافی شہید	م۱۲۷۵ھ	م۱۸۵۸ء
☆	مولانا محمد عمر حیدرآبادی	م۱۳۳۰ھ	م۱۹۱۱ء
☆	مولانا وصی احمد محدث سورتی	م۱۳۳۴ھ	م۱۹۱۶ء

نورالعارفین شاہ ابوالحسین احمد نوری

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹؍شوال المکرّم ۱۲۵۵ھ مطابق ۲۶؍دسمبر ۱۸۳۹ء بروز پنجشنبہ مارہرہ شریف میں ہوئی۔اسم گرامی سید ابوالحسین احمد نوری،تاریخی نام مظہر علی اور لقب میاں صاحب ہے۔

آپ سادات حسینی زیدی واسطی،بلگرامی والد کی جانب سے ہیں۔والدہ ماجدہ حضرت سید محمد صغریٰ بلگرامی قدس سرہ کی بیسویں پشت میں ہیں......آپ کے آبائے کرام ہرعہد میں سردار ومقتداء رہے ہیں......آپ کی عمر شریف جب ڈھائی سال کی ہوئی تو والد ماجد کا انتقال ہوگیا اس لئے آپ کی تعلیم وتربیت کی تمام تر ذمہ داری جدامجد حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ کی آغوش تربیت میں ہوئی......مکتب میں باضابط داخلہ کے بعد آپ نے فارسی،عربی فقہ،تفسیر،حدیث،لغت،منطق ودیگر علوم وفنون کو حاصل فرمایا۔جن حضرات سے آپ نے علوم باطنی کا اکتساب فرمایا اس میں بھی سرفہرست حضور سید شاہ آل رسول احمدی برکاتی قدس سرہ ہیں جن کی بارگاہ عالی وقار میں آپ نے بدرجہ اتم فیض روحانی واسناد باطنی کی تحصیل کی اور خلافت واجازت سے مشرف ہوئے

۔......آپ کا حلقہ بیعت وارشاد بہت وسیع تھا آپ اصلاح باطن سے سے پہلے اصلاح ظاہر کا، خصوصاً عقیدہ کی صحت کا خاص خیال فرماتے تھے، ابھی آپ کی عمر شریف سات سال سے زیادہ نہ تھی کہ حضور خاتم الاکابر شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ کے حکم کے مطابق صوم وخلوت اور اشغال اور اوراد میں مصروف ہوئے، یہاں تک اٹھارہ سال تک ذکر جلالی وجمالی میں مشغول وخلوت گزیں رہے، اور سلوک کو باقاعدہ حاصل فرما کر فنائے معنوی سے بقائے حقیقی کے مقام پر فائز ہوئے۔ تصوف کے ذریعہ ہندوستان میں اسلامی معاشرہ ودینی حمیت کی ترویج واشاعت آپ تمام عمر فرماتے رہے۔

آپ کو حضرت رضا بریلوی کے استاذ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں...... جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا تعلیم طریقت حضور پرنور پیر ومرشد برحق سے حاصل کیا، ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابن الابن ولی عہد وسجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے بعض تعلیم طریقت وعلم تکسیر، علم جفر وغیرہ علوم میں نے حاصل کئے۔(۱۰)

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کے اڑتیسویں (۳۸) امام اور نامی گرامی شیخ طریقت ہیں۔ آپ کے مناقب پر حضرت رضا بریلوی قدس سرہ العزیز نے ایک طویل نظم تحریر فرمایا ہے جس کا پہلا مصرع اس طرح ہے۔

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

شاہ عبدالقادر بدایونی

عالم جلیل شاہ فضل رسول بدایونی (م ۱۲۷۹ھ م ۱۸۶۲ء) کے فرزند اور علامہ فضل

حق خیرآبادی (م ۱۲۷۸ھ م ۱۸۶۱ء) کے شاگرد تھے جن پر خود استاد کو ناز تھا اور وہ ذکاوت وجودت طبع میں ابوالفضل اور فیضی پر ترجیح دیتے تھے حضرت رضا بریلوی کو مولانا عبدالقادر سے بڑی عقیدت ومحبت تھی، علمی مسائل میں ان سے مشورے بھی لیتے تھے اور اس سلسلہ میں کئی کئی روز بدایوں قیام کرتے تھے، حضرت رضا بریلوی نے قصیدہ چراغ انس انہیں کی منقبت میں لکھا ہے، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

سنیت سے پھرا ہدیٰ سے پھرا — اب جو تجھ سے پھرا محبّ رسول
آج قائم ہے دم قدم سے تیرے — دین حق کی بنا محبّ رسول

علامہ فضل حق کو اپنے شاگرد پر بڑا ناز تھا، فرماتے تھے کہ صاحب قوت قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے اگر اس زمانے میں کسی کو مانا جائے تو آپ ہیں، حضرت رضا بریلوی شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی کی بہت عزت کرتے تھے۔ قصیدہ آمال الابرار وآلام الاشرار میں علمائے اہلسنت کی تعریف میں فرمایا ہے۔

اذا حلوا تمصرت الایادی — اذا راحوا فصار المصر بید

یہ علمائے کرام ایسے ہیں جب کسی ویرانہ میں اترتے ہیں تو ان کے دم قدم سے وہ پُر رونق شہر ہو جاتا ہے اور جب وہ کسی شہر سے روانہ ہوتے ہیں تو شہر ویران ہو جاتا ہے...... حضرت مولانا عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ کی یہی شان تھی۔ (۱۱)

شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی

۲۲ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ دوشنبہ صبح صادق کے وقت متولد ہوئے۔ حضرت مولانا گل محمد علیہ الرحمہ سے بسم اللہ خوانی، مولوی امانت علی کچھوچھوی اور مولانا قلندر بخش کچھوچھوی سے فارسی، عربی کی تحصیل کی ۱۲۸۲ھ میں اپنے برادر اکبر حضرت شاہ اشرف حسین قدس سرہ سے مرید ہوکر تکمیل سلوک فرما کر اجازت وخلافت حاصل فرمائی

۔۱۲۹۳ھ میں پہلا حج کیا دربار نبوی سے خاص نعمتیں مرحمت ہوئیں ۱۳۲۹ھ میں مسند سجادگی پر فائز ہوکر مصروف ہدایت وارشاد ہوئے، حضرت شاہ آل رسول مارہروی سے بھی اجازت حاصل تھی، حضرت رضا بریلوی آپ سے اور آپ حضرت رضا بریلوی سے بہت محبت فرماتے تھے۔حضرت مولانا اظہار اشرف مدظلہ کی روایت ہے کہ ایک بار شیخ المشائخ قدس سرہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے مزار پاک کے اندر سے فاتحہ پڑھ کر نکل رہے تھے اور اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز بغرض فاتحہ جارہے تھے کہ حضرت رضا بریلوی کی نظر حضرت علی حسین قدس سرہ پر پڑی تو دیکھا بالکل ہمشکل محبوب الٰہی تھے اسی وقت برجستہ یہ شعر کہا

اشرفی اے رخت آئینہ حسن خوباں
اے نظر کردہ پروردۂ سہ محبوباں (۱۲)

آپ کے فیوض ظاہری و باطنی سے برصغیر کا ایک بڑا حصہ مستفیض ہوا خلفاء میں اکابر علماء کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔سلسلہ اشرفیہ کو آپ سے حیات نو عطا ہوئی۔

حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی :

حضرت رضا بریلوی کے احباب میں تھے گو رضا بریلوی سے ۲۰ رسال بڑے تھے، مولانا لطف اللہ علی گڈھی اور مولانا احمد علی سہارنپوری سے تکمیل علوم فرمائی پھر شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی سے سند حدیث اور سند خلافت حاصل کی، محدث سورتی نے چالیس برس تک درس حدیث دیا، اور مدرستہ الحدیث کے نام سے ایک مدرسہ پیلی بھیت (یوپی بھارت) میں قائم کیا۔ جہاں بڑے بڑے فضلاء فارغ التحصیل ہوئے۔محدث سورتی کی حدیث وفقہ پر متعدد تصانیف ہیں جن میں سے بعض چھپ چکی ہیں۔علم حدیث میں آپ کو جو مہارت تھی اس دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

آپ کے شاگرد رشید حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی تحریر فرماتے ہیں کہ میرے

استاذفن حدیث کے امام کو بیعت حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادی سے تھی، مگر حضرت کی زبان پر پیرومرشد کا ذکر میرے سامنے کبھی نہ آیا، اور اعلیٰ حضرت کے بکثرت تذکرے محویت کے ساتھ فرماتے رہے، میں نے ایک دن یہی بات عرض کیا، فرمایا کہ جب میں نے پیرومرشد سے بیعت کی تھی، بایں معنیٰ مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان سمجھا جاتا تھا، مگر جب میں اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی......جس نے حقیقی ایمان بخشا اس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا ہوں۔(۱۳)

مولانا کفایت علی کافی شہید

حضرت رضا بریلوی کی ولادت کے تقریباً دوسال بعد ۱۸۵۸ء میں شہید کئے گئے ۔مگر حضرت رضا بریلوی کو ان سے اتنی عقیدت ومحبت تھی کہ نعتیہ شاعری کا ان کو شہنشاہ کہتے ہیں اور خود کو ان کا وزیر اعظم ،مولانا کفایت علی کافی نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد ابوسعید مجددی، رام پوری سے تحصیل علم حدیث کی، علم حدیث میں تبحر اور نعتیہ شاعری میں کمال حاصل تھا سنت نبوی کا نمونہ تھے، مرادآباد کے صدر الشریعہ رہے، انگریزو ں کے خلاف فتویٰ جہاد کی آپ نے خوب خوب تشہیر کی جس کی پاداش میں جنرل جونس کے حکم سے ۲۵/اپریل ۱۸۵۸ء کو مرادآباد میں برسرعام تختہ دار پر لٹکا دئے گئے۔

نعتیہ شاعری میں رضا بریلوی نے انہیں سے فیض حاصل کیا، انھوں نے ایک ایسا نمونہ پسند کیا جو عالم بھی تھا، محدث بھی تھا، مجاہد بھی تھا اور شہید بھی ،اس سے رضا بریلوی کے اندازفکر کا پتہ چلتا ہے۔(۱۴)

شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی

آپ نے فرنگی محل میں پڑھا اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بخاری شریف کی سماعت کی، گنج مرادآباد میں مستقل قیام کیا، حضرت رضا بریلوی اپنے دوست مولانا وصی

احمد محدث سورتی کے ہمراہ گنج مراد آباد حاضر ہوئے تو شاہ صاحب نے قصبہ سے باہر نکل کران کا استقبال کیا اور فرمایا مجھے آپ میں نور ہی نور نظر آتا ہے، یہ وہی کلمات ہیں جو پہلے حج کے موقع پر شیخ صالح بن حسین جمل اللیل مکی نے فرمائے تھے۔ جس کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ مولانا رحمان علی نے نقل کیا ہے (تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۱۶)

مولانا محمد عمر حیدر آبادی

یہ بھی حضرت رضا بریلوی کے احباب میں تھے۔ آپ عالم بھی تھے اور عارف بھی ، اصلاح معاشرہ کے لئے کوشاں رہتے تھے، ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم منظر اسلام (بریلی) کے جلسہ دستار بندی میں بریلی آئے تو حضرت رضا بریلوی نے بڑی پزیرائی کی، پھر جب ۲۰ رصفر ۱۳۳۰ھ کو ان کا انتقال ہوا تو عربی میں قطعۂ تاریخ وفات لکھا (تذکرہ علمائے اہلسنت مولانا محمود احمد قادری۔ ص ۱۸۷)

قرآن وحدیث

یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ انسان کا مطالعہ جیسا وسیع وعمیق ہوگا اس کے فکر میں ویسی ہی گہرائی اور خیال میں ویسی ہی رعنائی ہوگی، کتاب چوں کہ انسان کی خلوت کی بہترین رفیق ہے اس لئے جیسی اور جس معیار و وقار کی کتاب ہوگی انسانی سیرت پر اس رفاقت کے ویسی ہی اثرات مرتسم ہوں گے یعنی کتاب اگر مہذب اخلاق ہے تو اخلاقی قدریں ویسی اجاگر ہوں گی اور اگر مخرب اخلاق ہے تو کردار ومعیار کا قحط زدہ ہونا یقینی اور بدیہی امر ہے، کتابوں کے ہجوم میں ''قرآن وحدیث'' وہ عظیم المرتبت کتابیں ہیں جن میں ایک کو خدا کا اور دوسرے کو مصطفٰی کا کلام ہونے کا شرف وفخر حاصل ہے یہ ایک ایسی

فضیلت ہے کہ کوئی اور فضیلت ورفعت نہ بھی بیان کی گئی ہوتی تو ان کی عظمت واقعی کے لئے یہ نسبت کافی تھی، باوجود اس کے دونوں کی فضیلت پر آیات واحادیث کا ذخیرہ موجود ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ ہر مومن کے صالح قلب اور سالم دماغ میں ان دونوں کی محبت وعظمت کے ان گنت گلاب ہر وقت کھلتے اور خوشبو لٹاتے رہتے ہیں۔ ایک مسلمان کی مسرت وبصیرت اور دارین کی سعادت کا جو گنجینہ اس کے اندر محفوظ ہے، اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

دین اسلام کا حقیقی سرچشمہ قرآن حکیم ہے اور حدیث نبوی بھی اصلاً کتاب مقدس ہی کی شارح وترجمان ہے، ہدایت انسانی کا نسخہ کیمیا، اور امراض روحانی کی اکسیر شفاء اسی جامع ومکمل صحیفہ آسمانی کے اوراق میں محفوظ ہے......اس کی آیات بینات سے حقائق ومعارف کے چشمے ابلتے ہیں اور اسرار حیات کے سوتے بھی پھوٹتے ہیں جن سے انسانی فطرت سیراب ہوتی ہے۔

اسی کلام الٰہی اور دستور حیات پر جس کی جتنی گہری نظر ہوگی اسے حقائق اشیاء کے ادراک اور اس کی صحیح معرفت میں اتنا ہی کمال نصیب ہوگا اور مقاصد ومطالب دین تک پہونچنے میں قدم قدم پر اس کی مکمل رہنمائی بھی ویسی ہی ہوتی رہے گی، حضرت رضا بریلوی کے سینے میں قرآن فہمی کی خداداد صلاحیت ودیعت کی گئی تھی جب بھی کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے قلم اٹھاتے تو عموماً سب سے پہلے ام الکتاب ہی کے دریائے حکمت سے اکتساب فیض کرتے اور اس کے سایۂ رحمت میں سفر شوق طے کرتے، جس کی محسوس برکتیں یہ ہیں کہ انہوں نے اپنے یقین ووجدان کی حد تک شاید ہی کبھی کسی مسئلے میں لغزش کھائی ہو، ان کی جو کتاب یا رسالہ اٹھائیے آغاز بحث کے ساتھ پہلی ہی نظر میں کچھ آیتیں ضرور نظر آئیں گی، اس سے حضرت رضا بریلوی کے کلام الٰہی سے والہانہ لگاؤ، گہرا مطالعہ، نباض طبیعت اور اخاذ ذہن اور قرآن کریم کے اسرار ورموز حقائق ومعارف پر آپ کی قدرت کا پتہ چلتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کا جوفی البدیہہ اور برجستہ ترجمہ کیا ہے۔ وہ

کلام الٰہی کا صحیح معنی میں ترجمان اوراسرارالٰہی کا پاسبان ہے۔مولانا بدرالدین احمد بہت سی امتیازی خصوصیات گناتے ہوئے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قرآن حکیم قادر مطلق جل جلالہ کا مقدس کلام ہے ۔ اور کنزالایمان اس کا مہذب ترجمان ہے۔اور کیوں نہ ہو کہ یہ ترجمہ اس کا پیش کردہ ہے، جو عظمت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا علمبردار، تائید رحمان کا سرمایہ دار، حقائق قرآن کا ماہر، دقائق آیات کا عارف ہے۔(۱۵)

آپ قرآن حکیم کے بحر ذخار کے گہر چیں ، اورآپ کا سینہ قرآن کے علوم ومعارف کا دفینہ ہے، تفصیل مولانا ایوب علی کی زبانی۔

''ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قبلہ، مولانا عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے عرس میں بدایوں تشریف لے گئے وہاں ۹ بجے صبح سے ۳ بجے تک کامل چھے گھنٹے سورۂ والضحیٰ پر حضور کا بیان ہوا۔ پھر فرمایا کہ اس سورہ مبارکہ کی کچھ آیات کریمہ کی تفسیر میں اسی (۸۰) جز رقم فرما کر چھوڑ دیا۔اور فرمایا کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے کلام پاک کی تفسیر لکھ سکوں۔''(۱۶)

پھر بھی آپ نے توضیحی حواشی کا کام شروع کر دیا تھا، سورۂ فاتحہ وسورۂ بقرہ کی چند آیات پر کام ہوا بھی تھا، پھر کیا ہوا فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن بیان فرماتے ہیں۔

''ان حواشی کا ابتدائی حصہ مجھے بریلی شریف کے ایک ناگفتہ بہ مقام سے ملا، یہ نہیں کہہ سکتا کہ حاشیہ کے اس مقام تک پہنچ کر دوسری اہم دینی ضرورتوں نے امام احمد رضا کو عنان قلم اپنی طرف منعطف کر دینے پر مجبور کر دیا اور اس طرح یہ توضیحی حواشی تشنۂ تکمیل رہ گئے، یا پھر امام احمد رضا کی دوسری بہت سی اہم تصنیفات کے ساتھ ساتھ اس کے باقی

حصے بھی دست برد زمانہ کی نذر ہوگئے ۔ یہ توضیحی حواشی اگرچہ ناتمام ہیں پھر بھی ان کی اہمیت وافادیت سے صرف نظر ممکن نہیں ۔"(۱۷)

حضرت رضا بریلوی کے ترجمہ قرآن اور اس ترجمہ کے افق سے پھوٹنے والی کرن اور اس کرن کے بطن سے ابھرنے والے برکات واثرات کو علامہ غلام رسول سعیدی یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ۔

ذات وصفات جبر وقدر، اور نبوت ورسالت کے نازک مسائل کو جس عمدگی اور اختصار کے ساتھ ترجمہ کی سحر کاری سے سہل کیا ہے ۔ امام رازی اگر اسے دیکھ پاتے تو بے اختیار آفریں کہتے ، ابن عطاو جبائی کے سامنے یہ ترجمہ ہوتا تو شائد اعتزال سے توبہ کر لیتے خامۂ تصوف سے جس طرح اعلیٰ حضرت نے آیات کے بطن کو ترجمہ میں ڈھالا ہے، غزالی ہوتے تو دیکھ کر وجد کرتے ، ابن عربی شاد کام ہوتے ، اور سہروردی دعائیں دیتے، ترجمہ کے ضمن میں جو فقہی نگینے لائے ہیں اگر امام اعظم پر پیش کئے جاتے تو یقیناً مرحبا کہتے ، اور اگر ابن عابدین اور سید طحاوی کے سامنے یہ فقہی آ بگینے ہوتے تو اعلیٰ حضرت سے تلمذ کی آرزو کرتے ۔(۱۸)

علوم وعرفان کلام الٰہی سے شغف اور نکات آیات پر ژرف نگاہی کی طرح افکار وانوار حدیث پر بھی آپ کی نظر بہت بلند اور دوررس تجلیات کی حامل تھی، قرآن وحدیث سے عشق کی حد تک آپ کو محبت تھی جس کے لازمی اثرات ثمرات میں کہ ان دونوں کے فیوض وبرکات سے آپ کی سیرت کا گوشہ گوشہ روشن وتابناک ہے، اپنی تصنیف وتالیف ، تحریر وتقریر سے آپ نے پوری زندگی ان کے آفاقی پیغام کی اشاعت کی، جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے حدیث شریف کی کون کون سی کتابیں درس کی ہیں ۔ تو آپ نے جواباً فرمایا۔

"مسند امام اعظم ، موطا امام محمد، کتاب الآثار امام محمد، کتاب الخراج

امام ابو یوسف کتاب الحج ، امام محمد شرح معانی الآ ثار امام طحاوی،
موطا، امام مالک، مسند امام شافعی، مسند امام محمد، سنن دارمی۔ بخاری،
مسلم ابوداؤد ، ترمذی نسائی، ابن ماجہ، خصائص نسائی ، منتقی الجار،
ذوعلل، متناہیہ، مشکوۃ، جامع کبیر، جامع صغیر، ذیل جامع صغیر، منتقی
ابن تیمیہ، بلوغ المرام، عمل الیوم واللیلہ ابن السنی ، کتاب الترغیب،
خصائص کبری، کتاب الفرح بعد الشد ت، کتاب الاسماء والصفات،
وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ
میں رہیں (اظہار الحق الجلی ،ص ۲۵،۲۴)

جس محدث کے زیر مطالعہ پچاس سے زائد کتب حدیث رہی ہوں علم حدیث میں اس کے بلند مرتبہ کا کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔

محدث اعظم ہند کچھوچھوی تحریر فرماتے ہیں۔

''علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ، ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت ودرایت کی خامیاں ہر وقت ازبر۔'' (۱۹)

حضرت رضا بریلوی کے تلمیذ رشید اور خلیفہ علامہ محمد ظفر الدین بہاری رضوی نے بالخصوص آپ کی کتابوں سے اخذ کر کے احادیث کا ایک عظیم مجموعہ مرتب کیا ہے، جو چھ مجلدات پر مشتمل ہے اس کی دوسری جلد کے دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں...... **ولنقدم قبل الشروع المقصود مقدمته يشتمل فوائد النقطها من تصانيف العلماء لا سيما سيدى وملازى ، شيخى واستادى مولانا الشاه احمد رضا خان القادرى ، الخ**

جامعہ ملیہ دہلی کے استاد لیس یم خالد الحامدی (شعبہ عربی) نے اپنی تحقیق میں

حضرت رضا بریلوی کی علم حدیث پر تالیفی خدمات کی تعداد چالیس بتائی ہے۔(۲۰)

ایک جلیل القدر محدث کے لئے ضروری ہے کہ وہ ضبط حدیث میں پوری مہارت اور کامل درک رکھتا ہو،ضبط حدیث کے دو اہم مرتبے یہ ہیں۔

(۱)حفظ احادیث (۲)حفظ کتب

حضرت رضا بریلوی کی قوت حفظ کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ کوئی کتاب دیکھ لیتے تو دو تین مہینے تک کے لئے الفاظ وعبارت اور عمر بھر کے کئے مضمون محفوظ ہو جاتا تھا۔

مولانا یسین اختر مصباحی تحریر فرماتے ہیں

خدا کے فضل خاص اور پھر قوت حفظ کا یہ فیض تھا کہ صرف الملفوظ میں تقریباً ساڑھے چارسو احادیث کریمہ جو مخصوص مجالس میں زبانی بیان کی گئیں، نہ تو ایک موضوع متعین اور نہ پہلے سے کوئی تیاری کسی کو کیا معلوم کہ آج کون سا پہلو زیر بحث ہوگا۔(۲۱)

۱۳۰۳ھ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے تاسیسی جلسہ میں حضرت محدث سورتی کی خواہش پر اعلیٰ حضرت نے علم الحدیث پر متواتر تین گھنٹوں تک پر مغز اور مدلل کلام فرمایا ،جلسے میں موجود سارے علمائے کرام نے کافی تحسین کی ،مولانا خلیل الرحمٰن بن مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے تقریر ختم ہونے پر بے ساختہ اٹھ کر اعلیٰ حضرت کی دست بوسی کی اور فرمایا اگر اس وقت والد ماجد ہوتے تو وہ علم حدیث میں آپ کے تبحر علمی کی دل کھول کر داد دیتے ،اور انہیں کو اس کا حق بھی تھا محدث سورتی اور مولانا محمد علی مونگیری (بانی ندوۃ العلماء لکھنو) نے بھی اس کی پرزور تائید کی (۲۲) حفظ حدیث میں ان کے کمال کا مشاہدہ کرنا ہو تو ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے ورق ورق پر احادیث وآثار کی برکتیں شمس وقمر کی طرح درخشاں وتاباں ہیں کتب احادیث سے کسی مسئلہ کی تائید کے لئے اس کے ابواب وفصول کا ذہن میں محفوظ رہنا اور بوقت ضرورت اس سے مکمل استفادہ کرنا یہ بڑی وسعت

مطالعہ کا کام ہے۔حفظ کتب کے میدان میں بھی حضرت رضا بریلوی کی نظیر نظر نہیں آتی۔ نموتاً صرف تین کتابیں پیش ہیں۔

۱)**الزبدة الزكيه لتحريم سجود التحيه** ۔کے نام سے آپ کی ایک وقیع کتاب ہے،متعدد آیات کریمہ اور ڈیڑھ سونصوص فقیہ کے علاوہ آپ نے سجدہ تحیہ کے تحریم کے ثبوت میں چالیس احادیث بھی پیش کی ہیں،خود لکھتے ہیں......حدیث میں چہل حدیث کی بہت فضیلت آئی ہے،ائمہ وعلماء نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں،ہم بتوفیقہ تعالٰی یہاں غیر خدا کو سجدہ (تحیت) حرام ہونے کی چہل حدیثیں لکھتے ہیں۔

۲)**الامن والعلى لناعتى المصطفى بدافع البلاء** ۔میں آیات کریمہ اور دیگر نصوص کے علاوہ وجہ اول پر ساٹھ (۶۰) احادیث اور وجہ دوم میں دوسو چالیس (۲۴۰) احادیث شریفہ سے استشہاد کیا گیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنے کا اثبات واحقاق ہے۔

۳) **جزاء الله عدوه باباء ختم النبوة** ۔میں تیس نصوص قطعیہ کے علاوہ ایک سوتیس (۱۳۰) احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبین ہونے کی وضاحت کی ہے اور اس کا ثبوت دیا ہے،یہ تو بطور نمونہ ہم نے تین مثالیں دی ہیں ان کی جو بھی تصنیف دیکھی جائے،احادیث کی لمبی لمبی قطاریں بہاریں دکھائی نظر آتی ہیں۔

محدث اعظم کچھوچھوی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے استاذ محترم محدث سورتی علیہ الرحمتہ سے دریافت کیا کہ علم حدیث میں ان کا (حضرت رضا بریلوی کا) کیا مرتبہ ہے،فرمایا،وہ اس وقت ''امیر المومنین فی الحدیث ہیں'' پھر فرمایا صاحبزادے، اس کا مطلب سمجھا؟ یعنی اگر میں اس فن میں عمر بھر ان کا تلمذ کروں تو بھی ان کے پاسنگ کے برابر نہ ٹھہروں۔(۲۳)

یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ محدث سورتی کا علم حدیث میں بڑا ہی عظیم مقام تھا ......وہ پوری بخاری شریف کے ایسے حافظ تھے کہ اسے شبینہ کے طور پر سنا سکتے تھے۔(۲۴)

سُلوک وتصوُّف

دور حاضر میں سلوک وتصوف بھی بدقسمتی سے ان عناوین میں شامل ہے جس پر بے محابا، بے تکلف، کھلے بندوں گفتگو کی جاتی ہے، بعض متصوفہ تو ایسے ایسے اسرار پر موشگافیاں کرنے میں ذرہ بھر تامل نہیں کرتے جن پر بحث کرتے ہوئے اکابر صوفیہ کے بھی پر جلتے تھے نتیجہ یہ کہ اس بحر کی لہر سے بے خبر اپنے آپ کو فخر سے صوفی کہلواتے پھرنے والوں کا ایک گروہ معرض وجود میں آچکا ہے، جس سے دین وملت دونوں کا عظیم نقصان ہے، شاید انہیں پتہ نہیں کہ اس سمندر میں کتنی کشتیاں غرق، اور کتنے بیڑے ناپید ہو چکے ہیں، کتنوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا اور کتنوں کو ایمان سے، یہ راہ بے خطر نہیں سراسر پر خطر ہے، اس لئے راہ کی جادہ پیمائی کے لئے اس کے نقوش وخطوط، اور ارباب شریعت کی کامل رہنمائی اور رہبری کی ضرورت ناگزیر ہے۔

حضرت رضا بریلوی نے اس گلشن کو بھی اپنے فکر وخیال کے پھولوں سے مالا مال اور اس شبستان کو نئے نئے چراغوں سے روشنی عطا کی ہے۔ گردش ایام کے بیجا تصرف نے اگر کہیں پر دانستہ یا نادانستہ دست درازی کی تھی تو بحسن وخوبی اس کی بھی اصلاح کا فریضہ انجام دیا ہے، اور اگر اس محل کے بعض کنگورے طوفان حوادث سے لرز گئے تھے تو بلند وبالا مینار بھی آپ نے وضع فرمائے ہیں۔ اس طرح دوسرے علمی فکری شاخوں کی طرح تصوف بھی آپ کا ممنون احسان ہے کہ آپ کے تصور وتفکر اور جلوت وخلوت کی ریاضت ومحنت نے اسے فروغ ہی نہیں دیا۔ تحفظ کا قصر بھی بخشا ہے، سلوک وتصوف کے تعلق سے آپ نے جتنا اور جو کچھ بھی کیا ہے اس سے ایک طرف آپ کے تصوف پر عمیق مطالعہ کا پتہ

چلتا ہے تو دوسری طرف خود آپ کے صوفیٔ باصفا، عارف باللہ ہونے کا یقین واذغان حاصل ہوجاتا ہے۔ بلکہ اس شعبہ میں بھی آپ کی امامت وقیادت تسلیم کرنا پڑتا ہے مولانا محمد احمد مصباحی رقم طراز ہیں۔

''اگر ایک طرف وہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی اور محدث اعظم مولانا سید محمد کچھوچھوی کے استاذ جلیل، حافظ صحیح بخاری مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہم الرحمہ کے بلند پایہ درسگاہی سوالات کا حل لکھ رہے ہیں تو دوسری طرف مولانا سید شاہ احمد اشرف علیہ الرحمہ کے اہم خانقاہی سوالات کے جوابات دے رہے ہیں، عظیم مفتی و محقق مولانا ارشاد حسین رام پوری (م ۱۳۱۱) کے فتوے کی تنقید و تصحیح کرتے ہوئے دیکھے جارہے ہیں تو سید نورالدین رئیس اعظم بڑودہ کے دقیق سوالات تصوف کی برجستہ شرح فرماتے ہوئے بھی نظر آرہے ہیں، حتیٰ کہ اعلیٰ حضرت کے مربی طریقت حضرت سید مولانا شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ کے اہم علمی وخانقاہی سوالات کے جوابات بھی لکھ رہے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کی جلدوں اور مختصر رسائل کے صفحات پر اس سے زیادہ مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں، جو یہ ثبوت فراہم کرنے کے لئے کافی سے زائد ہیں کہ یہ عبقری زمانہ شریعت وطریقت دونوں کا عالم اور علماء وصوفیہ دونوں کا امام ہے۔'' (۲۵)

آپ نے اپنی انیس (۱۹) کتابوں میں تصوف کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھائی اور چہرہ تصوف کو حقیقت ومعرفت کا غازہ بخشا ہے، تصوف کے تمام گوشوں کا محاصرہ ومحاکمہ کرتے ہوئے روح تصوف کو ایسا نکھار دیا ہے کہ دور سے اس کی تابندگی محسوس کی جاسکتی ہے۔

تصوف کیا ہے؟ اس سلسلہ میں سیدی عبدالوہاب شعرانی کی طبقات کبریٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں...... **التصوف انما هوزبدة عمل العبد باحكام الشريعه** ......تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے۔(۲۶)

سیدی ابوعبداللہ محمد بن خفیف ضی قدس سرہ کے حوالے سے فرماتے ہیں'' **التصوف تصفية القلوب واتباع النبی صلی الله تعالی علیه وسلم فی الشريعه ،،**

تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ علیہ تعالی وعلیہ وسلم کی پیروی ہو،(ایضاً) تصوف طریقت ہی کا دوسرا نام ہے،اور طریقت اس راہ کا نام ہے جو خدا تک پہنچانے والی ہو،اب خدا تک پہنچانے والی راہ کون ہے اسے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان فیض ترجمان سے مجلیٰ کرتے ہیں۔

" **اقرب الطرق الى الله تعالىٰ لزوم قانون العبوديته والاستمساک بعروته الشريعته ،،** اللہ عزوجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانون بندگی کولازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کوتھامے رہنا ہے،(بہجتہ الاسرار ص۵۰) (ایضاً ص۱۶)

ارباب دل ونظر کے ان ارشادات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ طریقت شریعت کی پیروی سے ہی حاصل ہوتی ہے،اصل تصوف تصفیہ قلب اوراتباع شریعت ہے سچاولی وہی ہوگا جو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وپیروی میں سچا ہو،حضرت ابوالقاسم قشیری رضی اللہ عنہ کے رسالہ قشیریہ کے حوالے سے سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الادمی کا فرمان نقل کرتے ہیں'' **من الزم نفسه آداب الشريعته فی او امره وافعاله واخلاقه** (رسالہ قشیریہ ص۳۰) جو اپنے او پر آداب شریعت لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کردے گا،اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام افعال عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے ۔

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

''اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دی گئی ہو کہ ہوا پر چارزانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا ، جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض وواجب ،مکروہ وحرام اور محافظت حدود وآداب شریعت میں اس کا حال کیسا ہے''(رسالہ قشریہ ص18)

ان حقائق طریقت کو ضبط تحریر میں لانے سے خود حضرت رضا بریلوی کا بھی تصور تصوف سمجھ میں آتا ہے کہ سلوک وتصوف میں ان کا نظریہ وفکر کیا تھا،تصوف میں وہ کیا چاہتے تھے اور سلوک سے ان کی مراد کیا تھی، جب ہم اس میزان پر حضرت رضا بریلوی کو دیکھتے ہیں تو وہ عظیم صوفی طریقت کی زلف برہم سنوارتے نظر آتے ہیں،تعلیمات تصوف کی مذکورہ بالا ہدایات کی روشنی میں شریعت کی جیسی پابندی آپ نے کی ہے اور کتاب وسنت کے انوار سے جس طرح آپ نے اپنی حیات کے گوشوں کو درخشاں کیا ہے وہ نصب العین کے طور پر پیش کئے جانے کے قابل ہے۔فرض وواجب تو خیر فرض واجب ہیں انہیں سنت غیر موکدہ اور مستحبات ومباحات کے برکات سے محرومی بھی گوارہ نہ تھی۔شریعت کی اسی پابندی اور سختی سے عمل کا نتیجہ تھا کہ جوانی ہی میں آپ کا باطن انوار الہیہ سے مزین اور دل فیضان مصطفوی سے معمور تھا۔

عین شباب کے عالم میں تصوف کا جو رنگ آپ پر چڑھا وہ عمر کے تقاضے سے اور چوکھا ہوتا چلا گیا، پوری زندگی اس کا خمار نشۂ عرفان بن کر چھایا رہا، اور اسی سرمستی اور سرخوشی میں زندگی کا کارواں گزرتا رہا، جو بھی لکھا اسی میں لکھا اور جو بھی کہا اسی عرفانی خوشی میں ڈوب کر کہا، پیرومرشد کی تربیت اور ولی عہد صاحبزادہ کی توجہ نے حق وصداقت کا معیار بنادیا، بات چاہے شریعت کی ہو یا طریقت کی اصول کے معیار پر اگر کھری اترتی تو تائید

وتحسین فرماتے ۔ ورنہ اس کی خرابی وکمزوری اوراس سے پھیلنے والے مفاسد کی ایک ماہر سرجن کی طرح تشخیص کرتے اورضرورت محسوس ہوتی تو آپریشن سے بھی درگزرنہیں کرتے ،سلوک وتصوف پر بارہاظلم وجہل کے بادل چھائے ہیں، اورشریعت متصادم ، ایمان شکن تاویلیں کی گئی ہیں،ایک فتنے کےاثرات بدسےملت کوابھی پناہ بھی نہیں ملتی کہ دوسرا فتنہ سرابھارنے لگتا ، انہیں فتنوں میں سے چند ایک اوراس پرحضرت رضا بریلوی کاتصوف آگیں،تبصرہ وتنقید پیش خدمت ہے۔

رد عینیت محضہ

ڈاکٹرولی الدین لکھتے ہیں ......صوفیہ خام نے عبدورب میں نسبت عینیت کوحقیقی اورغیریت کووہمی قراردےکرزنادقہ وملاحدہ کی راہ اختیارکی اس لئے کہ یہ اس کے تابع ہیں ۔جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں تو عین یہ بھی اوروہ بھی ،مگروہ حاکم ہے، یہ محکوم،اوراپنی نادانی سے یہ نہ سمجھا کہ وہاں توبادشاہ ہی بادشاہ ہے یہ سب اسی کے عکس ہیں اگراس سے جواب ہوجائے تو یہ سب صفحۂ ہستی سے معدوم محض ہوجائیں گے،ہوکیاجائیں گےاب بھی توحقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں،حقیقۃً بادشاہ ہی موجود ہے باقی سب پرتو کی نمود ہے۔

دوم ۔اہل نظروعقل کامل ۔وہ اس حقیقت کو پہنچےاوراعتقاد بنائے کہ بے شک وجودمیں ایک بادشاہ کے لئے ہے،موجود ایک ہی ہے، یہ سب ظل وعکس ہیں کہ اپنی حدذات میں اصلاً وجودنہیں رکھتے ،اس تجلی سے قطع نظرکرکے دیکھوکہ پھران میں کچھ رہتا ہے؟ حاشاعدم محض کےسوا کچھ نہیں ۔اورجب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمود میں اسی کےمحتاج ہیں اوروہ سب سے غنی...... یہ ناقص ہیں وہ تام ۔یہ ایک ذرہ کےبھی مالک نہیں،اوروہ سلطنت کا مالک...... یہ کوئی کمال نہیں رکھتے،حیات

،علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام، سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع، تو یہ اس کا عین کیوں کر ہو سکتے ہیں، لا جرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے، اور یہ صرف اس تجلی کی نمود، یہی حق و حقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود۔

سوم ۔عقل کے اندھے، سمجھ کے اوندھے، ان ناسمجھ بچوں سے بھی گئے گزرے انہوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی ۔ جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی تاج جیسا اس کے سر پر ہے بعینہ ان کے سروں پر بھی ۔انہوں نے عقل ودانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں ، اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب ونقائص جو نقصان قوابل کے باعث ان میں تھے خود بادشاہ کو ان کا مورد کردیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص، عاجز محتاج، الٹے، بھونڈے، بدنما، دھندلے، کا جو عین ہے ۔قطعاً انہیں ذمائم سے متصف ہے ۔**تعالی الله عمایقول الظلمون علواً کبیرا** ،انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے، اور وجود حقیقی احتیاج سے پاک، وہاں جسے آئینہ کہئے وہ خود نزدیک عبد ورب میں وہی نسبت ہے جو زید اور اس کے اعضا میں، موم اور اس کے مختلف اشکال میں دریا اور اس کی گونا گوں امواج میں ہے، کچے صوفی اور پکے ملحد اس قسم کی بہت سے مثالیں دیتے ہیں (قرآن اور تصوف ص ۱۲۷)

حضرت رضا بریلوی پوری زندگی ''وحدہ الوجود'' کی حقانیت کے معتقد رہے اپنی متعدد تصانیف میں اس نظرئے کی صراحت کی ہے اور عینیت محضہ کے تصور کے پڑا خچے اڑائے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں......مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اس کی ذات پاک سے خاص ہے، وحدت وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد موجود واحد باقی سب مظاہر ہیں کہ انہی حدذات میں اصلاً وجود ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے ۔کل شیئ ہالک الا وجہ، اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من وتو زید وعمر وہر شئے خدا ہے، یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے، اور پہلی بات اہل توحید

کا مذہب ہے جو اہل اسلام وایمان حقیقی ہیں (27) دوسری جگہ ایک تقریبی مثال سے یہ مسئلہ اور اس میں تین فرقوں کا بیان قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے، جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں، آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شئی کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے، بعض میں دھندلی کسی میں سیدھی کسی میں الٹی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوشنما، کسی میں بھونڈی۔ یہ اختلاف آئینوں کی قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا ان میں عکس ہے خود واحد ہے، ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزہ ہے۔ ان کے الٹے، بھونڈے دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا، **و للہ المثل الاعلیٰ**۔ اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے تین قسم کے ہوئے۔

اول ۔ ناسمجھ بچے۔ انہوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے۔ یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے وہ، ہاں یہ ضرور ہے۔ احدیت میں حلول کئے ہوئے اور اس میں پیوست ہے، (خالص الاعتقاد ص ۱۱) مزید فرماتے ہیں......ذات پاک اس کی۔ تشبیہ مثل کیف وکم شکل وجسم وجہت ومکان وزمان سے منزہ، جب عقیدہ یہ ہے کہ ذات باری قدیم ازلی، ابدی ہے، اس کی تمام صفات بھی کہ وہ ان تمام چیزوں سے جو حادث ہیں یا جن میں مکانیت ہے، یا ان میں اور ان کے اوصاف میں کسی قسم کی تغیر ہونا، یا اس کے اوصاف کا مخلوق کے اوصاف کی طرح ہونا یہ تمام اس کے لئے محال ہیں، یوں کہیے کہ ذات باری تعالیٰ ان تمام حوادث وحوائج سے پاک ہے جو خاصہ بشیریت ہیں، (ایضاً ص ۸) آپ اور تو اور نور مصطفیٰ کو عین ذات نہیں جانتے، فرماتے ہیں حاش للہ یہ کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں کہ نور رسالت یا کوئی چیز، معاذ اللہ ذات الٰہی کا جز یا اس کا عین ونفس ہے ایسا اعتقاد ضرور کفر وارتداد

ہے (صلات الصفا، ص ٣٦)

ہاں اگر نور مصطفیٰ کو نور ذات کہا جائے کہ یہ نسبت تشریفی ہے (جیسا کہ بیت اللہ، ناقتہ اللہ) تو جائز ہے۔

تجسیم وتشبیہ

مجسمہ ومشبہہ ذات جل سلطانہ کے لئے تجسیم وتشبیہ کے قائل تھے، حکیم نجم الغنی رام پوری لکھتے ہیں ...... بعض نے کہا کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم داؤد ظاہری اور ابن حزم اور شوکانی، یہ پانچوں بڑے مجسمہ ہیں اور اس ملت کے خلفاء ہیں (مذاہب الاسلام ص ۴ ۵ ۵)

مولانا اسمعیل دہلوی نے لکھا ہے ...... حق تعالیٰ کو جہت مکان سے منزہ سمجھنا بدعت وگمراہی ہے (ایضاح الحق، ص ۲۴) وحید الزماں صاحب نے وسع کرسیہ السمٰوت والارض کے تحت لکھا ...... جب وہ کرسی پر بیٹھتا ہے۔ تو چار انگل بھی بڑی نہیں رہتی ہے اور اس کے بوجھ سے چر چر کرتی ہے، (ترجمہ قرآن، از وحید الزماں نواب) وہ بھی ایک ظل ہے، پھر آئینہ میں انسان کی صرف سطح مقابل کا عکس پڑتا ہے۔ جس میں انسان کے صفات مثلاً کلام وسمع وبصر وعلم وارادہ وحیات وقدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا۔ لیکن وجود حقیقی عز جلالہ کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سواان صفات کا بھی پرتو ڈالا۔ یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نافہمی اوران اندھوں کی گمراہی کا باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت ہوئی وہ سمجھ لئے کہ

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں

ہرکجا   می   نگری   انجمنے   ساختہ   اند

انہوں نے صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں

ا)حقیقی ذاتی کہ متجلی کے لئے خاص ہے اور (۲) ظلی عطائی کہ ظلال کے لئے ہے۔اور حاشا یہ تقسیم اشتراک معنی نہیں، بلکہ محض موافقت فی اللفظ...... یہ ہے حق حقیقت وعین معرفت   وللہ الحمد(۲۸)

غیریت کلی

اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ ذات خالق اور ذات مخلوق میں مغائرت حقیقی وضدیت کلی پائی جاتی ہے خالق ومخلوق عالم ومعلوم ایک ہونہیں سکتے، لیس کمثلہ شئ ۔ کی نص قطعی اس پر شاہد عادل ہے۔کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔الحق موجود والعبد معدوم وقلب الحقائق محال فالحق حق والعبد عبد۔حق موجود ہے، عبد معدوم اور حقائق کا بدلنا محال ہے، سو حق حق ہے اور عبد عبد (قرآن اور تصوف ص ۶۳)

اس قسم کے نظریات کا حضرت رضا بریلوی نے خوب تعاقب کیا، عقیدہ بیان فرماتے ہیں۔

موجود واحد ہے نہ وہ واحد جو چند ابعاض واجزاء سے مل کر مرکب ہوا ۔نہ وہ واحد جو چند کی طرف تحلیل پائے، نہ وہ واحد جو بہ تہمت حلول عینیت کہ اس کی ذات قدسی صفات پر یہ تہمت لگائی جائے کہ وہ کسی چیز میں حلول کئے ہوئے یا کوئی اس کی ذات ۔

اور لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب آسمان دنیا کی طرف نزول کرتا ہے تو عرش معلیٰ اس سے خالی رہتا ہے، یہ قول زیادہ صحیح ہے، (ہدیۃ المہدی، ج،ا ص ۱۰)

حضرت رضا بریلوی نے ایسے نظریات کی خوب خبر لی ہے۔

فرماتے ہیں...... وہ جسم نہیں، جسم والی کسی چیز کو اس سے لگاؤ نہیں، ایسے مقدار، عرض نہیں کہ اتنا یا اتنا کہہ سکیں، لمبا، یا چوڑا، موٹا یا پتلا، یا بہت یا تھوڑا یا ناپ یا گنتی یا تول میں بڑا یا چھوٹا، یا بھاری یا ہلکا نہیں وہ شکل سے منزہ ہے، پھیلا یا سمٹا، گول یا لمبا، تکونا یا چوکھٹا سیدھا یا ترچھا اور کسی صورت کا نہیں حد وطرف ونہایت سے پاک ہے (قوارع القہار ص ۶)(۲۹)

اللہ تعالیٰ کے بارے میں تزیہہ محض کا عقیدہ درست ہے نہ تشبیہ محض کا بلکہ تنزیہہ وتشبیہ کے درمیان بلاتشبیہ کا عقیدہ درست ہے۔

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں......اصل صحیح عقیدہ یہ ہے کہ لیس کمثلہ شیئ۔ اس کی مثل کوئی شئے نہیں، یہ تنزیہہ ہوئی اور ھوالسمیع البصیر یہ تشبیہ ہوئی، مگر جب سننے، دیکھنے کو بیان کیا کہ اس کا دیکھنا آنکھ کا، سننا کان کا محتاج نہیں وہ بے آلات کے سنتا ہے، یہ نفی تشبیہ ہوئی کہ بندوں سے جو وہم مشابہت ہوتا اس کو مٹایا تو ماحصل وہی نکلا، تنزیہہ مع تشبیہ، بلاتشبیہ (۳۰)۔تصوف وسلوک کے یہ گل وگہر جو حضرت رضا بریلوی نے اپنی تصنیفات کے مختلف صفحات پر بکھیرے ہیں ان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے سلوک وتصوف کا عکس جھلکتا ہے، کہیں کہیں پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضور غوث پاک کا قلم چل رہا ہے اور زلف تصوف کی مشاطگی ہورہی ہے۔حضور محدث اعظم ہند نے آپ کے بارے میں یہ کہا ہے کہ......درحقیقت اعلیٰ حضرت غوث پاک کے ہاتھ میں چوں قلم دردست کاتب تھے(۳۱) تو یونہی نہیں کہا ہے اپنے مشاہدے اور مطالعہ اور بزرگوں کے اعتراف کہ، اعلیٰ حضرت شریعت میں امام اعظم کے قدم بہ قدم اور طریقت میں غوث اعظم کے مظہر اتم، تھے کی بنیاد پر کہا ہے......

سلوک میں حضرت رضا بریلوی کے رسائل تصوف کی عینک لگا کر دیکھئے، رضا بریلوی آپ کو چودھویں صدی ہجری کے غوث اعظم نظر آئیں گے۔ یہ تو فضل خدا ہے کہ

حضرت رضا بریلوی جس طرح عظیم فقیہہ ہیں اسی طرح عظیم صوفی بھی یہ اور بات ہے کہ آپ نے اپنے تصوف کے تن نازنین پر فقہ کی قبائے زرین ڈال لی تھی۔ اگر آپ صوفی نہیں ہوتے۔ تصوف کے رموز واسرار پر آپ کی گہری نظر نہیں ہوتی اور آپ تصوف کے نام پر تصوف کی جان پر ہونے والے ظلم کے سامنے آہنی دیوار نہ بن گئے ہوتے۔ ایک دردمند صوفی کی طرح دفاع نہ کیا ہوتا، تو نہ معلوم آج گلشن تصوف کی تاراجی کا عالم کیا ہوتا۔

تصوف قرآن وحدیث کے عطر، اور عارفین کی جلوت وخلوت کے دلفریب جلوے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن وحدیث کے معارف کا جامع اور سلوک وتصوف کا عارف بنایا تھا۔ آپ نے اس کی حفاظت وصیانت اور رعنائی وزیبائی کا فریضہ نائب غوث اعظم کی حیثیت سے انجام دیا۔ اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا۔

آپ خود بیان فرماتے ہیں۔

ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک بہت نفیس اور اونچی سواری ہے حضرت والد ماجد نے کمر پکڑ کر مجھے سوار کیا اور فرمایا، گیارہ درجہ تک تو ہم نے پہنچا دیا آگے اللہ مالک ہے، میرے خیال میں اس سے مراد غلامی ہے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصوف کے بارے میں بیش از بیش معلومات وتعبیرات مثلاً مرشد عام، مرشد خاص شیخ اتصال، شیخ ایصال اوران دونوں کے شرائط فلاح اول، فلاح دوم، فلاح تقویٰ، فلاح احسان، دعوت سلوک کا دائرہ بیعت، ارادت بیعت برکت، وحدت مقصود، وحدت مشہود، وحدت موجود کے درمیان فرق مراتب وغیرہ اہم مسائل سے متعلق تحقیقی ابحاث دیکھنے کا شوق ہو۔ وہ حضرت رضا بریلوی کی تصانیف فتاویٰ افریقہ دولت مکیہ کشف حقائق واسرار دقائق کا مطالعہ فرمائیں نیز طریقت وسلوک کے دیگر کثیر مسائل کی معلومات کے لئے ملفوظات کا مطالعہ بھی از بس مفید ہے ہم یہاں حضرت رضا بریلوی کے ملفوظات سے ان چند ارشادات مقدسہ کو نقل کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ جن کا سلوک

وطریقت کے مسائل سے گہرا تعلق ہے، آئندہ سطور میں عرض سے مراد استفادہ کرنے والوں کا سوال ہے اور ارشاد سے مراد حضرت رضا بریلوی کا جواب ہے۔

عرض۔ مجاہدہ کے کیا معنی ہیں؟

ارشاد۔ سارا مجاہدہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جمع فرمادیا ہے۔ **وامامن خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنته ھی الماویٰ** جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور نفس کو خواہشوں سے روکے تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے...... یہی جہاد اکبر ہے۔ حدیث میں ہے، جہاد کفار سے واپس آتے ہوئے (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا'' **ورجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر** ''ہم اپنے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پھرے۔

عرض: حضور مجاہدے میں عمر کی قید ہوتی ہے

ارشاد: مجاہدے کے ئے کم از کم اسی برس درکار ہوتے ہیں باقی طلب ضرور کی جائے

عرض: ایک شخص اسی برس کی عمر سے مجاہدات کرے یا اسی برس مجاہدہ کرے،؟

ارشاد: مقصود یہ ہے کہ جس طرح اس عالم میں مسببات کو اسباب سے مربوط فرمایا گیا ہے، اسی طریقے پر چھوڑ دیں ۔ اور جذب عنایت ربانی بعید کو قریب نہ کردے تو اس راہ کی قطع کو اسی برس درکار ہیں اور رحمت فرمائے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کردیا جاتا ہے، اور صدق نیت کے ساتھ مشغول مجاہدہ ہو تو امداد الٰہی ضرور کارفرما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والذین جاھدوا فینالنھدینھم سبلنا** ۔ جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھاویں گے۔

عرض: یہ تو اگر کسی کا ہو رہے تو ہوسکتا ہے، دینوی ذرائع معاش اگر چھوڑ دئے جائیں تو یہ بھی وقت طلب ہے، اور دینی خدمت (مثلاً تعلیم دینا تبلیغ کرنا) جو اپنے ذمہ لی ہے اسے چھوڑنا پڑے گا۔

ارشاد: اس کے لئے یہی خدمات (دینیہ) مجاہدات ہیں بلکہ اگر نیت صالح ہے تو ان مجاہدات سے اعلیٰ امام ابو اسحاق اسفرائنی (علیہ الرحمہ) جب ان کو مبتدعین کی بدعات کی اطلاع ہوئی پہاڑوں پر ان اکابر علماء کے پاس تشریف لے گئے جو ترک **دنیا و مافیہا** کر کے مجاہدات میں مصروف تھے۔ ان سے فرمایا۔ **اکلتہ الحشیش انتم ھٰھنا و امتہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الفتن** ...... اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو اور امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتنوں میں ہے، انہوں نے جواب دیا کہ اے امام یہ آپ ہی کا کام ہے ہم سے نہیں ہو سکتا (حضرت امام ابو اسحٰق علیہ الرحمہ) وہاں سے واپس آئے اور مبتدعین (بد مذہبوں) کے رد میں نہریں بہائیں۔

عرض: مولانا عبدالکریم رضوی چتوڑی نے عزلت نشینی کے متعلق کچھ عرض کیا۔

ارشاد: آپ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی تین قسم کے ہیں۔ **مفید، مستفید، منفرد** ...... مفید وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ مستفید وہ ہے کہ خود دوسرے سے فائدہ حاصل کرے، منفرد وہ ہے کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی اسے حاجت نہ ہو اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہو، مفید اور مستفید کو عزلت نشینی حرام ہے اور منفرد کو جائز بلکہ واجب ...... امام حجر مکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ ...... ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا جنت عطا کی گئی، نہ علم کے سبب، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوئی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑئے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے، مانیں نہ مانیں یہ ان کا کام، سرکار نے فرمایا بس بھونکے جاؤ، بس اس قدر نسبت کافی ہے لاکھ ریاضتیں لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان جس کو یہ نسبت حاصل ہے اس کو کسی ریاضت کی ضرورت نہیں، اور اس میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عزلت نشین ہو گیا اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو، اس کا حال پوچھئے جس نے اوکھلی میں

سر دیا ہے،اور چاروں طرف سے موسل کی مار پڑی ہے۔

عرض: حضور! طلب اور بیعت میں کیا فرق ہے؟

ارشاد: طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنی پورے طور سے بکنا بیعت اس شخص سے کرنا چاہئے جس میں یہ چار باتیں ہوں، ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی،

اول ۔سنی صحیح العقیدہ ہو

دوم۔کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی امداد کے اپنی ضروریات کے مسائل، کتاب سے خود نکال سکے۔

سوم۔اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو کہیں منقطع نہ ہو۔

چہارم۔فاسق معلن نہ ہو............پھر اسی سلسلہ بیان میں ارشاد ہوا کہ لوگ بیعت بطور رسم ہوتے ہیں، بیعت کے معنی نہیں جانتے، بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ منیری علیہ الرحمہ کے ایک مرید دریا میں ڈوب رہے تھے حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال دوں، ان کے مرید نے عرض کیا، یہ ہاتھ حضرت یحییٰ منیری کے ہاتھ میں دے چکا ہوں، اب دوسروں کو نہ دوں گا، حضرت خضر علیہ السلام غائب ہوگئے اور حضرت یحییٰ منیری ظاہر ہوئے اور ان کو نکال لیا

عرض: حضور! فنا فی الشیخ کا مرتبہ کس طرح حاصل ہوتا ہے؟

ارشاد: یہ خیال رکھے کہ میرا شیخ میرے سامنے ہے اور اپنے قلب کو اس کے قلب کے نیچے تصور کرے اس طرح سمجھے کہ سرکار رسالت صلی اللہ وعلیہ وسلم کے فیوض وانوار قلب شیخ پر فائز ہوتے اور اس سے چھلک کر میرے دل میں آرہے ہیں۔پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ حالت ہوجائے گی کہ شجر وحجر درودیوار پر شیخ کی صورت صاف نظر آئے گی، یہاں تک کہ نماز میں بھی جدا نہ ہوگی اور پھر ہر حال میں اپنے ساتھ پاؤ گے، حافظ الحدیث سیدی احمد سجلماسی کہیں تشریف لے جارہے تھے، راہ میں اتفاقاً آپ کی نظر ایک نہایت حسینہ

عورت پر پڑگئی ، یہ نظر اول تھی ، بلاقصد تھی ، دوبارہ پھر آپ کی نظر اٹھ گئی ۔اب دیکھا کہ پہلو میں حضرت سیدی غوث الوقت عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پیر ومرشد تشریف فرمائیں،اورفرماتے ہیں،احمد عالم ہوکر،؟......تو کسی وقت شیخ مرید سے جدانہیں ،ہرآن ساتھ ہے۔

عرض: غوث ہرزمانے میں ہوتا ہے؟

ارشاد : بغیرغوث کے زمین وآسمان قائم نہیں رہ سکتے (لہذا غوث کا ہر زمانہ میں ہونا ضروری ہے)

عرض : غوث کومراقبے سے حالات منکشف ہوتے ہیں۔

ارشاد : نہیں بلکہ ہرحال یونہیں مثل آئینہ پیش نظر ہے،اس کے بعدارشادفرمایا ہرغوث کے دووزیرہوتے ہیں غوث کا لقب عبداللہ اوروزیردست راست (کا نام)عبدالرب اور وزیردست چپ (کا نام) عبدالملک ہے اس سلطنت میں وزیردست چپ وزیردست راست سے اعلیٰ ہوتا ہے ۔ بخلاف سلطنت دنیا کے اس لئے کہ یہ سلطنت قلب ہے ، اوردل جانب چپ،......غوث اکبروغوث ہرغوث حضورسیدعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں ،صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے وزیردست چپ تھے اوررفاروق اعظم رضی اللہ عنہ وزیردست راست، پھرامت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پرامیرالمومنین حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ہوئے ،اوروزارت امیرالمومنین فاروق اعظم وعثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کوعطا ہوئی،اوراس کے بعدامیرالمومنین عمرفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی،اورعثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم وزیر ہوئے۔پھرامیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوغوثیت عنایت ہوئی اورمولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم وامام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزیرہوئے پھرمولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

(غوثیت عطاء ہوئی) اور امامین محترمین (حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) وزیر ہوئے، پھر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ امام حسن عسکری تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے۔ امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضور غوث اعظم (شیخ عبدالقادر جیلانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جتنے حضرات ہوئے سب ان کے نائب ہوئے ان کے بعد سیدنا غوث اعظم مستقل غوث، حضور تنہا غوثیت کبریٰ کے درجے پر فائز ہوئے۔ حضور غوث اعظم بھی ہیں اور سید الافراد بھی حضور کے بعد جتنے ہوئے اور جتنے اب ہوں گے، حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک سب نائب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے پھر امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت کبریٰ عطا ہوگی۔

عرض: قیامت کب ہوگی، اور ظہور امام مہدی کب؟

ارشاد: قیامت کب ہوگی اسے اللہ جانتا ہے اور اس کے بتائے سے اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ وعلیہ وسلم، قیامت ہی کا ذکر کر کے ارشاد فرماتا ہے، **علم الغیب فلا یظهر علی غیبه احداً الامن ارتضیٰ من رسول** ۔ اللہ غیب کا جاننے والا ہے۔ وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

امام قسطلانی وغیرہ نے تصریح فرمائی کہ اس غیب سے مراد قیامت ہے، جس کا اوپر متصل آیت میں ذکر ہے...... امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پہلے بعض علمائے کرام نے بملا حظہ احادیث حساب لگایا کہ یہ امت سن ہزار ہجری سے آگے نہ بڑھے گی۔ امام سیوطی نے اس کے انکار میں ایک رسالہ لکھا الکشف عن تجاوز ہذہ الامۃ الالف۔ اس میں ثابت کیا کہ یہ امت ۱۰۰۰ ہجری سے آگے ضرور آگے بڑھے گی، امام جلال الدین کی وفات ۹۱۱ھ میں ہے، اور آپ نے حساب سے خیال فرمایا کہ ۱۳۰۰ھ میں خاتمہ ہوگا، بحمد اللہ تعالیٰ اسے بھی چھبیس برس گزر گئے اور ہنوز قیامت تو قیامت اشراط کبریٰ میں سے کچھ نہ آیا...... امام مہدی کے بارے میں احادیث بکثرت اور متواتر ہیں مگر ان میں کسی وقت کا

تعین نہیں اور بعض علوم کے ذریعہ سے مجھے ایسا خیال گزرتا ہے کہ شائد ۱۸۳۷ہجری میں کوئی سلطنت اسلامی باقی نہ رہے اور ۱۹۰۰ھ میں حضرت امام مہدی ظہور فرمائیں۔

عرض :عذاب فقط روح پر ہوتا ہے یا جسم پر بھی؟

ارشاد : روح وجسم دونوں پر یونہی ثواب بھی، حدیث میں ہے کہ ایک لنجھا کسی باغ کے سامنے پڑا تھا اور میوے دیکھ رہا تھا، مگر اس تک جانہ سکتا تھا، اتفاقاً ایک اندھے کا اس طرف سے گزر ہوا کہ باغ میں جا سکتا تھا، مگر میوے اسے نظر نہ آتے، لنجھے نے اندھے سے کہا تو مجھے باغ میں لے چل، وہاں جا کر ہم اور تم دونوں میوے کھائیں......اندھا اس کو اپنی گردن پر سوار کرکے باغ میں لے گیا۔ لنجھے نے میوے توڑے اور دونوں نے کھائے اس صورت میں کون مجرم ہوگا؟ دونوں ہی مجرم ہیں اندھا جسم ہے اور لنجھا روح،(۳۲)

اب ذرا شعر وسخن کے حوالے سے رضا کا انداز تصوف اور رنگ معرفت دیکھئے، یوں تو پورا دیوان ہی تصوف کا کھلتا ہوا گلستان اور دیوان کا ہر کلام معرفت کا جھلکتا ہوا جام ہے۔قلت صفحات کے باعث ہم صرف چند اشعار پر قناعت کرتے ہیں۔

رونق بزم جہاں ہیں عاشقان سوختہ کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ

(عاشق ذات خدا اور رسول، رونق بزن جہاں ہیں)

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

(ذات احمد خلیفہ اللہ فی الارض، مرتبۂ واحدیت مقام فرد کامل)

رضا جو دل کو بناتا تھا جلوہ گاہ حبیب تو پیارے قید خودی سے رہیدہ ہوتا تھا

(نفی ذات۔تصفیۂ قلب

وہی جلوہ شہر بہ شہر ہے اصل عالم دہر ہے
وہی بحر ہے وہی لہر ہے وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے

(کائنات کی تخلیق نور محمدی سے ہوئی، وحدت الوجود، خدا اور رسول)

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا　　سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پر قربان گیا

(یاد کردن واطاعت، اصل تصوف ہے)

یوں تو سب انہیں کا ہے پر دل سے اگر پوچھو　　یہ ٹوٹا ہوا دل ہی خاص ان کی کمائی ہے

(شکستگی اس حد تک ہو جیسے سوراخ شدہ برتن، اس میں کچھ نہ ٹھہر سکے (ارشاد غوث پاک)

جب گرے منھ سوئے میخانہ تھا　　ہوش میں ہیں یہ بہکنے والے

(صاحب سکر صاحب صحو ہیں انہیں غافل نہ کہو)

دل سے اک ذوق مئے کا طالب ہوں　　کون کہتا ہے اتقاء نہ کرے

(مست بادہ الست مئے عرفان، تقویٰ کے ساتھ ضروری ہے)

سب تمہاری ہی خبر تھے　　تم موخر مبتدا ہو

(سر محمدی، تعینات اول، مرتبہ وحدانیت)

انسان تنہا نہیں بنتا اس کو بنانے میں بہت سے عوامل شامل ہوتے ہیں• اس کا ماحول اس کے والدین اس کے اکابر واحباب، اور اس کے مشاہدات و مطالعات وغیرہ یہ تمام عناصر وجواہر باہم گلے ملتے ہیں شخصیت تب نکھرتی ہے۔ یہ حسین اتفاق ہے کہ شخصیت سازی کے جتنے لازمی ارکان ہو سکتے ہیں حضرت رضا بریلوی میں وہ تمام جمع تھے، گھریلو ماحول سے لیکر سلوک وتصوف کے مطالعے اور تجربے تک آپ کی سیرت کا ہر گوشہ مناسب اور موزوں نگینوں سے مرصع تھا ...... آپ کی شخصیت کی تعمیر وارتقاء میں گھریلو ماحول نے زرخیز زمین عطا کی، دادا اور والد کی خصوصی تربیت نے خوشنما گل بوٹے اگائے، مرشد کی نگاہ کیمیا اثر نے رعنائی وزیبائی بخشی، قرآن وحدیث کے مطالعے نے نسیم صبح گاہی عطا کی اکابر واحباب کی روحانی علمی رفاقت ومجالس نے قوت نوعنایت کی سلوک وتصوف کی رنگارنگ فضا نے ابر بہاراں سے چھڑکاؤ کیا، پھر کیا تھا، غنچے چٹکنے لگے، کلیاں کھلنے لگیں، پھول مسکرانے لگے، تب جا کر رضا بریلوی اعلیٰ حضرت بریلوی بنے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

اورتب جاکرآپ کا جوہر محبت نکھرااورتصورعشق ایسا صیقل ہوگیا کہ کیا موافق اورکیا مُخالف سب کی زبان سے آپ، عاشق رسول، کہے جانے لگے، کہے جارہے ہیں خودفرماتے ہیں۔

جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

حوالے

رضا بریلوی کے تصور عشق کے تشکیلی عناصر

۱	حیات اعلیٰحضرت	مولانا ظفرالدین	ص۴
۲	قائدین تحریک آزادی	مولانا یسین اختر مصباحی	ص۴۰
۳	حیات اعلیٰحضرت	مولانا ظفرالدین	ص۶،۷
۴	عشق ہی عشق	ڈاکٹر محمد مسعود احمد	ص۷تا۴۶
۵	سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات	علامہ حسنین رضا	ص۴۷
۶	حدائق بخشش	امام احمد رضا	ص۱۶۹
۷	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	مولانا عبدالمجتبیٰ	ص۴۷۳
۸	سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات	علامہ حسنین رضا	ص۵۳،۵۴
۹	قاری کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۸۹ء	ص۲۳۶
۱۰	حیات اعلیٰ حضرت	مولانا محمد ظفرالدین	ص۳۴،۳۵
۱۱	حیات اعلیٰ حضرت	مولانا محمد ظفرالدین	ص۴۴

۱۲	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	مولانا عبدالمجتبیٰ	ص۴۷۴
۱۳	قاری کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۸۹ء	ص۲۴۷
۱۴	محدث بریلوی	ڈاکٹر مسعود احمد مظہری	ص۴۱
۱۵	سوانح اعلیٰ حضرت	مولانا محمد بدرالدین	ص۳۷۴
۱۶	حیات اعلیٰ حضرت	مولانا ظفرالدین	ص۳۷۳
۱۷	پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر	۱۹۹٦	ص۹۷
۱۸	محاسن کنزالایمان	علامہ غلام رسول سعیدی	ص۱۰
۱۹	قاری کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۸۹ء	ص۲۴۵
۲۰	محدث بریلوی	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص۱۷
۲۱	امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات	مولانا یسین اختر مصباحی	ص۱۳٦
۲۲	امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات	مولانا یسین اختر مصباحی	ص۱۳۷
۲۳	قاری کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۸۹ء	ص۲۴۷
۲۴	امام احمد رضا اور بدعات و منکرات	مولانا یسین اختر مصباحی	ص۱۹۲
۲۵	امام احمد رضا اور تصوف	مولانا محمد احمد مصباحی	ص۱۲،۱۱
۲٦	مقام عرفاء باعزاز شرع وعلماء	امام احمد رضا	ص۱۸تا۳۰
۲۷	کشف حقائق واسرار دقائق	امام احمد رضا	ص۱۵
۲۸	فتاویٰ رضویہ	امام احمد رضا ج٦۔	ص۱۳۴،۱۳۳
۲۹	مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان	ص۵۱تا٦۹
۳۰	الملفوظ	مرتب حضرت الشاہ مفتی اعظم ہند	ص٦۷
۳۱	قاری کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۸۹ء	ص۲۴۸
۳۲	الملفوظ	مرتب حضرت الشاہ مفتی اعظم ہند	ص۷۰تا۱۲۱

حضرت رضا بریلوی کا محبوب صورت وسیرت

دنیا چاہے کچھ کہے محبت کئے جانے کے لائق صرف وہی ذات ستودہ صفات ہے جو مقصود کائنات اور محمود ارض وسماوات ہے جس سے خود اللہ رب العزت نے محبت فرمائی، اور محبت فرما کر آپ کی ذات کو معیار الفت ااور مرکز عقیدت بنادیا...... اور کمال اعزاز تو دیکھئے کہ اپنی محبت کو آپ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کردیا، اب جسے خدا کی محبت کی تلاش ہے اسے محبوب خدا علیہ التحیۃ الثناء سے محبت کرنی ہوگی، ان کی اطاعت وغلامی کا طوق زیب گلو کرنا ہوگا ارشاد پروردگار ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (۳/۴) اے محبوب تم فرمادو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو میرے فرماں بردار ہوجاو اللہ تم کو دوست رکھے گا۔

مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو اللہ کے پیارے ہیں، ان سب کو حکم دیا گیا کہ اگر تم واقعی خدا کی محبت رکھتے ہو تو میرے محبوب کی غلامی کرو، پھر یہ ہوگا کہ ابھی تو تم خدا کے چاہنے والے بنتے ہو، اور خدا کو اپنا محبوب بتاتے ہو، مگر پھر خدا تمہارا چاہنے والا ہوگا، اور تم اس کے محبوب، اس آیت نے ذہن دیا کہ غلامی مصطفیٰ سے مردود بھی محبوب خدا بن

جاتا ہے۔اس لئے لازم ہے کہ ہرمومن ان کی اتباع کرے،ان کی نوازش سے آس لگائے رکھے، اوران کے آستانۂ کرم سے وابستہ رہے کیوں کہ رحمت پروردگار آپ کا دربار پرنوار ہے۔

ارشادخداوندی ہے۔

ولوانهم اذ ظلمو انفسهم جآؤک فاستغفر واللہ واستغفر لهم الرسول لوجدو االلہ توابا الرحیما (۹/۵)اوراگر جب وہ اپنی جانوں پرظلم کریں،تواے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، پھراللہ سے معافی چاہیں اوررسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضروراللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والامہربان پائیں۔اس آیت میں توبہ قبول ہونے کی تین شرطیں بیان ہوئیں۔

اولاً:۔حضورعلیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری۔

دوسرے:۔اپنے گناہ سے وہاں جاکرتوبہ کرنا۔

تیسرے:۔حضورعلیہ السلام کا شفاعت فرمانا۔

اگران تینوں باتوں میں سے ایک بھی نہ پائی جائے تو قبول توبہ کی امیدنہیں،اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضورعلیہ السلام بارگاہ الٰہی کے وکیل مطلق یامختارعام ہیں،کیوں کہ گناہ توکیارب کا۔مگرجاؤ کہاں محبوب علیہ السلام کی بارگاہ میں،

حضرت رضابریلوی فرماتے ہیں ؎

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

معلوم ہوا جب خدا سے مانگنا ہوتو خدا کے دروازے یعنی بارگاہ مصطفٰے میں آ کر مانگو، جوکچھ پروردگارعالم کی طرف سے ملے گا،اسی دروازے سے ملے گا۔حضرت رضا

بریلوی فرماتے ہیں۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

نیز یہ کہ شفاعت کے لئے مدینہ پاک میں حاضری ضروری نہیں، اسی لئے فی المدینہ نہیں فرمایا گیا جہاں بھی ہو قلب سے اس بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ ہر دل ان کی جلوہ گاہ ناز ہے۔ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

دل میں روشن ہے شمع عشق حضور
کاش جوش ہوس ہوا نہ کرے

محبوب کی بارگاہ میں یہ حکم حاضری قیامت تک کے مجرموں، گنہگاروں کے لئے ہے، کسی طرح کا مجرم ہو، کافر ہو، منافق ہو، کوئی ہو، اگر صدق دل سے مذکور نقوش کے مطابق توبہ کرے تو رحمت الٰہی ضرور دستگیری کرے گی، معلوم ہوا اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا خوشنودی، دین ودنیا کی سعادت وفیروزمندی کے لئے محبوب دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کی تحصیل ناگزیر ہے...... بقول ڈاکٹر محمد اقبال ؎

شب پیش خدا بگریستیم من — مسلماناں چرا خوارند وزارند
جواب آمد نمی دانی کہ این قوم — دلے دارند محبوب ندارند

ایک رات میں نے دربار خداوندی میں رو کر عرض کی کہ اے میرے مولیٰ آج مسلمان ہر طرف کیوں ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ تو ہاتف غیبی سے آواز آئی کہ تو نہیں جانتا کہ اس قوم کے پاس دل تو ہے لیکن دل میں عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں ہے (۱)۔

عبادت کی شان، ایمان کی جان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہے، حضور

جان نور کی محبت کی عطر بیزی سے کائنات کا دل و دماغ معطر ہے، انبیاء سے لے کر اولیاء تک عام انسانوں سے لے کر فرشتوں تک پورا بزم عالم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت گوئی میں مصروف ہے، آپ کی مدح و ثناء میں رطب اللسان ہے، علامہ محمد انوار اللہ حیدر آبادی تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت آدم نے جب عدم سے آنکھ کھولی تو پہلے پہل جس چیز پر نظر پڑی وہ آپ ہی کا نام نامی تھا، جو خالق بے ہمتا کے ساتھ ہر جگہ جلوہ گر تھا، شجر خلد کا ہر پتہ گواہی دے رہا ہے کہ ان کی نظیر کا کہیں پتہ نہیں، ہر فرشتہ آپ کے ذکر میں رطب اللسان ہے، اور بزبان حال'' بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے ساتھ نغمہ سرا ہے۔ ایک طرف انبیاء اولوالعزم نعت گوئی میں مصروف ہیں، تو دوسری طرف آرزو امتی ہونے کی کوئی کر رہا ہے، اور کوئی ان کے توسل سے مرادیں مانگ رہا ہے۔''(۲)

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ ہی باعث تخلیق آدم و نبی آدم اور حبیب و محبوب پرور دگار عالم ہیں، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب ایک جگہ جمع تھے، اور آپ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لے آئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا، دوسرے نے کہا یہ اس سے عجیب تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، (ملخصاً) اسی دوران فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزدیک آ پہنچے، آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو سن لی ہے، اور تمہارا

تعجب بجا ہے، کیوں کہ ابراہیم علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں

،حضرت موسیٰ واقعی اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں۔الا و انا حبیب اللہ ،

لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں۔''(۳)

اس حدیث کے ماتحت لمعات شرح مشکوۃ میں ہے (عربی سے ترجمہ) یعنی لفظ حبیب، خلت ،تکلم ، اصطفا ، اور مناجات سب کا جامع ہے۔مع ایک ایسی زائد چیز کے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں، اور وہ ہے اللہ کا محبوب ہونا، ایسی محبت ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے، نتیجہ نکلا حبیب وہ ہے جو خلیل بھی ہو، کلیم بھی ہو، نبی بھی ہو اور مصطفیٰ بھی ، گویا جو جامع الصفات ہو اور

''آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری''

کا مصداق ہو وہ حبیب ہے، علامہ صفوری علیہ الرحمہ نے نزہتہ المجالس میں لکھا ہے(عربی سے ترجمہ)

''موسیٰ علیہ السلام نے رب سے پوچھا کہ مولیٰ میں تیرا کلیم ہوں، اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تیرے حبیب ہیں۔ یہ تو فرما کلیم اور حبیب میں فرق کیا ہے؟ خدا نے جواب دیا کہ کلیم وہ ہے جو اپنے مولیٰ کی رضا سے کام کرے اور حبیب وہ ہے جس کی رضا سے مولیٰ کام کرے، کلیم وہ ہے جو اللہ کو چاہے اور حبیب وہ ہے جسے اللہ چاہے'' (نزہتہ المجالس، ج۲ رص۳۷)

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں!

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ (۴)

حضرت قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے خلیل وحبیب کے مقام امتیاز کی وضاحت

بڑی مفصل فرمائی ہے، اخیر میں فرماتے ہیں............''امام ابوبکر بن فورک رحمتہ اللہ علیہ نے محبت اور خلت کے بارے میں متکلمین حضرات کا کلام نقل کرتے ہوئے کافی طویل بیانات نقل کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت کا مقام، خلت کے مقام سے افضل ہے (پس حبیب خلیل سے افضل ہوئے۔''(۵)

خلیل پر حبیب کی بہت ساری فوقیت وفضیلت میں سے ایک واضح فضیلت یہ ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے متعلق خدافرماتا ہے۔ **واتخذ ابراھیم خلیل ا**۔خدا نے ابراہیم کو خلیل بنایا۔ اور ادھر اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ جو آپ کا غلام ہوگا۔ **یحببکم اللہ**، اللہ اس سے محبت کرے گا، تو معلوم ہوا کہ وہاں تو صرف ابراہیم علیہ السلام کو خلیل فرمایا تھا اور یہاں غلام مصطفےٰ سے بھی محبت کا وعدہ فرمایا جارہا ہے۔

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

ان حقیقتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی وہ ذات اقدس ہے جو شرعاً محبت کی حقیقی حقدار ہے جس کو ہم نے قرآن وحدیث اور اقوال علماء سے ثابت کیا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام عادتاً، طبیعتاً بھی محبت کے لائق ہیں کیوں کہ ان کے احسانات سب پر فائق ہیں اور آپ کا حسن سلوک سب کو شامل تھا۔

حضرت قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

''دنیا کا عام اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی ایک یا دو مرتبہ احسان کرتا ہے تو وہ اس کا بندۂ بیدام ہوجاتا ہے۔ یا کسی کو کوئی ہلاکت یا

نقصان سے محفوظ رکھتا ہے تو وہ اس کا ممنون احسان ہوتا ہے، حالانکہ یہ ہلاکت ونقصان عارضی ہوتے ہیں، لیکن وہ ذات کریم جس کے احسان دوامی ہیں، اسی طرح آپ نے جس ہلاکت سے ملت کو محفوظ فرمایا وہ عذاب دوزخ اوراس کی ہلاکت سے متعلق ہے جس کا طویل زمانہ ہمیشہ کے لئے ہے۔لہٰذا وہی ذات محبت والفت کے قابل ہے جو ان تمام مصائب وآلام سے نجات دلاکر ابدی سکون واطمینان دلائے اور وہ ذات محسن انسانیت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔''(٦)

جس ذات کی محبت قرآن وحدیث کا مدعاء اور عارفین، صالحین، کاملین کے اقوال وآراء کا خلاصہ ہے......حضرت رضا بریلوی نے اپنی محبت کا مرکز اور عشق کا محور اسی فخر کائنات، محسن انسانیت، مرکز دائرہ معارف، محبوب رب العالمین، ممدوح انبیاء ومرسلین کی ذات عظیم الصفات کو قرار دیا۔ان کا لکھنا پڑھنا، سونا جاگنا، جلوت وخلوت، مسرت ومحبت سب اسی جان جاناں کے ذکر جمیل اور تصور عشق میں ہوتا تھا، بس وہ تھے اور جلوہ محبوب، خود فرماتے ہیں۔

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا (٧)

آیئے اس محبوب کی سیرت زیبا کی زیارت اور مصحف رخ کی تلاوت سے آنکھوں کو ٹھنڈی جگر کو تازہ اور جانوں کو سیراب کرلیں۔

صورت

محبت کے لئے صورت وسیرت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی لئے بعض کے نزدیک محبت کا معیار حسن صورت ہے اور بعض کے نزدیک حسن سیرت، محبت کا چاہے کوئی

سا بھی معیار ہو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تو عالم یہ ہے کہ نہ آپ کے حسن صورت کا بزم کائنات میں کوئی جواب ہے اور نہ آپ کے حسن سیرت کی کوئی نظیر، آپ اپنی صورت وسیرت میں وحدہ لاشریک ہیں۔ دنیا جہان میں ایسی کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی گئی جسے حسن و خوبی کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہو اور وہ آپ میں موجود نہ ہو، بلکہ ہر حسن وخوبی آپ کے قدم ناز کا بوسہ لے کر اور خاک پا چوم کر ہی حسن وخوبی کے لفظ سے یاد کئے جانے کے لائق بنی ہے۔ آپ کی نسبت سے ذرہ رشک آفتاب اور قطرہ غیرت ماہتاب بنتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے تصور میں جو تصویر بنی وہ بھی نبوت سے نواز دی گئی۔ رسالت سے سرفراز کر دی گئی۔

سر سے پیر تک تنویر ہی تنویر ہے۔
جیسے منہ سے بولتا قرآن وہ تقریر ہے
دیکھ کر حیران ہے دنیا جمال مصطفیٰ ﷺ
وہ مصور کیسا ہو گا جسکی یہ تصویر ہے

چہرۂ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن و جمال، خوبی وکمال کا مظہر ہے، آپ حسن کامل ہیں اور حسن یوسف حسن محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک تابش تھی، اور دنیا بھر کے حسین وجمیل حسن محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک جھلک ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ حسن و جمال عطا فرمایا جس کی تعریف و توصیف سے زبان عاجز ہے............ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری حسن محمدی کو یوں اپنے قلم کا خراج پیش کر رہے ہیں۔

''ایسا حسین وجمیل چہرہ کہ بس دیکھا کیجئے ...... دیکھنے والوں نے ایسا حسین نہ دیکھا...... سننے والوں نے ایسا حسین نہ سنا ...... ایسا حسین، جس کے حسن و جمال پر دیکھنے والوں نے ایمان نچھاور کر دیئے...... دل فدا کر دیئے...... جانیں قربان کر دیں...... اللہ۔اللہ

کشش کا عالم......سارے عالم کے دل کھینچنے لگے......پیاری پیاری ادائیں سبحان اللہ، ماشاء اللہ......جانے کو دل نہیں چاہتا......ہیبت وجلال کا یہ عالم کہ شاہوں کے قدم لڑکھڑا رہے ہیں ؎

ظاہر میں غریب الغرباء پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوت سلطان مدینہ (۸)

حسن بے مثال کا یہ عالم تھا کہ زبان کو عالم حیرت میں یہ کہنا پڑا، **لم ار قبله و لا بعده مثله** (ترمذی، مشکوٰۃ ص 517) ایسا حسین وجمیل تو نہ ان سے قبل دیکھا گیا اور نہ ان کے بعد، حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

ترا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں (۹)

حضرت ابونعیم فرماتے ہیں .... کہ حضرت یوسف علیہ السلام تمام انبیاء ومرسلین، بلکہ تمام مخلوق سے زیادہ حسن و جمال دیئے گئے تھے، مگر ہمارے نبی، اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ حسن و جمال عطا ہوا کہ جو کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوا، حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کا ایک جز ملا تھا، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حسن کل دیا گیا، (خصائص کبریٰ) اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **والضحیٰ والیل اذا سجٰی** ، اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بعض مفسرین فرماتے ہیں، ضحیٰ اشارہ ہے نور جمال مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف، اور والیل کنایہ ہے گیسوئے عنبرین سے (خزائن العرفان)

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ تیرے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم (۱۰)

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے وجود مبارک میں وحی الٰہی معجزات اور دیگر دلائل نبوت کا اثر وظہور بھی نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک بھی دلیل نبوت کو کافی تھا۔(زرقانی علی المواہب ج ۲۔ص ۲۵۸)

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صورت وسیرت میں لوگوں سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔(بخاری، مسلم ص ۲۵۸)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور خوش رنگ تھے، جس کسی نے بھی آپ کی توصیف کی اس نے آپ کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی، پسینہ کی بوند آپ کے چہرہ میں یوں معلوم ہوتی تھی جیسے موتی۔(زرقانی علی المواہب ج ۴ ص ۷۲)

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

چاند سے منھ پہ تاباں درخشاں درود
نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام (قصیدہ سلامیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔''میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا، یوں معلوم ہوتا کہ آفتاب آپ کے چہرے میں چل رہا ہے......(ترمذی، مشکوٰۃ ص ۵۱۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں......''میں چرخہ کات رہی تھی۔اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے سامنے بیٹھے ہوئے اپنے جوتے کو پیوند لگا رہے تھے، آپ کی پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرے تھے جن سے نور کی شعائیں نکل رہی تھیں، اس حسین منظر نے مجھ کو چرخہ کاتنے سے روک دیا بس میں آپ کو دیکھ رہی تھی، کہ آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا آپ کی پیشانی مبارک پسینے کے قطرے ہیں جو نور کے ستارے معلوم ہوتے ہیں، اگر ابوکبیر ہذلی (عرب کا مشہور شاعر) آپ کو اس حالت میں

دیکھ لیتا تو یقین کر لیتا کہ اس شعر کا مصداق

واذا نظرت الی اسرۃ وجھه　　　برقت بروق العارض المنھلل

آپ ہی ہیں کہ جب میں اس کے روئے مبارک کو دیکھتا ہوں تو اس کے رخساروں کی چمک مثل ہلال نظر آتی ہے۔(زرقانی علی المواہب ج۴ص۲۲۵)

حضرت جابر بن سمرہ رضی عنہ فرماتے ہیں کہ چاندنی رات تھی، اور حضور ﷺ حلہ حمراء اوڑھے ہوئے لیٹے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی حضور ﷺ کے چہرہ انور کو۔ فاذا ھو احسن عندی من القمر، بالآخر میرا فیصلہ یہی تھا کہ حضور چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔(دارمی، مشکوٰۃ ص۵۱۸)

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

یہ جو مہر ومہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا　　　(قصیدہ نوریہ)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں...... ”میں اندر بیٹھی کچھ سی رہی تھی۔ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی، ہر چند تلاش کی مگر اندھیرے کے سبب نہ ملی، پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے، تو آپ کے رخ انور کی روشنی سے سارا کمرہ روشن ہوگیا۔ اور سوئی چمکنے لگی، تو مجھے اس کا پتہ چل گیا (ابن عساکر، خصائص کبریٰ۔ ج۱ص۶۲)

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں، جانیں سیراب
سچے سورج وہ دلآرا ہے اجالا تیرا　　　(11)

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا پورا حسن و جمال لوگوں پر ظاہر نہیں کیا گیا، ورنہ کسی میں

طاقت نہیں تھی کہ حسن محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاب لاسکتا،

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

''کہ میرے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوخواب میں دیکھا تو عرض کیا، یارسول اللہ! یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر زنان مصر نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور بعض لوگ ان کو دیکھ کر مرجاتے تھے مگر آپ کو دیکھ کر کسی کی ایسی حالت نہیں ہوئی۔ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرا جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے۔ اور اگر آشکارا ہوجائے تو لوگوں کا حال اس سے بھی زیادہ ہو جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا (درالثمین فی مبشرات النبی الامین ص ۷)

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب (۱۲)

علامہ قرطبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ...... ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پورا حسن و جمال ہم پر ظاہر نہیں کیا گیا اگر آپ کا پورا حسن و جمال ظاہر کیا جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی طاقت نہ رکھتیں۔ (زرقانی علی المواہب ص ۷۱ ج ۴)

مولانا قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں ؎

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کون ہے کچھ کسی نے جز ستار (۱۳)

حضرت رضا بریلوی نے حضور محبوب خدا، محبوب دوجہاں، قرار جسم و جاں علیہ التحیہ والثناء کے حسن بے مثال و جمال با کمال کی جو تصویر کشی کی ہے، نظم میں جو گلشن سجائے ہیں۔ اس کی تازگی و رعنائی سے اردو ادب کا دامن ہی مالا مال نہیں ہوا ہے فکر و

بصیرت کے چمن میں بھی بہاروں کی بارات اتری ہے۔فکر رضا جب گلشن جمال کی سیر کو تیز گام ہوا ہے تو ۵۸/اشعار پر جا کر سیری ہوئی ہے جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو ''قصیدہ نور'' جیسا طویل، مرصع قصیدہ دعوت نظارہ دے رہا تھا تبرکاً چند اشعار پیش ہیں۔

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
رخ ہے قبلہ نور کا ابرو ہے کعبہ نور کا
آب زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا
مصحف اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا
شمع دل ، مشکوٰۃ تن ، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا
وصف رخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا
قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا
دیکھنے والوں نے کچھ دیکھا نہ بھالا نور کا
من رآنی ! کیسا ؟ یہ آئینہ دکھایا نور کا
کس کے پردے نے کیا آئینہ اندھا نور کا
مانگتا پھرتا ہے آنکھیں ، ہر نگینہ نور کا
سرمگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جس کا رمنا نور کا
ک ، گیسو، ہ دہن، ی ابرو ، آنکھیں ع، ص
کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا
اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا (۱۴)

سیرت

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب دونوں عالم کے طبیب علیہ التحیہ والتسلیم کو حسن سیرت کے بھی خوشنما جلوؤں سے خوب خوب نوازا تھا، حدتو یہ ہے کہ آپ کی سیرت کو سیرت کی تعمیر وتکمیل کے لئے نمونہ بنا کر پیش فرمایا اور دعوت عام دیدی جو چاہے اس نمونہ کو اپنا کر رضائے مولیٰ کو اپنا لے، ان کی سیرت کی اتباع وپیروی ہی میں دونوں جہان کی سرخروئی وفیروز مندی ہے جو پھیلے تو قرآن بن کر انفس وآفاق پر چھا جائے اور سمٹے تو نبوت بن کر روح کی تسخیر کرتا ہوا دلوں میں سما جائے ؎

سرکار کی سیرت میں کتنی بڑی حکمت ہے
پھیلے تو وہ قرآن ہے سمٹے تو نبوت ہے

اصحاب سیر نے آپ کی سیرت کے ہر پہلو پر بحث کی ہے اور ہر گوشے کو محفوظ کر دیا ہے، سعادت اندوزی کے لئے ایسے ایسے گلستان سجائے ہیں کہ ایمانی کلیاں کھلکھلا اٹھتی ہیں............ہم ان ہی گلہائے رنگارنگ سے چند حسین پھول پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

لباس :۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیاہ عمامہ زیب سر اقدس فرماتے تھے جس میں شملہ بھی ہوتا تھا۔ رومی جبہ زیب تن فرمایا اور سیاہ بالوں والی کملی بھی استعمال فرمائی، سفید لباس بہت پسند تھا، سرخ وسیاہ اور سبز لباس بھی استعمال فرمایا کرتا بہت مرغوب تھا، تہبند بھی بہت پسند تھا جو نصف پنڈلی تک رہتا۔ ایک صحابی کو ملاحظہ فرمایا۔ کہ نیچا تہبند باندھے جارہے ہیں۔ ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا اما لک فیَّ اسوۃ کیا میرے طرز عمل میں تیرے لئے نمونہ نہیں ہے۔؟ (شمائل ترمذی ص ۱۷۲)

بے شک عاشق کو حکم کی ضرورت نہیں، نشان قدم کی ضرورت ہے، وہ اسی پر مرمٹتا ہے موشگافیاں اہل عقل کو مبارک ہوں، اسی موقع پر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فلا حق للا زار فی الکعبین۔ تہبند کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں۔ (ایضا، ص ۱۷۵)

اللہ اللہ دنیا میں حقوق کی ایسی پاسداری کس نے کی ہوگی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بات سب سے سنی ہوگی، لیکن حقوق الاعضاء کی بات نہ سنی ہوگی۔ کیا خوب ارشاد ہے کہ جس کا جو حق ہے وہی اس کو ملنا چاہئے، کسی کو حق سے زیادہ دے کر دوسروں کی حق تلفی نہ کرو۔ ہماری بربادی کی اصل وجہ یہی حق تلفیاں ہیں۔

پاپوش : شاہ حبش نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سیاہ چمڑے کے موزوں کی ایک جوڑی بھیجی تھی آپ نے وہ بھی استعمال فرمائی دو تسمے والے پاپوش مبارک بھی استعمال فرمائے۔ یہ پھٹ جاتے تو خود ہی مرمت فرمالیتے، سبحان اللہ آقا کا یہ حال اور غلاموں کا یہ حال کہ بیسیوں، بلکہ سینکڑوں روپے جوتوں پر صرف کئے جارہے ہیں۔ اور یہ ہمت عوام تو عوام علماء کو بھی نہیں کہ پھٹی ہوئی جوتی کی خود مرمت کرلیں۔

طعام مبارک : حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گذر اوقات بہت ہی سادہ تھی پیٹ بھر کر کھجور بھی تناول نہ فرمائی، پورے پورے مہینے چولہے میں آگ نہ جلتی تھی اور ابتداء اسلام میں تو ایسا کٹھن وقت بھی آیا کہ ایک ایک مہینے درخت کے پتوں کے سوا کچھ میسر نہ تھا۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اپنے بغل میں کچھ چھپالاتے اور بس...... یہ حکایت خونچکاں خود سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنئے۔ **لقد اخفت فی اللہ و مایخاف احد و لقد اوذیت فی اللہ ومایوذی احد ولقد علی ثلثون من بین لیلۃ ویوم و مالی ولبلال طعام یا کلہ ذو کبدالاشیئی یواریہ ابط بلال** :۔ ترجمہ، ہاں اللہ کے راستے میں جتنا میں ڈرایا گیا ہوں جتنی مجھے تکلیف دی گئی ہے، کسی کو نہیں دی گئی اور ہاں (میری زندگی) تیس دن رات ایسے بھی گذر گئے ہیں کہ کھانے کے لئے وہ بھی نہ تھا جو جانور کھاسکیں، بس بلال تھوڑا بہت بغل میں چھپالاتے۔ (ایضاً ص ۵۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ صبح وشام کے کھانے میں کبھی روٹی

اور گوشت جمع نہیں ہوا...... وصال مبارک تک گھر میں دو دن مسلسل ایسے نہ گذرے جس میں پیٹ بھر جو کی روٹی بھی تناول فرمائی ہو، اتنی بھی نہ ہوتی کہ کھانے کے بعد بچ رہے...... اور جو کا آٹا بھی چھنا ہوا نہ ہوتا جو غریب سے غریب انسان بھی نہ کھا سکے، نہ کبھی چپاتی نوش فرمائی اور نہ میز پر کھایا ہمیشہ زمین پر اور دسترخوان پر تناول فرمایا، رات کا کھانا نوش نہ فرماتے، بس ایک وقت کھانا تناول فرماتے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز جناب مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھانا کھلایا، اس دن دسترخوان پر روٹی، سالن تھا سرکار یاد آ گئے، رونے لگیں، روتی جاتیں اور فرماتی جاتیں، میں نے پیٹ بھر کر کبھی نہ کھایا، میرے سرکار نے بھی کبھی روٹی اور گوشت سیر ہو کر نہ کھایا، رونے کو جی چاہتا ہے تو خوب روتی ہوں، اللہ اکبر، ؎

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا

اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام (رضا بریلوی)

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا گیا کہ وہ کھانا تیار کریں جو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تناول فرماتے تھے، فرمایا وہ کھانا کوئی نہ کھا سکے گا، اصرار کیا گیا تو آپ نے جو کا گندھا ہوا آٹا پتیلی میں ڈالا، اوپر سے تھوڑا سا روغن ڈالا، اور اس پر سیاہ مرچ اور زیرہ کوٹ کر چھڑک دیا...... لیجئے سرکار کا کھانا تیار ہو گیا، اللہ اللہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ قناعت اور ہمارا یہ حال! وہ کھانے جو سرکار نے کبھی کبھار دعوت میں تناول فرمائے وہ ہم روزانہ گھر پر کھاتے ہیں...... کدو بہت ہی مرغوب تھا دعوت میں پیش کیا جاتا تو قتلے نکال نکال کر نوش فرماتے۔ لیکن آج عوام وخواص کی عیش پسندی ولذت اندوزی کا یہ عالم ہے کہ بوٹیاں نکال نکال کر تناول کرتے ہیں ع

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا؟

ایک بار ربیع بنت معوذ (رضی اللہ عنہا) تازہ کھجوریں اور ککڑیاں لے حاضر

خدمت ہوئیں آپ نے خوش ہوکر قریب ہی رکھے ہوئے سونے کے زیورات مٹھی بھر کر عنایت فرمادیئے یہ زیورات اس وقت بحرین سے تحفتاً آئے تھے، اللہ اللہ۔

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کردیا
موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام (رضا بریلوی)

پانی پینا : سرکار دوعالم ﷺ کو ٹھنڈا اور میٹھا شربت پسند تھا، دودھ بھی مرغوب تھا اور شہد بھی...... دودھ کے لئے کیا خوب ارشاد فرمایا کہ اس کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں جو بیک وقت پانی اور غذا دونوں کے قائم مقام ہو...... سرکار مشروبات کو بیٹھ کر نوش فرماتے۔ وضو کا بچا ہوا پانی، اور آب زمزم تو ہمیشہ کھڑے ہوکر نوش فرمایا...... تین سانس میں نوش فرماتے کہ اس میں بے شمار طبی فوائد ہیں۔

تقسیم اوقات: سرکار دوعالم ﷺ نے اوقات یومیہ کو تین حصوں میں تقسیم کرلیا تھا، ایک حصہ اللہ کے لئے، دوسرا اہل خانہ کے لئے، تیسرا اپنے لئے۔ جو اپنے لئے مخصوص کیا تھا پھر اس کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا، ایک اپنے لئے اور دوسرا مخلوق خدا کے لئے، اللہ اکبر امت مرحومہ سے یہ محبت کہ وقت بھی دیا تو اپنے ہی حصے میں سے دیا، عوام و خواص سے جب ملاقات فرماتے تو خواص کو ترجیح دیتے، وہ خواص جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ، اللہ کے نزدیک وہ چنیدہ ہے جو معاشرے میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو...... مگر مادہ پرستی کے اس دور میں اس کی عزت کی جاتی ہے اور اسی کا خیال رکھا جاتا ہے جس کے پاس مال و دولت ہو، جو جاہ و حشمت کا مالک ہو، جس کو کثرت کی حمایت حاصل ہو، مگر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہی معیار رکھا اور وہ سچائی اور نیکی کا معیار تھا۔

اکل وشرب : عادت شریفہ تھی کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد، ہاتھ دھوتے، کھانے سے قبل ہاتھ دھوکر نہ پونچھتے، اس سنت کی حکمت ایک دیدہ ور نے سمجھائی فرمایا

کہ ایک سرجن ہاتھ دھوکر سیدھے آپریشن تھیٹر میں تشریف لے گئے جب ان سے پوچھا کہ ہاتھ دھوکر کیوں نہ پوچھے، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہر چیز پر جراثیم موجود ہیں۔ تو لئے پر بھی جراثیم ہوتے ہیں۔ اگر پونچھ لیتا تو عین ممکن تھا کہ جراثیم منتقل ہوکر میرے ہاتھ پر آتے اور پھر مریض کے زخم میں منتقل ہوجاتے...... حقیقت تو یہ ہے کہ فائدے میں وہی رہے جنہوں نے آنکھیں بند کرکے سنت پر عمل کیا۔ جنہوں نے آنکھیں کھولیں اور عقل کو کام پر لگایا نقصان میں رہے۔ جو بات آنکھ والوں اور عقل والوں کو چودہ سو برس بعد سمجھ میں آئی وہی بات دل والوں کو اسی وقت سمجھ میں آ گئی۔ علامہ اقبال نے کیسی دل لگتی بات کہدی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے......''انسانی مساعی کو بہت ہی مختصر کر دیا'' یعنی جو بات صدیوں میں سمجھ میں آ سکتی تھی، منٹوں، سکنڈوں میں سمجھادی،...... اسی لئے تو ایک بزرگ کہتے تھے کہ شرعی معاملات میں عقل کو کام میں نہ لاؤ۔ اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ شریعت کی بات عقل کے مطابق نہیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ عقل کے سمجھنے میں وقت اور دولت دونوں کا ضیاع ہے۔ اور اس مختصر زندگی میں یہ ضیاع نہایت نامعقول بات ہے...... کھانے کے آداب میں سرکار دوعالم ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔ **فسم اللہ تعالیٰ وکل بیمینک و مما یلیک** (ایضاً ص ۵۸۱)

ترجمہ: بسم اللہ پڑھو اور جو کچھ سامنے رکھا ہوا ہو اس کو داہنے ہاتھ سے کھاؤ، تہذیب جدید میں اس سنت کا کیسے مذاق اڑایا جارہا ہے؟ اغیار نہیں ہم خود مجرم ہیں۔ کیسی بسم اللہ، کس کی بسم اللہ...... بیٹھے بیٹھے کھڑے ہوگئے۔ اور اس پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور کھڑے ہوکر چلتے پھرتے کھاتے پیتے ہیں، کس کا داہنا ہاتھ اور کیسا داہنا ہاتھ؟ اپنے آگے سے، سب کے آگے سے، انا للہ وانا الیہ راجعون، آج تجدید عہد کی ضرورت ہے کہ ہم ہر اس رسم کو خاک میں ملادیں، جس نے سرکار کی سنت کو خاک میں ملایا ہے۔

خوشبو: سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوشبو بہت ہی مرغوب تھی، گویا سراپا مہک تھے جو خوشبو کا ہدیہ کبھی واپس نہ فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ۔ خوشبو، دودھ، اور تکیہ کا ہدیہ کبھی

واپس نہ کرو......خوشبو کے بارے میں بڑی لطیف بات فرمائی کہ خوشبو دو قسم کی ہے۔ طیب الرجال ماظہر ریحہ وخفی لونہ وطیب النساء ماظہر الونہ وخفی ریحہ۔ مردانی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر نہ ہو خوشبو ظاہر ہو اور زنانی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو خوشبو ظاہر نہ ہو۔

تبسم : سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکراتے رہتے اور دل کی کلیاں کھلاتے رہتے تھے۔

جس تبسم نے گلستاں پر گرائی بجلی
پھر دکھادے وہ ادائے گل خنداں ہم کو (رضا بریلوی)

یہ تبسم پنہاں شاہ، وزیر، علماء مشائخ، حاکم اور افسر سب کے لئے ایک درس عظیم ہے، یہ سمجھنا کہ عظمت کا راز منہ بسورے میں مخفی ہے خام خیالی ہے......عظیم وہی ہے جس کی ٹھوکر پر دولت دنیا ہو پھر بھی وہ مغرور نہ ہو مسکراتا رہے۔

نعت : سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اشعار مرغوب نہ تھا۔ عبداللہ بن رواحہ، لبید بن ربیعہ، اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ کے اشعار سماعت فرماتے۔ جن بزرگوں کے ہاں نعت گوئی یا بلا مزامیر قوالی کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ وہ اسی سنت شریفہ پر عمل کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نعتیہ اشعار سننے سے طبیعت میں نرمی اور توازن پیدا ہوتا ہے۔

اخلاق حسنہ : سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ بہت عالی تھے خود خالق کائنات فرما رہا ہے۔ وان لک لا جرا غیر ممنون۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم۔ آپ کے اخلاق حسنہ سے متعلق بہت سی آیات ہیں۔ آپ نرم طبیعت تھے۔ نہ کسی کی مذمت فرماتے۔ اور نہ کسی کا عیب بیان فرماتے۔ اجنبی مسافر کی بدتمیزیوں کو برداشت فرماتے، کوئی بھی کچھ مانگتا فوراً عطا فرما دیتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے چادر طلب کی،

عنایت فرمادی، دوسرے صحابہ نے ان سے کہا یہ کیا کیا'' فرمایا اوڑھنے کے لئے نہیں لی۔ارے یہ تو کفن کے لئے لی ہے۔ چنانچہ ان صحابی کو اسی چادر میں کفنایا گیا......اللہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیسا عشق تھا......! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں......کہ میں دس برس سرکار کی خدمت میں رہا ۔لیکن کبھی ''ہوں'' تک نہ فرمایا اور نہ کسی بات پر باز پرس کی، نہ کسی خادم کو مارا اور نہ ازواج کو......خلق سراپا تھے۔ ؎

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالق حسن وادا کی قسم (رضا بریلوی)

عبادت: سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت وریاضت کا حال نہ پوچھئے نفل پڑھتے پڑھتے پاؤں ورما جاتے ،عرض کیا جاتا تو ارشاد فرماتے افلا اکون عبداً شکوراً۔اللہ اللہ کیا نیازمندی ہے۔اول رات پر آرام فرماتے ،پھر بیدا ہوجاتے اور نوافل پڑھتے رہتے ،نماز فجر سے قبل تھوڑی دیر آرام فرماتے، پھر بیدار ہوجاتے، اور نماز ادا کرتے ،اس کے بعد اشراق، وچاشت کے نوافل پڑھتے ،نوافل اتنی دیر میں ادا فرماتے کہ جو صحابی شریک ہوتا تھا۔تھک تھک جاتا،نوافل میں کبھی ایک رکعت میں سورۂ بقرہ کی قرأت فرماتے اور دوسری میں آل عمران، پھر ترتیل کے ساتھ قرأت فرماتے، رکوع وسجود میں اتنی ہی تاخیر فرماتے جتنی قیام میں......غور تو کیجئے یہ دونفل کتنے گھنٹے میں پورے ہوتے ہوں گے۔روزے رکھتے تو مسلسل روزے رکھے چلے جاتے، سمجھنے والے یہ سمجھتے کہ شاید اب افطار نہ فرمائیں گے۔کس میں ہمت ہے جو ہمت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقابلہ کرے۔ سنئے، سنئے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیا فرماتی ہیں۔

'' وایکم یطیق ماکان رسو ل اللہ ﷺ '' (ایضاص۳۹۵)

تم میں کون ایسی طاقت وسکت رکھتا ہے جتنی طاقت وسکت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکھتے تھے؟ اللہ اللہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو سینہ مبارک سے ایسی آواز

آتی جیسے جوش مارتی پتیلی سے آتی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ایک آیت پڑھتے پڑھتے ساری رات گذر جاتی۔ ؎

تہجد کی جاگی نگاہوں کا صدقہ
مرے بخت خفتہ کو آ کر جگادے (کاوش)

فرش خواب : سرکار دو عالم ﷺ کا بچھونا بہت سادہ تھا چمڑے میں کھجور کی چھال، اسی کو توشک سمجھ لیجئے۔ اسی کو گدا سمجھ لیجئے۔ اور عام بستر تو ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا۔ دوہرا بچھا دیا جاتا، اس پر آرام فرماتے ایک روز دوہرا کر دیا گیا تو فرمایا۔ ''اس بستر کی نرمی نے رات کی نماز میں رکاوٹ پیدا کر دی۔ (ایضاً ص ۴۲۴)

اللہ اکبر، غور کیجئے! اور اپنی حالت کو دیکھئے، دنیا والوں کی بات نہ کیجئے کہ انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے، اور دنیا کو آخرت کے عوض خریدا ہے، دینداروں کی بات کیجئے۔ جو آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے دعویدار ہیں، ان کے نرم نرم بستر دیکھئے، اور پھر معمولی ٹاٹ پر آرام کرنے والے آقا کا خیال کیجئے...... سرکار جب آرام فرماتے داہنی کروٹ پر اور داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے۔ سوتے وقت بھی دعاء فرماتے اور بیدار ہو کر بھی دعاء فرماتے...... اللہ اللہ عین غفلت میں بھی ہوشیاری کا درس دے گئے جب بیٹھتے تو غرور و نخوت کے ساتھ نہیں بیٹھتے، انکسار کے ساتھ، بائیں جانب تکیہ پر ٹیک لگا لیتے۔ مگر کبھی تکیہ سے ٹیک لگا کر کھانا تناول نہ فرمایا...... بیٹھتے تو کبھی بیٹھے بیٹھے زانو کھڑے کر کے کمر اور زانوؤں کے اردگرد رومال لپیٹ لیتے، شاید ہمارے ملک کے غریب کسان اسی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ (۱۵) ؎

اک اک ادا ہے آپ کی آیات بینات
جس زاویئے سے دیکھئے قرآں ہیں مصطفےٰ

واضح رہے کہ محمد عربی فداامی وابی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی سیرت طیبہ کے

تعلق سے جوگلفشانیاں کی گئیں ہیں ان کا تعلق ''محمد عربی بحیثیت انسان کامل'' سے ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں کہ وسیع الجہات اور کثیر الحیثیات ہیں اس لئے ہر حیثیت کی سیرت الگ الگ ہے...... محمد عربی بحیثیت ولی، سیرت اور ہے...... محمد عربی بحیثیت نبی سیرت اور ہے...... محمد عربی بحیثیت افضل الرسل، سیرت اور ہے...... محمد عربی بحیثیت رحمتہ اللعالمین، سیرت اور ہے...... محمد عربی بحیثیت خاتم النبین، سیرت اور ہے...... وغیرہ وغیرہ ...... ان حیثیات کی تفصیلات کے لئے۔ مدارج النبوہ...... شفا شریف...... خصائص کبریٰ ...... مواہب لدنیہ...... رسائل رضویہ...... وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

الغرض یہ ہیں گلشن نبوت ورسالت کے وہ پھول جن کی خوشبو سے کائنات مہک مہک اٹھی ہے، اور جن کے قدموں کی دھول پر متاع حیات، نقد جاں لٹانے پر بھی ارباب دل کو اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جن کے باغ حسن کی بہاروں سے گلشن کونین کی نمود و تازگی ہے، ایسے کثیر الفضائل اور پاکیزہ خصائل کہ زمانے نے ان کی مثال نہ دیکھی نہ سنی، نہ دیکھے نہ سنے...... گلشن میں گلاب تو سب دیکھتے ہیں۔ مگر گلاب میں گلشن جسے دیکھنا ہو، وحدت میں کثرت کا لطف اٹھانا ہو وہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چمنستان صورت وسیرت کی سیر کرے، اسے احساس ہو جائے گا کہ شبستان وجود اسی ایک گلاب کی نکہت بیزی کا صدقہ ہے........... اسے حضرت رضا بریلوی کا فروغ نظر یا حسن اعتقاد کی برکت کہئے کہ انہوں نے محبت وعشق کے لئے اسی سچے سورج اور اچھے گلاب کا انتخاب کیا، جن کی غلامی میں کونین کی بادشاہی پنہاں ہے۔ اور جن کی محبت انسان کو اس معراج کمال سے آشنا کرتی ہے جہاں سے ''محبت الٰہیہ'' کے سوتے پھوٹتے، چشمے لہراتے ہیں۔ اور ایک معمولی انسان بھی ''عشق مصطفیٰ'' کے صدقے میں ''محبوب خدا'' کے تمغے سے سرفراز کر دیا جاتا ہے

......حضرت رضا بریلوی اسی جان رحمت پر اپنی متاع فکر وفن اور سرمایۂ حیات لٹا رہے تھے، کبھی تحریر سے......کبھی تقریر سے......کبھی نثر میں......کبھی نظم میں......کبھی جلوت میں...... کبھی خلوت کے......مزے لے کر......اور کبھی خلوت میں ......جلوت کی انجمن سجا کر...... کبھی غلامانہ شان سے نیاز مندانہ انداز اپناتے ہوئے۔اور کبھی محبوبانہ شان سے سراپا ناز بنے ہوئے ......کبھی یاس......کبھی آس ......کبھی دور......کبھی پاس ......کبھی سوز......کبھی ساز......کتنی رنگینی ہے عشق مصطفےٰ میں،اور کتنے جلوے ہیں اس بندۂ خدا کے......دیکھئے! دیکھئے!!ذرا محبت کا یہ انداز دیکھئے۔ ؎

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہہ کہوں
جان مراد و کان تمنا کہوں تجھے
گلزار قدس کا گل رنگیں ادا کہوں
درمان درد بلبل شیدا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کردیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے ۔ (۱۶)

حوالے

حضرت رضا بریلوی کا محبوب، صورت و سیرت

۱	مقام نبوت	صاحبزادہ سید افتخار الحسن زیدی	ص ۱۲۱
۲	انوار احمدی	علامہ محمد انوار اللہ حیدر آبادی	ص ۵۷
۳	کتاب الشفاء ج اول	قاضی عیاض مکی	ص ۳۲۲
۴	حدائق بخشش	حضرت رضا بریلوی	ص ۳۴
۵	کتاب الشفاء ج اول	قاضی عیاض مکی	ص ۳۲۷
۶	کتاب الشفاء ج دوم	〃	ص ۴۷
۷	حدائق بخشش	حضرت رضا بریلوی	ص ۳۰
۸	انتخاب حدائق بخشش	مرتب ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۸،۷
۹	حدائق بخشش	حضرت رضا بریلوی	ص ۵۱
۱۰	〃	〃	ص ۳۹
۱۱	〃	〃	ص ۱۶
۱۲	〃	〃	ص ۳۱

۱۳	ذکر جمیل،	مولانا محمد شفیع اوکاڑوی مقتبساً	۷۹،۸۷
۱۴	حدائق بخشش	حضرت رضا بریلوی	ص۱۱۰،۱۱۳
۱۵	سیرت رسول عربی اور ہماری زندگی	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	مقتبساً
۱۶	حدائق بخشش	حضرت رضا بریلوی	ص۴۳،۷۴،۷۴

حضرت رضا بریلوی کی شخصیت تصور عشق کے حوالے سے

دنیا عاشقوں سے خالی نہ کبھی تھی اور نہ اب ہے ہر دور اور ہر زمانے میں ان آشفتہ حالوں نے اپنے آہ سرد اور نفس گرم سے خزاں رسیدہ چمن کو بہار نو سے آشنا کیا، قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دلنواز سے اجڑی بستیاں آباد ہوتی رہیں۔ بگڑے نصیبے سنورتے رہے۔ کیوں نہ ہو کہ عشق رسول ان کی حیات کا عرفان اور محبت نبی ان کی شخصیت کی پہچان تھی۔

حضرت رضا بریلوی ان دیوانگان کوچہ مصطفیٰ کی بھیڑ میں بھی اپنی شخصیت کی امتیازی خصوصیت کے اعتبار سے بہت سوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ ان کی شخصیت عشق کی بھٹی میں تپ کر، محبت کی چھلنی میں چھن کر، اور احترام وادب کی میزان پر تل کر ایسی نرالی البیلی اور معیاری ہوگئی تھی کہ ان کی صبح وشام ان کی حرکت وعمل ان کی زندگی وحرارت عشق مصطفیٰ کے جلوہ ہائے خوش رنگ سے ایسی مرصع تھی کہ ایوان رضا سے محبت کے جام اب تک لٹائے جارہے ہیں اور پیمانہ ہے کہ خالی ہونے کا نام نہیں لیتا۔ شبستان رضا کے جس گوشے

پر نظر ڈالئے ہر گوشہ تجلیات عشق کا مرقع معلوم ہوتا ہے۔ ان کے فکر وعمل کے آفاق پر محبت محبوب خدا ایسی چھائی ہوئی تھی کہ وہی تصور ان کی شخصیت کا عرفان بن کے رہ گیا ہے عشق رسول سے ہٹ کر ان کی شخصیت کا خاکہ مکمل ہو ہی نہیں سکتا ...... عشق رسول ان کے جسم میں جان کی حیثیت سے رچا بسا، اور گھلا ملا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی نجی زندگی سے لے کر تخلیقی شہ پاروں تک ہر جگہ عشق ہی عشق اور محبت ہی محبت کے انوار برس رہے ہیں۔

قروں اولیٰ سے لے کر آج تک عاشقان رسول برابر ہوتے رہے ہیں۔ اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ بلکہ مسلمانوں نے ہمیشہ اپنا سب سے بڑا سرمایہ عشق رسول ہی کو سمجھا ہے ایسا سرمایہ کہ جان دے کر بھی ہاتھ آ جائے تو ارزاں ہیں۔

حضرت رضا بریلوی مقام عشق میں اس بلندی پر فائز ہیں، جہاں شرار عشق سے نشیمن آباد ہوتے ہیں، جہاں حرکت نفس سے ادب کے چراغ جلتے ہیں، جہاں جلوہ ہائے رنگیں سے ویرانیاں آبادیوں سے بدلتی ہیں۔ جہاں آتش سینہ سے بوئے کباب آ رہی ہے اور آہ سرد دوائے درد بن رہی ہے۔ جہاں جمال محبوب، کمال محبوب، اور خیال محبوب کے سوا کچھ نہیں...... جدھر دیکھئے نور ہی نور، جہاں دیکھئے سرور ہی سرور ہے...... جلوؤں کی برسات میں پوری فضا بھیگی بھیگی سوز وتپش کی بہتات سے پتھریلی زمین بھی گیلی گیلی معلوم ہوتی ہے وہ عشق اور تقاضائے عشق کے رموز ونکات سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ کہنے کو تو ہر شخص دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے نبی سے سچا عشق ہے لیکن یاد رکھئے ''عشق ومحبت'' کی کچھ نشانیاں اور کچھ علامتیں ہوتی ہیں اگر کسی میں وہ نشانیاں پائی جائیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ سچا عاشق ہے۔

آیئے ذرا دیکھیں کہ عشق ومحبت کی کون کون سی علامتیں اور نشانیاں اس عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھیں۔

ہر ادا پیاری

سچے عاشق کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ عاشق کیلئے اپنے محبوب کی ہر ادا پیاری، ہر انداز دل کش اور ہر طرز دلنشیں اور دل ربا ہوتا ہے۔ اور وہ اسی انداز کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کے اتباع اور اس کی ذات کی مرافقت کو اپنے لئے لازم کر لیتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اپنے دعوے محبت میں جھوٹا ہے۔ اسی مضمون کی تائید اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جسے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی الجنة

ترجمہ: جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

امام احمد رضا عشق کی اس منزل سے بھی کامیابی سے گزر جاتے ہیں تمام عبادات، معاملات، رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا الغرض آپ کی ایک ایک ادا اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو دعائیں جن جن اوقات اور مقامات پر منقول ہیں آپ انھیں اوقات میں ان دعاؤں کو پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے کمال اتباع کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ دیکھئے:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''دائیں'' پسند ہے یعنی ہر اچھے کام کی ابتداء دائیں طرف سے کی جائے۔ اس عاشق رسول نے عمل کر کے دکھایا۔ ایک روز فجر کی نماز ادا کرنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ نمازیوں کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی تھیں کہ عین انتظار میں آپ جلدی جلدی مسجد کے اندر تشریف لائے اس وقت آپ کے ایک خادم قناعت علی نے ایک دوسرے ساتھی سید ایوب علی سے کہا کہ اب دیکھتے ہیں کہ اس جلدی کے اندر آپ دائیں کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں۔ یعنی مسجد میں پہلے دایاں قدم رکھتے ہیں یا نہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم

نے دیکھا مسجد کے پہلے زینے پر آپ کا پہلا قدم پڑا تو سیدھا پھر مسجد کے فرش پر پہلا قدم پڑا تو سیدھا۔ صحن میں ایک صف بچھی تھی اس پر پہلا قدم پڑا تو سیدھا پھر ہر صف پر جو پہلا قدم پڑتا گیا سیدھا۔ پھر دالان میں پہلا قدم پڑا تو سیدھا، حتیٰ کہ محراب پر جب بیٹھے تو محراب میں پہلا قدم جو پڑا وہ بھی سیدھا تھا۔ اسی طرح ہر اچھے کام آپ سیدھے ہاتھ سے فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کوئی چیز لیتا تو آپ اسکو دینے سے ہاتھ روک لیا کرتے اور سیدھے ہاتھ سے لینے کا سبق دے کر عطا فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ خط وغیرہ لکھتے وقت جب (۷۸۶) لکھتے تو وہ بھی سیدھی طرف سے لکھتے تھے۔ حالانکہ اعداد تو عام طور پر بائیں طرف سے لکھے جاتے ہیں۔ تعویذ لکھتے وقت بھی خطوط سیدھی طرف سے کھینچتے تھے۔ سبحان اللہ اپنے محبوب کی محبوب اداؤں کا اتنا پاس وہی رکھ سکتا ہے جو سچا عاشق ہو اور جس کی نظر میں ادائے محبوب سے زیادہ کوئی شئے پیاری اور محبوب نہ ہو۔

دیار محبوب

سچی محبت کی ایک نشانی یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ محبوب کا دیار اس کا ملک اس کا شہر اس کی گلی اور اس کا گھر بھی اس کو پیارا لگنے لگتا ہے۔ بلکہ اس کی نظر میں سارے جہاں سے اچھا اس کے محبوب کا شہر ہوتا ہے چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجنوں سے کسی نے پوچھا

پس کدامی شہر زانہا خوشتر ست
گفت آن شہرے کہ دروے دلبر ست

کہ تجھے سب سے زیادہ کون سا شہر اچھا لگتا ہے تو اس نے کہا جس شہر میں میر امحبوب رہتا ہے، مجھے وہ شہر سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔

اسی لئے خدا کو بھی اپنے محبوب کا شہر ''مکہ'' بہت محبوب ہے۔ اور اس نے قرآن

میں اس قسم کی یاد فرمائی ہے۔

"**لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھٰذا البلد**"اور اس شہر کی محبوبیت اور عظمت کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ"**وانت حل بھٰذا البلد**"کہ یہ شہر مجھے اس لئے محبوب اور عزیز ہے کہ میرے محبوب نبی کے قدم اس کو لگ گئے ہیں۔

اس عاشق رسول امام احمد رضا کو بھی اپنے محبوب کا شہر"مدینہ"سب سے زیادہ پیارا تھا چونکہ محبوب یہاں قیامت تک کیلئے آرام فرما ہیں اسلئے وہ اس کو تمام جہاں سے بھی حتیٰ کہ مکہ مکرمہ سے بھی زیادہ افضل واعلیٰ جانتے تھے۔اگر چہ اپنے اس دعوے پر اس کے پاس بہت سے وزنی دلائل بھی تھے مگر کوئی خشک زاہد اس کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو وہ شعر کہہ کر بات ختم کردیا کہ۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

کسی نے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے جبکہ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے تو اس مکہ کا مدینہ سے افضل ہونا ثابت ہوا تم یہ کیسے کہتے ہو کہ مدینہ مکہ مکرمہ سے بھی افضل ہے۔اس عاشق نے اپنے عشق میں کئے ہوئے اس دعوے کو"علم"کی روشنی سے ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام ابوحنیفہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا یہی مسلک اور مذہب ہے کہ مدینہ افضل ہے لہٰذا میرا بھی یہی مسلک ہے۔اس کے علاوہ خود حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ"**المدینة خیر لھم لو کانوا یعلمون**"کہ مدینہ اس کیلئے بہتر ہے اگر وہ جانیں، بلکہ دوسری حدیث میں تو نص صریح ہے کہ"**المدینة افضل من المکة**"کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے پھر فرمایا کہ جہاں تک ہمارے اعراض کا تعلق ہے اور دونوں جگہ تفاوت ثواب کا

معاملہ،تو اس کا جواب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب دیا کہ مکہ میں کمیت زیادہ ہے اور مدینہ میں کیفیت زیادہ ہے۔یعنی وہاں مقدار زیادہ اور یہاں قدر زیادہ ہے جیسے یوں سمجھئے کہ لاکھ روپے زیادہ ہیں یا پچاس ہزار اشرفی زیادہ ہیں۔ظاہر ہے گنتی میں تو لاکھ روپئے زیادہ ہوں گے لیکن مالیت میں یہ اشرفیاں اس سے کئی زیادہ ہیں فرمایا کہ اس کے علاوہ میں ایک نیکی کا لاکھ نیکیاں،جیسے یوں ہی ایک گناہ کے لاکھ گناہ ہیں بلکہ وہاں تو گناہ کے ارادے پر بھی گرفت ہے جس طرح وہاں نیکی کے ارادے پر ثواب ہے جبکہ مدینہ منورہ میں نیکی کے ارادے پر ثواب تو ہے لیکن گناہ کے ارادے پر عذاب نہیں،پھر ایک گناہ کرے تو ایک ہی گناہ کی سزا جبکہ ایک نیکی کرے تو پچاس ہزار نیکیوں کا ثواب،پھر فرمایا کہ عجب نہیں کہ حدیث مبارکہ میں "**خیــر لھـم**" (کہ تمہارے لئے مدینہ بہتر ہے) کے جو الفاظ آئے ہیں وہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ذکر دیارِ محبوب

محبوب کیلئے نہ صرف محبوب کا ذکر بلکہ اس شہر اور دیار کا ذکر بھی اس کیلئے قلبی فرحت وانبساط کا باعث ہوتا ہے۔دیارِ محبوب کے ذکر سے ہی اس کے تن مردہ میں جان پڑ جاتی ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی شریف میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ ایک بہت خوبصورت لڑکی کے حسن پر فریفتہ ہوگیا۔اس نے اس سے شادی کر لی،لیکن لڑکی کسی اور سے محبت کرتی تھی،جب وہ بادشاہ کے محل میں آئی تو اپنے محبوب کا فراق اور جدائی برداشت نہ کرسکی،بیمار پڑ گئی بادشاہ نے مملکت کے تمام عمدہ سے عمدہ معالجوں کو طلب کرلیا سب نے علاج شروع کردیا لیکن اس کا کوئی افاقہ نہ ہوا اور حال یہ ہوا کہ

مرض بڑھتا گیاں جوں جوں دوا کی

بادشاہ سخت پریشان تھا آخر ایک روز ایک اللہ کے ولی سے اسکی ملاقات ہوئی اپنا مدعا عرض کیا آپ نے فرمایا کل ہم آکر اس کا علاج کریں گے دوسرے دن آکر نے آپ اس لڑکی کا علاج اس طرح فرمایا کہ ایک شخص کو کہا کہ دنیا میں جتنے ممالک ہیں ان کے نام اس کے سامنے لئے جائیں، جب نام اس کے سامنے لئے جانے لگے تو ایک نام پر وہ چونکی۔ آپ نے فرمایا رک جاؤ۔ اب ملک میں کے جتنے شہر ہیں ان کے نام لو، ملک کے تمام شہروں کے نام اس کے سامنے لئے جانے لگے تو ایک شہر کے نام پر نبض اور دل کی رفتار تیز ہوگئی، آپ نے فرمایا رک جاؤ! اب میں شہر میں جتنے محلے ہیں ان کے نام لو، جب شہر کے تمام محلوں کے اور علاقوں کے نام لئے گئے تو ایک نام پر اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہوگئی، اس کا چہرہ چمکنے لگا، آپ نے فرمایا اس محلے میں جتنے رہائش پذیر ہیں ان کے نام لو جب نام لئے گئے تو ایک نام پر اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، آپ نے بادشاہ سے فرمایا یہ فلاں شہر کے فلاں باشندے کے عشق میں مبتلا ہے اس کو اس کے محبوب سے ملا دو بس یہی اس کی بیماری کا علاج ہے۔

اس عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی یہی حال تھا کہ اس کے سامنے محبوب کے شہر مدینہ کا ذکر آجاتا تو اس کے دل کی کلی کلی کھل اٹھتی اور وہ اپنے قلبی جذبات کو اپنے شعر میں یوں بیان کرتا تھا۔

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں
حور جناں ستم کیا طیبہ نظر میں پھر گیا
چھیڑ کے پردۂ حجاز دیس کی چیز گائی کیوں

تعظیم و تکریم :

عشق و محبت کا ایک تقاضہ ''ادب و احترام'' بھی ہوتا ہے، محبّ نہ صرف اپنے

محبوب کی تعظیم وتکریم کرتا ہے بلکہ محبوب کو جس سے ادنیٰ سی نسبت اور تعلق بھی ہو جائے ،محبّ کیلئے وہ شئے بھی لائق صد احترام ہوجاتی ہے ذرا دیکھئے حضورنبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عشاق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ادب واحترام کی کیسی کیسی مثالیں قائم فرمائیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ بال سنوارتے تھے تو صحابہ کرام آپ کے چاروں طرف کھڑے ہوجاتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی بال مبارک ان کے ہاتھوں کے سوا کسی اور جگہ نہ گرنے پائے۔(مسلم شریف،ج۲،ص۲۵۶)

اسی طرح حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بال مبارک ایک صحابی کے پاس دیکھا کہ وہ سرخ رنگ کا تھا میں نے اس کے سرخ ہونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس کو خوب خوشبو لگا کر رکھتے ہیں اس لئے اس خوشبو کی وجہ سے یہ سرخ ہوگیا ہے۔(صحیح بخاری،ص۵۰۲)

معلوم ہوا کہ محبوب سے جس شئے کی نسبت ہوجائے عاشق اس کا بھی ادب واحترام کرتا ہے،آیئے ذرا دیکھیں یہ عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے محبوب سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا کس طرح ادب واحترام کرتا ہے۔

(الف)سب سے پہلے مدینہ منورہ کو لے لیجئے،اس عاشق کی نظر میں محبوب سے تعلق اور نسبت کی بناء پر اس پاک سرزمین کا یہ مقام تھا کہ۔

ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل ، ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے
واروں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جان نو

یہ راہ جاں فزا میرے مولیٰ کے در کی ہے
اللہ اکبر ! اپنے قدم اور یہ خاکِ پاک
حسرت ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے

(ب)اس عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کا تو یہ عالم تھا کہ اس کے محبوب کے پاک دیار کا نام بھی اس کے سامنے آجاتا تھا تو ادب سے اس کا سر جھک جاتا تھا، وہ اپنے محبوب کے دیار پاک کے نام پاک کا بھی پورا پورا ادب کیا کرتا تھا، چنانچہ آپ کا شعر ہے۔

بہ ادب جھکا لو سر و لا کہ میں نام لوں گل و باغ کا
گل تر محمد مصطفیٰ چمن اس کا پاک دیار ہے

(ج)اس عاشق صادق کے عشق کا تو یہ عالم ہے کہ اس کے محبوب کے پاک دیار کی گلیوں کے کتے بھی اس کے لئے لائق احترام ہیں شہر مدینہ سے نسبت رکھنے کے باعث وہاں کے کتے بھی اس لائق ہوگئے ہیں کہ ان کے بھی قدم چومے جائیں، چنانچہ اسی مقام عشق کی طرف اپنے شعر میں آپ نے یوں اشارہ فرمایا:

رضا کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

(د)اس عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عشق تو اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے محبوب کے شہر کے کسی پرندے کو بھی پریشان کیا جائے کیونکہ اس کو بلا وجہ ستا کر پریشان کرنا عاشق کے نزدیک یہ بھی اس کے دیار کی بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے۔

چنانچہ زیارت حرمین شریفین کیلئے آپ تشریف لے گئے تو سید عمر رشیدی آپ کو اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گئے وہاں آپ نے ان کے گھر کے درمیانی دروازہ کی سمت میں اپنی نشست رکھی، ان دروازوں پر جو طاق تھا ان میں کبوتروں کا ایک جوڑا رہتا تھا جو تنکے

لاتے تھے اور نیچے گرایا کرتے تھے جو اس طرف بیٹھنے والوں پر آ کر گرا کرتے تھے لیکن جب اس دروازے کے پاس اس عاشقِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا بستر لگایا گیا تو اس وقت دروازہ سے کبوتروں نے اس طاق میں بیٹھنا ہی چھوڑ کر دوسرے طاق کو آباد کرلیا، اب جو لوگ اس دوسرے دروازے کے پاس بیٹھتے ان پر خوب تنکے وغیرہ آ کر گرا کرتے تھے مولانا سید اسمٰعیل نے یہ صورت حال دیکھ کر اس عاشق رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے کہا آپ کا تو یہاں کے وحشی کبوتر بھی بڑا لحاظ کرتے ہیں اس عاشق نے جواب دیا "**صالحنا لهم فصالحونا**" ہم نے ان سے صلح کر لی ہے تو انہوں نے ہم سے صلح کر لی ہے اس پر حاضرین میں بعض علماء نے کہا کہ یہ کبوتر ہم پر کیوں تنکے وغیرہ پھینکتے ہیں، ہم نے ان سے کون سی جنگ کر رکھی ہے، اس عاشق نے عشق ومحبت سے بھر پور جواب عطا فرمایا کہ میں نے یہاں کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ یہ کبوتر جہاں آ کر بیٹھتے ہیں لوگ انہیں اڑا دیتے ہیں، انہیں ستاتے ہیں، کنکریاں مارتے ہیں، سلامی کی جب توپیں چھوٹتی ہیں تو یہ خوف سے تھرتھرا جاتے ہیں، یہ سب میرا مشاہدہ ہے حالانکہ یہ حرم محترم کے جانور ہیں انہیں اڑانا ڈرانا، دھمکانا یہ سب منع ہے کسی پیڑ کے سایہ میں حرم محترم کا ہرن بیٹھا ہو تو کسی آدمی کو یہ اجازت نہیں کہ اسے اٹھا کر خود بیٹھ جائے، اس عالم نے جواب میں فرمایا کہ یہ کبوتر ہمیں ایذا دیتے ہیں، اوپر کنکریاں تنکے وغیرہ پھینکتے ہیں جس سے چمنی وغیرہ ٹوٹ جاتی ہے، آپ نے فقیہانہ استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ابتداباً لا ایذا کرتے ہیں یعنی تکلیف پہنچانے میں پہل کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا کہ پھر تو انہیں "فاسق" کہیئے اور اس صورت میں مارنا جائز ہونا چاہیئے، لیکن علماء کے نزدیک بالاتفاق کبوتر غیر فاسق جانور ہے ہاں البتہ چیل، کوے فاسق جانور میں شمار ہوتے ہیں پھر آپ نے ان سے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو جانور بغیر اپنے نفع کے بالقصد ایذاء پہنچائے ایسے جانور کا قتل حرم شریف میں بھی جائز ہے جیسے

چیل،کوا، بندر، چوہا۔چیل،کوے زیوراٹھا کر لے جاتے ہیں، بندر کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے اور چوہے کتابیں کترتے ہیں جس میں انکو کوئی نفع نہیں محض برائے شرارت کے وہ ایسا کرتے ہیں لہٰذا فاسق ہیں برخلاف بلی کے کہ وہ مرغی کو پکڑتی ہے، کبوتر کی گردن توڑ دیتی ہے مگر اپنی غذا کیلئے نہ کہ تمہارے ایذا کیلئے۔اسی طرح کبوتر کہ کنکریاں طاق پر موجود ہوں تو اس کے چلنے پھرنے سے ضرور گریں گی لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ چمنی پر کنکریاں مارنا اوراس کو توڑنا ان کو مقصود ہے لہٰذا کبوتر جیسے جانور کو مارنا اور تکلیف دینا جائز نہیں، یہ سن کر وہ عالم خاموش ہو گئے۔

(ہ) دیارِ محبوب کی خاک کی کس قدر عظمت اس عاشق رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے قلب ونظر میں بسی ہوئی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ حضرت قائدِ اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد گرامی اوراس عاشق صادق کے خلیفہ صادق مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب حرمین شریفین سے واپس ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا،مولانا! میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں اپنے عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو بہت قیمتی تھا کہ اگر اس عمامہ کو پیش کروں تو آپ اس دیارِ پاک سے آرہے ہیں کہ یہ عمامہ بھی آپ کی قدموں کے لائق نہیں، البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے وہ حاضر کئے دیتا ہوں چنانچہ اسی وقت اٹھ کر اپنے کاشانہ سے سرخ رنگ کا شانی مخمل کا جبہ مبارک لاکر عطا فرمایا جو اس زمانہ میں کم از کم ڈیڑھ سو روپے سے کم نہ تھا حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی نے اس کو قبول کرتے ہوئے اپنے سر آنکھوں پر رکھا اوراس کو خوب چوما اور بہت دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔

سبحان اللہ! یہ ہے سچا عاشق کہ محبوب کے شہر کی زمین اور خاک سے جو قدم لگ جائیں محبّ کیلئے وہ قدم بھی اتنے معزز ومکرم ہوجاتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں اس کو اپنا

قیمتی سے قیمتی عمامہ اور جبہ بھی ہیچ نظر آتا ہے۔

نامِ محبوب

الغرض یہ وہ سچا عاشق رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تھا جو عشق ومحبت کی ہرمنزل، ہرمعیار اور ہرکسوٹی پر پورا اترتا تھا۔اسکو اپنے محبوب کے نام سے اتنا ہی پیار تھا کہ جب سوتے تھے تو اپنے جسم کو اس ہیئت میں کرلیا کرتے تھے کہ اس سے محبوب کا نام ''محمد'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بن جایا کرتا تھا۔اس کی استراحت بھی نام محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں تھی۔

آپ عشق کی اس منزل پر پہنچ گئے تھے جس کو عارف رومی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ۔

عشق آں شعلہ است کہ چون برفروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

کہ عشق وہ آگ ہے ماسوائے محبوب کو جلا کر خاکستر کردیتی ہے۔اس کے قلب ودل پر سوائے محبوب کے اور کچھ نہیں رہتا آپ نے اپنے اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دن فرمایا کہ اگر میرے دل کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو اس میں سے ایک ٹکڑے پر ''لا الہ الا اللہ'' اور دوسرے ٹکڑے پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا ملے گا،اس کی نظر میں دل وہی دل کہلانے کے لائق ہے جو محبوب کی یاد سے معمور ہو۔

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

محبت رسول اور فروغ عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی وہ مرکزی نکتہ ہے جس کے گرد امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلمان برصغیر پاک وہند کو

جمع کیا (سید یوسف رضا گیلانی اسپیکر قومی اسمبلی، پاکستان) پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر ۱۹۹۷ء مدیر مولانا رحمت اللہ صدیقی)

آپ کی شخصیت حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ضیا پاشیوں سے منور تھی آپ کی نعتیہ شاعری اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ جس کا ہر مصرعہ اور شعر عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے منور ہے علوم قرآن وتفسیر کا ناقابل تردید شاہکار آپ کا ترجمہ قرآن 'کنزالایمان' ہے جو نہایت سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم اور ایک عام آدمی کیلئے مشعل راہ ہے۔ محبوب کی بارگاہ میں حاضری کا قرینہ وادب کوئی آپ کے قلب عظمت آشنا سے پوچھے، اور محبت رسول کی دودھیا چاندنی سے فیض اکتسابی کا طریقہ وقاعدہ کوئی آپ کی شخصیت سے سیکھے۔

''جب حرم محترم مدینہ میں داخل ہو، احسن یہ ہے کہ سواری سے اتر پڑے۔ روتا، سر جھکائے، آنکھیں نیچی کئے چلے۔ ہو سکے تو برہنہ پائی بہتر بلکہ۔

جائے سرست اینکہ تو پا می نہی
پائے نہ بینی کہ تو کجا می نہی

جب در مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ وسلام عرض کر کے قدرے توقف کرے، گویا سرکار سے اذن حضوری کا طالب ہے، اس وقت جو ادب وتعظیم واجب ہے، مسلمانوں کا قلب خود واقف ہے، زنہار، زنہاز، اس مسجد اقدس میں کوئی حرف چلا کر نہ کہے، یقین جان کہ وہ مزار اعطر وانور میں بحیات ظاہری، دنیاوی، حقیقی ویسے زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے، ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں، حضور ہمارے ایک ایک قول وفعل، بلکہ دل کے خطروں پر مطلع ہیں۔ اب وہ وقت آیا کہ

دل کا رخ بھی اس پاک جالی کی طرف ہوگیا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب عظیم الشان کی آرامگاہ رفیع المکان ہے صلی اللہ تعالیٰ عیہ وسلم، گردن جھکائے آنکھیں نیچی کئے، لرزتا، کانپتا بید کی طرح تھرتھراتا، ندامت گناہ سے عرق شرم میں ڈوبا قدم بڑھا، خضوع ووقار، خشوع وانکسار کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو، سواسجدہ وعبادت کے جو بات ادب واجلال میں اکمل ہو بجالا، زنہار جالی شریف کے بوسہ ومس سے دور رہ کر خلاف ادب ہے، اب نہایت ہیبت ووقار کے ساتھ مجرا وتسلیم بجالا۔ بہ آواز حزیں، وصورت درد آگیں، ودل شرمناک وجگر صد چاک، معتدل آواز سے نہایت نرم وپست، نہ بہت بلند وسخت، عرض کر۔

الصلوٰة والسلام علیک ایھاالنبی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

السلام علیک یا رسول اللہ

السلام علیک یا خیر خلق اللہ

السلام علیک یا شفیع المذنبین

السلام علیک وعلیٰ آلک و اصحابک اجمعین (۱)

دل میں اگر آقا کی محبت وعظمت جلوہ آرا ہو تو پھر دل خود ہی تعظیم کے لئے بے قرار ہوگا، بلکہ تعظیم محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی میں داروئے شفا اور دوائے قرار ملے گا ۔ادائے محبوب کی بہاروں سے لطف اندوز ہونا ہی سرمایۂ حیات معلوم ہوگا۔تمام عرفاء واولیاء اسی اعتقاد عظمت وتعظیم کے ساتھ اپنی پوری زندگیوں میں کاربند رہے، امام مالک علیہ الرحمہ نے تعظیم رسول کے پیش نظر مدینہ طیبہ میں کبھی سواری نہ کی، اس کے لئے انہیں کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی بس یہی دلیل کافی تھی کہ خدا ورسول نے اس تعظیم سے منع نہیں فرمایا ہے۔

حضرت رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں...... ''بوجہ اطلاق آیات، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے، حسن ومحمود رہے گی۔ اور خاص خاص طریقوں کیلئے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا ہاں اگر کسی خاص طریقے کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بیشک ممنوع ہوگا، جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا، یا جانور ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا، اسی لئے علامہ ابن حجر مکی ''جوہر منظم میں'' تحریر فرماتے ہیں نبیؐ کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو، ہر طرح امر مستحسن ہے، ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے۔ (۲)

محبوب کے ذکر وتذکرے سے اپنے وجود کو نور وسرور بخشنا، ان کی یاد سے روح ودل کو آباد وشاد کرنا، ان کے تصور وخیال سے طمانیت وسکینت کا سامان کرنا انہی کو دیکھنا، انہیں کی سننا، اور انہیں کے فکر ودھیان میں گم رہنا، اور حیات کے ان لمحوں کو سرمایۂ حیات سمجھنا، یہی تو ایک سچے عاشق کی پہچان اور اس کے عشق کا عرفان ہے۔ پھر یاد ان کی جنہیں زمانہ یاد کر رہا ہے۔ ذکر ان کا جن کے ذکر کو خدا نے اپنا ذکر بنالیا ہے، بات ان کی جن کی بات اصل حیات اور حاصل کائنات ہے۔ پھر کیوں نہ عشاق ان کے ذکر وفکر میں مست و سرشار رہیں۔ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

''نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء واولیاء اللہ علیہم الصلوۃ والسلام کی یاد عین خدا کی یاد ہے، کہ ان کی یاد ہے تو اسی لئے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔ یہ اللہ کے ولی ہیں۔ معھذا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد مجالس ومحافل میں یوہیں ہوتی ہیں کہ حق تبارک وتعالیٰ نے انہیں یہ

مراتب بخشے۔ یہ کمال عطا فرمائے۔ اب چاہے اسے نعت سمجھ لو، یعنی ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے ہیں جنہیں حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے درجے دیئے، اس وقت یہ کلام کریمہ ''**ورفعنا بعضھم درجات**'' کی قبیل سے ہوگا۔ چاہے حمد سمجھ لو، یعنی ہمارا مالک ایسا ہے جس نے اپنے محبوب کو یہ رتبے بخشے اس وقت یہ کلام کریمہ ''سبحان الذی اسریٰ بعبدہ'' وآیت کریمہ ''ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ'' کے طور پر ہو جائے گا، حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرماتا ہے ورفعنا لک ذکرک، اور بلند کیا ہے ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر، امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ''شفا شریف'' میں اس آیت کریمہ کی تفسیر سید ابن عطا قدس سرہ العزیز سے یوں نقل فرماتے ہیں، جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک ذکرنی یعنی حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا تو جو تمہارا ذکر کرے اس نے میرا ذکر کیا، بالجملہ کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرسکتا کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد بعینہ خدا کی یاد ہے، پس بحکم اطلاق جس طریقے سے ان کی یاد کی جائے گی حسن ومحمود ہی رہے گی۔ (۳)

آقائے کائنات فخر موجودات علیہ التحیۃ والتسلیمات کے اختیار وعطا پر انہیں ایسا یقین حاصل تھا کہ کسی اور کی طرف ان کی غیرت نے کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، انہوں نے اپنے آقا کے کرم پر اعتماد کیا اور آقائے کونین نے اپنے در کے اس مخلص منگتا کی نگہداشت فرمائی، ہمیشہ اس کی ہر ضرورت پوری فرمائی، اور عنایتوں سے ایسا مالا مال کیا کہ عالم خوشی وبیخودی میں وہ ہمیشہ اس عنایت بے نہایت پر وجد کناں ہے...... دیکھئے در

رسول اقدس پر ان کے ایقان واذعان کی یہ کیفیت، فرماتے ہیں۔

''بالجملہ وہ تمہارے لئے دافع البلا نہ سہی مگر لا واللہ ہمارا ٹھکانہ تو ان کی بارگاہ بیکس پناہ کے سوا نہیں۔

منکر اپنا اور حامی ڈھونڈ لیں
آپ ہی ہم پر تو رحمت کیجئے

بلکہ لا واللہ اگر بغرض غلط، بالفرض باطل عالم میں ان سے جدا کوئی دوسرا حامی بن کر آئے بھی تو ہمیں اس کا احسان لینا منظور نہیں۔ وہ اپنی حمایت اٹھا رکھے ہمیں ہمارے مولائے کریم جل جلالہ نے بے ہمارے استحقاق بے ہماری لیاقت کے اپنے محبوب کا کرلیا، اوراسی کی وجہ کریم کو حمد قدیم ہے، اب ہم دوسرے کا بننا نہیں چاہتے۔ جس کا کھا یئے۔اسی کا گایئے۔

چوں دل بادلبرے آرام گیرد
زوصل دیگرے کے کام گیرد
یا تو یونہی تڑپ کے جائیں یا وہی دام سے چھڑائیں
منت غیر کیوں اٹھائیں کوئی ترس جتائے کیوں

رباعی

اے واہ وہ حبیب را کلید ہمہ کار
باران درود بررخ پاکش بار
دستے کہ بد امان کریمش زدہ ایم
زنہار بدست دیگر انش مسپار
تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا (۴)

حضور کے اختیار و اقتدار کا، ان کے تصرف و تحکم پر کس طرح دل و جان سے وہ یقین و ایمان رکھتے تھے، حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے قضائے عصر اور پھر رجعت شمس کا واقعہ تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''الحمدللہ اسے خلافت رب العزت کہتے ہیں، کہ ملکوت السموٰت و الارض میں ان کا حکم جاری ہے، تمام مخلوق الٰہی کو ان کے لئے حکم اطاعت و فرمانبرداری ہے وہ خدا کے ہیں، اور جو کچھ خدا کا ہے سب ان کا ہے''۔(۵)

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لطف و کرم، غمخواری امت، آپ کی نوازش بخشش و رحمت کا تذکرہ جب آتا تھا تو آپ کے سینے میں آتش شوق بھڑک اٹھتی تھی۔ایک حدیث کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا...... کفاک اللہ امر دینک و اما امر آخرتک فانا لھا ضامن ''اللہ تعالیٰ تیرے دینا کے کام درست کردے، اور تیری آخرت کے معاملے کا تو میں ذمہ دار ہوں ......اس حدیث کے تفصیلی ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔ ؎

پھر اٹھا ولولۂ یاد بیابان حرم
پھر کھنچا دامن دل سوئے مغیلان حرم

اللہ اللہ اس حدیث صحیح کے پچھلے جملے نے...........محبوب اجمل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آتش شوق سینے میں بھڑکا دی، کتا اپنے پیارے آقا، مہربان مولیٰ کا دروازہ چھوڑ کر کہاں جائے ہر پھر کر وہیں کا وہیں رہا جائے۔ بلکہ واللہ یہ کتا اپنے پیارے کریم مالک کے در اطہر سے ہٹا ہی نہیں انبیاء کے دروازے پر جائے تو انہیں کا گھر ہے، اولیا کے یہاں آئے تو انہیں کا در ہے، ملائکہ کی منزلوں پر گزرے تو انہیں کا نگر ہے۔

کوئی اوران کے سوا کہاں وہ اگر نہیں تو جہاں نہیں

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں

ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

آسماں خواں زمین خواں زمانہ مہمان

صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا (۲)

اپنے اس نظریہ کوانہوں نے مختلف مقامات پر مختلف انداز سے پیش کیا ہے۔ ہر جگہ حضور کی فضیلت کی نئی روشنی دکھائی، اور عظمت کے نئے نئے شمس وقمر کھلائے ہیں۔ اس طرح مقام مصطفےٰ پر انہوں نے اپنی تصانیف میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ بزم کون ومکان میں ان کے محبوب کے مرتبے کا اور کوئی نہیں۔ بلکہ وہی اصل عالم اور جان جہاں ہیں...... اہل نظر کے یہاں حقیقت محمد یہ وجوب وامکان کے درمیان برزخ کبریٰ ہے............ وہ فرماتے ہیں۔

''جس طرح مرتبہ وجود میں صرف ذات حق ہے۔ باقی سب اسی کے پرتو وجود سے موجود۔ یونہی مرتبہٗ ایجاد میں صرف ایک ذات مصطفےٰ ہے باقی سب پر اسی کے عکس کا فیض موجود...... مرتبہٗ کون میں نور احمدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے۔ اور مرتبہٗ تکوین میں نور احمدی آفتاب اور سارا جہان اس کے آبگینے، وفی ہذا القول ؎

خالق کل الوریٰ ربک لا غیرہ

نورک کل الوریٰ غیرک لم ، لیس ، لن

ای لم یوجد............ ولیس موجوداً........................ ولن یوجد ابدا

نوری محمد یصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جس طرح عالم اپنی ابتداء وجود

میں محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا۔ کچھ نہ بنتا، یونہی ہر شیء اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے۔ آج اس کا قدم درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعتاً فنائے محض ہو جائے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے (۷)

وہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام ماکان و ما یکون کا عالم مانتے ہیں اور اصحاب معرفت سے اس پر بہت دلائل اپنی تصانیف خالص الاعتقاد، الفیوضات المکیہ وغیرہ میں پیش کرتے ہیں۔ بہت سے دلائل واقوال ائمہ سے فراغت کے بعد آخر میں فرماتے ہیں۔

''یہ کہنا آسان تھا کہ احمد رضا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا قائل ہو گیا اور یہ عقیدہ کفر کا ہے......مگر نہ دیکھا کہ احمد رضا کی جان کن کن پاک، مبارک دامنوں سے وابستہ ہے، احمد رضا کا سلسلہ اعتقاد علماء، اولیاء، ائمہ، صحابہ، سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ رب العالمین تک مسلسل ملا ہوا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔(۸)

بارگاہ رسول سے ان کو جو وارفتگی کی حد تک وابستگی تھی۔ شاید ہی ایسی ان کی کوئی کتاب ملے جو اس ذوق و عرفان سے خالی ہو، آپکے زمانے میں وہ لوگ پیدا ہو چکے تھے جو پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم و کمالات میں بے جا کلام کرتے اور بے ادبی و گستاخی سے پیش آتے، بارگاہ رسالت کی توجہ و عطا سے آپ پوری قوت کے ساتھ ان تمام باطل عقائد و نظریات کا رد فرماتے۔ آقائے کونین کا ان پر کرم کیسا مسلسل تھا، اور کس طرح آپ کو توانائی ملتی تھی۔ حوصلہ افزائی ہوتی تھی......فرماتے ہیں۔

''میرے ایک وعظ میں ایک نفیس نکتہ مجھ پر القا ہوا تھا۔ اسے یاد رکھو کہ جملہ فضائل حضور اقدس ﷺ کے لئے معیار کامل ہے۔ وہ یہ کہ کسی منعم کا دوسرے کو کوئی نعمت نہ دینا چار ہی طور پر ہوتا ہے۔

(۱) یا تو دینے والے کو اس نعمت پر دسترس نہیں۔

(۲) یا دے سکتا ہے مگر بخل مانع ہے۔

(۳) یا جسے نہ دی، وہ اس کا اہل نہ تھا

(۴) یا وہ اہل بھی ہے مگر اس سے زائد کوئی اور محبوب ہے اس کے لئے بچا رکھی۔

الوہیت ہی وہ کمال ہے کہ زیر قدرت ربانی نہیں، باقی تمام کمالات تحت قدرت الٰہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ اکرم الاکرمین۔ ہر جواد سے بڑھ کر جواد۔ اور حضور اقدس ﷺ ہر فضل وکمال کے اہل ......اور حضور سے زائد اللہ عزوجل کو کوئی محبوب نہیں، لازم ہے کہ الوہیت کے نیچے جتنے فضائل، جس قدر کمالات، جتنی نعمتیں، جس قدر برکات ہیں۔ مولیٰ عزوجل نے سب اعلیٰ وجہ کمال پر حضور کو عطا فرمائیں۔ (۹)

اپنے محبوب مالک کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت وعظمت کے گن گانا ہی ان کی زندگی وبندگی کا حاصل وخلاصہ معلوم ہوتا ہے۔ چاہے اس کے بدلے میں دشمنان رسول انہیں گالیاں دیں، طعنہ وطنز کے پتھر برسائیں۔ وہ تو بس ایک وفادار غلام کی طرح جس طرح بھی بن سکے خدمت کی نعمت چکنے نہ پائے۔ اس فریضہ میں کوتاہی نہ ہو ہر دم اس فکر میں لگے رہتے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر دن کی ڈاک سے جہاں بہت سے توصیف نامے آتے تھے، وہیں گالی ناموں کا بھی ڈھیر ہوتا تھا۔ مگر واہ رے درد عشق وہ یہ سوچ کر مچل مچل اٹھتے کہ۔ ''جتنی دیر وہ مجھے گالی دیتے اتنی دیر تو میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں......خود فرماتے ہیں۔

''واللہ العظیم وہ بندۂ خدا بخوشی راضی ہے اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس کے بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگالیں کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس ہزار مغلظہ گالیاں سنائیں، اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا۔ اس شرط پر مشروط ہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قدست اسراہم کو گالیاں دیں تو ایں ہم برعلم۔

اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آباءواجداد کی آبرو بدگویوں کی بدزبانی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے سپر ہو جائے......یہی وجہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندۂ خدا پر کیا کیا طوفان، بہتان اس کے ذاتی معاملات میں اٹھاتے ہیں۔ اخباروں، اشتہاروں میں طرح طرح کی گڑھتوں سے کیا کیا خاکے اڑاتے ہیں۔ مگر وہ اصلا قطعاً اس طرف التفات کرتا نہ جواب دیتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مجھے اس لئے عطاء ہوا کہ بعونہ تعالیٰ عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت کروں۔ حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمایت میں ضائع ہونے دوں۔ اچھا ہے کہ جتنی دیر مجھے برا کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدگوئی سے غافل رہتے ہیں۔

فان ابی ووالدی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

(خلاصہ فوائد فتاویٰ (1324ھ) امام احمد رضا(10)

اوراپنے اس مومنانہ طرزعمل پرانہیں کیسی طمانیت روح نصیب ہے حرمین شریفین کے اکابر علماء کی زبان وقلم سے مدح سن کر اتراتے ہیں نہ دشمنوں کی گالیاں سن کر گھبراتے بلکہ ہر حال میں خداوند کریم کا شکر بجالاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے اپنے بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ ان اعاظم اکابر کی ان عظیم مدحوں پر اتراتا ہے، بلکہ اپنے رب کے حسن نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لئے، کیسا تو نے اس ناچیز کو ان عظمائے عزیز کی آنکھوں میں معزز فرمایا......نہ (دیہ بندہ) ان دشنامیوں اوران کے حامیوں کی گالیوں سے جو وہ زبانی دیتے اوراخباروں میں چھاپتے ہیں۔ پریشان ہوتا۔ بلکہ شکر بجالاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے حبیب ﷺ کی عزت کی حمایت کرے۔گالیاں کھائے اورمحمد رسول اللہ ﷺ کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتوں میں اس کا چہرہ لکھا جائے۔(ایضاً ص۴۹،۵۰ملخصا)(۱۱)

حضرت رضا بریلوی کے اندر خدا اور سول کے دشمنوں سے نفرت ابتدا ہی سے تھی۔ بلکہ یہ چیز ان کی فطرت میں داخل کر دی گئی تھی، حالات و ماحول کے تقاضے سے بہت سے مراحل ایسے آتے ہیں کہ انسان کے نظریہ میں نزاکت آجاتی ہے، آدمی اپنے مسلمہ اصولوں سے بھی سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے لیکن کیا مجال کہ یہاں ذرہ برابر نرمی آئے۔اللہ ورسول کے دشمنوں سے سمجھوتہ پر وہ راضی ہوجائیں......ان کے دل میں اللہ ورسول کی محبت ایسی راسخ اور پختہ تھی کہ انہیں عظمت ومحبت کے سوا کبھی کچھ گوارہ نہ تھا...... فرماتے ہیں......''بحمد اللہ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے۔اورمیرے بچوں کے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوت اعداء اللہ گھٹی میں پلادی گئی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ

وعدہ بھی پورا ہوا۔''اولئک کتب فی قلوبہم الایمان'' بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الہ الا اللہ دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ۔(۱۲)

چمن زار رضا میں جس طرف بھی رخ کیا جاتا ہے دیدہ و دل خیرہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آپ نے کردار و عمل اور زبان و قلم سے عشق رسالت کا جو درس دیا ہے اس کی اتھاہ گرائیوں اور بے پناہ وسعتوں کو دیکھ کر ایک عالم آج بھی انگشت بدنداں ہے۔ عشق رسالت کے سوز و ساز میں ڈوبا ہوا یہ نثری شہ پارہ دیکھئے......''اے عزیز! ایمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے مربوط ہے اور آتش جاں سوز جہنم سے نجات ان کی الفت پر منوط، جو ان سے محبت نہیں رکھتا۔ واللہ کہ ایمان کی بو اس کے مشام تک نہ آئی وہ خود فرماتے ہیں۔

لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین .

تم میں سے کسی کو ایمان حاصل نہیں ہوتا جب تک میں اس کے ماں باپ اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں......اے عزیز! چشم خرد میں سرمۂ انصاف لگا کر اور گوش قبول سے پنبۂ انکار نکال کر پھر تمام اہل اسلام بلکہ ہر مذہب و ملت کے عقلاء سے پوچھتا پھر کہ عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے۔ اور غلاموں کو مولیٰ کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ آیا تکثیر فضائل، و تکثیر مدائح اور ان کی خوبی حسن سن کر باغ باغ ہونا، جامے میں پھولا نہ سمانا۔ رد محاسن ،نفی کمالات اور ان کے اوصاف حمیدہ سے بہ انکار و تکذیب پیش آنا ۔اگر ایک عاقل، منصف بھی تجھ سے کہدے نہ وہ دوستی کا مقتضیٰ نہ یہ غلامی کے خلاف ہے۔ تو تجھے اختیار ہے ورنہ خدا اور رسول سے

شرما اور حرکت بیجا سے باز آ۔ یقین جان لے کہ محمد ﷺ کی خوبیاں
تیرے مٹانے سے نہ مٹیں گی۔(۱۳)(قمر التمام۔امام احمد رضا)

وہ عشق رسول کی جس منزل پر فائز تھے اس کا لازمی نتیجہ بارگاہ رسول سے خلعت اعزاز و اکرام کی شکل میں ظاہر ہو نا ہی چاہئے تھا...... مولانا محمد احمد مصباحی رقمطراز ہیں......

''۱۳۲۴ھ میں آ قائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو شوق دیدار کے ساتھ مواجہہ عالیہ میں درود شریف پڑھتے رہے...... انہیں امید تھی کہ ضرور سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عزت افزائی فرمائیں گے اور زیارت جمال سے سرفراز کریں گے۔لیکن پہلی شب تکمیل آرزو نہ ہوسکی۔ یاس وحسرت کے عالم میں ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے۔ ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مقطع میں عاشق مصطفےٰ کا ناز اور ایک جلیل القدر ولی کا عرفان، پھر بے کسی ومحرومی کا اظہار کچھ عجب انداز لئے ہوئے نظر آتا ہے۔عرض کرتے ہیں۔ ؎

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضؔا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

مواجہہ شریف میں یہ نعت عرض کی اور مودب ومنتظر بیٹھ گئے۔قسمت جاگی، حجاب اٹھا۔اور عالم بیداری میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت اور جمال جہاں آرا کے دیدار سے شرفیاب ہوئے۔ یہ آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے وہ اعزاز ہے جو بڑے ناز کے پالوں کو ہی میسر آتا ہے...... حضرت رضا بریلوی قدس سرہ خواب میں تو بار بار زیارت جمال اقدس سے شرفیاب ہوئے مگر اس بار خاص روضۂ

مقدسہ کے حضور عالم بیداری میں دیدار سے سرفراز ہوئے ہیں جو ان کے کمال عشق وعرفان کی کھلی ہوئی دلیل اور بارگاہ رسالت میں ان کی مقبولیت کا بین ثبوت ہے۔(۱۴)

بارگاہ رسالت سے وہ کتنے قریب تھے، مدینہ کا فیضان کس طرح ان پر ٹوٹ ٹوٹ کر برستا تھا۔ نبی رحمت کی نظر رحمت کس طرح انہیں اپنے جلووں سے سرشار رکھتی تھی۔ آپ کے شاگرد وخلیفہ مولانا برہان الحق اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

''سنیچر کو قصائی محلّہ (بمبئی) میں اعلیٰ حضرت کا وعظ ہوا، منبر کے قریب والد ماجد اور چچا کے پیچھے میں دیوار سے ٹک کر بیٹھا تھا۔ مسجد میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، ایمان افروز نورانی تقریر سے مجمع پر محویت طاری تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد مجھ پر غنودگی کا غلبہ ہوا۔ خواب میں دیکھا ایک عجیب دلکش نور سے پوری فضا منور ہے، درودوسلام کی سرور افزا آواز سے بیدار ہوا۔ دیکھا کہ اعلیحضرت منبر سے نیچے کھڑے دست بستہ ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' پڑھ رہے ہیں چشم مبارک سے قطرات ٹپک رہے ہیں۔ اور پوری مسجد صلوٰۃ و سلام کی آواز سے گونج رہی ہے۔ میں بھی صلوٰۃ وسلام میں شامل ہوگیا، اعلیحضرت کے آنسو جاری تھے۔ اور جس والہانہ انداز سے محو صلوٰۃ وسلام تھے وہ عجیب کیف افزا تھا جس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں۔ صلوٰۃ وسلام سے فارغ ہوکر اعلیحضرت منبر پر تشریف لائے آدھ گھنٹے بعد دعاء پر تقریر ختم ہوئی .... ہم اعلیحضرت سے اجازت لے کر قیام گاہ واپس ہوئے راستہ میں چچا سے میں نے مسجد میں دوران وعظ خواب کا ذکر کیا۔ خواب کا واقعہ سن کر والد اور چچا میں یہ گفتگو ہوئی۔ اعلیٰ حضرت مدینہ طیبہ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وعظمت وتوقیر وتعظیم پر بیان فرمارہے تھے یکا یک کافی بلند آواز سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہہ کر منبر سے اتر کر۔ ہاتھ باندھ کر عجیب رقت آمیز آواز میں صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہوئے قبلہ رخ کھڑے ہوگئے۔ ولادت مبارکہ کا ذکر نہ تھا۔ نہ وعظ ختم کرنے کا ہی کوئی انداز تھا۔ اعلیٰ حضرت کی باطنی، روحانی نظر مبارک نے دیکھ لیا کہ

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔اس لئے فوراً منبر سے اتر آئے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنے لگے۔ایک صاحب سفید گھنی داڑھی، ترکی ٹوپی لگائے اعلیٰ حضرت کے سامنے قریب بیٹھے ہوئے آنسو جاری ہے......انہوں نے ذکر شروع کیا۔رات وعظ میں وہ مسجد کے درمیان دروازے سے لگے ہوئے بیٹھے تھے اور آنکھیں بند تھیں محویت کے عالم میں دیکھا کہ ایک نور محیط ہو گیا ہے۔اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کی آواز پر آنکھ کھولی تو سامنے سارا مجمع کھڑا صلوٰۃ وسلام پڑھ رہا تھا، یہ سن کر والد ماجد نے عرض کیا حضور یہی منظر برہان نے بھی دیکھا ہے۔اعلیٰ حضرت نے صرف یہ فرمایا۔''یہ سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم تھا کہ تجلی فرمائی الحمد للہ۔ (۱۵)

جذبات محبت کے کیف میں سرشار اس طرح کے بہت سے واقعے ہیں جو ان کی زندگی کے حقائق کے عکاس ہیں، بارگاہ رسول میں جن سے ان کی مقبولیت ومحبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے، نامور صاحب قلم علامہ ارشد القادری ایک واقعہ کی منظر نگاری یوں کرتے ہیں۔

> ''بریلی کے اسٹیشن پر ایک سرحدی پٹھان کہیں سے اترا متصل ہی نوری مسجد میں اس نے صبح کی نماز ادا کی ،نماز سے فراغت کے بعد جاتے ہوئے نمازیوں کو روک کر اس نے پوچھا'' یہاں مولانا احمد رضا خاں نامی کوئی بزرگ رہتے ہیں؟'' ان کا پتہ ہو تو بتا دیجئے،'' ایک شخص نے جواب دیا...... یہاں سے دو تین میل کے فاصلے پر'' سوداگران'' نام کا ایک محلّہ ہے وہیں اس کے علم وفضل کی راجدھانی ہے۔سرحدی پٹھان اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے سوال کیا۔کیا میں یہ معلوم کرسکتا ہوں کہ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟...... جواب دیا سرحد کے قبائلی علاقے سے میرا تعلق ہے۔وہیں پہاڑ کے

دامن میں ایک چھوٹا گاؤں ہے۔ جہاں میرا آبائی مکان ہے......
آپ مولانا احمد رضا خان کی تلاش میں کیوں آئے ہیں؟......اس
سوال پر اس کے جذبات کے ہیجان کا عالم قابل دید تھا، فوراً ہی
آبدیدہ ہوگیا......''یہ سوال نہ چھیڑیئے تو بہتر ہے'' کہہ کر خاموش
ہوگیا......اس پراسرار جواب سے پوچھنے والوں کا اشتیاق اور بڑھ
گیا۔ جب لوگ زیادہ مصر ہوگئے تو اس نے بتایا......''میں نے
گزشتہ شب جمعہ کو نیم بیداری کی حالت میں ایک خواب دیکھا ہے۔
اس کی لذت میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ اے خوشا نصیب اولیائے
مقربین اور ائمہ سادات کی نورانی محفل جہاں بریلی کے''احمد رضا''
نامی ایک بزرگ کے سر پر امامت کی کی دستار لپیٹی گئی ہے۔اور انہیں
قطب الارشاد کے منصب پر سرفراز کیا گیا ہے۔میری نگاہوں میں
اب تک جھلک رہی ہے۔اس دن سے میں اس مرد مومن کی زیارت
کیلئے پاگل ہوگیا ہوں۔ اس کے قدموں کی ارجمندی پر اپنی
عقیدتوں کا خراج لٹانے کے لئے بے چین ہوں۔ میں اس کی زندگی
کی صرف اداؤں کو دیکھنا چاہتا ہوں جن کی بدولت، غوث الوریٰ کی
بارگاہ سے لیکر، سرکار رسالت کے حریم قدس تک ہر جگہ اسے تقرب
خاص کا اعزاز حاصل ہے۔سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے اس نے
کہا''سنت خداوندی کے مطابق قطب الارشاد کی سند اسی کو عطا کی
جاتی ہے۔ جو اعتقاد وسلامتی دین کی صحیح فکر ونظر اور اہل اسلام کی خیر
خواہی میں روئے زمین پر منفرد شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اس
منصب عظیم پر فائز ہونے والے کھلی آنکھوں سے سرکار رسالت کی

روحانیت کبریٰ کا نظارہ کرتے ہیں......قطب الارشاد کے قریب پہنچ کر دل کے لطائف جاگ اٹھتے ہیں اور آنکھوں کے میخانے سے عشق رسالت ﷺ کی سرمستیوں کی شراب طہور ہر وقت ٹپکتی رہتی ہے۔سرحدی پٹھان نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا......''آپ حضرات قابل رشک ہیں کہ اپنے وقت کے قطب الارشاد کے چشمۂ فیضان کے کنارے شب و روز کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔اتنا کہہ کر وہ بے تابیٔ شوق میں اٹھا اور تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے محلّہ سوداگران کی طرف چل پڑا۔ ؎

معطر ہے اسی کو چے کی صورت اپنا صحرا بھی
کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

(۱۶)

اس ایک واقعہ میں دوسرے بہت سے غیر معمولی پہلو کے سوا ایک تابناک پہلو یہ ہے کہ عشق رسول کی برکتوں نے آپ کو منازل ولایت میں ایک اہم منزل۔عظیم منصب ''قطب الارشاد'' پر فائز کر دیا تھا۔اس شان ولایت کی توثیق متعدد واقعوں سے ہوتی ہے۔

مخدوم الملت ،محدث اعظم ہند حضرت سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔

''میں اپنے مکان پر تھا، اور بریلی کے حالات سے بے خبر تھا۔ میرے حضور شیخ المشائخ سید علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ العزیز وضو فرما رہے تھے کہ یکبارگی رونے لگے۔یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔میں آگے بڑھا تو فرمایا کہ بیٹا میں فرشتوں کے کاندھے پر ''قطب الارشاد'' کا جنازہ دیکھ کر

رو پڑا ہوں، چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا، تو ہمارے گھر میں کہرام پڑ گیا۔'' (۱۷)

پوری زندگی اپنے آپ کو سگ بارگاہ رسالت کے زمرے میں شامل کر لینے کی آرزو رکھنے والا عاشق صادق جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو رحمت کونین کی مہربانیوں کی موسلا دھار بارش میں اس کا پورا وجود شرابور تھا۔

بیت المقدس کے ایک شامی بزرگ، ٹھیک ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ کو خواب میں کیا دیکھ رہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر دربار ہیں۔ لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے۔ وہ شامی بزرگ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں۔ فداک ابی وامی میرے ماں باپ حضور پر قربان کس کا انتظار ہے، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احمد رضا کا انتظار ہے، انہوں نے عرض کی احمد رضا کون ہیں؟ حضور نے فرمایا: ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد انہوں نے پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ اعلیحضرت مولانا احمد رضا ہندوستان کے بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور اب تک بقید حیات ہیں۔ پھر تو وہ شوق ملاقات میں ہندوستان کی طرف چل پڑے۔ جب بریلی پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ آپ جس عاشق رسول کی ملاقات کو تشریف لائے ہیں۔ وہ ۲۵ رصفر (۱۳۴۰ھ) کو اس دنیا سے سوئے کوئے جاناں روانہ ہو چکا ہے۔ (۱۸)

حالات و مشاہدات بول رہے ہیں کہ حضرت رضا بریلوی ''فنا فی الرسول'' کے درجۂ علیا، مرتبہ کبریٰ پر متمکن تھے۔ اسی لئے ان کا ہر قول و فعل تصور رسول کی جاں بخش کرنوں سے مجلی ہوتا تھا۔ ان کی تحریرات سے محسوس یہ ہوتا ہے کہ بارگاہ رسالت سے اشارے ہوتے تھے۔ اور آپ اسے عملی جامہ پہناتے تھے۔ دل کی پوری یکسوئی کے ساتھ ان کا ''تصور عشق'' اور مقامات عشق کی تفصیل دیکھئے۔ کسی نے کسی شاعر کے شعر کے حوالے

سے عشق میں میخواہم ''ونمی خواہم'' کی تشریح چاہی ہے......رقمطراز ہیں۔

''شاعرارباب تمکین سے نہیں جوایک حال پر مستقیم ومستقر رہے بلکہ اصحاب تلوین میں سے ہے جن پر واردات مختلفہ مقتضیٰ قضایائے مختلفہ وارد ہوئے ہیں۔وہ اپنی ان احوال گوناگوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ''میخواہم'' تو ظاہر ہے کہ عشق میں اہل ہدایت کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کے پابند ہوئے ہیں۔اوران کی خواہش یہی کہ حبیب کو دیکھیں اور رقیب کو نہ دیکھیں۔اور ''نمی خواہم'' تین مقامات مختلفہ سے ناشی ہے،جن میں ایک دوسرے سے اعلیٰ ہیں۔

مقام اول:۔ادنیٰ مقام ''جوشش عشق ورشک ہے''یعنی دل کی خواہش تو یہی ہے کہ حبیب بے خلش رقیب جلوہ گر ہو،مگر ''حبیب و رقیب'' شدت مصاحبت سے متلازم ہیں کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے اور ایک کا نہ دیکھنا دوسرے کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہے نظر براں جب رشک جوش کرتا ہے،حبیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کی رویت بے رویت رقیب نہ ہوگی۔اور رویت رقیب ہرگز منظور نہیں۔ اور جب عشق جوش زن ہوتا ہے۔رقیب کو دیکھنا نہیں چاہتا۔کہ اس کا نہ دیکھنا حبیب کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہوگا،اور دیدار حبیب سے محرومی گوارہ نہیں۔

مقام دوم:۔اوسط ''مقام فنائے ارادہ درارادۂ محبوب''یعنی خواہش دل تو وہی کہ حبیب بے رقیب متجلی ہو۔مگر حبیب کا ارادہ اس کا عکس ہے۔وہ چاہتا ہے کہ میں اسے نہ دیکھوں اور رقیب کو دیکھوں کہ غیظ پاؤں اور مراد نہ پاؤں،جب فنائے ارادہ فی ارادۃ الحبیب کا

مقام وارد ہوتا ہے میں اپنی اس خواہش دلی سے درگذر کرتا ہوں۔ ؎

میل من سوئے وصال رقصد او سوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست
فراق ووصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

مقام سوم۔اعلیٰ ''مقام فنافی المحبوب'' کہ خود اپنی ذات ہی باقی نہ رہے۔غیر واضافات،ونسبت،وتعلقات کہاں سے آئیں۔ رقیب کا غیر ہونا ظاہر اور رویت حبیب کا تصور بھی تصور غیر ہے۔کہ رویت تین چیزوں کو چاہتی ہے،رائی،مرئی،اور وہ تعلق کہ ان دونوں میں ہوتا ہے۔ بلکہ حبیب کو جاننا بھی بے تصور نفس ممکن نہیں۔کہ حبیب وہ جس سے محبت ہو۔اور محبت کو ہر دوحاشیہ محبّ ومحبوب واضافت بینہما سے چارہ نہیں۔جب میں ہمہ تن فنا فی المحبوب ہوں۔تو رقیب،حبیب ورویت وعدم رویت کو کون سمجھے؟ اور ارادۂ وخواست کدھر سے آئے؟ لاجرم اس وقت ان میں سے کچھ خواہش نہیں رہتی۔ **اللھم ارزقنا ھذا المقام فی رضاک و صل وسلم وبارک علیٰ مصطفاک والہ واولیائیہ وکل من والاک.**(۱۹)

حضرت رضا بریلوی کا یہ تصور عشق سامنے رکھئے اور ان کی سیرت کا وہ گوشہ دیکھئے جہاں وہ دشمنان خدا ورسول پر شمشیر براں نظر آتے ہیں۔محبت وہ نازک اور لطیف جذبہ ہے جو محبوب کی شان میں کسی توہین اور بے ادبی کو برداشت نہیں کرسکتا۔حضرت رضا بریلوی کی وصیت کے الفاظ ملاحظہ ہوں......فرماتے ہیں......جس سے اللہ ورسول کی شان

میں ادنیٰ توہین پاؤ۔ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو۔ فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو۔ پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ (۲۰)

پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری حضرت رضا بریلوی کے اس انداز پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس میں شک نہیں کہ مخالفین کی قابل اعتراض تحریرات پر فاضل بریلوی نے سخت تنقید فرمائی ہے اور بسا اوقات لہجہ بھی نہایت درشت ہے۔ لیکن کسی مقام پر تہذیب و شائستگی سے گرا ہوا نہیں ہے۔ وہ ناموس مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت میں شمشیر بکف نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے مخالفین، ناموس اسلاف کی حفاظت میں تیغ براں لئے نظر آتے ہیں۔ دونوں کے طرز عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (۲۱)

امام احمد رضا کی تنقید بیجا بے محل اور ناموزوں نہیں ہوتی تھی بلکہ بڑی جچی تلی اور انتہائی سنجیدگی و متانت کی حامل ہوتی تھی۔ ان کی تنقیدات و تعاقبات کا سنجیدہ و متین قاری یہ فیصلہ لئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے بنام تنقید جو بھی تحریر حوالۂ قرطاس کی ہے وہ۔ ؎

از دل خیزد بر دل ریزد

کا صحیح مصداق ہوتی تھی اسی لئے بہت سوں نے ان کی تحریرات کا مطالعہ کر کے راہ حق، صراط مستقیم کو اپنایا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے وہ خود فرماتے ہیں۔

'' دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے .... جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔''(۲۲)

حضرت رضا بریلوی کے سامنے چونکہ اسلامیات کا پورا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا تھا۔اس لئے وہ خوب جانتے تھے کہ ان کے آقا کو اپنی امت سے کتنا پیار تھا پھر بھلا وہ اس تعلق کو بھلا کیسے سکتے تھے اسی لئے انہوں نے اپنے محبوب کی امت میں سے جس فرد یا جماعت کو صراط مستقیم سے بہکا ہوا پایا تو ایک وفادار عاشق کی طرح محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے محبت بھری تنبیہ فرمائی ایسے موقع پر ان کی تحریر سے پیار کی شبنم ٹپکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔وہ جب نسبتوں کے تعلق سے معمولی بھول چوک کو بھی فروگذاشت نہیں کر سکتے تھے تو بھلا تنقیص و توہین کا خفی سے خفی پہلو بھی کیسے گوارہ کر لیتے۔نسبتوں کے تعلق سے اگر تھوڑی سی بے توجہی اور غفلت پائی تو چونک اٹھے۔اور وہ نیاز مندانہ انداز اپنایا کہ قلوب خود بخود نسبتوں کی عظمت کے قائل ہو گئے۔

حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ اپنا واقعہ اور مشاہدہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ انہیں کار افتاء پر لگانے سے پہلے گیارہ روپے کی شیرینی منگائی اور اس پر حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی فاتحہ دلائی شیرینی حاضرین میں تقسیم ہوئی۔پھر کیا ہوا حضرت محدث صاحب علیہ الرحمہ کی زبانی سنئے۔

> ''اچانک اعلیٰحضرت پلنگ سے اٹھ پڑے،سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا......حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے،سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے،دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلی حضرت اس ذرے کو نوک زبان سے اٹھا رہے ہیں۔اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے،اس واقعے کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے اور فاتحہ غوثیہ کی شیرینی کے ایک ایک ذرے کے تبرک ہو جانے میں کسی دوسری

دلیل کی حاجت نہ رہ گئی۔ (۲۳)

حضرت رضا بریلوی کا ایک فتویٰ ہے جس کا عنوان ہے ''النور والنورق'' اس میں مختلف پانیوں کے احکام ذکر کئے ہیں۔ آب زمزم کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ...... ''اس کے ساتھ استنجاء مکروہ ہے کیوں کہ وہ ایک مقدس پانی ہے'' یہ فقہی حکم بیان کرتے ہوئے انہیں خیال آیا کہ کہیں قارئین اس سے یہ نہ سمجھ لیں کہ زمزم کا پانی ہر پانی سے زیادہ پاکیزہ اور افضل ہے۔ کیوں کہ ایک پانی ایسا بھی ہے جو نہ صرف آب زمزم بلکہ کوثر سے بھی افضل ہے۔ اس پانی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''سب پانیوں سے اعلیٰ سب سے افضل دونوں جہاں کے سب پانیوں سے افضل، کوثر سے افضل وہ مبارک پانی ہے۔ جو بارہا براہ اعجاز حضور انور، سید اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے دریا کی طرح بہا اور ہزاروں نے پیا۔ اور وضو کیا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں۔ وہ پانی زمزم و کوثر سب سے افضل ہے مگر اب وہ کہاں نصیب! (۲۴)

حضرت رضا بریلوی کے عشق کا مزاج اور محبت کا بانکپن ملاحظہ ہو جن بے جان چیزوں کو آقائے کونین سے کسی طرح نسبت حاصل ہوگئی ان کا بھی ادب آپ کے مذہب عشق میں ضروری ہوگیا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

> ''حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک، یا جبۂ مقدسہ، یا نعل شریف، یا کاسۂ مطہرہ تبرک کیلئے جس پانی میں دھویا قابل وضو ہے...... ہاں پاؤں پر نہ ڈالا جائے کہ خلاف ادب ہے۔ اگر منہ پر جاری کیا منھ کا وضو ہوگیا، ان کا تو نام پاک لینے سے دل کا وضو ہوجاتا ہے'' پھر اسی حکم کے تعلق سے فائدہ کا عنوان دے کر حاشیہ میں

مسئلہ بیان فرماتے ہیں......مسئلہ ''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار شریفہ، مثل جبۂ مقدس و نعلین مبارک کا غسالہ، شفاء برکت قابل وضوو معطی طہارت ہے مگر پاؤں پر نہ ڈالا جائے۔(۲۵)

علمائے کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف رہا کہ زمزم افضل ہے یا کوثر، شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی شافعی نے فرمایا کہ زمزم افضل ہے کہ شب اسراء ملٰئکہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل مبارک اس سے دھویا۔ حالانکہ وہ آب کوثر لا سکتے تھے ....اس پر اعتراض ہوا کہ زمزم تو سیدنا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عطا ہوا اور کوثر ہمارے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔ تو لازم کہ کوثر ہی افضل ہو۔ امام ابن حجر مکی نے جواب دیا کہ کلام دنیا میں ہے آخرت میں بیشک کوثر افضل ہے۔ اس پر امام احمد رضا فرماتے ہیں......''اس وقت اس مسئلہ پر کلام اپنے علماء سے نظر فقیر میں نہیں اور وہ کہ فقیر کو ظاہر ہوا تفضیل کوثر کو ہے'' پھر کوثر کی افضلیت پر آپ نے پانچ دلائل پیش فرمائے ہیں وہ سب دلیلیں آپ کی طبعزا ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

(۱)............آخرت میں وہی افضل ہے جو عنداللہ افضل ہے اور شک نہیں کہ آخرت میں کوثر افضل ہے۔ تو اب بھی کوثر زمزم سے افضل ہے۔

(۲)............ زمزم دنیا کا پانی ہے اور کوثر آخرت کا۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے بے شک آخرت درجوں میں بڑی ہے اور فضیلت میں زائد۔

(۳)............کوثر کا پانی جنت سے ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ کوثر میں جنت سے دو پرنالے گر رہے ہیں ایک سونے کا ایک چاندی کا، اور فرماتے ہیں سن لو اللہ کا مال بیش بہا ہے سن لو اللہ کا مال جنت ہے۔

(۴)............کوثر کا پانی امت مرحومہ کے لئے زیادہ نافع ہے ایک قطرہ جس

کے حلق میں جائے گا ابدالآباد تک کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ نہ کبھی اس کے چہرے پر سیاہی آئے۔

(۵)............اللہ عزوجل نے عطائے کوثر سے اپنے حبیب افضل الرسل ﷺ پر احسان عظیم رکھا کہ ''انا اعطینک الکوثر'' بے شک ہم نے کہ عظمت والے ہیں تم کو کہ بے مثل و یکتا ہو کوثر عطا فرمایا............تو کوثر کی عظمت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اللہ عزوجل ہم فقرائے بے قدر کو بھی اپنے حبیب کریم ﷺ کے کف کرم سے اس میں سے پینا نصیب فرمائے۔ آمین (۲۶)

اس فاضلانہ بحث سے کوثر اور زمزم کا جو فرق ابھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے......
کہ زمزم کی نسبت حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی طرف ہے اور کوثر کی حضور محبوب رب العالمین کی طرف۔ اور ہر وہ چیز جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف نسبت حاصل ہوجائے افضل ہے۔ پھر امام احمد رضا جیسا متبحر عالم جانباز عاشق رسول کوثر پر زمزم کی فضیلت کیسے تسلیم کر لیتا۔ گرچہ علمائے احناف کے اقوال پیش نظر نہیں تھے مگر زور طبع اور جودت فکر سے کوثر کی فضیلت پر دلائل کے انبار لگا دیئے جن کے سطر سطر سے ان کا عشق خاموش بولتا، مسکراتا اور جھانکتا معلوم ہوتا ہے۔ اور اخیر سطر کہ ''اللہ عزوجل ہم فقرائے بیقدر کو بھی اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے کف کرم سے پینا نصیب فرمائے'' میں تو عشق کا جہان آباد فرما دیا ہے، سبحان اللہ کیسی پاکیزہ تمنا اور سعادت اندوز حسرت ہے۔ اس ایک حسرت پر کونین کا ہر عیش و عشرت قربان۔

علماء کے درمیان یہ مسئلہ بھی بڑا معرکتہ الآرا رہا ہے کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ اپنے اپنے انداز اور پرواز خیال کے دائرے میں سب نے شواہد و حقائق کے اجالے ہی میں گفتگو کی ہے مگر عاشق جمال مصطفوی حضرت رضا بریلوی کے عارفانہ حل اور عاشقانہ جواب کی بات ہی کچھ اور ہے۔ مختلف پیرایۂ بیان میں ایک ہی سیل عشق کی روانی ہے۔ جو جذبۂ محبت

کی کہانی سنا رہی ہے۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے
عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو
مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر و شر کی ہے
شان جمال طیبۂ جاناں ہے نفع محض
وسعت جلال مکہ میں سود وضرر کی ہے

کعبہ اللہ کا گھر ہے اور گنبد خضرا سرور کونین کا کاشانہ، دل ناصبور سخت حیران ہے کہ کس کو افضل جانے؟ خدا کے گھر کو کہ محبوب خدا کی آرامگاہ کو۔ یہ وہ نازک فیصلہ ہے جو کوئی بندۂ عشق ہی کر سکتا ہے، سنئے عاشق مصطفیٰ امام احمد رضا کیا کہتے ہیں۔ اور داد دیجئے ان کے عشق وعقیدت کے انداز کو کہ محبّ کی شان بھی بچالی اور محبوب پر آنچ بھی نہ آنے دی......فرماتے ہیں۔

کعبہ ہے بے شک انجمن آرا دلہن مگر
ساری بہار دلہنوں میں دولہا کے گھر کی ہے
کعبہ دولہن ہے تربت اطہر نئی دلہن
یہ رشک آفتاب وہ غیرت قمر کی ہے
دونوں بنیں سجیلی ، انیلی دولہن مگر
جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے
سر سبز وصل یہ ہے سیہ پوش ہجر وہ
چمکی دو پٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

فرش گیتی پر صحابہ کرام وہ مقدس نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے بلا واسطہ خورشید رسالت سے اکتساب نور و فیض کیا۔ قرآن اور صاحب قرآن کے حسین جلوؤں سے جن کے دل کی آبادی ہمیشہ مست و شاداب رہی۔ جن کی عظمت و شان کا خطبہ قرآن کریم نے پڑھا۔

حضرت رضا بریلوی کو صحابۂ کرام سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ ان کی شان سے گرا ہوا کوئی لفظ سننا نا قابل برداشت ہو جاتا تھا۔ اور اس پر اپنی ناگواری کا برملا اظہار کئے بغیر نہیں رہتے خواہ یہ غلطی کسی بڑے سے بڑے آدمی ہی سے کیوں نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ علامہ طحطاوی جیسے عظیم فقیہ نے ایک جگہ یہ جملہ کہہ دیا کما توھم بعض الصحابۃ جیسا کہ بعض صحابہ کو وہم ہوا ہے۔ صحابہ کرام کی طرف وہم کی نسبت کرنا حضرت رضا بریلوی کو سخت ناگوار گذرا اور فوراً تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اقول ہذا اللفظ بعید عن الادب فلیجتنب'' میں کہتا ہوں یہ لفظ ادب سے بعید ہے اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔(۲۷)

سوچنے کی بات ہے جب وہ صحابہ کے لئے ایسے الفاظ سننے کے لئے تیار نہیں جن سے ان کی معمولی سی بھی تخفیف شان ہوتی ہو تو پھر آقائے کونین کے بارے میں ان کے تطہیر خیال، علوئے فکر، نظافت الفاظ، نفاست بیان کا اندازہ کون کرسکتا ہے، ان کی شخصیت کے جس رخ کو دیکھئے وہ تو بس رخ روشن کی تجلیات پر فکر و تصور کی متاع گراں بہا لٹانے ہی میں مصروف نظر آتے ہیں اور اس تصور میں وہ ایسے مست تھے کہ ہر بندۂ مومن سے وہ اسی جذبۂ احترام کی امید کرتے تھے ان کے اپنے متعینہ عشق کی حدود سے متجاوز الفاظ و انداز پر ان کی غیرت کا تیور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے...... سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ کبھی کبھی بعض احباب ''ص''، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' اور انبیائے کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ ''ع'' ''م'' لکھ دیتے تھے، یہ انہیں سخت ناپسند تھا بلکہ وہ اسے کفر سمجھتے تھے، ایک خط میں ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کو لکھتے ہیں......

تاتارخانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے حاشیہ درر میں بالواسطہ

نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے ساتھ علیہ السلام کا اختصار 'ع' 'م' لکھنا کفر ہے، کہ تخفیف شان نبوت ہے۔ (۲۸)

محسوس یہ ہوتا ہے کہ ان کی سوچ وفکر پر بھی غیرت عشق کے پہرے بیٹھے تھے ہر وقت ان کی نگاہیں عظمت محبوب کائنات کا نظارہ کرنے ہی میں محو رہتی تھیں۔ ان کی رگ رگ میں جو ہم ''عشق'' کے شرارے دیکھتے ہیں یہ جلوۂ محبوب میں ڈوبے ڈوبے رہنے ہی کا فیضان معلوم ہوتا ہے۔ اب تو سیرت سرکار دوعالم کے عرفان کے لئے آپ کی شخصیت معیار کامل کا درجہ حاصل کرچکی ہے۔ اساطین علم وفن جب کسی فکر میں عاجز ہوجاتے تو آپ کی یاد آتی اور آپ کی شخصیت کے حوالے سے فکر وفن کا جائزہ لیا جاتا اور حیرت یہ ہے کہ کبھی کسی کو آپ کی بارگاہ سے مایوسی نہیں ہوئی۔ عظیم مورخ مولانا شاہ محمود احمد رفاقتی تحریر فرماتے ہیں۔

''حکیم عبدالطیف فلسفی (خاندان اطبائے لکھنؤ کے چشم وچراغ اور طیبہ کالج مسلم یونیورسیٹی علی گڈھ کے پرنسپل تھے) نے ایک موقع پر بیان فرمایا تھا کہ دارالعلوم معینیہ، عثمانیہ، اجمیر شریف کے ایک امتحان کے موقع پر نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی سابق صدر امور مذہبی حیدر آباد دکن نے اکابر علماء حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی، حضرت مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولروی، استاذ العلماء مولانا مشتاق احمد کانپوری حضرت مولانا سید سلیمان اشرف، چیرمین اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسیٹی علی گڈھ سے دریافت کیا کہ ''حضور انور ﷺ کے عمامہ شریف میں کتنے پیچ ہوتے تھے؟ مولانا سید سلیمان اشرف نے فرمایا اس کا جواب صرف مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ دیتے مگر افسوس کہ وہ اب اس دنیا میں

نہیں،مولانا کے اس فرمان کی تمام علماء نے تائید کی‘‘(29)

بس یہ کہ عشق مصطفٰے کی چلتی پھرتی تصویر کا نام تھا احمد رضا ،عظمت صحابہ کے پاسبان کا نام تھا احمد رضا۔اکابرین ملت کی توقیر و تعظیم کے داعی کا نام تھا احمد رضا وہ اس دھرتی پر محبوب خدا کی محبت کا امین بلکہ نمائندہ تھا۔ذرا ان کی محبت کا یہ نرالا انداز دیکھئے۔

’’جب کوئی صاحب حج بیت اللہ شریف کر کے خدمت میں حاضر ہوتے پہلا سوال یہی ہوتا کہ سرکار میں حاضری دی؟اگر اثبات میں جواب ملا۔فوراً ان کے قدم چوم لیتے اور اگر نفی میں جواب ملا پھر مطلق تخاطب نہ فرماتے،ایک بار ایک حاجی صاحب حاضر ہوئے۔ چنانچہ حسب عادت کریمہ یہی استفسار ہوا کہ سرکار میں حاضری ہوئی،وہ آبدیدہ ہو کر عرض کرتے ہیں ہاں حضور مگر صرف دو روز قیام رہا،آپ نے فوراً قدمبوسی فرمائی اور ارشاد فرمایا’’وہاں کی سانسیں بھی بہت ہیں آپ نے تو بحمد اللہ دو دن قیام فرمایا(30)

یوں تو آپ کی سیرت و شخصیت کا ہر پہلو گوہر تابدار ہے۔قلم کی ہر تحریر عظمت و وقار کا شاہکار ہے۔لیکن خاص طور پر شان الوہیت،مقام نبوت،اور مرتبۂ ولایت جیسے موضوعات پر جب دفاعی مورچہ سنبھالا ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔دامن قرطاس پر دلائل کے ڈھیر نہیں لعل و گوہر کے خزینے ہیں جو ادب احتیاط کی پیشانی کا جومر بن کر دلوں کی اجڑی زمین کو درخشاں کر رہے ہیں۔آپ کی شخصیت کی اس عظمت کا اعتراف ان کے اپنے اور پرائے سب کو ہے............ برصغیر کے مشہور دانشور مولانا کوثر نیازی اعتراف حقیقت کی ترجمانی یوں کرتے ہیں......

’’میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم و مغفور سے لیا ہے۔کبھی کبھی

اعلیحضرت کا ذکر آجاتا تو مولانا کاندھلوی فرمایا کرتے ، مولوی صاحب !......مولانا احمد رضا خان کی بخشش تو انہی فتووں کے سبب ہوجائے گی ، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، احمد رضا تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا تم نے سمجھا کہ انہوں نے توہین رسول کی تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کر دی''۔

کم وبیش اسی انداز کا واقعہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سے میں نے سنا، فرمایا۔

''جب حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی وفات ہوئی۔ تو حضرت مولانا اشرف علی کو کسی نے آ کر اطلاع دی، مولانا تھانوی نے بے اختیار دعاء کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے، جب وہ دعاء کر چکے تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ (اور یہی بات سمجھنے کی ہے) کہ مولانا احمد رضا خاں نے ہم کو کفر کے فتوے اس لئے لگائے کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے توہین رسول کی ہے اگر وہ یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہوجاتے''۔ حقیقت میں جسے لوگ امام احمد رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں وہ بارگاہ رسالت میں ان کے ادب واحتیاط کی روش کا نتیجہ ہے (۳۱)

بارگاہ رسول سے ان کے مثالی لگاؤ، آستان عرش نشان کی عظمت وتقدس تاجدار حرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کیسی کیسی سعادتوں کی حامل ہے اور محرومی کیسی کیسی شقاوتوں کی غماز ہے۔ جذبات محبت کی ترنگ ،قلم کی جولانی عشق کا

شباب حریم محبت کے محرم راز کی تحریر پر تنویر سے عیاں ہے۔''لاتشدوالرحال'' والی حدیث سے ابن تیمیہ نے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ روضۂ رسول کی زیارت کے قصد سے مدینہ طیبہ کا سفر کرنا ناجائز وحرام......حالانکہ اس کے فضائل سے کتاب وسنت اور کتب اسلاف لبریز ہیں۔اور زیارت کے مانعین وتارکین کے لئے سخت وعیدیں وارد ہیں۔حضرت رضا بریلوی ''ابن تیمیہ'' کے اس غلط استدلال کا محاسبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''طرفہ یہ ہے کہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس امر کی طرف بہ تاکید بلائے اور اس کے ترک پر وعید فرمائے۔اس کا قصد ناجائز قرار پائے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''**انما الاعمال بالنیات** '' یہ عجب کار ثواب ہے جس کی نیت موجب عذاب ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔وہی حدیث لاتشدوالرحال۔ائمہ دین نے تصریح فرمائی وہاں ان تینوں مسجدوں کے سوا اور مسجد کے لئے بالقصد سفر کرنے سے ممانعت ہے۔ورنہ زنہار الفاظ حدیث طلب علم، اصلاح مسلمین، جہاد، تجارت حلال اور ملاقات صالحین وغیرہا مقاصد کے لئے سفر سے مانع نہیں۔اور قاطع نزاع یہ ہے کہ بعینہ یہی حدیث بروایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں بسند حسن یوں روایت کی۔**لا ینبغی ان تشد رحالہ الی مسجد تبتغی فیہ الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام والاقصیٰ ومسجد ی ھذا** (ترجمہ) ناقہ کو سزاوار نہیں کہ اس کسے کجاوے کسی مسجد کی طرف بغرض نماز کے جائیں سوا مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے، تو خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے حضور کی مراد واضح ہوگئی۔

والحمد للہ رب العالمین۔(۳۲)

کسی سائل نے آپ سے استفتاء کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت شریف کا کیا حکم ہے۔اور باوجود قدرت اس کا تارک یا مانع ومنکر فضل شرعاً کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں ناموس رسالت کی حرمتوں کے پاسبان حضرت رضا بریلوی نے ایک جامع رسالہ ''البارقۃ الشارقہ علیٰ مارقۃ المشارقۃ'' سپرد قلم فرمایا پورا فتویٰ عقل ونقل اور فکر واستدلال کے بے شمار شواہد سے لبریز ہے۔اور سطر سطر عشق وادب کے کیف میں شرابور ہے۔ذیل میں اسی فتوے کی تلخیص ملاحظہ ہو۔

''زیارت سراپا طہارت حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالقطع والیقین باجماع مسلمین افضل قربات واعظم حسنات سے ہے، جس کی فضیلت وخوبی کا انکار نہ کرے گا مگر گمراہ بددین، یا کوئی سخت جاہل، سفیہہ غافل، سخرۂ شیاطین والعیاذ باللہ رب العالمین اس قدر پر تو اجماع قطعی قائم اور کیوں نہ ہو خود قرآن عظیم اس کی طرف بلاتا۔ اور مسلمانوں کو رغبت دلاتا ہے۔ **قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدو اللہ توابا الرحیما** ۔(ترجمہ)اگر ایسا ہو کہ وہ جب اپنی جانوں پر ظلم (یعنی گناہ وجرم) کریں تیری بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوں۔پھر گناہ سے مغفرت مانگیں۔ اور مغفرت چاہے ان کے لئے رسول تو بے شک اللہ عزوجل کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے''۔

امام سبکی ''شفاء السقام'' اور شیخ محقق ''جذب القلوب'' میں فرماتے ہیں...... علماء نے اس آیت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے حال حیات، حال و فات دونوں حالتوں کو شمول سمجھا، اور ہر مذہب کے مصنفین مناسک نے وقت حاضری مزار پر انوار اس آیت کی تلاوت کو آداب زیارت سے گنا...... ابن عدی وغیرہ کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من حج ولم یزرنی فقد جفانی۔ جو حج کرے۔ اور میری زیارت کو حاضر نہ ہو بے شک اس نے مجھ پر جفا کی۔ علامہ علی قاری ''شرح لباب'' میں اس سند کو حسن اور وہی ''شرح شفا'' و ''درر مضیہ'' اور امام ابن حجر ''جوہر منظّم'' میں محتج بہ فرماتے ہیں۔ انہیں دونوں کتابوں میں فرمایا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جفا حرام ہے تو زیارت نہ کرنا متضمن جفا ہے۔ حرام ہوا۔ اسی طرح ترک زیارت کے موجب جفا ہونے میں متعد حدیثیں آئیں کہ حضرت والا علامہ قدس سرہ (والد ماجد رضا بریلوی) نے ''جواہر البیان'' شریف میں ذکر فرمائیں، اور شک نہیں کہ افراد میں اگرچہ کلام ہو۔ مجموعہ حسن تک مترقی حسن اور حسن اگرچہ لغیرہ ہو محل احتجاج میں کافی...... جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام میں سکونت اختیار فرمائی، خواب میں حضور پر نور سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے شرفیاب ہوئے کہ ارشاد فرماتے ہیں ماھذہ الجفوۃ یابلال اماان لک ان تزورنی یابلال۔ بلال یہ کیا جفا ہے اے بلال کیا ابھی تجھے وہ وقت نہ آیا کہ میری زیارت کو حاضر ہو۔ بلال رضی اللہ عنہ۔ غمگین وترساں وہراساں بیدار اور فوراً بہ قصد مزار پرانوار جانب مدینہ شد الرحال فرمایا۔ جب شرف حضور پایا قبر انور کے حضور رونا اور منہ اس خاک پاک پر ملنا شروع کیا۔ دونوں

صاحبزادے حضرت حسن وحسین تشریف لائے، بلال رضی تعالیٰ عنہ، انہیں سینے سے لگا کر پیار کرنے لگے، شہزادوں نے فرمایا ہم تمہاری اذان کے مشتاق ہیں۔ بہ شغف مسجد انور پر جہاں زمانۂ اقدس میں اذان دیتے تھے۔ گئے جس وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کہا۔ تمام مدینہ میں لرزہ پڑ گیا۔ جب اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا لرزہ دو بالا ہوا۔ جب اس لفظ پر پہنچے اشھد ان محمد رسول اللہ، کنواری نوجوان لڑکیاں پردوں سے نکل آئیں۔ اور لوگوں میں غل پڑ گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مزار پرانوار سے باہر تشریف لے آئے۔ انتقال حضور ذی الجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی دن مدینہ منورہ کے مرد وزن میں وہ رونا نہ پڑا تھا جو اس دن ہوا۔ ؎

در نمازم خم ابروئے تو یاد آمد
حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد

حنفیہ زیارت شریف کو قریب بہ واجب کہتے ہیں اور اسی طرح مالکیہ، حنبلیہ نے تصریح کی ہماری کتب مذہب میں، (۱) مناسک (فارسی) (۲) وطرابلسی، (۳) وکرمانی، (۴) اختیار شرح مختار، (۵) وفتاویٰ ظہیریہ، (۶) وفتح القدیر، (۷) وخزانۃ المفتین، (۸) ومنسک ومتوسط (۹) ومسلک مقتسط، (۱۰) ومنح الغفار (۱۱) مراقی الفلاح (۱۲) وحاشیہ طحاوی علی المراقی (۱۳) ومجمع الانہر، (۱۴) وسن الھدیٰ (۱۵) وعالمگیری وغیرہا میں اس کے قریب واجب ہونے کی تصریح وتقریر بلکہ خود صاحب مذہب سیدنا امام اعظم سے اس پر نص منقول جذب القلوب میں ہے "زیارت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزد ابی حنیفہ از افضل مندوبات واوکد مستحبات است۔ قریب بہ درجۂ واجبات............ بہرحال جزم کیا جاتا ہے۔ کہ باوجود قدرت تارک زیارت قطعاً محروم وملوم وبدبخت۔ ومشوم آثم وگنہگار، وظالم

وجفا کار ہے۔ والعیاذ باللہ عمالا یرضاہ، لاجرم علمائے دین، وائمہ معتمدین۔ تارک زیارت پر طعن شدید و تشنیع مدید کرتے آئے کہ ترک، مستحب پر ہرگز نہیں ہوسکتی۔

علامہ رحمتہ اللہ علیہ تلمیذ امام ہمام نے لباب میں فرمایا ترک زیارت بڑی غفلت اور سخت بے ادبی ہے۔ امام ابن حجر مکی نے ''جوہر منظّم'' میں تارک زیارت پر قیامت کبریٰ قائم فرمائی۔ فرماتے ہیں۔ خبردار ہو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجھے حد درجہ ڈرایا۔ اور اس کی آفتوں سے وہ کچھ بیان فرمایا کہ اگر تو اسے غور سے سمجھے تو اپنے اوپر ہلاکت و بد انجامی کا خوف کرے۔ حضور نے صاف فرمادیا ترک زیارت جفا ہے۔

حضرت رضا بریلوی اقوال واحادیث کی روشنی میں تارک زیارت کا حکم صادر کرتے ہوئے فرماتے ہیں...... ''وہ عشق نامراد، ذلیل وخوار، مستحق نار، خدا ورسول سے دور ہے اس پر ان سب عذابوں پر، مردود بارگاہ ہونے کی دعاء حضرت جبرئیل امین اور حضور سید المرسلین نے فرمائی۔ وہ راہ جنت بھول گیا۔ حد بھر کا بخیل، ملعون، بے دین ہے۔ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار جمال جہاں آرا سے محروم رہے گا، **والعیاذ بااللہ تعالیٰ**''(۳۳)

یہ ہے حضرت رضا بریلوی کی شخصیت اور ان کے عشق کا تیور کہ شہر محبوب خدا میں عدم حاضری کے لئے جولوگ حیلے بہانے بناتے اور راہ فرار اختیار کرنے کی دھن میں ہوتے ہیں ان کی غیرت دینی حمیت مذہبی کو ایسا للکارا اور ان کے فکر وخیال کی مصنوعی دیوار پر دلائل وحقائق کا وہ پتھر برسایا کہ بنیادیں ہل گئیں۔ تار و پود بکھر گئے ہیں۔ ورق ورق ناموس عشق کی پاسبانی کررہا ہے۔ اور صفحہ صفحہ غیرت حق کا خطبہ پڑھ رہا ہے۔ اس مدلل فتویٰ کی روشنی میں یہ حقیقت واشگاف فرمادی ہے کہ بارگاہ رسول کی حاضری قریب بہ واجب اور سرفرازی کونین کی ضامن ہے۔ اور ترک زیارت اپنے محسن نبی پر جفا اور شقاوت دارین کا باعث ہے۔ قبول حق اور انصاف پسندی کی حرارت اگر نقطۂ انجماد تک نہیں پہنچی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس

کی روشنی اور رہبری میں آوارہ فکریں منزل نہ پائیں اور دل ودماغ کے خشک سوتے عشق نبوی کے آب زلال سے سرشار نہ ہوجائیں۔ یہ ان کا کمال عشق ہے کہ وہ زندگی وبندگی کے ہر معاملے میں عشق مصطفےٰ کی چنگاری تلاش کرتے ہیں۔ وہ عشق مصطفےٰ سے ہٹ کر کسی عبادت وریاضت کے قائل نہیں بلکہ وہ تو اسے ہباءً منثوراً، بیکار اور ناکارہ سمجھتے ہیں۔ سرکار کی محبت کو اصل الاصول کا درجہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ ؎

صدیق بلکہ غار میں جاں ان پہ دے چکے
اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے
مولیٰ علی نے واری تیری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

اور اپنے ملفوظات شریف میں فرماتے ہیں۔

''قیامت کے دن ایک شخص حساب کے لئے بارگاہ رب العزت میں لایا جائے گا اس سے سوال ہوگا کیا لایا؟ وہ کہے گا۔ میں نے اتنی نمازیں پڑھیں۔ علاوہ فرض کے، اتنے روزے رکھے۔ علاوہ ماہ رمضان کے۔ اس قدر خیرات کی، علاوہ زکوٰۃ کے۔ اور اس قدر حج کئے۔ علاوہ حج فرض کے۔ وغیر ذلک۔ ارشاد باری ہوگا'' ھـــــل

ولیت لی ولیا دعادیت لی عدواً

کبھی میرے محبوں سے محبت اور میرے دشمنوں سے عداوت بھی رکھی'' تو عمر بھر کی عبادت ایک طرف اور خدا ورسول کی محبت ایک طرف، اگر محبت نہیں سب عبادات وریاضات بیکار۔ (۳۴)

اسی میں دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

''نماز ہو یا کوئی عمل صالح وہ سب اس سرکار کی غلامی و بندگی کی فرع ہے جب تک ان کا غلام نہ ہو لے کوئی بندگی کام نہیں دے سکتی ولہٰذا قرآن عظیم میں ان کی تعظیم کو اپنی عبادت سے مقدم رکھا کہ فرمایالتو ٔ منو ا بالله ورسوله وتعزروه و توقروه و تسبحوه بكرة و اصيلا تا کہ تم ایمان لاؤاللہ ورسول پر اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔ اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔ یعنی نماز پڑھو۔ تو سب میں مقدم ایمان ہے کہ بے اس کے تعظیم رسول مقبول نہیں۔ یوں تو عبداللہ تمام جہان ہے مگر سچا عبداللہ وہ ہے جو'' عبد مصطفےٰ'' ہے ورنہ عبد شیطان ہوگا والعیاذ باللہ تعالیٰ۔(۳۵)

اللہ کا بندہ ہونا آسان ہے مگر راز بندگی کو سمجھنا بندگی کی تہہ میں چھپے ہوئے لعل وگہر سے آشنا ہونا۔ اور شان بندگی کو اس انداز سے دیکھنا جس انداز سے حضرت رضا بریلوی نے دیکھا ہے یہ انہیں کے عشق کا حصہ ہے۔ عبداللہ بن جانے کی طرف جو آپ نے اشارہ کیا ہے وہ خود آپ کے فنا فی الرسول سے فنا فی اللہ ہو جانے کا روشن ثبوت ہے......فہم کا یہی عروج۔ فکر کا یہی ارتقاء اور فنا للبقاء کا یہی وہ داعیہ تھا جس نے آپ کو اپنے آبائی نام ''احمد رضا'' کے ساتھ ''عبدالمصطفیٰ'' لکھنے پر مجبور کیا تھا اور اپنے اس انداز محبت پر ان کو اتنا ناز تھا کہ ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے'' عبد مصطفےٰ ''
تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

آپ اپنے دستخط میں احمد رضا کے ساتھ ہمیشہ عبدالمصطفیٰ لکھتے تھے۔ لیکن اس کے بعد عبدالمصطفیٰ پر بے شمار اعتراضات ہوئے کسی نے ایک سوال لکھ کر اعلیٰ حضرت رضا

بریلوی کی بارگاہ میں بھیجا............''زید کہتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں ہر کتاب اور ہر خط میں لکھتے ہیں ''راقم عبدالمصطفٰے'' خدا جل جلالہ کے سواد دوسرے کا عبد کوئی کیسے بن سکتا ہے۔اس کا جواب اعلیٰ حضرت بریلوی نے مفصل طور پر تحریر فرمایا۔

''الجواب''......اللہ عزوجل فرماتا ہے ''**وانکحو الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم**''ہمارے غلاموں کو ہمارا بندہ فرمایا کہ تم میں جو عورتیں بے شوہر ہوں انہیں بیاہ کردو اور تمہارے بندوں اور تمہاری باندیوں میں جو لائق ہوں ان کا نکاح کردو'' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' **لیس علی المسلم فی عبدہٖ ولا فی فرسہ صدقۃ**''۔مسلمان پر اس کے بندے اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم اور باقی سب صحاح میں موجود ہے۔ امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع فرما کر علانیہ فرمایا کہ'' **کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکنت عبدہ وخادمہ** ''میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میں حضور کا بندہ اور خدمت گار تھا۔ یہ حدیث شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے'' ازالۃ الخفاء؟ بحوالہ ابوحنیفہ وکتاب الریاض النضرۃ لکھی اور اس سے سند لی اور مقبول رکھی، مثنوی شریف میں قصۂ خریداری بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی۔ ؎

گفت ما دو بندگان کوئے تو　　　کردمش آزاد ہم بروئے تو

اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ **قل یعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطوا من رحمتہ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم**۔حضرت مولوی معنوی قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

بندۂ خود خواند احمد در رشاد　　　جملہ عالم را نجواں قل یعباد

مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب نے حاشیہ شمائم امدادیہ میں قرآن کریم کا یہی مطلب ہونے کی تائید کی ہے کہ "تمام جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بندہ ہے ....عبداللہ بمعنیٰ خلق خدا وملک خدا تو ہر مومن و کافر ہے۔مگر مومن وہی ہے جو عبدالمصطفیٰ ہے۔امام الاولیاء مرجع العلماء حضرت سیدنا سہیل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔"**من لم یر نفسه فی ملک النبی صلی اللہ علیه وسلم لایذوق حلاوة الایمان**"۔

جو اپنے آپ کو نبی ﷺ کا مملوک نہ جانے ایمان کا مزہ نہ چکھے گا۔آخر نہ دیکھا جب اللہ عزوجل نے محمد ﷺ کا نور سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی میں ودیعت کیا اور اس نور کی تعظیم کے لئے تمام ملائکہؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کا حکم دیا سب نے سجدہ کیا۔ابلیس لعین نے نہ کیا۔کیا وہ اس وقت عبداللہ ہونے سے نکل گیا۔اللہ کا مخلوق اللہ کا مملوک نہ رہا،حاشا یہ تو ناممکن ہے۔بلکہ نور مصطفیٰ کی تعظیم کو نہ جھکا عبدالمصطفیٰ نہ بنا لہٰذا مردود ابدی معلون سرمدی ہوا۔آدمی کو اختیار ہے چاہے عبدالمصطفیٰ بنے اور ملٰئکہؑ مقربین کا ساتھی ہو۔یا اس سے انکار کرے اور ابلیس لعین کا ساتھ دے والعیاذ باللہ رب العالمین واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(فتاویٰ افریقہ امام احمد رضا۔(۳۶)

حضرت رضا بریلوی کمال کے متلاشی تھے اسی لئے ان کی نظریں سراپائے محبوب، تذکرہ محبوب میں کمال کو تلاش کر کے ہی رہتی تھیں۔ان کا معیار محبت اتنا بلند تھا کہ اس بلندی کو جھانکتے ہوئے کجکلاہان زمانہ کی کجکلاہی عاجز ہے۔تاہم بہت سے حضرات نے ان کے "شدت عشق" کو عقل کے پیمانے سے ناپنے کی کوشش کی ہے۔جذب محبت کو مختلف انداز سے سمجھا اور بیان کیا ہے۔اور اس ضمن میں طعن وطنز کے تیر بھی چلائے ہیں۔شاید وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ دشمن کون ہے۔اور دوست کون۔اللہ اور اس کے رسول کا وفادار

کون ہے۔اورغدارکون،کون کلیجے سے لگائے جانے قابل ہے اورکون ٹھکرادیئے جانے کے لائق۔دوستی کا اصل معیار کیا ہے۔حضرت رضا بریلوی نے باب مدینۃ العلم حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کے قول سے اس کی عقدہ کشائی کی ہے۔اور معیار محبت کونکھار کر پیش کر دیا ہے۔اوراس معیار محبت کی روشنی میں اپنی شخصیت کے بعض نجی پہلوکواس طرح بیان کیا ہے کہ ایمان کی کلیاں جھومنے لگتی ہیں۔ملاحظہ ہوں انہیں کی زبانی۔

''امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔الاعداء ثلثة عدوک وعدو صدیقک وصدیق عدوک۔دشمن تین ہیں ایک تیرادشمن،ایک تیرے دوست کا دشمن اور ایک تیرے دشمن کا دوست،اللہ عزوجل کے دشمن تینوں قسم کے ہیں۔ایک تو ابتداءًاس کے دشمن،دوسرے وہ کہ محبوبان خدا کے دشمن ہیں۔تیسرے وہ کہ ان دشمنوں میں کسی کے دوست ہیں...... ہر مسلمان پر فرض اعظم ہے کہ اللہ کے سب دوستوں سے محبت رکھے۔اوراس کے سب دشمنوں سے عداوت رکھے یہ ہمارا عین ایمان ہے............بحمد اللہ تعالیٰ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اللہ کے سب دشمنوں سے دل میں سخت نفرت ہی پائی۔''(۳۷)

اسی میں آگے چل کر ہے............''الحمدللہ کہ میں نے مال من حیث ھو مال سے کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاقاً فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔اسی طرح اولاد من حیث ھواولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلہ رحم عمل نیک ہے اس کا سبب اولاد ہے،اور یہ میری اختیاری بات نہیں۔میری طبیعت کا تقاضہ ہے۔(۳۸)

حضرت رضا بریلوی اپنی محبت کے اسی میزان پر سب کوتولتے تھے ذراسی بھی اگر کمی پائی یا جھول دیکھا۔یا ٹال مٹول کی کیفیت پائی تو فوراً آپ نے تنبیہ کیا۔مان گیا۔توٹھیک ہے ورنہ شرعی حکم سامنے رکھدیا،بہت سے لوگ جواس معیار پر پورانہیں اترتے تھے۔پھر نتیجہ کے طور پر حضرت رضا بریلوی کے محاسبہ وتنقید کا شکار ہوجاتے تھے۔

دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا بیگانہ، چھوٹا ہو یا بڑا جو بھی حضرت رضا بریلوی کے اس معیار کی زد پر پڑا کٹ کے رہ گیا، وہ پورے عالم اسلام کے رہنما تھے، عالم اسلام کیلئے ان کا ضابطہ تھا،

کہیں سے بھی کسی نے اگر ادب وتوقیر میں کمی ہے تو آپ نے فوراً ٹوکا تعلیم ادب سے نوازا۔

پوسٹ کارڈ وغیرہ کھلے کاغذ پر عام طور پر لوگ بڑی بے تکلفی سے اللہ اور رسول کا نام لکھتے ہیں۔لیکن امام احمد رضا کا جذبۂ عشق واحتیاط دیکھئے وہ پوسٹ کارڈ وغیرہ پر اپنے مطلوب ومحبوب کا نام نامی اس لئے نہیں لکھتے تھے کہ کھلا ہونے کی وجہ سے نہ معلوم اس پر کس کس کا ہاتھ پڑے گا۔ان کے محبوب کے نام اقدس پر ہر کسی کا ہاتھ پڑا کرے یہ ان کو گوارہ نہیں تھا۔فرماتے ہیں......''میں کبھی تین چیزیں کارڈ پر نہیں لکھتا۔اسم جلالت'' اللہ اور محمد، اور احمد اور نہ کوئی آیت کریمہ مثلاً اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنا ہے تو یوں لکھتا ہوں۔حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام، یا اسم جلالت کی جگہ مولیٰ تعالیٰ۔(۳۹)

ان کا مزاج کیسا ادب شناس، احترام آشنا، اور تعظیم وتوقیر کے تقاضوں سے آگاہ تھا۔سرور کائنات کے حضور انہیں ایسے الفاظ کا استعمال بھی پسند نہیں تھا جس سے تصغیر کی بو آئے۔ایک بار حضرت مولانا سید شاہ اسماعیل حسن میاں نے آپ سے سیزدہ درود شریف نقل کرایا۔حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت میں لفظ حسین اور زاہد بھی تھا۔حضرت نے نقل میں یہ دو لفظ تحریر نہ فرمائے اور فرمایا کہ حسین صیغۂ تصغیر ہے، اور زاہد اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ان الفاظ کا لکھنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔لیکن پھر میاں کے حکم کا احترام کرتے ہوئے نہایت لطافت کے ساتھ حسین کا لفظ اس طرح استعمال فرمایا کہ یہی صیغۂ تصغیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر کر رہا ہے اب درود شریف کی عبارت یوں ہوگئی۔اللھم صل

وسلم وبارک علی سیدنا ومولانا محمد ن المصطفیٰ رفیع المکان المرتضی علی الشان . الذی رجیل من امته خیرمن رجال السالفین وحسین من زمرته. احسن من کذا وکذا وحسنا من السابقین۔ (۴۰)

درود شریف کی تکمیل بھی ہوگئی۔لفظ حسین کا موزوں استعمال ہوگیا۔میاں صاحب کی بات بھی رہ گئی اورادب کی پیشانی پربل بھی نہیں آیا۔آپ کا یہ وہ وصف ہے۔جس نے ارباب نظر اورصاحب دل سب سے یکساں دادتبریک وصول کیا ہے۔ان کا سب کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھا۔نہ کسی کی تعریف سے مطلب،نہ کسی کی ملامت کا خوف تھا۔حدیث شریف من احب للہ واعطیٰ للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان کے مصداق تھے۔آپ کسی سے محبت کرتے تو اللہ ہی کے لئے،مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لئے،کسی کو کچھ دیتے تو اللہ ہی کے لئے۔اورکسی کو منع کرتے تو اللہ ہی کے لئے۔اگر وہ بدمذہبوں اور بے دینوں پر اشد تھے،تو دینداروں اورعلمائے اہلسنت کے لئے رحماء بینھم کی زندہ تصویر بھی تھے۔الکوکتبہ الشہابیہ میں فرماتے ہیں............''آدمی فقط زبان سے کلمہ پڑھنے،یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا قول یا فعل اس کے دعوے کا مکذب ہو''۔

غرض کہ ان کی حیات ہو یا وفات۔ان کی ذات ہو یا صفات،معاملات ہوں یا عبادات دوستی ہو یا دشمنی۔تحریر ہو یا تقریر جہاں کہیں بھی دیکھئے عشق رسول کی جلوہ طرازیاں ضرورنظر آئیں گی۔وہ جی رہے تھے تو یادمولیٰ میں اورجانے کی تمنا ہے تو وہ بھی یادمولیٰ میں انکے دردجگر کی ٹیس دیکھئے۔مولانا عرفان الحق کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

''وقت مرگ قریب ہے اورمیرا دل ہند تو ہند مکہ معظّمہ میں بھی مرنے کونہیں چاہتا ہے۔اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اوربقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو،وہ قادر ہے۔ (۴۱)

اپنے کئی خطوط میں آپ نے سفر آخرت کا ذکر فرمایا ہے تحریر کا انداز بتا رہا ہے

جیسے تیاری ہورہی ہو۔ نہ کوئی گھبراہٹ نہ کوئی پریشانی جیسے رخت سفر باندھا جارہا ہو۔ جیسے وقت وصال محبوب قریب سے قریب آ گیا ہو۔'' بے شک قرآن کریم میں انہی حضرات کے لئے ارشاد ہوا ہے۔ **یا ایتھاالنفس المطمئنہ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** ۔اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی خوش لوٹ آ۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو۔ اور میری جنت میں چلا جا'' رضی اللہ عنہم ورضواعنہ۔ خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے راضی۔ (۴۲)

اپنے مولیٰ کی رضا پر وہ ایسے راضی تھے کہ انہی یہ یقین تھا کہ ؎

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی

قبر کی تاریکی۔ اکیلا پن، اندھیرا گھر اور اس پر نکیرین کے سوالات یہ وہ خدشات ہیں کہ بڑے بڑے سورماؤں کہ کلیجے دہل جاتے ہیں۔ مگر حضرت رضا بریلوی کا سکون دیکھئے۔ فرماتے ہیں ؎

خاک ہوکر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

ظلمت قبر کو دور کرنے کا کوئی اور مادی ذریعہ ہوتا تو لوگ نہ جانے اس کے لئے کیا کیا کرتے دولت وثروت کے عوض اگر ملنے والی چیز ہوتی تو عظیم سلطنت کا سودا کرنے سے بھی لوگ دریغ نہیں کرتے۔ لیکن اسے کیا کیجئے یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے حضرت رضا بریلوی نے تمام مومنین کے لئے روشنی کا سامان کردیا ہے۔ جو چراغ فکر آپ نے جلایا ہے جس کا جی چاہے فائدہ اٹھالے۔ دیکھئے کس یقین کے ساتھ فرماتے ہیں ؎

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

واہ کیا بات ہے رضا کےعشق کی زمین کے اوپر رہا تو عشق مصطفےٰ کا چراغ فروزاں کرتا رہا دلوں کی بنجر اور سنسان آبادی کو عشق کے نغموں سے گرماتا رہا۔ دوست و دشمن کو اپنے اسی لگن اور مشن کا پیغام بانٹتا رہا ، زمین کے اندر گیا تو بھی عشق کی سوغات نور لیتا گیا۔ مرقد رضا پر آج جو نور وضیاء کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے۔ روشن روشن اور جگمگ جگمگ جو فضا ہے اسے ہر زائر اپنی نگاہ ظاہر سے بھی محسوس کر سکتا ہے۔ یہ جلوہ عشق اس کی شخصیت پر کہاں تک چھایا ہوا اور کس انداز سے ان کی حیات میں رچا بسا ہوا ہے ذرا قبر سے بروز حشر اٹھنے کا یہ انداز تو دیکھئے۔

یاالٰہی جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفےٰ کا ساتھ ہو

اس جذب و مستی، سرشاری ووارفتگی پر تو یہ سارا عالم ہی نہیں بلکہ کروڑوں جہاں قربان کئے جا سکتے ہیں کیا ایمان افروز دیوانگی ہے، اور جہاں بھی ہے یہ شیفتگی و نیاز کیشی اور ذوق فدائیت اپنے پورے شباب ہے۔ قیامت کی ہولنا کی ،افراتفری ونفسانفسی سے کون واقف نہیں ہے۔ مگر جو رحمت عالم کے دامان کرم میں چھپا ہو۔ جو ان کے سایۂ عاطفت میں جگہ پا چکا ہو وہ تو وہاں بھی ان کی مدح سرائی اور نعت خوانی کی آرزو کر رہا ہے۔ دو بند سلام کے نذرانے پیش کرلوں۔ اسی حسرت میں مچل رہا ہے دیکھئے ان کے حریم خیال کی جمال آفرینی فرماتے ہیں۔

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

حوالے

حضرت رضا بریلوی کی شخصیت تصور عشق کے حوالے سے

۱	امام احمد رضا اور تصوف	مولانا محمد احمد مصباحی	ص ۳۴
۲	اقامتہ القیامۃ۔ (مشمولہ فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲)	امام احمد رضا	ص ۷۸
۳	// //	// //	ص ۷۷
۴	الامن والعلی	// //	ص ۹۴
۵	// //	// //	ص ۱۰۳
۶	// //	// //	ص ۲۱۹
۷	صلات الصفا فی نور المصطفیٰ (۱۳۲۹ھ)	امام احمد رضا مطبوعہ کراچی ملخصاً	ص ۶۱، ۵۹
۸	خالص الاعتقاد (۱۳۲۸ھ)	امام احمد رضا مکتبہ مشرق بریلی	ص ۵۱
۹	الملفوظ ۲	حضور مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفیٰ رضا قادری	ص ۴۵
۱۰	امام احمد رضا اور تصوف	مولانا محمد احمد مصباحی	ص ۴۳، ۴۲
۱۱	// //	// //	ص ۴۴، ۴۳
۱۲	// //	// //	ص ۵۰
۱۳	عشق کی سرفرازیاں	مولانا مبارک حسین مصباحی	ص ۹، ۸
۱۴	امام احمد رضا اور تصوف	مولانا محمد احمد مصباحی	۴۱، ۴۰
۱۵	اکرام امام احمد رضا	مولانا برہان الحق	ص ۸۰، ۷۸

۱۶	دل کی آشنائی	علامہ ارشد القادری	ص۱۵،۱۳
۱۷	قاری کا امام احمد رضا نمبر دہلی	اپریل ۱۹۸۹ء	ص۲۵۹
۱۸	سوانح اعلیٰحضرت	مولانا بدر الدین	ص۳۹۱
۱۹	فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲	امام احمد رضا	ص۱۴۹،۱۴۸
۲۰	امام احمد رضا کے ایمان افروز وصایا	مولانا حسنین رضا	ص۲۲
۲۱	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص۲۰۰،۱۹۹
۲۲	الملفوظ جلد 1	حضور مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری	ص۳۷
۲۳	قاری کا امام احمد رضا نمبر۔(دہلی)	اپریل ۱۹۸۹ء	ص۲۴۸
۲۴	فتاویٰ رضویہ جلد 1	امام احمد رضا	ص۴۰۸
۲۵	// //	// //	ص۴۵۶
۲۶	// //	// //	ص۵۵۲
۲۷	// //	// //	ص۴۴۲
۲۸	حیات اعلیٰحضرت ج1	مولانا ظفر الدین بہاری	ص۲۸۳
۲۹	مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی	مرتبہ مولانا محمود احمد قادری	ص۱۸
۳۰	حیات اعلیٰ حضرت	مولانا ظفر الدین بہاری	ص۲۰۹
۳۱	امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت	مولانا کوثر نیازی	ص
۳۲	الطرۃ الرضیہ	امام احمد رضا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور	ص۲۶

۳۳	النیرۃ الوضیہ	امام احمد رضا، ناشر الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور ملخصاً	ص ۵۴، ۵۰
۳۴	الملفو ظ جلد ا	مرتبہ مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفےٰ رضا قادری	ص ۱۰۷
۳۵	الملفو ظ جلد ا	مرتبہ مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفےٰ رضا قادری	ص ۶۷
۳۶	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا	ص ۱۲۱، ۱۱۹
۳۷	الملفو ظ ج ۲	مرتبہ مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفےٰ رضا قادری	ص ۸۷
۳۸	الملفو ظ ج ۳	مرتبہ مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفےٰ رضا قادری	ص ۵۶
۳۹	الملفو ظ ج ا	مرتبہ مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفےٰ رضا قادری	۱۱۶، ۱۱۵
۴۰	قاری کا امام احمد رضا نمبر (دہلی)	اپریل ۱۹۸۹ء	ص ۳۴۸
۴۱	حیات اعلیٰ حضرت	مولانا ظفر الدین بہاری	ص ۳۱۶
۴۲	اکرام امام احمد رضا (حاشیہ)	مولانا برہان الحق	ص ۱۱۷

حضرت رضا بریلوی کا تصور عشق تصانیف کے حوالے سے

عشق و محبت رسول ہی ایک مومن کا سرمایۂ حیات اور اس کی اخروی فیروزمندیوں کی بہترین ضمانت ہے۔کسی زبان پر اسلام کا کلمہ اور دل میں پیغمبر اسلام کے مخصوص فضائل وکمالات کا جذبۂ انکار، اس کی ابدی شقاوتوں اور بدبختیوں کی منھ بولتی تصویر ہے......خوش نصیب ہے وہ دل جو محبوب خدا علیہ التحیہ والثناء کا مسند ناز ہے اور فیروز بخت ہے وہ روح جو آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محرم راز ہے......یوں تو حضرت رضا بریلوی کے دامن حیات پر تبحر علمی، ندرت خیالی، اخلاص وللّٰہیت، شخصیت کی عبقریت کے بے شمار پھولوں نے مینا کاری کی ہے۔تاہم ان میں ایک گل شاداب بھی ہے جس کی دلآویزی ودلکشی اور شمیم بیزی ونکہت ریزی سب سے جدا، ممتاز اور نرالی ہے۔اس حسین پھول کا نام ''عشق رسول'' ہے، مجمع وتنہائی، حال وقال، جلوت وخلوت، رزم وبزم، سب کی سب عشق رسول کی نغمگی سے مست وسرشار ہے۔ان کی سیرت کا قاری قدم قدم پر ان کے جذبوں کے اس لالہ زار سے متاثر ومتحیر ہوتا ہے۔ وہ چاہے جس فن اور موضوع پر علمی وفکری گلکاری کررہے ہوں'' محبت رسول کا دامن کہیں بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ بات چاہے اعتقاد کی ہو یا اعمال کی۔گفتگو چاہے فقہ پر ہو یا منطق پر، موضوع جدید سائنس ہو یا قدیم فلسفہ۔ ہر جگہ وہ ایک عاشق رسول کی حیثیت سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کی فکر وتحقیق میں عشق رسول کا عنصر اور عظمت مصطفےٰ کا خمیر ضرور شامل رہتا ہے۔ دیگر

اور محققین ومفکرین نے بھی اس موضوع کو اپنایا ہے اور اپنے اپنے اعتبار سے نبھانے کی کوشش کی ہے۔لیکن یہاں عالم یہ ہے کہ ایک دو موضوع یا مقالہ وتصنیف نہیں اپنی تقریباً (ہزار) کتابوں کے معتدبہ ذخیرہ میں آپ نے اس عظیم عنوان پر مختلف انداز سے گہر ریزی کی ہے۔اور سیرت مصطفےٰ کے متنوع جلووں کو آشکارا کیا ہے۔علمی کارنامے چودہ صدی سے چلے آرہے ہیں،مگر لغزش قلم اور سبقت لسانی سے بھی محفوظ رہنا اپنے بس کی بات نہیں،لیکن یہاں عالم یہ ہے کہ اتنا کچھ لکھا مگر کہیں بھی کسی طرح کا کوئی جھول نہیں۔ تضاد بیانی نہیں،فکری تصادم نہیں،خیالات کا ٹکراؤ نہیں۔جیسے رب قدیر نے اپنی عنایتوں سے ان کے افکار وخیالات پر اپنی رحمت کی چادر تان دی تھی،جیسے رسول رحمت نے اپنے کرم سے ان کے قلم کو اپنی حفاظت کے آشیانے میں لے لیا تھا۔

حضور محدث اعظم ہند تحریر فرماتے ہیں۔

> ''ہم کو اور ہمارے سارے علمائے عرب وعجم کو یہ اعتراف ہے کہ حضرت شیخ محقق دہلوی ، بحر العلوم فرنگی محلی ، یا پھر اعلیٰ حضرت کی زبان وقلم کا حال یہ دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔اور زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن فرمادیا۔(۱)

اوراق ذیل میں ان کی سیکڑوں کتابوں میں سے چند کا عشق رسول کے حوالے سے مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) تمھید ایمان بآیات قرآن

یہ آپ کی چھوٹی سی کتاب ہے۔جو صرف پچھتر صفحات پر مشتمل ہے۔تاہم اس کی عظمت ومعیار کا عالم ہے کہ اس میں صرف قرآنی آیات کے حوالے سے گفتگو کی ہے،

۷۵ رصفحے کی کتاب میں ۳۳ر آیات قرآنی کو اپنے موقف کے ثبوت میں آپ نے پیش کیا ہے، آپ کے اپنے خاص اسلوب تحریر سے ہٹ کر یہ کتاب بڑے سادہ سلیس اور عام فہم انداز میں آپ نے تالیف کی ہے اور اس کا مخاطب عام مسلمان بھائیوں کو آپ نے بنایا ہے اس لئے سطر سطر سے آپ کا دردِ دل عیاں ہے، آغاز کلام ہی میں مسلمان بھائیوں سے عاجزانہ، دست بستہ عرض کرتے ہیں۔

"اللہ آپ سب حضرات کو اور آپ کے صدقے میں اس ناچیز کثیر السیئات کو دین حق پر قائم رکھے اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت دل میں سچی عظمت دے اور اسی پر ہم سب کا خاتمہ کرے، آمین یاارحم الراحمین۔ (۲)

مسلمانوں کی اصل کامیابی کا راز سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت اور غلامی میں پوشیدہ ہے تخلیق انسانی کا مقصد قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت قرار دیا ہے۔ عبادت کا پورا دارومدار ایمان پر ہے اور ایمان کا انحصار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وعظمت پر۔

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

"تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔' انا ارسلنک شاھداو مبشرا ونذیرا لتومنوا باللہ ورسولہ و تعزروہ و توقروہ و تسبحوہ بکرۃ و اصیلا" ۔(۹/۲۶) اے نبی بے شک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو "مسلمانوں دیکھو دین اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے کا مقصود ہی تمہارا مولیٰ تبارک وتعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے۔

اول یہ کہ لوگ اللہ ورسول پر ایمان لائیں،

دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کریں

سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رہیں

مسلمانو! ان تین جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو سب میں پہلے ایمان کو فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو، اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو۔ اس لئے کہ بغیر ایمان تعظیم بکار آمد نہیں۔ بہترے نصاریٰ ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر سے دفع اعتراضات کا فران لئیم میں تصنیفیں کر چکے۔ مگر جب کہ ایمان نہ لائے کچھ مفید نہیں کہ یہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے، پھر جب تک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو عمر بھر عبادت الٰہی میں گذارے سب بیکار ومردود ہے۔ بہتیرے جوگی اور راہب ترک دنیا کر کے اپنے طور پر عبادت الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں۔ بلکہ انہیں بہت وہ ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں۔ مگر ازانجا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کیا فائدہ؟

وقد منا الیٰ ما عملو من عمل فجعلنه هباء منثورا (۱۹/۱۵)

جو کچھ اعمال انہوں نے کئے ہم نے سب برباد کردیئے......مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کی تعظیم مدار ایمان مدار نجات ومدار قبول ہوئی یا نہیں کہو ہوئی اور ضروری ہوئی۔ (۳)

ان سطور سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ دین حق کی شرط اول حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دل سے تعظیم ہے اور تعظیم بغیر محبت کے متصور نہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتنی اور کیسی محبت درکار ہے۔ آیات واحادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہان سے زیادہ محبوب رکھے، اگر اس میں کچھ کمی اور خامی ہو تو

پھر وجود ایمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کہنا تو بہت آسان ہے کہ ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کامل محبت ہے۔ مگر اس محبت کے معیار پر پورا اترنا بہت مشکل،

شیخ سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''تولا بے تبرا نیست ممکن'' دوستی دشمنی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔............تقاضائے محبت یہ ہے کہ جس سے دوستی ہے اس کے متعلقات ومنسوبات سے بھی محبت کرے اور اس کے دشمنوں بدگویوں سے دلی بغض ونفرت رکھے یہ بھی کوئی دوستی ہے کہ دوست سے دوستی اور اس کے دشمنوں بدخواہوں سے انس ولگاؤ بھی، یہ تو دوسروں کو دھوکہ دینے کے ساتھ خود کو بھی فریب میں مبتلا کرنا ہے......حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

''بھائیو......! ذرا کان لگا کر اپنے رب کا ارشاد سنو۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے **الم احسب الناس ان یترکو ا ان یقولو آمنا وھم لایفتنون** (۲۰/۱۳) کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنا کہہ لینے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے، اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔

یہ بات مسلمانوں کو ہوشیار کر رہی ہے کہ دیکھو کلمہ گوئی اور زبانی ادعائے مسلمانی پر تمہارا چھٹکارا نہ ہوگا، ہاں ہاں سنتے ہو آزمائے جاؤ گے۔ آزمائش میں پورے نکلے تو مسلمان ٹھہرو گے...... ہر شئے کی آزمائش میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ جو باتیں اس کے حقیقی، واقعی ہونے کو درکار ہیں وہ اس میں ہیں یا نہیں۔ ابھی قرآن وحدیث ارشاد فرما چکے کہ ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہاں پر تقدیم تو اس کی آزمائش کا صریح طریقہ یہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم اور کتنی ہی عقیدت،

کتنی ہی دوستی ، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو ، جیسے تمہارے باپ ،
تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے
احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب ...... وغیرہ کسے باشد۔
جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں
گستاخی کریں۔ اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت، ان کی محبت
کا نام نشان نہ رہے، فوراً ان سے الگ ہو جاؤ۔ دودھ سے مکھی کی
طرح نکال کر پھینک دو...... اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات نبھانی چاہی۔ اس نے
حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی...... یا اس قدر کہ
تم نے اس امر میں بے پرواہی منائی ۔ یا تمہارے دل میں اس کی
طرف سے سخت نفرت نہ آئی۔ تو للہ اب تمہیں انصاف کرلو کہ تم
ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے۔ قرآن وحدیث نے جس
پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا۔ (۴)

اس نگارش وگذارش کا نچوڑ یہ ہوا کہ جو اللہ یا رسول اللہ کی جناب میں گستاخی
کرے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے دور رہیں، اس سے دوستی نہ کریں۔ جس کا صریح
مفاد یہ ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا۔ آگے حضرت رضا بریلوی نے قرآن
کریم کی آیات بینات سے ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخ سے
(اگرچہ وہ اپنا باپ ہی ہو) جو یک لخت علاقہ توڑ لے اس کے لئے سات عظیم فائدے، اور
جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدگویوں سے محبت کا برتاؤ کرے اس کے لئے سات
بڑے خسارے ہیں۔۔ قدرے تفصیل انہیں کی زبانی...... "تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے
۔**لاتجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاداللہ ورسولہ ولو کانو**

آبـاء هـم او ابـنـاء هـم اواخـوانهم او عشيرتهم . اولٰئک کتب فی قلوبهم الایـمـان وایدهم بروح منه ویدخلهم جنت تجری من تحتها الانهر خلدین فیهـا رضـی الله عـنهـم ورضـو عـنـه اولٰئک حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون (۲۸/۳)''تونہ پائے گا انہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ ان کے دل میں ایسوں کی محبت آنے پائے جنہوں نے خدا اور رسول سے مخالفت کی، چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔ اور انہیں باغوں میں لیجائے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ رہیں گے ان میں، اللہ انسے راضی وہ اللہ سے راضی۔ یہی لوگ اللہ والے ہیں۔ سنتا ہے اللہ والے ہی مراد کو پہنچے''۔

حضرت رضا بریلوی اس آیت کریمہ کے گلشن سے گل چینی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔''دیکھو! وہ تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا، اپنی عظیم نعمتوں کا لالچ دلاتا ہے کہ اگر اللہ و رسول کی عظمت کے آگے تم نے کسی کا پاس نہ کیا۔ کسی سے علاقہ نہ رکھا تو تمہیں کیا کیا فائدے حاصل ہوں گے۔(۱) اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان نقش کر دے گا۔ جس میں انشاء اللہ تعالیٰ حسن خاتمہ کی بشارت جلیلہ ہے کہ اللہ کا لکھا نہیں مٹتا (۲) اللہ تعالیٰ روح القدس سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ (۳) تمہیں ہمیشگی کی جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔(۴) تم خدا کے گروہ کہلاؤ گے خدا والے ہو جاؤ گے۔(۵) منہ مانگی مرادیں پاؤ گے۔ بلکہ امید و خیال و گمان سے کروڑوں درجے افزوں (۶) سب سے زیادہ یہ کہ اللہ تم سے راضی ہوگا۔(۷) یہ کہ فرماتا ہے میں تم سے راضی تم مجھ سے راضی، بندے کے لئے اس سے زائد اور کیا نعمت ہوگی کہ اس کا رب اس سے راضی ہو۔ مگر انتہائے بندہ نوازی یہ کہ فرمایا اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی'' اور اگر جو کوئی اس حکم جلیل کے آگے سر تسلیم خم نہ کرے فرمان والا شان کا دل و جان سے پاس نہ کرے وہ

جس سے چاہے دوستی کرے اور جس سے چاہے دشمنی تو پھر ایسوں کے لئے دردناک عذاب کا تازیانہ عبرت بھی ہے۔اس میں بھی رحمت کے جلوے مسکرارہے ہیں کہ جو پست ہمت نعمتوں کے لالچ میں نہ آئیں،سزاؤں کے ڈر سے راہ یاب ہوجائیں......حضرت رضابریلوی فرماتے ہیں............''تمہارارب عزوجل فرماتا ہے......'' **یاایھاالذین آمنوا لاتتخذو اآبائکم واخوانکم اولیاء ان استحبو الکفر علی الایمان ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظلمون** (۹/۱۰)اے ایمان والواپنے باپ اپنے بھائیوں کودوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں،اورتم میں جوان سے رفاقت کریں تو وہی لوگ ستمگار ہیں۔اورفرماتا ہے **یاایھاالذین آمنو لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء (الی قولہ تعالیٰ) لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یو م القیمتہ یفصل بینکم واللہ بما تعملون بصیر** (۲۸،۷)اے ایمان والومیرے اوراپنے دشمنوں کودوست نہ بناؤتم چھپ کران سے دوستی کرتے ہو۔اور میں خوب جانتا ہوں جوتم چھپاتے اورظاہر کرتے ہو۔اورتم میں جوایسا کرے گا وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا،تمہارے رشتے اورتمہارے بچے تمہیں کچھ نفع نہ دیں گے قیامت کے دن،اللہ تم میں اورتمہارے پیاروں میں جدائی ڈال دے گا،کہ تم میں ایک دوسرے کے کام نہ آسکے گا۔اوراللہ تمہارے اعمال کودیکھ رہاہےاورفرماتا ہے......''**ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لایھدی القوم الظالمین** (۶۔۱۳)جوتم میں ان سے دوستی کرے گا توبےشک وہ انہیں میں سے ہے،بےشک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالموں کو،......پہلی دوآیتوں میں توان سے دوستی کرنے والوں کوظالم وگمراہ ہی فرمایا تھا۔اس آیت کریمہ نے بالکل تصفیہ فرمادیا کہ جوان سے دوستی رکھے وہ بھی انہیں میں سے ہے،انہیں کی طرح کافر ہے۔ان کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا۔اوروہ کوڑا بھی یادرکھئے کہ تم چھپ چھپ کران سے میل رکھتے ہواور میں تمہارے چھپے ظاہر سب کوخوب جانتا ہوں اوروہ رسی بھی سن لیجئے جس میں رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے باندھے جائیں گے۔۔
العیاذ باللہ......تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔ **ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعدلھم عذابا مھینا** (۲۲۔۴) بے شک جو لوگ اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ دنیا و آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے......اللہ عزوجل ایذا سے پاک ہے۔ اسے کون ایذا دے سکتا ہے مگر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو اپنی ایذا فرمایا۔

ان آیتوں سے اس شخص پر جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدگویوں سے محبت کا برتاؤ کرے۔ سات کوڑے ثابت ہوئے۔ (۱) ظالم ہے (۲) گمراہ (۳) کافر (۴) اس کے لئے دردناک عذاب ہے (۵) وہ آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا (۶) اس نے اللہ واحد و قہار کو ایذا دی (۷) اس پر دونوں جہان میں خدا کی لعنت ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)
آیت کریمہ سے مترشح ان تنبیہ و تہدید کے بعد حضرت رضا بریلوی بڑے مخصوص انداز میں عام مومنین کی طرف متوجہ ہیں اور انتہائی خلوص و محبت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس پر عمل کے فائدے اور ردِ عمل کے مضر نتائج سے آگاہ فرما رہے ہیں، یہاں پر وہ ایک دردمند مصلح اور پرسوز ہادی کی حیثیت سے نظر آ رہے ہیں۔ دیکھئے ان کے الفاظ و بیان میں قوم کے لئے کیسی تڑپ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیسا والہانہ پن ہے......فرماتے ہیں۔

اے مسلمان اے مسلمان اے امتی سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خدا را ذرا انصاف کر، وہ سات بہتر ہیں جو ان لوگوں سے یک لخت ترک علاقہ کر دینے پر ملتے ہیں کہ دل میں ایمان جم جائے۔ اللہ مددگار ہو، جنت مقام ہو، اللہ والوں میں شمار ہو، مرادیں ملیں، خدا تجھ سے راضی، تو خدا سے راضی، یا یہ سات بھلے ہیں جو ان لوگوں

سے تعلق لگا رہنے پر پڑیں گے۔ ظالم، گمراہ، کافر جہنمی ہو، آخرت
میں خوار ہو، خدا کو ایذا دے، خدا دونوں جہان میں لعنت کرے،
ہیہات ہیہات کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سات اچھے ہیں۔ کون کہہ سکتا
ہے کہ وہ سات چھوڑنے کے ہیں۔ مگر جان برادر! خالی یہ کہہ دینا تو
کام نہیں دیتا وہاں تو امتحان کی ٹھہری ہے......کیا؟ اس بھلاوے میں
ہو کہ بس زبان سے کہہ کر چھوٹ جاؤ گے امتحان نہ ہوگا۔ (۵)

اب تک کے ان مباحث کا عطر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کس شان کی محبت ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں قرآن کا مطلوب اور رحمان کا مقصود کیا ہے، آپ کی بارگاہ میں دورنگی محبت کا انجام کیا ہے؟ اور پر خلوص الفت کا صلہ کیا؟............اس کے بعد آپ نے کچھ کتابوں، عبارتوں کا احتسابی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا ہے اور فقہ کی گیارہ کتب معتمدہ، معتبرہ سے اس مسئلے کو آشکار کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ گستاخی کرنے والا بھی کافر ہے۔ اور جو ان بدگویوں کو کافر نہ کہے باتفاق فقہاء وہ بھی کافر ہے، اور بات ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اب ایک پہلو پر جنت وسعادت سرمدی، اور دوسری طرف شقاوت
وجہنم ابدی جو پسند آئے اختیار کر لے۔ مگر اتنا سمجھ لو کہ محمد رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہ وسلم کا دامن چھوڑ کر زید وعمرو کا ساتھ دینے والا کبھی
فلاح نہ پائے گا، باقی ہدایت رب العزت کے اختیار ہے۔ (۶)

(۲) شفاء الواله فی صور الحبیب ومزاره ونعاله

محبوب تو محبوب ہوتے ہیں کمال محبت اور معراج عشق یہ ہے کہ محبوب کے

منسوبات متروکات اور متعلقات کو بھی حرز جاں بنایا جائے۔اس کے لئے بھی دلوں کا فرش بچھایا جائے، پلکوں کا شامیانہ سجایا جائے ، اور اس کے لئے بھی اہتمام واحترام کا جذبۂ فراواں پیش کیا جائے جو محبوب کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے۔ چاہے اس گلی کا کتا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ سمجھ کر کہ یہ محبوب کی گلی کا ہے۔اس کے لئے بھی قاشہائے جگر لٹائے جائیں۔ دل کے ٹکرے بچھائے جائیں۔محبت کرنے والوں کا یہی دستور رہا ہے۔ الفت کرنے والوں نے یہی وطیرہ چھوڑا ہے اور یہی نقوش راہ پیش کئے ہیں۔ دنیائے محبت کی جتنی عظیم مشہور ہستیاں ہیں سب کے یہاں یہ اقدار مشترک معلوم ہوتے ہیں۔قریب قریب یکساں انداز فکر نظر آتا ہے یہ اہتمام شوق ، یہ خلوص فراواں ، یہ کیف مسلسل ، یہ سوز دروں ، یہ رضائے محبوب کے ضیائے مطلوب، اس محبّ و محبوب کے ہیں جسے مجازی، دنیاوی، اور ہنگامی کہئے۔

پھر بھلا اس محبّ و محبوب کا کیا کہنا۔ان کے طرز ادا، اور روش ناز کا کیا پوچھنا جو دینی دائمی اور حقیقی جلووں سے مزین ہیں...... آیئے دیکھیں کہ عاشق جمال مصطفوی ، حضرت رضا بریلوی کا اس نقطۂ نظر سے کیا رجحان ورویہ رہا ہے، انہوں نے کیسے نقوش چھوڑے ہیں۔اور کوچۂ جاناں کے اسیروں کے لئے انہوں نے کیا سوغات پیش کئے ہیں ۔ جہاں انہوں نے ہزاروں موضوعات کو اپنے فکر وفن سے مالا مال ونہال کیا وہیں اس موضوع پر بھی آپ کے متعدد رسائل ہیں۔ ہر رسالہ نشۂ عشق میں چور اور مئے محبت سے مخمور محبوب دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت وتعلق رکھنے والی چیزوں کا کیا احترام وادب ہونا چاہئے۔نسبت نے اس شئے کو کتنا عظیم کر دیا ہے۔اس کے اندر کیسے فیوض وبرکات پنہاں ہیں، ایک ایک گوشے پر آپ نے توجہ دی ہے اور دلائل وشواہد سے ایسا نکھارا ہے کہ چودھویں کے چاند کی طرح ہر جز وآشکارا ہو گیا ہے۔ چوں کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے درد محبت اور سوز عشق میں ڈوب کر لکھا ہے اس لئے آپ کی تحریر قاری کے ذہن کو اپیل کرتی ہے۔محبت رسول کا جذبہ جگاتی ہے، دل ودماغ کو متحرک ومتجلی کرتی ہے۔

آپ کی ایک کتاب ہے ''شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہٖ ونعالہ'' جیسا کہ کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے ...... یہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ کے مزار اقدس اور نعلین شریفین کی تصویر کے بارے میں ہے......سائل نے آپ سے ان تصاویر کی حلت وحرمت بتانے والے کے ثواب وعذاب کے بارے میں جواب طلب کیا ہے۔ بات چوں کہ محبوب ،اورمحبوب کے منسوب سے متعلق تھی۔ حضرت رضا بریلوی کا جب قلم چلا ہے غیرت محبوب کے سروسمن سے چمن بن گئے ہیں...... از روئے شرع جاندار کی تصویر کی حرمت بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں...... ''اس مسکین ،تینوں تصویرات مذکورہ بنانے والے،ان کی زیارت ولمس وتقبیل کرانے والے نے گمان کیا کہ وہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق محبت بجالاتا،اور حضور کو راضی کرتا،حالانکہ حقیقتاً وہ اپنی ان حرکات باطلہ سے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح نافرمانی کررہا ہے اس پر پہلے ناراض ہونے والے،حضور والا ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ......حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا،اعزازاً اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا،اوراس پر سخت وعیدیں ارشاد کیں، اوران کے دور کرنے ،مٹانے کا حکم دیا۔(۷)

اس فیصلہ ٔ شرعیہ کے صادر فرمانے کے بعد آپ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ذی روح کی حرمت تصاویر پر ۲۷؍حدیثیں مع اسناد تحریر فرمائی ہیں۔ حدیثیں قطار اندر قطار اس سلیقے سے شریعت کی لڑی میں پروئی گئی ہیں کہ روح عشق جھوم اٹھتی ہے............ حدیث اور اس کے نکات نفیس کے بیان سے فراغت کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

''یہ سب متعلق تصاویر ذی روح تھا، رہا نقشۂ روضہ مبارکہ،اس کے جواز میں اصلاً مجال سخن و جائے دم زدن نہیں ...... ائمہ مذاہب اربعہ وغیرہم نے اس کے جواز کی تصریحیں فرمائیں،تمام کتب مذاہب اس سے مملوومشحون ہیں۔''(۸)

غیر ذی روح کی تصاویر کی حلت کا فیصلہ قطعیہ نافذ کرنے کے بعد آپ نے بطور

دلیل ۸۰/ اکابرین واعاظم معتمدین کے حوالے سے ثابت فرمایا ہے کہ ان اساطین اسلام نے مزار مقدس اوراس کے مثل نعل اقدس کے نقشے بنائے اوران کی تعظیم اوران سے تبرک کرتے رہے۔ انہوں نے مومنوں کے لئے کیا کیا روح افزا، اور منافقوں کے لئے کیسے کیسے کلمات جانگزاارشاد فرمائے۔

علامہ محمد بن احمد بن علی فارسی ،مصری کے حوالے سے روضہ مبارکہ کی تصویر کی حلت سے متعلق تحریر فرماتے ہیں (اختصار کے پیش نظر ہم صرف اردو عبارات پر اکتفاء کرتے ہیں)

''مولف رضی اللہ عنہ نے فصل اسمائے طیبہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صفت روضۂ مبارکہ کی فصل، بہ تبعیت وموافقت امام تاج الدین فاکہانی ذکر فرمائی کہ انہوں نے بھی اپنی کتاب فجر منیر میں قبور مقدسہ کی تصویر میں خاص ایک باب ذکر کیا، اوراس میں بہت فائدے ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ جسے روضۂ مبارکہ کی زیارت میسر نہ ہوئی۔ وہ اس نقشہ پاک کی زیارت کرے، مشتاق اسے دیکھے۔ اور بوسہ دے، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور حضور کا شوق اس کے دل میں بڑھے۔''(۹)

اس سے اس بات کی عقدہ کشائی ہوگئی کہ مزار پاک کا نقشہ، حصول برکات کے لئے بنانا، رکھنا، دیکھنا صرف جائز ہی نہیں ہے بلکہ اس کی زیارت سے دارین کی سعادت میسر آتی ہے، ایک مومن کے لئے اس سے بڑھ کر اور کون سی بات سعادت ہوسکتی ہے کہ اس کے دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور شوق افزوں ہو...... یہ تو عشاقان جمال کی تڑپتی حسرتوں کی معراج ہے کہ دل کی انجمن میں صرف انہیں کی یادوں کا بسیرا ہو ،انہیں کے ذکر وتذکرے کی چاندنی کا سویرا ہو...... پلکوں کے شامیانے میں وہ ہوں۔ قلب کے آشیانے میں وہ ہوں۔ اور وجدان پکار اٹھے کہ ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار

جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

یہ کیفیت اورنور وسرور کا سماں کیسے پیدا ہوگا۔ جمال جہانتاب کی جلوہ افگنی کے اسباب کیا ہوں گے جس سے دائمی توجہ ناز حاصل کی جاسکے گی۔ حضرت رضا بریلوی ''مطالع المسرات'' کے حوالے سے رقمطراز ہیں...... ''بعض اولیائے کرام جنہوں نے ذکرو شغل سے تربیت مریدین کی کیفیت ارشاد کی۔

بیان فرماتے ہیں کہ جب ذکر، لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کامل کرلے تو چاہئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور اپنے پیش نظر جمائے۔ بشری صورت، نور کی طلعت، نور کے لباس میں تاکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت کریمہ اس کے آئینہ دل میں جم جائے اور اس سے وہ الفت پیدا ہو کہ جس کے سبب حضور کے اسرار کے فائدے لے۔ حضور کے انوار کے پھول چنے، اور جسے یہ تصویر میسر نہ ہو، وہ یہی خیال جمائے گویا مزار مبارک کے سامنے حاضر ہے، اور ہر بار جب ذکر میں نام پاک آئے تصور میں مزار اقدس کی طرف اشارہ کرتا جائے۔ کہ دل جب ایک چیز سے مشغول ہوجاتا ہے پھر اس وقت دوسری چیز قبول نہیں کرتا۔ (۱۰)

تشنہ گان جلوہ محبوب رضائے محبوب کے لئے کیا کیا میٹھے انداز اپناتے ہیں، محبوب کا ذکر، محبوب کا تصور، محبوب کا خیال، محبوب کی بارگاہ ناز میں حاضری، آرام گاہ محبوب کی خاک روبی، آستاں بوسی، ......اس لالہ زار میں کیسے کیسے پھول کھلے ہیں......اور اخیر درجہ یہ کہ روضۂ محبوب کی تصویر کے دیدار فیض آثار ہی سے بے تاب دلوں کی تسکین کا سامان کیا جائے۔ اسی کی زیارت موجب صد افتخار وسعادت سمجھا جائے۔ اس لئے سرفروشان راہ محبت اصل کی طرح اس شبیہہ جمیل کا بھی وہی ادب واحترام کرتے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی، علامہ فاکہانی کی ''فجر منیر'' کے حوالے سے اثبات مدعاء فرماتے ہیں...... ''نقشۂ مبارکہ لکھنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضۂ اقدس کی

زیارت نہ ملی، وہ اس کی زیارت کرے، اورشوق دل کے ساتھ اسے بوسہ دے کہ یہ مثال اسی اصل کی قائم مقام ہے۔ جیسے نقشۂ نعل مقدس منافع وخواص میں بالیقین اس کا قائم مقام ہے جس پر صحیح تجربہ شاہد عدل ہے۔ لہذا علمائے دین نے نقشے کا اعزاز واعظام وہی رکھا جو اصل کا رکھتے ہیں"۔(۱۱)

حضرت رضا بریلوی محبوب سے منسوب کسی بھی شئے کی عزت وتکریم کا جو تصور رکھتے ہیں۔ اور اکرام وتعظیم کا جو نظریہ پیش کرتے ہیں وہ ان کی روح کی آواز اور چاہت کا بڑا ہی نرالا انداز ہوتا ہے۔ ایسا پرخلوص اور پاکیزہ جذبہ کہ معاصرین تو کجا دور ماقبل میں بھی دور دور تک اس کی مثال نہیں ملتی...... وہ رضائے محبوب کے لئے ادنیٰ اور اعلیٰ متعلقات کا امتیاز نہیں رکھتے۔ بس تن جاناں سے وابستگی ہی ان کے یہاں سب کچھ ہے...... چاہے وہ روضۂ محبوب کا فوٹو ہو۔ یا نعل مقدس کا نقشہ۔ ان کے اجلال وادب کا چمن ہر جگہ یکساں گلریز ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ کے نعل مقدس کو بادہ گساران الفت نے سر کا تاج، اور اس کی خاک پاک کو آنکھوں کا سرمہ بنانے کے لئے جو تمنائیں کی ہیں۔ "عشق رسول" کا یہ بڑا ہی سنہرا باب ہے۔ اس تعلق سے حضرت رضا بریلوی کا جذبۂ عقیدت، ولولہ محبت دیکھئے ......مطالع المسرات" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں......"علمائے کرام نے نعل مقدس کے نقشے کو نعل مقدس کا قائم مقام بنایا، اور اس کے لئے وہی اکرام واحترام جو اصل کے لئے تھا، ثابت ٹھہرایا......اور اس نقشۂ مبارک کے لئے خواص وبرکات ذکر فرمائے، اور بلاشبہ تجربے میں آئے اور اس میں بکثرت اشعار کہے، اور اس کی تصویر میں رسالے تصنیف کئے، اور اسے سندوں کے ساتھ روایت کیا، اور کہنے والے نے کہا" جب اس کی آتش شوق میرے سینے میں بھڑکتی ہے اور اس کا دیدار میسر نہیں ہوتا۔ اس کی تصویر ہاتھ پر کھینچ کر آنکھ سے کہتا ہوں اسی پر بس کر۔"(۱۲)

نعل اقدس کی مدح وثناء میں دیوانگان عشق نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں،

موتیوں کی لڑی کی طرح پرویا ہوا قصیدہ نذر گذارا ہے......اشعار پرانوار کی وہ قطار کھڑی کی ہے کہ اس کے حسن وکمال وادب کو عروج فن اور عروس فکر بھی خراج تحسین پیش کررہے ہیں۔

ابوالیمن ابن عساکر کے حوالے سے حضرت رضا بریلوی رقم طراز ہیں......

''اے نعل مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمکی تصویر تیری عزت وشرف وبلندی پر میری جان قربان، تجھے دیکھ کر آنکھیں ایسی بہہ نکلیں کہ اب تھمنا بہت دور ہے۔ لہٰذا اپنے اشک رواں کے سرخ سرخ عقیق نچھاور کررہی ہیں۔ اے تصویر نعل پاک تو نے مجھے وہ قدم پاک یاد دلایا، جس کی بلندی وجود واحسان وفضل قدیم سے ہیں۔ اگر میرا رخسار تراش کر اس قدم پاک کے لئے کفش پا بناتے، تو دل کی تمنا برآتی یا میری آنکھ ان کی کفش مبارک کے لئے زمین ہوتی تو اس زمین ہونے سے عزت کا آسمان بن جاتی۔ (۱۳)

زندہ وپائندہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ بڑا ہی تابندہ معجزہ ہے کہ آج بھی نقشہ نعل مبارک سے فیوض وبرکات کے چشمے جاری ہیں۔ نامرادوں کو مراد ومقاصد کی بھیک مل رہی ہے۔ اور لاعلاج مریضوں کو داروئے شفاء دل خوش عقیدگی کے جلوؤں سے روشن، اور آنکھیں بصیرت کے نور سے منور ہوں تو اس کے اثرات کو محسوس کرنا کوئی بعید چیز نہیں ہے۔ شوق لقائے حبیب کی آگ جب بھڑکی ہے۔ آنکھوں نے گہر ہائے اشک نچھاور کرنے شروع کئے ہیں۔ تو بزرگوں نے نقشہ نعل مقدس کو سینے پر دل کا تعویذ بنا کر رکھا ہے اور بیقراری کو قرار میسر ہوا ہے۔ انتہائی پریشانی وپشیمانی میں اس نقشہ مبارکہ نے حل المشکلات کے جلوے دکھائے ہیں۔ اس کے لئے۔ ''فتح المتعال'' نفحات العنبر یہ'' اور رسائل رضویہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

حضرت رضا بریلوی زرقانی علی المواہب کے حوالے سے یوں گہر ریز ہیں......

''نقشہ نعل مبارک کی آزمائی ہوئی برکات سے ہے کہ جو شخص بہ نیت
تبرک اسے اپنے پاس رکھے، ظالموں کے ظلم اور دشمنوں کے غلبہ
سے اماں پائے، اور وہ نقشۂ مبارک پر شیطان سرکش، اور حاسد کے
چشم زخم سے اس کی پناہ ہوجائے۔ اور زن حاملہ شدت دردزہ
میں اگر اسے اپنے داہنے ہاتھ میں لے بعنایت الٰہی اس کا کام
آسان ہو۔''(۱۴)

اس وضاحت وتفصیل کے بعد آپ نے اکابرین دین کی ایک لمبی فہرست پیش
ہے جنھوں نے نقشہ مبارکہ نبوایا، بنا کر اپنے تلامذہ کو عطا فرمایا، اس سے تبرک کیا۔ اس کی
مدحیں لکھیں۔ اس سے فیض وبرکت حاصل کرنے، اسے سر آنکھوں پر رکھنے، بوسہ دینے کی
ترغیبیں کیں احادیث کی طرح باہتمام تام اس کی روایتیں فرمائیں۔ اور ختم کلام میں
فرماتے ہیں۔

''بالجملہ مزار اقدس، کا نقشہ۔ تابعین کرام اور نعل مبارک کی تصویر تبع تابعین
اعلام سے ثابت۔ اور جب سے آج تک ہر قرن وطبقہ کے علماء وصلحاء میں معمول ورائج
ہمیشہ اکابر دین ان سے تبرک کرتے اور ان کی تکریم وتعظیم رکھتے آئے ہیں۔ تو اب انہیں
بدعت، شنیعہ، وشرک وحرام نہ کہے گا مگر جاہل، بے باک یا گمراہ بددین، مریض القلب
، ناپاک۔(۱۵)

(۳) بدرالانوار فی آداب الآثار

تبرکات کے آداب وفضائل میں آپ کا یہ رسالہ حقائق ومعارف سے لبریز،
بڑا ہی فکر انگیز ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس میں انبیائے کرام، خصوصاً حضور سیدالانام
علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام کے آثار وتبرکات کے تعلق سے مختصر مگر بڑی جامع
بحث موجود ہے...... قطار اندر قطار حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اثبات مدعا کے لئے

مطلوبہ کتابیں اوران کے حوالے پہلے ہی سے آپ کوازبر رہا کرتے تھے،بس بحث شروع ہوئی اور دلائل کے انبار لگ گئے ......اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب ومقبول بندوں کے آثار و تبرکات کا ادب واحترام اس سے نیاز مندی وفیض یابی کا تصور ہمیشہ سے لوگوں کے اندر موجود رہا ہے۔قرآن وحدیث کی آیات وروایات اس نظریہ وفکر سے مملوومزین ہیں۔

حضرت رضا بریلوی کی غیرت عشق دیکھئے کہ گردش ایام نے جوگرد اڑائی تھی اور آئینہ عقیدت کودھندلا سا دیا تھا آپ نے اپنے دامن کی ہوا دے کرعقیدت ونسبت کا چہرہ اتنا صاف کر دیا ہےکہ جلوۂ حق کی نورانیت میں پوری فضا شرابور ہوگئی ہے......اوراس عنوان کو بھی آپ نے اتنا سیراب کر دیا ہے کہ صدیوں اب اس تعلق سے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے آثار وتبرکات کی شرعی حیثیت پر بحث میں پہلے آپ نے حسب معمول قرآنی آیات سے شواہد فراہم کئے ہیں۔ اورسب سب سے پہلے اس آیت کو پیش فرمایا ہے۔ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبٰرکا وھدی للعالمین فیہ آیات بیّنٰت مقام ابراہیم (پ۴،ر۱)

ترجمہ:''بے شک سب میں پہلا گھر جولوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا ہے۔وہ ہے جومکہ میں ہے برکت والا اورسارے جہاں کوراہ دکھاتا۔اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر جس پر کھڑے ہوکرانہوں نے کعبۂ معظّمہ بنایا۔ان کے قدم پاک کا نشان اس میں بن گیا''۔مذکورہ آیت سے متعلق چند تفسیریں ذکر کی ہیں۔تفسیر کبیر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔(ہم صرف اردو ترجمہ پر قناعت کرتے ہیں)''یعنی کعبہ معظّمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہیم ہے، یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہوگیا۔یہاں تک کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں پیر گیا،اور یہ خاص قدرت الٰہیہ ومعجزۂ انبیاء ہے۔پھر جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدم اٹھایا اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس کھڑے میں پتھر کی سختی پیدا کر دی کہ وہ نشان قدم محفوظ رہ گیا۔پھر اسے حق سبحانہ نے مدتہا

مدت باقی رکھا، تو یہ اقسام اقسام کے عجیب وغریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے'' ......''ارشاد العقل السلیم'' کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

''یعنی اسی ایک پتھر کو مولیٰ نے متعدد آیات فرمایا۔ اس لئے کہ اس میں ابراہیم علیہ السلام کا نشان قدم ہو جانا ایک، اور ان کے قدموں کا گٹوں تک اس میں پیر جانا، دو، اور پتھر کا ایک ٹکڑا نرم ہو جانا باقی کا اپنے حال پر رہنا، تین اور معجزات انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں اس معجزہ کا باقی رکھنا، چار۔ اور باوصف کثرت اعداء ہزاروں برس اس کا محفوظ رہنا، پانچ، اور یہ ہر ایک بجائے خود ایک آیت ومعجزہ ہے۔''(۱۶)

اور دوسری یہ آیت آپ نے پیش کی ہیں......''**قال لهم نبيهم ان آية ملكه ان ياتيكم التابوت فيه سكينة من ربكم و بقية مما ترك آل موسىٰ و آل هرون تحمله الملئكة ان فى ذلك لآية لكم ان كنتم مومنين**''۔(پ۲ر۱۶)

ترجمہ:''بنی اسرائیل کے نبی شمویل علیہ الصلوۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور موسیٰ وہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں۔ فرشتے اسے اٹھا کر لائیں، بے شک اس میں تمہارے لئے عظیم نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

اس آیت کے ذیل میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں............''وہ تبرکات کیا تھے؟ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصاء ان کی نعلین مبارک، اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ مقدسہ، وغیرہا، ان کی برکات تھیں کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جس لڑائی میں آگے کرتے فتح پاتے اور جس مراد میں اس سے توسل کرتے اجابت دیکھتے۔''(۱۷)

توثیق مدعا پر چند تفسیریں پیش کی ہیں۔ ان تمام کا عطر وفکر وہی ہے جو ابھی حضرت رضا بریلوی کے توضیحی نوٹ میں گذرا۔ قرآن اور تفسیر قرآن کے بعد آپ نے احادیث نبوی کی روشنی میں فکر انگیز استدلال فرمایا ہے۔ انہیں میں یہ حدیث بھی ہے جو صحیح مسلم شریف میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے ہے۔

ترجمہ: ''انہوں نے ایک اونی جبہ کسروانی ساخت، نکالا، اس کی پلیٹ ریشمی تھی، اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا، اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جبہ ہے، ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا، ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے، تو ہم اسے دھو دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے ہیں''

احادیث کے ذکر کے بعد حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں...... ''یہ چند احادیث صحیحین سے لکھدیں اور یہاں احادیث میں کثرت، اور اقوال ائمہ کا تواتر بشدت، اور مسئلہ خود واضح، اور اس کا انکار جہل فاضح ہے، لہٰذا صرف ایک عبارت شفا شریف پر اقتصار کریں فرماتے ہیں۔ (ترجمہ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا ایک جزیہ بھی ہے کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ علاقہ ہو حضور کی طرف منسوب ہو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے چھوا ہو یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو۔ ان سب کی تعظیم کی جائے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں چند موئے مبارک تھے، کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی، خالد رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے ایسا شدید حملہ فرمایا جس پر اور صحابۂ کرام نے انکار کیا۔ اس شدید وسخت حملہ میں بہت مسلمان کام میں آئے، خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہ تھا بلکہ موئے مبارک کے لئے تھا کہ مبادا اس کی برکت میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ لگیں۔ (۱۸)

نقوش انبیاء اور آثار صلحا کی شرعی حیثیت وعظمت کتاب وسنت کی تجلیات سے منقح

کرنے کے بعد بزرگوں کے آثار اور یادگاروں سے حصول برکت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ اعتقاد بھی اسلام کا مسلم عقیدہ ہے، ہر دور میں آثار کی حفاظت کی گئی، نذر عقیدت پیش کیا گیا اور انہیں سرچشمۂ برکات سمجھا گیا، یہ وہ حقائق ہیں جس کے ثبوت پر شرعی دلائل بھی ہیں اور تاریخی شواہد بھی......حضرت رضا بریلوی رقم طراز ہیں۔ ''برکت آثار بزرگاں سے انکار آفتاب روشن کا انکار ہے۔ مع ہٰذا جب برکت آثار شریفہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلم، اور پر ظاہر کہ اولیا وعلماء حضور کے ورثاء ہیں تو ان کے آثار میں برکت کیوں نہ ہوگی۔ کہ آخر وارث برکات ووارث ایراث برکات ہیں فقیر غفراللہ تعالیٰ اتمام حجت کے لئے چند عبارات ائمہ وعلماء (کہ وہ سب آج سے سو برس پہلے اور بعض پانچ سو، چھ سو برس کے تھے) حاضر کرتا ہے۔ کتب مطبوعہ کا نشان جلد وصفحہ بھی ظاہر کردیا جائے گا۔ کہ مراجعت میں آسانی ہو، ......صحیح مسلم شریف میں عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔'' **انی احب ان تاتینی و تصلی فی منزل فاتخذوہ مصلی**'' امام اجل ابوزکریا نووی (۶۳۱ھ۔۶۷۷ھ) اس حدیث کے تحت اپنی شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں۔ **فی ھٰذا الحدیث انواع من العلم ففیہ التبرک بآثار الصالحین وفیہ زیارۃ العلماء والفضلاء واتباعھیم وتبریکھم ایاھم** (۱/۲۳۷) اس حدیث سے چند چیزوں کا علم ہوا، ان میں سے یہ بھی ہے کہ صالحین کے آثار سے برکت حاصل کی جائے۔ اسی طرح اس سے اہل علم وفضل اور بزرگوں کا اپنے معتقدین ومتبعین کی ملاقات کے لئے جانا اور انہیں اپنی برکتوں سے نوازنا بھی ثابت ہے (مترجم) اسی حدیث کے نیچے لکھتے ہیں۔ **فی حدیث عتبان ھٰذا فوائد کثیرہ منھا التبرک باالصالحین وآثارھم الصلوٰۃ فی المواضح التی صلوا بھا وطلب التبریک منھم** (۱/۲۳۴) حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بہت فوائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ (۱) صالحین سے برکت حاصل کرنا۔

(۲) ان کے آثار سے برکت لینا، (۳) جن مقامات پر انہوں نے نماز ادا کی ہو، وہیں نماز ادا کرنا (۴) ان سے یہ درخواست کرنا کہ ہمیں اپنی برکت سے نوازیں (مترجم)

امام احمد بن محمد قسطلانی (م ۹۲۳ھ) ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث **فجعل الناس یتمسحون بوضوئیه** ''فرماتے ہیں استنبط منہ التبرک لما یلامس اجساد الصالحین'' (۳۸/۱) اس حدیث سے نیکوں کے جسم سے مس ہونے والی چیزوں سے برکت حاصل کرنے کا حکم مستنبط ہوا (مترجم)

مولانا علی قاری مکی (م ۱۰۱۴ھ) نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث سنن نسائی کے نیچے کہ ''طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقیہ آب وضو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور سے مانگ کر اپنے ملک لے گئے'' یہ فائدہ لکھا...... **فیه التبرک لفضله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ونقله الی البلاد نظیر ماء زمزم ...... ویوخذ من ذلک ان فضلة وا رثیه من العلماء والصلحاء کذلک** ......اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بچے ہوئے پانی سے برکت حاصل کرنا اور اسے آب زمزم کی طرح اپنے ملک وشہر میں لے جانا ثابت ہوا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے وارثین اور صلحاء کا بقیہ بھی پانی بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ (مترجم)

شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۴ھ) ''فیوض الحرمین'' ص ۲۰ میں لکھتے ہیں ''**من ارا د ان یحصل له ما للملا السافل من الملائکة فلا سبیل الی ذلک الاعتصام بالطهارت والحلول بالمساجد القدیمة التی صلی فیها جماعات من الاولیاء** (الخ)

''جو یہ ارادہ کرے کہ اسے فرشتوں کے طبقۂ زیریں کی برکت حاصل ہو، تو اس کا راستہ یہ ہے کہ طہارتوں کی خوب پابندی کرے اور ان پرانی مسجدوں میں داخل ہوتا رہے

جن میں اولیاء کی کچھ جماعتیں نماز ادا کر چکی ہوں'' (مترجم) فیوض الحرمین کے ص ۵۷ پر رقمطراز ہیں۔

''ان قام المعرفة لروحه تعديق وعناية لكل شيئ من طريقة ومذهبه وسلسلة ونسبة وقراتبه وكل مايليه ويسنب اليه وعناية هذه يختلط بها عناية الحق '' اگر کسی کو معرفت حاصل ہوجائے تو اس کی روح کو یہ قوت حاصل ہوتی ہے۔ کہ طریقت، مسلک، سلسلہ، نسب، قرابت، اور اس سے نسبت و تعلق رکھنے والی ساری چیزیں اس روح کے احاطے اور اس کی عنایت و توجہ کے دائرے میں آجاتی ہیں اور اس کی روحانی توجہ کے ساتھ عنایت ربانی بھی ملی ہوئی ہے، (مترجم) ''ہمعات'' میں لکھتے ہیں۔

''ازیں جاست حفظ اعراس مشائخ ومواظبت زیارت قبور ایشاں والتزام فاتحہ خواندن وصدقہ دادن برائے ایشان و اعتنائے تمام کردن بہ تعظیم آثار واولاد ومنتسبان ایشاں'' اس سے معلوم ہوا بزرگوں کے اعراس کا تحفظ، ان کے مزاروں کی زیارت کی پابندی۔ ان کے لئے فاتحہ پڑھنے، اور صدقہ دینے کا پیہم عمل اور پھر بھر پور توجہ کے ساتھ ان کی اولاد ان کے اہل تعلق، اور ان کے آثار کی تعظیم وتکریم'' (مترجم)

طبرانی معجم اوسط اور ابونعیم حلیہ میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں.......... ''قال كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يبعث الى المطاهر فيوتى بالماء فشربة يرجوبه بركة ايدى المسلمين (تیسیر ۲۰/۲۲۹، سراج المنیر ۳/۱۴) یعنی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمانوں کی طہارت گاہوں مثل حوض وغیرہ سے جہاں اہل اسلام وضو کیا کرتے، پانی منگا کر نوش فرماتے، اور اس سے مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت لینا چاہتے (مترجم)

علامہ محمد حنفی اپنی تعلیقات علی الجامع میں فرماتے ہیں............یرجوبه برکته (الخ) لانهم محبوبون لله تعالیٰ بدلیل ان الله یحب التوابین ویحب المتطهرین " ......یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقیۂ آب وضوئے مسلمین میں اس وجہ سے امید برکت رکھتے کہ وہ محبوبان خدا ہیں۔قرآن عظیم میں فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے طہارت والوں کو، (مترجم)

یہ حضور پرنور سید المبارکین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جن کی خاک نعلین پاک تمام جہان کے لئے تبرک دل وجان اور سرچشمۂ دین وایمان ہے، وہ اس پانی کو جس میں مسلمانوں کے ہاتھ دھلے تبرک ٹھہرائیں اور اسے منگا کر بغرض حصول برکت نوش فرمائیں۔حالانکہ واللہ واللہ مسلمانوں کے دست وزبان اور دل وجان میں جو برکتیں ہیں سب انہیں نے عطا فرمائیں۔انہیں کی نعلین پاک کے صدقے میں ہاتھ آئیں یہ سب تعلیم امت وتنبیہ مشغولان خواب غفلت کے لئے تھا۔کہ یوں نہ سمجھیں تو اپنے مولیٰ وآقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل سن کر بیدار اور برکت آثار اولیاء وعلماء کے طلبگار ہوں۔پھر کیسا جاہل ومحروم ونافہم وملوم، کہ محبوبان خدا کے آثار کو تبرک نہ جانے اور اس سے حصول برکت نہ مانے۔(۱۹)

کچھ لوگ آثار بزرگان ونقوش صالحان کے تعلق سے دلوں میں محبت کا پاکیزہ جذبہ اور ادب کا نرم گوشہ نہیں رکھتے۔چوں کہ وہ ایسی محبت خیز، الفت آمیز حقائق کے قائل نہیں ہیں۔اس لئے طرح طرح کے شوشے چھوڑتے اور تاریخ وسند کا مطالبہ کرتے ہیں، بدنصیبی یہ ہے کہ ضد میں تضحیک وتحقیر سے بھی نہیں چوکتے......حضرت رضا بریلوی نے "شفا شریف مواہب لدنیہ، اور مدارج شریف سے ثابت کیا ہے کہ علمائے اسلام نے تعظیم آثار کے لئے ارباب آثار سے نسبت کی شہرت ہی کو کافی سمجھا......فرماتے ہیں......"تواتر سے

ثابت کہ جس چیز کوکسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہوتا۔ صحابہ تابعین، اور ائمہ دین ہمیشہ اس کی تعظیم وحرمت اور اس سے طلب برکت فرماتے آئے۔ اور دین حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی کہ اس کیلئے کسی سند کی بھی حاجت نہیں۔ بلکہ جو چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعائر دین سے ہے......ایسی جگہ بے ادراک سند سے باز نہ رہے گا مگر بیمار دل، پر آزار دل، جس میں نہ عظمت شان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بروجہ کافی نہ ایمان کامل۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ **وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم .**

ترجمہ:۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر، اور اگر سچا ہے تو تمہیں پہنچ جائیں گے بعض وہ عذاب جن کا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے......اور خصوصاً جہاں سند بھی موجود پھر تو تعظیم، اعزاز اور تکریم سے باز نہیں رہ سکتا مگر کوئی کھلا کافر۔ یا چھپا منافق، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ (۲۰)

بزرگوں کے آثار وتبرکات بلاشبہ نعمت عظمٰی ہیں۔ ان کی برکتوں سے کتنے خاک نشیں رشک مہر واختر ہوگئے۔ مگر ساتھ ہی اس حکم شرعی سے بھی آگاہ رہنا چاہئے کہ ان آثار وتبرکات کو کسب معاش اور حضور زر کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا جائے۔ ورنہ یہ بڑی محرومی اور بدبختی کا باعث ہوگا اور زیارت کرانے میں نہ کوی منفعت پیش نظر ہو اور نہ کسی قسم کی بے ادبی ہونے پائے۔ ان تمام امور سے متعلق حضرت۔ رضا بریلوی نے تفصیلی اور تحقیقی بحث فرمائی ہے۔ ان کے ادب کا معیار کتنا اونچا، اور محبت کا چمن کیسا ہرا بھرا تھا، احتمال اور شک کے درجے میں بھی کوئی بات اگر عظمت وتوقیر کے منافی ہوتی تو وہ بھی برداشت نہیں تھی۔ اس لئے وہ ہمیشہ ادب تعظیم کا درس دیتے رہے، غفلت پر تنبیہ فرماتے رہے۔ افراط وغلو پر ہدایت واصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ زیارت آثار کے اسلامی آداب بیان

فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''اگر کسی بندۂ خدا کے پاس کچھ آثار شریفہ ہوں اور وہ انہیں بالتعظیم اپنے مکان میں رکھے اور جو مسلمان اس کی درخواست کرے محض لوجہ اللہ زیارت کرادیا کرے، کبھی کسی معاوضہ، نذرانہ کی تمنا نہ رکھے، پھر اگر وہ آسودہ حال نہیں۔ اور مسلمان بطور خود قلیل یا کثیر، بنظر اعانت اسے کچھ دے۔ تو اس کے لینے میں اس کو کچھ حرج نہیں باقی گشتی صاحبوں کو عموماً اور مقامی صاحبوں میں خاص ان کو جو اس امر پر اخذ ونذور کے ساتھ معروف ومشہور ہیں۔ شرعاً جواز کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی......مگر ایک یہ کہ خدائے تعالیٰ ان کو توفیق دے، نیت اپنی درست کریں، اور اس شرط عرفی کے رد کے لئے صراحتاً اعلان کے ساتھ ہر جلسے میں کہہ دیا کریں کہ مسلمانوں یہ آثار شریفہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا فلاں ولی معزز ومکرم کے ہیں، کہ محض خالصاً لوجہ اللہ تمہیں ان کی زیارت کرائی جاتی ہے، ہرگز کوئی بدلا یا معاوضہ مطلوب نہیں۔ اس کے بعد مسلمان کچھ نذر کریں تو اسے قبول کرنے میں کچھ حرج نہ ہوگا۔ (۲۱)

اپنے سینکڑوں رسالے میں انہوں نے اسی طرح عظمت مصطفیٰ کی خوشبو بکھیری ہے عشق رسول کی دنیا آباد کی ہے۔ اگر فرداً فرداً سب کا تصور عشق کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو مستقل ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے یہ موضوع الگ الگ تحقیقی مقالے کا متقاضی ہے۔ اب تک صرف تین کتابوں کا تجزیہ اور تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔ صفحات کی قلت دامن گیر ہے اس لئے اسی پر اقتصار کرتے ہیں۔ مثلاً آپ کی ایک عظیم کتاب ''الامن والعلیٰ'' ہے اس میں آپ نے قرآن کریم کی چھ آیت، اور دوسو اٹھارہ احادیث سے حضور کا مختار

کل ہونا، دافع البلاء ہونا ثابت کیا ہے۔ اور ایسے فضائل تحریر کئے ہیں کہ ایمان مچل مچل اٹھتا ہے۔ ایک کتاب ہے۔ ''تجلی الیقین'' اس میں آپ نے دس آیتوں اور سو حدیثوں سے حضور کا سید المرسلین ہونا ثابت کیا ہے۔ اور حضور کی عظمت کے وہ گل کھلائے ہیں کہ مشام روح معطر ہو جاتی ہے۔ یونہی سلطنت مصطفیٰ، اقامۃ القیامہ، وغیرہ وہ کتابیں ہیں۔ جن کی سطر سطر سے عشق رسول کی شعائیں پھوٹ رہی ہیں............ تاہم اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ نثری شہ پارے کے حوالے سے لکھا گیا، بڑی ناانصافی ہوگی اگر نظم کا ذکر نہ چھیڑا جائے چوں کہ نثر ہی کی طرح نظم میں بھی آپ نے اسی خلوص سے درد دل پیش کیا ہے اس لئے مختصراً اس کا بھی ذکر ناگزیر ہے۔ تصور عشق رسول کے باب میں آپ کی ایک کیف زا سرور افزا تصنیف حدائق بخشش بھی ہے آیئے اس کے مطالعہ سے بھی اپنی بصیرت وبصارت کو شادکام کرتے چلیں۔

(۴) حدائق بخشش

حضرت رضا بریلوی کے منظوم کلام کا مجموعہ، تصور عشق کی کہکشاں، اور بہار فکر کا گلستاں ہے، شاعروں نے محبوب کی سیرت وصورت، حسن وجمال، فضل وکمال، وفا وجفا پر اپنے اپنے انداز میں بہت کچھ کہا ہے اور بہت خوب کہا ہے۔ تاہم حضرت رضا بریلوی نے شدت احساس سے جذبات دروں کے مدوجزر کو اپنے حسن وخیال اور زور بیاں سے جس طرح شگفتگی بخشی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ کرب میں طرب، درد میں دوا سوزش میں کشش، گلاب میں گلشن، کم میں کیف، سوز میں ساز اور موت میں حیات کا جو تصور انہوں نے پیش فرمایا ہے اس کا جواب کہاں...... بلاشبہ ''حدائق بخشش'' فکر وادب کے ماتھے کا سیندور، شعر وشاعری کے گلے کا ہار، اردوئے معلّٰی کی پیشانی کا جھومر، معنی آفرینی کے سر کا تاج، اور ممتاز شعراء کے ندرت فکر، نزاکت خیال کے لئے روشن شمع اور عربی، فارسی، اردو کی نعتیہ

شاعری کا قابل فخر سرمایہ ہے۔

حضرت کافی سے عقیدت: شاعری میں حضرت رضا بریلوی شہید جنگ آزادی مولانا کفایت علی کافی سے بہت متاثر تھے چنانچہ آپ نے لکھا ہے......"مولانا کافی علیہ الرحمہ کی زیارت آٹھ برس میں عمر میں خواب میں ہوئی۔ میری پیدائش کے گیارہ مہینے بعد مولانا کافی کو پھانسی ہوئی۔(۲۲)

چنانچہ غلام رسول مہر نے لکھا ہے............" کافی کی غزلیں بہت پسند کرتے تھے۔ ان کو سلطان نعت کہتے تھے(۱۸۵۷ء کے مجاہد ص ۳۱۱)

چنانچہ آپ اپنی رباعی میں کہتے ہیں۔ ؎

"مہکا ہے میری بوئے دہن سے عالم — یاں نغمہ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافی سلطان نعت گویاں ہیں رضا — انشاء اللہ میں وزیر اعظم

شرف استادی : تعجب ہے کہ شعر وسخن کے میدان میں بھی ارباب فکر ونقد جس کی استادی کا لوہا تسلیم کر رہے ہیں۔ شاعری میں اس کا کوئی استاذ نہیں تھا۔ انہی کی زبانی سنئے۔ ؎

رہا نہ شوق کبھی مجھ کو سیر دیواں سے — ہمیشہ صحبت ارباب شعر سے ہوں نفور
جبین طبع ہے ناسود داغ شاگردی — غبار منت اصلاح سے ہے دامن دور
مگر جو ہاتف غیبی مجھے بتاتا ہے — زبان تک اسے لاتا ہوں میں بمدح حضور

تاہم مداح بارگاہ رسول حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہبری پر فخر وناز ہے۔ ؎

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو — نقش قدم حضرت حسان بس ہے

حضرت رضا بریلوی کو محبوب خدا کی مداحی پر وجد آتا تھا کیوں نہ ہو کہ قرآن کریم خود ہی مدحت سرکار دوعالم کا انمول گلدستہ ہے، اللہ کے اسی بے نظیر کلام کی رہنمائی اور روشنی میں فکر رضا پرواز کناں ہے۔ بے مثل و بے مثال کلام کی روشنی نے آپ کے کلام کو بھی بے مثل بنا دیا۔ ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ ۔۔۔ بے جا سے ہے المنتہ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوی سیکھی ۔۔۔ یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ (۲۳)

حضرت رضا بریلوی نے انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں شاعری کا آغاز کیا۔ اور نعت گوئی کو مسلک شعری کے طور پر اپنایا اور اس میں وہ کمال پیدا کیا کہ اپنے معاصرین شعراء سے گوئے سبقت لے گئے۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخئ طبع رضا کی قسم

منتخب کلام رضا: حضرت رضا بریلوی شعر و ادب کا بہت ہی معیاری ذوق رکھتے تھے آپ نے تقریباً ہر میدان میں گوئے فکر دوڑایا اور بازی جیتی ذیل میں ان کے کلام کا مختصر انتخاب پیش ہے۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے تیرے پایہ کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

ارے اے خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا
نہ کوئی گیا نہ آیا

ایک نعت میں آپ نے چار زبانوں کا سنگم اس طرح پیش کیا ہے کہ تاریخ ادب میں اس کی مثال مفقود ہے۔ کیوں کہ اس سے پہلے تین زبانوں کا امتزاج صرف امیر خسرو

اور جامی کے یہاں ملتا ہے۔حضرت رضا بریلوی کے علمی تبحر کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ کوئی ایسی نعت لکھتے جو بے مثل ہوتی چنانچہ ایک نعت انہوں نے صنعت ملمع میں لکھی اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)ملمع مکشوف:۔یعنی جب ایک مصرعہ عربی میں اور ایک فارسی میں ہو۔

(۲)ملمع محجوب:۔ یعنی جب ایک شعر عربی میں ہو دوسرا فارسی میں ہو۔(۲۴)

لیکن حضرت رضا بریلوی نے ایسے ملمع میں اشعار لکھے ہیں جس میں عربی، فارسی، ہندی اور اردو چاروں زبانوں کے الفاظ ہیں۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
البحر علی والموج طغیٰ من بے کس و طوفان ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
یا شمس نظرت الیٰ لیلی چوں بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
انا فی عطش وسخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رُمجھم رُمجھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

مرزا غالب ہندوستان میں بانیان شعر وسخن میں ایک مانے گئے ہیں۔انہیں دربار شاہی سے استاذ الشعراء، دبیر الملک کا خطاب مل چکا ہے، وہ ایک سنگلاخ زمین میں ایک مرصع غزل لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں، اردو شاعری کی دنیا میں ہلچل مچ جاتی ہے۔

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں

بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیئے غیر سے تہی

سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کر ہو رشک فارسی

گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

اب اسی سنگلاخ زمین میں حضرت رضا کے جذبات کی تڑپ دیکھئے۔

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں

کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں

صبح نے نور مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور

اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل

کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے

لا اسے پیش جلوہ زمزۂ رضؔا کہ یوں

ایک اور غزل اسی ردیف میں قافیہ کے ادنیٰ فرق سے مرزا غالب نے لکھی ہے۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی

جس کو ہو دین ودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

اب اس مقابلے میں حضرت رضا بریلوی کا کمال فکر دیکھئے انہوں نے اپنی فنی چابکدستی سے سخن کی اس خارزار وادی کو نعت کا گلشن وگلزار بنادیا۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائیں کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں
ہم تو ہیں آپ دلفگار غم میں ہنسی ہے ناگوار
چھیڑ کے گل کو نوبہار خون ہمیں رلائے کیوں
خوش رہے گل پہ عندلیب خار حرم مجھے نصیب
میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں

نعتیہ مضامین میں معراج بھی ایک موضوع ہے جس پر نعت گو شعراء نے نئے نئے اسلوب سے اظہار خیال کیا ہے۔ معراج نامے بہت سے شعراء نے لکھے ہیں۔ لیکن حضرت رضا بریلوی نے ایک طویل قصیدہ کہا ہے جس کے کل ۶۷/اشعار ہیں، دلکش شاعرانہ انداز نے وہ گلکاری کی ہے کہ مشام عقیدت معطر ہو جاتے ہیں۔

یہ وہ عالمگیر شہرت رکھنے والا قصیدہ ہے جس پر ہندوستان کے بڑے بڑے شعراء نے تضمین لکھیں اور بہت کچھ طبع آزمائیاں کیں، جب یہ قصیدہ سوداگری محلّہ (بریلی شریف) کی چہار دیواری سے باہر نکلا تو علی گڈھ کالج کے پروفیسروں نے بھی اس پر متعدد خمسے اور تضمین لکھیں۔ اور کالج کے طلباء نے بھی مدتوں اپنا حسین نغمہ بنائے رکھا، یہ تو سب نے مان لیا کہ واقعہ معراج شریف پر اردو زبان میں ایسی بلند پایہ نظم نہ ہوئی۔

وہ نظم یہ ہے۔

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے

نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
نئ دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤں کے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسن تزئین وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکین
صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
خدا ہی دے صبر جان پر غم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے
تجلی حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ وتسلیم کی نچھاور
دورویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے
نبی رحمت شفیع امت رضا پہ للّٰہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

امیر مینائی اردو ادب کا ایک مستند نام ہے انہوں نے ایک غزل کہی ہے اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے مگر اسی زمین وقافیہ میں حضرت رضا بریلوی نے نعت لکھی ہے ۔ دونوں کا لطف وکیف دیکھئے۔حضرت رضا بریلوی کے خیال کی بلندی وعظمت ہی اور ہے۔

امیر مینائی

یہ ترو تازہ چمن ہے کہ تمہارا عارض
یہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ تمہارے گیسو
بال کنگھی سے جو سلجھائے تو دل الجھایا
تیرہ بختوں کو بگاڑا جو سنوارے گیسو

مچھلیا ں دام سمجھ کر ہیں جو موجوں میں نہاں
کھل گئے کس کے یہ دریائے کنارے گیسو
دن کو رخسار دکھاتا ہے فروغ خورشید
شب کو چمکاتے ہیں افشاں کے ستارے گیسو

رضا بریلوی

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہوجائے
چھائیں رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو
شانہ ہے پنجۂ قدرت تیرے بالوں کے لئے
کیسے ہاتھوں نے شہا تیرے سنوارے گیسو
تار شیرازۂ مجموعۂ کونین ہیں یہ
حال کھل جائے جو اکدم ہوں کنارے گیسو
تیل کی بوند یں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبح عارض پہ لٹائے ہیں ستارے گیسو

آ قائے کونین کے حضور ہدیہ سلام نذر گذارنا ہر صالح قلب کی دھڑکن اور پا کیزہ روح کی آواز ہوتی ہے اسی لئے ہر شاعر، سلام کے عنوان سے بھی شعر کہہ کر اپنی روح کی تشنگی کا سامان کرتا ہے حضرت رضا بریلوی نے بھی سلام کہا ہے۔ کیا کہا ہے اور کیسا کہا ہے اس تعلق سے مشہور عالم ونقاد مولانا کوثر نیازی سے سنئے۔

''اردو، عربی، فارسی، تینوں زبانوں کا نعتیہ کلام میں نے دیکھا ہے اور بالاستیعاب دیکھا ہے۔ میں بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ تمام زبانوں اور تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام'' مصطفٰے جان رحمت پہ لاکھوں سلام' ایک طرف، دونوں کوایک

ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا،
میں اگر یہ کہوں کہ یہ سلام اردو زبان کا قصیدہ بردہ ہے تو اس میں ذرہ
بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ (۲۵)

اور پروفیسر وسیم بریلوی کا خیال ہے کہ:۔اردو کے بڑے شاعروں کا سارا بڑا پن شاعرانہ سحر کاریوں کے گرد گھومتا ہے ان سب کا جلوہ ایک جگہ۔ اور پورے فنی ، وفکری التزام کے ساتھ اگر دیکھنا ہو تو فاضل بریلوی کی حدائق بخشش دیکھیں۔ (انتخاب حدائق بخشش، ص۵۲) حدائق بخشش آپ کا ادبی شاہکار، واردات قلبی کا درخشندہ تابندہ، بارگاہ رسول مجتبیٰ علیہ السلام میں آپ کے بے پناہ عقیدت ومحبت کا آئینہ دار، اور حمد ونعت ومنقبت جیسے پاکیزہ فکر وادب کے لئے گلستان سدا بہار ہے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

حدائق بخشش محبوب دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، سیرت مبارکہ، فضائل عالیہ، کا ایک ایسا چمن درچمن ہے کہ۔ ؎

''کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست''

کے مطابق اس گلشن سے کس کس پھول کو چنا جائے اور اپنے مضمون کو ممنون نکہت کیا جائے عقل حیران و پریشان ہے ہم نے صرف چند پہلو کا انتخاب کرنا چاہا اور بعد میں جب شمار کیا تو پچاس سے زاید عنوان ہو چکے تھے۔اس منتخب گلدستے سے صرف چند پھول حاضر ہیں۔دیکھئے رضا بریلوی کا ''عشق'' کیسا سدا بہار، گلستاں بکنار اور ''وہی ایک جلوہ ہزار ہے' کا کیسا شاہکار ہے۔ایک ایک گوشے پر کتنے انداز وادا سے انہوں نے طبع آزمائی خیال آفرینی کی ہے ہر انداز میں ایک جدت اور ہر ادا حسن فکر کا مظہر ہے۔

رخ روشن

رخ روشن کی تجلی جو قمر نے دیکھی ۔۔۔ رہ گیا بوسہ دہ نقش کف پا ہوکر

پردہ اس چہرہ انور سے اٹھا کر اک بار اپنا دیوانہ بنا اے مہ تاباں ہم کو

کس کے روئے منور کی یاد آ گئی دل تپاں دل تپاں دل تپاں ہوگیا

خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ک، گیسو، ۂ دہن یٰ ، آنکھیں ، ابرو، ع، ص
کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا

گیسوئے عنبرین

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

دعاء کر بخت خفتہ جاگ ہنگام اجابت ہے
ہٹایا صبح رخ سے شاہ نے شبہائے کاکل کو

یاد گیسو ، ذکر حق ہے ، آہ کر
دل میں پیدا لام ہوہی جائے گا

بڑھ چلی ، تیری ضیاء اندھیر عالم سے گھٹا
کھل گیا گیسو تیرا رحمت کا بادل گھر گیا

خارطیبہ

خار دشت حرم کے آگے
ذکر و چمن بہار توبہ
ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے

آنکھوں میں آئیں، سر پہ رہیں، دل میں گھر کریں
اے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشت طیبہ کے خار پھرتے ہیں

سگ مدینہ

دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں
اے سگان کوچۂ دلدار ہم
خوف ہے سمع خراشی سگ طیبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالۂ افغاں ہم کو
تجھ سے در، در سے سگ، سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

شان مسیحائی

کشتگان گرمئ محشر کو وہ جان مسیح
اپنے دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے
مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمر جاوید
زندہ چھوڑے گی کسی کو نہ مسیحائی دوست
اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دیئے ہیں

عشقِ مصطفےٰ

ہمارے درد جگر کی کوئی دوا نہ کرے | کمی ہو عشق نبی میں کبھی خدا نہ کرے
خاک ہوکر عشق میں آرام سے سونا ملا | جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی
برق عشق شہ والا یہ گری وہ تڑپی | شور سینوں میں ہے برپا یہ گری وہ تڑپی
جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا | جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں
انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام | للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

غلامیٔ مصطفےٰ

نازشیں کرتے ہیں آپس میں ملک
ہیں غلامان شہ ابرار ہم
میں تو کیا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہدیں اگر وہ جناب ہوں
خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفےٰ
تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

شانِ تبسم

زخمی تیغ تبسم ہے کہ دکھلاتا ہے برق | رقص بسمل کا تماشا یہ گری وہ تڑپی
جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑے | اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس تبسم نے گلستاں پر گرائی بجلی | پھر دکھادے وہ ادائے گل خنداں ہم کو
مجرموں! چشم تبسم رکھو | پھول بنجاتے ہیں انگاروں کے

جلوۂ جاناں

نیم جلوے میں دوعالم گلزار
واہ واہ رنگ جمانے والے
ان کے جلووں کا جس دم بیاں ہوگیا
گلستاں مجمع بلبلاں ہوگیا
ہاں چلو حسرت زدو سنتے ہیں وہ دن آج ہے
تھی خبر جس کی کہ وہ جلوہ دکھاتے جائیں گے
تنگ ٹھہری ہے رضا جس کے لئے وسعت عرش
بس جگہ دل میں ہے اس جلوہء ہر جائی کی

دیدار پرانوار

لطف ان کا عام ہوہی جائے گا
شاد ہر نا کام ہوہی جائے گا
جان دے دو وعدۂ دیدار پر
نقد اپنا دام ہوہی جائے گا
آج عید عاشقاں ہے گر خدا چاہے کہ وہ
ابروئے پیوستہ کا عالم دکھاتے جائیں گے
جنت نہ دیں، نہ دیں تیری رویت ہو خیر سے
اس گل کے آگے کس کو ہوس برگ و بر کی ہے

ناخن منور

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول
جالوں پہ جالے پڑ گئے للہ وقت ہے
مشکل کشائی آپ کے ناخن اگر کریں
عید مشکل کشائی کے چمکے ہلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

تلوہ کا جلوہ

جس کے تلووں کا دھون ہے آب حیات
ہے وہ جان مسیحا ہمارا نبی
دل کرو ٹھنڈا میرا وہ کف پا چاند سا
سینہ پہ رکھدو ذرا تم پہ کروروں درود

موت سنتا ہوں ستم تلخ ہے زہرابۂ ناب کوئی لا دے مجھے تلووں کا غسالہ تیرا

عکس سم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند پڑ گیا سیم وزر گردوں پہ سکہ نور کا

قد و قامت زیبا

تیرا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چمان نہیں
تیرا قد مبارک گلبن رحمت کی ڈالی ہے
تجھے بوکر بنا اللہ نے رحمت کی ڈالی ہے
ہے گل باغ قدس رخسار زیبائے حضور
سرو گلزار قدم قامت رسول اللہ کی

حسن باملاحت

حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دلآرا ہمارا نبی
ان کے حسن با ملاحت پر نثار
شیرۂ جاں کی حلاوت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا
ایسے پیارے سے محبت کیجئے
وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

کوچہ محبوب

گذرے جس راہ سے شاہ گردوں جناب　آسماں آسماں آسماں ہوگیا

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں　مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

عنبر زمیں عبیر ہوا ، مشک ترغبار　ادنیٰ سی یہ شناخت تیری رہگذر کی ہے

گلزار مدینہ

چمن طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغ سدرہ　برسوں چہکے ہیں جہاں بلبل شیدا ہوکر

نیم وا طیبہ کے پھولوں پر ہو آنکھ　بلبلو پاس نزاکت کیجئے

گل طیبہ کی ثناء گاتے ہیں　نخل طوبیٰ یہ چہکنے والے

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی　زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

مدحت مصطفےٰ

اے رضا جان عنادل تیرے نغموں کے نثار　بلبل باغ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں　کہ رضائے عجمی ہو سگ حسان عرب

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح حضور　تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

ندرت خیال

شاخ قامت شہ میں زلف و چشم و رخسار و لب میں

سنبل نرگس ، گل پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ

جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن، پھبن میں دولہن

سزائے محن یہ ایسے منن ۔ یہ امن و اماں تمہارے لئے

دو قمر دو پنجۂ خوردوستارے دس ہلال

ان کے تلوے، پنجے ناخن پائے اطہر، ایڑیاں
دندان ولب و زلف ورخ شہ کے فدائی
ہیں درعدن، لعل یمن مشک ختن پھول
سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول ، ذقن پھول ، بدن پھول

درودوسلام

کعبہ کے بدرالدجیٰ تم پہ کروڑوں درود — طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود
ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب — نام ہوا مصطفےٰ تم پہ کروڑوں درود
سینہ کہ ہے داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ — طیبہ سے آ کر صبا تم پہ کروڑوں درود
کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے — ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود
مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام — شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
مہر چرخ نبوت پہ روشن درود — گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
شہر یار ارم تاجدار حرم — نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بیحد درود — ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور — بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کی قدسی کہیں ہاں رضا — مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام(۲۶)

یہ ہے حضرت رضا بریلوی کے منظوم کلام کا ایک ہلکا سا عکس جسے دیکھ کر پہلی ہی نظر میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح آپ اہلسنت کے امام ہیں، اسی طرح آپ کا کلام بھی سخن وکلام کا امام ہے چنانچہ آپ کے دیوان حدائق بخشش پر'' کلام الامام امام الکلام'' کا مقولہ حرف بحرف صادق آتا ہے......نثر سے لے کر نظم تک آپ نے عشق رسول کے جو پھول کھلائے اور محبت وعقیدت کے جو دیپک جلائے ہیں اس کی کرنیں، اس کی نکہتیں، غلامان

رسول اور مداحان مصطفٰے کے لئے شمع ہدایت ہیں...... آپ کے تصنیفی گلستان کو دیکھنے کے بعد یہ مانے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ حضرت رضا بریلوی عہد جدید کی ایک عظیم شخصیت کا نام ہے۔ ایسی شخصیت جس کے فکر میں پاکیزگی، حرارت وروشنی اور زندگی ہے، جس کی ذہنی فکری، جذباتی افق ایسی وسیع ہے کہ اس کی وسعتوں میں بڑے بڑے ادیب ودانشور حیران نظر آتے ہیں۔ جس کی فکری کاوش نے جھوٹے محبوبوں سے دل ہٹا کر سچے محبوب کی طرف لگادیا، دل کی متاع گراں بہار ضائع ہونے نہ دیا۔ پراگندہ خیالی سے بچار کر یکسوئی عطا کی، ادھر ادھر ٹوٹنے اور بکھرنے سے نجات دلا کر عالمی، آفاقی، دائمی مرکز چوکھٹ مصطفٰے کی محبت عطا کی۔ جس کی ہر تصنیف عشق مصطفٰے کی شمع فروزاں اور جس کی ہر تالیف حرارت ایمانی کا آفتاب درخشاں اور جس کی ہر تحریر کیفیات وتصورات عشق کا گل بداماں شبستان ہے۔ نعت گوشعراء میں حضرت رضا بریلوی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کے اشعار میں ندرت، اصلیت بلندی وباریکی اور سوز وتڑپ کے عناصر اس طرح حلول کر گئے ہیں جیسے پھول میں خوشبو چوں کہ انہوں نے بقول خود قرآن سے نعت گوئی سیکھی اس لئے اس صحرا میں آپ نے جو بھی قدم رکھا ہے نقوش قدم کی تابانیوں سے محبت کے پھول بھی کھلائے اور اردوادب کے دامن کو بھی بہاروں کا مسکن بنادیا ہے...... مجازی عاشقوں نے اپنے مجازی محبوبوں کیلئے جنون عشق میں نہ جانے کیا کیا کہا ہے، اور فکر کی وہ جولانی دکھائی ہے کہ لگتا ہے آسمان سے تارے توڑ رہے ہیں اور محبوب کے دامن میں ٹانک رہے ہیں، محبوب کے خدوخال، زلف ورخسار، لب لعلیں، نخرہ وعشوہ، ناز وانداز غمزہ وتبسم، قد وقامت اور وفاء وجفاء پر اپنے فکر کا مغز پیش کر کے رکھدیا ہے، تاہم حضرت رضا بریلوی نے انہی عنوان پر اپنے خیالات کی تگ وتاز محبوب خدا محبوب کائنات کے لئے پیش کئے ہیں، قاشہائے جگر، متاع دل ان کے قدم ناز پہ وارے ہیں جن کی محبت ان کی ذات کی طرح انمٹ، اور جن سے عشق ہمارے دین وایمان کی فیروزمندی کی ضمانت ہے۔ جن سے لگن اور لگاؤ کی

رعنائیاں عالم شہادت سے عالم آخرت تک کومحیط ہیں،اوراس سوغات عشق کی پیشکش میں افکار و خیالات کی جو ندرت ، اور تراکیب ، و استعارات کی جو جدت انہوں نے اپنائی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تلوار کی دھار پر چل کر صحرائے عشق کی خاردار وادیوں سے سرخ رو لوٹنا کوئی ان سے سیکھ لے۔

حاصل باب

قدرت کے فیاض ہاتھوں نے حضرت رضا بریلوی کو خالص اسلامی فطرت عطا فرمائی تھی،ان کی حیات وخدمات کا ہر پہلو اس چیز کی شہادت دے رہا ہے کہ وہ اسلام کے نمائندہ اور سچے خادم تھے،ان کے تصورات عشق کے بوقلموں گوشوں،ان کے قلب پر پڑنے والی محبت رسول کی کرنوں ، اوران کی قالب کوسحاب نور سے شرابور کردینے والے چھینٹوں کے سراغ میں ایک لمبی پگڈنڈی،اور وسیع شاہراہ سے گذرنے کے بعداب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے جو تصور عشق ہمیں دیا ہے، جو معیار مقرر کیا ہے اس پر حضرت رضا بریلوی کہاں تک پورا اترتے ہیں۔

اسلامی تصور عشق کا مآل وانجام یہ ہے کہ بندہ خدا کا محبوب ہوجائے یہ نہیں کہ بندہ محض دعویٰ کرتا پھرے کہ میں خدا کا محبوب ہوں ، بلکہ خالق کی طرف سے مخلوقات میں اس کی محبت اتاری جائے،اس کے حق میں یہ اعلان کروادیا جائے کہ فلاں بندہ میرا محبوب ہے، جب یہ اعلان ہوجاتا ہے تو بندہ قبول فی الارض کی دولت بے بہا سے شادکام ہوجاتا ہے، وہ جہاں گذرتا ہے درودیوار ذاکر ہوجاتے ہیں اس کو دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے، اس کی جلوت اگر اللہ، اللہ، بولتی ہے تو خلوت سے نبی ، نبی کی صدائے دلنواز آنے لگتی ہے، اس کی گویائی وخاموشی خوف خدا اور عشق مصطفے کا پیغام بن جاتی ہے،اسی لئے مومن کامل کے قلب صالح کی ہمیشہ یہ تمنا ہوتی ہے کہ ۔

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے　　　　اتنا کہدے کہ تو ہمارا ہے

خدا نے جس بندے کو اپنا بنالیا اس کی بندگی کی معراج ہوگئی، اس کا عشق سرفراز ہوگیا۔ اس نعمت عظمیٰ کے حصول کیلئے قرآن کریم نے جو کچھ اصول رکھے ہیں، کچھ شرطیں لگائی ہیں، ان میں پہلی شرط اتباع رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے ارشاد قرآنی ہے'' **فاتبعونی یحببکم اللہ** ''اے پیارے رسول آپ لوگوں کو فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ خدا کے محبوب بندے بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، میری اتباع سے ہی تم لوگ خدا کے محبوب بندے بن سکتے ہو، ادھر تم میری پیروی کروگے ادھر اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنالے گا۔ معلوم ہوا کہ محبت خدا کے لئے اطاعت مصطفےٰ لازمی، بنیاد اور اولین شرط ہے......اس بنیاد پر جب ہم حضرت رضا بریلوی کی سیرت کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی پوری زندگی کتاب وسنت کی آئینہ دار نظر آتی ہے، ان کی حیات کا ہر پہلو شریعت کے میزان پر تلا ہوا نظر آتا ہے، ان کی حرکت وسکون بھی اطاعت رسول کی جلوہ گاہ دکھائی پڑتی ہے، ان کے مشاہدین و معاصرین، ان کی سیرت وسوانح کے مصنفین ومولفین متفق ہیں کہ'' کتب بینی یا لکھتے وقت پاؤں مبارک سمیٹ کر دوزانوں اٹھائے رہتے، ذکر میلاد میں ابتداء سے انتہا تک ادباً دو زانوں رہا کرتے، یوں ہی وعظ فرماتے، ٹھٹھا نہ لگاتے جماہی آنے پر انگلی دانتوں میں دبا لیتے، قبلہ کی طرف رخ کر کے کبھی نہ تھوکتے، نہ قبلہ کی طرف پاؤں دراز کرتے، خط بنواتے وقت اپنا کنگھا اور شیشہ استعمال فرماتے'' اطاعت مصطفےٰ میں اہم ترین اطاعت، اقامت صلوٰۃ ہے، آپ تندرست ہوں یا بیمار پانچوں وقت مسجد میں با جماعت نماز ادا کرنے کے خوگر تھے، جب بھی نماز ادا فرماتے تو با عمامہ ہی ادا فرماتے، اور اپنے مریدوں کو بھی ہمیشہ اس امر کی خاص ہدایت فرماتے۔ نماز ادا کرتے وقت رکوع، سجود، قومہ، جلسہ وغیرہ ارکان صلوٰۃ کی صحیح ادائیگی کا خاص خیال رکھتے، ایک دفعہ کوئی صاحب ظہر کی چار سنتیں پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ آپ کی ایک رکعت

بھی نہیں ہوئی کیونکہ سجدہ کرتے وقت آپ کی ناک زمین سے علیحدہ رہی، نیز پیروں کی انگلیوں میں سے کسی ایک کا پیٹ زمین سے نہیں لگا تھا، کہ کم از کم فرض تو ادا ہو جاتا، واجبات وسنن ومستحبات تو علیحدہ رہے، آپ سنتیں پھر پڑھئے اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھئے کہ ناک کی ہڈی، جس کو بانسہ کہتے ہیں، (اپنی ناک پر انگلی رکھ کر بتایا) یہ اور پیروں کی کم از کم ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگا رہنا چاہئے، ورنہ اگر کوئی شخص نوح علیہ السلام کی برابر بھی عمر پائے اور اسی طرح نمازیں پڑھتا رہے گا تو یاد رکھئے وہ سب اکارت ہی جائیں گی، حضرت رضا بریلوی اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبلیغ وہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور علماء کرام وارث انبیاء ہیں، اسی طرح اس امر پر بھی کامل یقین رکھتے تھے کہ علما کے ذمہ دو فرض ہیں ایک تو شریعت مطہرہ پر خود پورے طور پر عمل کرنا، اور دوسرا فرض مسلمانوں کو ان کی دینی باتوں سے موافق بنانا، ان دونوں فرضوں کے آپ زبردست عامل تھے، کوئی بھی عمل کبھی بھی شریعت سے سرمو تجاوز کر جائے ایسا کوئی موقع آپ نے آنے نہ جانے دیا۔ ہر حال میں قانون شریعت پر عمل کر کے دکھایا۔ اور وارث انبیاء نائب مصطفیٰ ہونے کے ناطے مسلمانوں میں تبلیغ وہدایت کا فریضہ انجام دیا، کسی خلاف شرع حرکت پر فوراً متنبہ فرمایا اور شریعت کے رموز سے ناآشناؤں کو آشنا کیا، حکمت وموعظمت سے دعوت الی الحق دیا، پہلے نرمی ومحبت سے سمجھایا اگر سمجھ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ **وجادلھم بالتی ھی احسن** کا جلوہ دکھایا۔ عرض کہ ان کی حیات وخدمات کا ہر حصہ اتباع سنت کے نور سے منور تھا۔ فرائض تو خیر فرائض ہیں سنن زوائد اور مستحبات کی بھی جیسی پابندی آپ نے کی ہے اس وقت دیکھنے والوں کو رشک آتا تھا اور آج سننے والے عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسی متبع سنت صحبت کا اثر حاضر باشوں، خدمت گاروں پر پڑنا ہی چاہئے تھا، وہ علماء جو آپ کے حاشیہ نشین تھے ان کی بات تو پھر ان کی بات ہے کفش برادری کرنے والے، گھر میں پانی لانے

کی خدمت پر مامور لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ پابند شریعت شخصیت کی زریں صحبت سے وہ بھی قانون شرع کے راز داں، اور اظہار حق میں بے باک ہو گئے تھے۔ دار العلوم منظر اسلام کا جلسہ ہو رہا ہے، باہر سے تشریف لانے والے علماء میں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری ناظم دینیات علی گڈھ مسلم یونیورسٹی بھی موجود ہیں، ایک بچہ سقا پانی بھر رہا تھا جب اس نے ڈول اوپر کھینچ لیا تو مولانا موصوف نے پانی کے لئے لوٹا بڑھا دیا، لڑکے نے ان کی طرف بغور دیکھا اور ڈول اپنی مشک میں لوٹ کر کہا کہ میں نابالغ ہوں، میرے دیئے ہوئے پانی سے آپ کا وضو نہ ہوگا۔ لڑکے سے پوچھا گیا تو پھر اعلیٰحضرت (رضا بریلوی) کا وضو کیسے ہو جاتا ہے؟۔ اعلیٰ حضرت کے خادم حاجی کفایت اللہ صاحب یہ گفتگو سن رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ پانی کا معاہدہ تو اس کے باپ سے ہے وہ خود بھرے یا اپنے بچوں سے بھروا دے، خواہ وہ بچے نابالغ ہوں وضو صحیح ہو جائے گا۔ اس پر مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے فرمایا کہ فقیہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے خدام بھی ایسے باریک مسائل جانتے ہیں۔ اسے فیضان صحبت کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ حضرت رضا بریلوی نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل پر باحسن طریق تاحین حیات عمل فرمایا، انہوں نے جو کہا وہ کیا اور جو کیا اس پر اگر جرح ہوا تو آثار و سنن سے ثبوت کا دریا بہا دیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں اپنی اہلبیت کی عظمت ظاہر فرمائی ہے اور ان سے محبت رکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے مثلاً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے **یا یھاالناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم لن تضلوا کتاب اللہ و عتزتی اھل بیتی**۔ اے لوگو میں تمہارے بیچ دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم ان کی محبت و اطاعت کا دامن تھامے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے، ایک قرآن مجید، اور دوسری میری اہلبیت، ایک حدیث میں حضرات حسنین کریمین کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اللھم انی احبھما فابھما و احب من یحبھما،اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں،تو بھی ان سے محبت فرما،اور تو ان سے بھی محبت فرما جو ان سے محبت رکھیں نیز آپ نے فرمایا ہے من مات علی حب آل محمد مات مومنا۔ جو آل رسول کی محبت پر مرا وہ مومن ہو کر مرا،یعنی جو میری اولاد سے محبت رکھے گا مرتے وقت اس کو کلمہ نصیب ہوگا۔اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔اسی لئے حضرت رضا بریلوی دعاء مانگا کرتے تھے ؂

حب اہلبیت دے آل محمد کے لئے　　　کر شہید عشق حمزہ پیشوا کے واسطے

ان احادیث مبارکہ پر عمل کی جو مثال حضرت رضا بریلوی نے پیش کی ہے حق یہ ہے کہ یہ انہیں کا حصہ تھا، جو نسبت رسول رکھنے والی معمولی چیزوں کو بھی حرز جان بنانے کا آرزومند ہو وہ نسبت جسمانی وروحانی کے مراکز حضرات اہلبیت کی کتنی تعظیم کرتا ہوگا، سچ یہ ہے کہ آپ ہی نے آل رسول کا احترام کر کے آل رسول کا احترام کرنا سکھایا ہے، ورنہ آپ کے دور میں دوسرے بہت سارے آثار کی طرح،نسبت رسول کا احترام،آل رسول کی تعظیم وتوقیر کا جذبہ بھی مدھم مدھم اور پھیکا پھیکا سا ہو گیا تھا آپ نے صرف قول سے نہیں عمل پیہم سے اس جذبہ کو اس طرح اجاگر فرمایا کہ سینوں میں آل رسول کی محبت کے چشمے ابلنے لگے،اور دلوں میں آل رسول کی تعظیم کے ولولے موجیں مارنے لگے،آج جہاں کہیں بھی آل رسول کے تعلق سے احترام وعقیدت کے نقوش پائے جارہے ہیں ان میں حضرت رضا بریلوی کا خون جگر شامل ہے۔آپ ہی نے آل رسول کے حقیقی مقام ومنصب سے ناآشنا ماحول کو آشنا بنایا ہے،اسی لئے آج جو آل رسول ہیں وہ آپ کے اس احسان کے پیش نظر حضرت رضا بریلوی کو اپنا امام مانتے ہیں،اور اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہوئے ”مسلک اعلحضرت“ کی تبلیغ واشاعت کو اپنا لازمہ حیات اور دین کی عظیم خدمت تصور کرتے ہیں۔ آپ کی زندگی میں آل رسول کے احترام ومحبت کا ایک واقعہ تو ایسا ملتا ہے کہ اگر سنگ دل بھی اسے پڑھتا یا سنتا ہے تو نسبت رسول کی گرمی اور عشق رضا کی حرارت سے اس کا دل

بھی پگھل پگھل جاتا ہے۔صاحب طرز انشاء پرداز علامہ ارشد القادری تحریر فرماتے ہیں
ایک مرتبہ آپ کے عقیدتمند نے آپ کو اپنے گھر لے جانے کے لئے پالکی کا اہتمام کیا،
آپ کو اس پالکی میں بٹھایا گیا، کہاروں (پالکی اٹھانے والے لوگوں) نے پالکی اٹھائی ،
دائیں بائیں نیازمند براتیوں کی طرح ساتھ ساتھ چل رہے تھے، ابھی تھوڑی ہی دور گئے
تھے کہ آپ نے پالکی سے آواز دی'' پالکی نیچے رکھ دو، آپ کے حکم کے مطابق پالکی نیچے رکھ
دی گئی، آپ پریشانی کے عالم میں پالکی سے باہر نکل آئے، آنکھوں سے آنسو رواں تھے،
پالکی اٹھانے والے کہاروں سے آپ نے کہا! آپ لوگوں میں کوئی آل رسول بھی ہے؟
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے بتاؤ۔ مجھے ان پالکی اٹھانے والے
مزدوروں میں نسبت رسول، خون بتول کی خوشبو آرہی ہے۔اس سوال پر ایک کہار کا رنگ
فق ہو گیا، پیشانی پر غیرت وحیا کے آثار نمودار ہوئے۔غریب سیدزادے نے جواب دیا!
جناب مزدور سے کام لیا جاتا ہے ذات پات نہیں پوچھی جاتی، آہ! آپ نے میرے جدامجد
کا واسطہ دے کر پوچھا ہے سمجھ لیجئے میں ہی اس چمنستان کا مرجھایا ہوا ایک پھول ہوں، چند
ماہ سے اس شہر میں آیا ہوں، کوئی ہنر نہیں جانتا کہ اسے ذریعۂ معاش بنا سکوں، اس لئے ان
کہاروں کے ساتھ مزدوری کرتا ہوں۔ابھی مزدور کی بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ لوگوں نے
پہلی مرتبہ یہ رقت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ عالم اسلام کے نامور عالم دین کی
دستار اس سید مزدور شہزادے کے قدموں پر ہے۔اور اعلحضرت اس مزدور سیدزادے سے
رو رو کر معافی مانگ رہے ہیں اور گزارش کر رہے ہیں کہ مجھے معاف فرمادو بے خبری میں
مجھ سے یہ خطا سرزد ہوگئی ہے، جن کے نعلین پاک کا تاج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز
ہے ان کے کندھے پر میں نے سواری کی ہے۔قیامت کے دن اگر مجھ سے سرور عالم صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھ لیا کہ اے احمد رضا میرے فرزند کا دوش نازنین اس لئے تھا کہ
وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے تو میں کیا جواب دوں گا، سیدزادے نے جواب دیا جناب

میں نے معاف کیا، آپ نے عرض کیا میری خطا کی معافی تب ہوگی کہ تم پالکی میں بیٹھو اور احمد رضا اس کو کاندھا لگائے۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سید زادے کو اعلیٰ حضرت کی ضد پوری کرنا پڑی۔ شوکت عشق کا یہ ایمان افروز نظارہ دیکھ کر کدورتوں کا غبار چھٹ گیا، اور دشمنوں کو بھی مان لینا پڑا کہ آل رسول کے ساتھ جس کے دل کی عقیدت واخلاص کا یہ عالم ہے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی وارفتگی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ یہ ہے سنت رسول کی اتباع کا وہ جذبۂ بیکراں اور نسبت رسول کے احترام وتوقیر کا وہ ولولہ فراواں جس نے آپ کو احمد رضا سے اعلیٰحضرت، امام اہلسنت بنا دیا، بریلی سے اٹھایا اور مدینہ ہوتے ہوئے عرش قبول تک پہونچا دیا، اتباع رسول کے مقدس جذبے سے سرشار، نسبت رسول کی تعظیم وتکریم کے سنہرے اجالے سے اپنے فکر وعمل کا آشیانہ سجانے والے ہر دور میں رہے ہیں اور انہوں نے اپنے کردار سے اعلیٰ مثال پیش بھی فرمایا ہے تاہم حضرت رضا بریلوی نے جس طرح اپنی عزت وناموس کو محبت رسول کی پاسداری میں نسبت رسول پر نثار کیا ہے چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ایسی مثال نہیں ملتی، تاریخ اپنی تہی دامنی پر شکوہ سنج نظر آتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے سامنے اسلامیات کا پورا ذخیرہ تھا، وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضور کی رضا ہی میں خدا کی رضا ہے، حضور کی فرمانبرداری ہی کا نام اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، پیغمبر اسلام کی سچی فرمانبرداری آپ کی پیاری سنتوں کی پیروی سے ہوتی ہے، دین اسلام کی نورانی عمارت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں پر ہی قائم ہے، اسی لئے سنتوں پر عمل کرنے سے آدمی اللہ کا محبوب ہوجاتا ہے، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت اور سچا عشق نصیب ہوجاتا ہے جو دنیا وعقبیٰ کی سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے۔

۲۔ اسلامی تصور عشق میں دوسری اہم چیز یا دوسری اہم شرط ''محبوب کے دشمنوں سے دشمنی'' ہے، اسلام نے جتنا زور اتباع سنت یعنی محبت خدا کے حصول پر دیا ہے، اتنا زور اعداء اللہ سے نفرت، بغض وعداوت پر دیا ہے، پہلا تصور عشق اگر محبوبیت کا تمغہ عطا

کرتا ہے تو دوسرا تصور عشق محبوب کی رضا وخوشنودی کا گر سکھا تا ہے، حاصل شدہ نعمتوں کو نقصانات وحوادثات سے محفوظ رکھنے کا وطیرہ بخشا ہے۔ رمز محبت سے مطلع کرتا ہے۔ اس کے فوائد و برکات سے واقف کرتا ہے، اور یقین دلاتا ہے کہ اگر تم نے اسرار عشق کو سمجھ کر اپنی زندگی میں نافذ کرلیا تو تمہارے دل میں ایمان کو نقش کر دیا جائے گا تائید غیبی تمہارے ساتھ رہے گی، رحمانی مدد سے تم بہرہ مند ہوتے رہو گے۔ اور اگر خدانخواستہ دانستہ یا نادانستہ تم نے دشمنان خدا سے بھی قربت وصحبت رکھ لی تو تمہارا یہ عاقبت نا اندیشانہ انداز محبت کے ثمرات و برکات کو زائل وضائع کر سکتا ہے، بلکہ رب کے غضب کو بھی آواز دے سکتا ہے۔ اس لئے رب تبارک وتعالیٰ نے تنبیہاً ارشاد فرمایا ''**لاتجد قوماً یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاداللہ ورسولہ ولو کانو آبائھم او ابنائھم او عشیرتھم ، اولئک کتب فی قلوبھم الایمان و ایدیھم بروح منہ .**

ترجمہ: اے محبوب نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر کہ دوستی کریں ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے سرکشی کی، خواہ سرکش ان کے باپ ہوں۔ یا اولاد ہوں، تو انہیں ایمان والوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان مرکوز کر دیا ہے، اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی'' دیکھئے کتنے کھلے لفظوں میں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو دشمنان خدا و مصطفٰے کے ساتھ کبھی بھی محبت کرتے نہ پاؤ گے، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے ہی کیوں نہ ہوں، مومن ہمیشہ اس سے محبت کرتا ہے جو خدا و مصطفٰے کا وفادار وفرمانبردار ہو، جو لوگ اس معیار پر پورے اتر جائیں کہ محبین سے محبت اور مخالفین سے عداوت رکھیں ان کو بارگاہ خداوندی سے یہ انعام ملا'' **اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ** '' یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے۔ اب تائید آسمانی اس کی رفیق ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں کی فطرت بطور

ان کی نشانی کے بیان فرمائی ہے، یعنی محبوب بندوں کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اللہ ورسول کے سرکش بندوں سے الگ تھلگ رہیں، اورالگ تھلگ رہنے کا اعلان بھی کرتے رہیں، تاکہ بھولے بھالے مسلمان بھی ان سے بچیں، وہ بھی اگر اسی نشانی کے ہوجائیں گے تو جو بشارت خدا نے اپنے پیارے بندوں کو دی ہے اس کے یہ بھی مستحق ہوجائیں گے۔ وہ بشارت دنیا میں ایمان اور تائید غیبی کی بشارت ہے۔ اس نشانی کو حضرت رضا بریلوی نے اپنا مقصد حیات بنالیا تھا، ان کی ساری عمر کا سرمایہ ان کی تصنیف کردہ کتابیں ہیں تو جو نشانی رب العزت نے اپنے محبوب بندوں کی بتائی ہیں وہی ہر کتاب کا سبب تالیف یا موضوع ہے، الا ماشاء اللہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس آیت کریمہ کے مفہوم سے باہر نہ ہوئے، انہوں نے مدت العمر دین کو چمکایا، دشمنان دین سے دنیا واسلام کو بچایا، ان کی ساری زندگی میں اس آیت کریمہ کی تفسیر ہوتی رہی۔ یہ مزید براں ہے کہ آیت کریمہ کا پہلا حصہ خاصان خدا کی مختصر سوانح عمری ہے، جس میں رضا بریلوی کی زندگی روز روشن کی طرح چمک رہی ہے، دوسرے حصے میں انہیں خاصان خدا کے لئے بشارت ہے، یہ حسن اتفاق ہے کہ یہی حصہ آیت آپ کی تاریخ ولادت بھی ہے۔ ان کی ہر تحریر وتقریر کا یہی عطر رہا وہ اکثر فرماتے تھے کہ ''سرکار کی غلامی کے بغیر عبادت وریاضت بیکار ہے، ان کی نظر میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوءظن رکھنے والے کولہو کے بیل کی طرح ہیں، صبح سے شام تک چلے، صبح کو جہاں سے چلے تھے شام کو وہیں ملے...... اللہ تعالیٰ نے ان میں ایمان ایسا نقش فرمادیا تھا کہ اپنے اپنے حلقے کے نامور علماء جن کا ایک خاص اثر تھا، جن کے چاہنے والوں کی اچھی خاصی بھیڑ تھی، جس کے ماننے والے اس کونے سے اس کونے تک پھیلے ہوئے تھے لیکن ان کی بعض تحریرات سے جب انہیں یقین ہوگیا کہ ان سے توہین رسول کی بوآتی ہے تو بہ آں جبہ ودستار آپ نے ان کو بھی معاف نہ کیا، ان کی حیثیت عرفی کا کوئی خیال نہ کیا، موالات دور کی بات ہے ان کا ذکر کرنا بھی ناگوار خاطر ہوتا تھا، نتیجے میں

سب وشتم بھی سہنا پڑا، سخت وسست بھی سننا پڑا، مگر تائید غیبی ساتھ تھی قدم استقامت میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی، گالیوں سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط آتے مگر آپ اف تک نہ کرتے، کہنے والے نے کہا بھی حضور اب تو گالی نامہ کا تانتا بندھ گیا ہے تو آپ نے جواب دیا چلئے اچھا ہوا جتنی دیر وہ مجھے کوستے اور گالیاں دیتے ہیں کم از کم اتنی دیر تو رسول پاک کی تحقیر سے باز رہتے ہیں، میری عزت اسی لئے ہے کہ رسول پاک کی عظمت پر قربان ہوتی رہے......انگریز جس کی دشمنی خدا و مصطفےٰ کا پردہ قرآن نے چاک کیا، جس کی مذمت کی متعدد آیتیں آج بھی ان کی قلعی کھول رہی ہیں، قرآن نے جسے دشمن خدا، دشمن دین ، دشمن مصطفےٰ قرار دیدیا ہو بھلا حضرت رضا بریلوی اس کی طرف نظر التفات فرمادیں یہ تو ان کی غیرت ایمانی اور شان بندگی سے بعید بات تھی، ہزار مجبوری کے بعد بھی آپ انگریزی کچہری میں داخل نہ ہوئے، حالانکہ مجبوری کے وقت بڑے بڑوں کو کچہری جانا پڑتا ہی ہے ۔ یہ بات اپنوں سے لے کر بیگانوں تک مشہور تھی کہ مولانا احمد رضا انگریز اور انگریزی کچہری سے سخت نفرت رکھتے ہیں، چنانچہ مخالفین کو اعلیٰ حضرت کو پریشان کرنے کا یہاں ایک اچھا بہانہ ہاتھ آ گیا، اس وقت جناب اکبر علی صاحب برادر حقیقی مولانا اشرف علی تھانوی بریلی کی چنگی میں سکریٹری تھے انہوں نے بھی خوب ہوا دی بڑے منظّم اور منصوبہ بند طریقے سے حضرت رضا بریلوی پر کیس دائر کر دیا گیا، مخالفین کا اصرار تھا کہ ہم انہیں کچہری لاکر چھوڑیں گے، رضا بریلوی کا کہنا تھا خدا نے چاہا تو میں کیا میری جوتی بھی کچہری نہ جائے گی۔ آپ کے اس جملے نے جیسے جلتے پر تیل چھڑک دیا، معاملہ بہت بھڑک گیا، ہر طرف اس مقدمہ بازی کی ہلچل سنائی دینے لگی، ایک طرف سے مسلسل اصرار اور دوسری طرف سے پیہم انکار، اپنے ہراساں بیگانے شادماں، آخر وہ وقت بھی آیا کہ نصرت غیبی نے آپ کی مدد فرمائی، نواب رام پور کی سفارش سے بریلی کے کلکٹر نے آپ کو کچہری کی حاضری سے مستثنیٰ قرار دیدیا۔ ظاہر ہے جو خدا کا ہوجاتا ہے خدا اس کا ہوجاتا ہے اور جس کا

خداہوجاتا ہے ساری خدائی اس کی ہوجاتی ہے، نامساعد حالات میں بھی آپ نے رب کے احکام کے دامن کو نہ چھوڑا تائید غیبی نے آپ کا کام کر دیا۔

بات بیگانوں سے دوری کی آ ہی گئی ہے تو حالات حاضرہ کے حوالے سے ایک بات عرض کرتا چلوں، آج کل اس نظریئے کی بڑی دھوم مچی ہوئی ہے، بڑی گونج سنائی دے رہی ہے کہ ''کسی کو برا نہ کہو'' اور حیرت ہے کہ ہمارا دانشور طبقہ اس کو زیادہ اچھال رہا ہے، شاید انجام ان کی نظر سے اوجھل ہے کہ اس قسم کے نظریئے سے صلح کلیت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اس نظریئے کے داعی اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں، اسلام ہمہ رنگی میں یک رنگی کا پاسبان ہے، یک در گیر و محکم گیر کا پیامی ہے۔ باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی، اس نظریہ کا قاتل ہے، افق عرب پر جب اسلام کا سورج چمکا، روشنی پھیلی تو حق و باطل نکھر کر سامنے آ گئے، نظریات کہنہ کی دیواریں شگاف زدہ ہونے لگیں، پرانے جام و مینا توڑے جانے لگے تو اپنے نظریئے کی زبوں حالی پر پرانے نظریئے کے پرستار، دونوں عالم کے مختار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کھلے لفظوں میں کہا محمد عربی تمہارے نئے نظریئے کی اشاعت اب زوروں سے ہونے لگی ہے کہ خاندان کا خاندان ٹوٹ ٹوٹ کر تمہارے مشن کے دامن میں گرنے لگا ہے، بھائی بھائی اور باپ بیٹے میں اختلاف کی چنگاری سلگ رہی ہے، رشتہ دار رشتہ دار سے صف آرا ہے، ہم سمجھوتہ کے لئے حاضر ہیں مان گئے تو ٹھیک ہے ورنہ اب ہم قوت قہری کا استعمال کریں گے۔ سن لو ہم ابھی بھی اختلاف نہیں چاہتے اتحاد چاہتے ہیں، میل ملاپ اور مل جل کر رہنے کے متمنی ہیں، ہم سب کی اس سلسلے میں تجویز یہ ہے کہ نہ تم ہمارے معبودوں کو برا کہو نہ ہم تمہارے معبود کو برا کہیں، چھ مہینہ ہم تمہارے خدا کو پوجیں چھ مہینہ تم میرے خدا کو پوجو۔ اس طرح ہم لوگ خون خرابے سے بھی بچ جائیں گے اور اختلاف کی آگ بھی بجھ جائے گی، محبت و اتحاد کی خوشگوار فضا پھر نئی کروٹ لے گی حضور سرور کائنات علیہ السلام

نے پوری بات بغور سننے کے بعد بڑے تحمل وتدبر سے جواباً ارشاد فرمایا، ''اگر تم میرے ایک ہاتھ میں سورج، دوسرے میں چاند اور دامن میں کونین کی دولت لاکر رکھ دو پھر بھی ہم حق کے مشن سے باز نہیں آسکتے۔ اتحاد ہماری دعوت ہے۔ محبت ہمارا پیغام ہے''...... حالانکہ جس وقت کفار ومشرکین مکہ نے اتحاد کی دعوت دی ہے وہ وقت اسلام کا بڑا صبر آزما وقت تھا، ایسے نازک وقت میں بھی آپ نے دشمنان اسلام کی طرف سے پیش کردہ اتحاد کی دعوت کو قبول نہیں فرمایا۔ حق وباطل کی آمیزش گوارہ نہ فرمائی، اور آپ کے انکار نے بتادیا کہ حق وباطل کے ملے جلے نظریہ پر اتحاد نہیں ہوسکتا، صلح کلیت پر اتفاق نہیں ہوسکتا، اتحاد اگر ہوگا تو حق کا حق کے ساتھ ہوگا، اتفاق اگر ہوگا تو مومن کا مومن کے ساتھ ہوگا قرآن کریم نے بھی آیت مذکورۃ الصدر میں کتنی صفائی سے فرمادیا ہے کہ مومن کی یہ پہچان نہیں کہ وہ خدا ورسول سے محبت کا دم بھی بھریں اور دشمنان خدا ومصطفےٰ سے گھال میل رکھیں۔ ایک اور جگہ مومن کی یہ پہچان بتائی گئی کہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم نافرمانوں پر بہت ہی سخت، وفاشعاروں پر نرم دل یعنی ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

اس آیت کی ترتیب جمیل پر غور کیجئے پہلے نافرمانوں پر سختی کا بیان ہے بعد میں اپنوں پر نرمی کا، یعنی پہلے دشمنی پھر دوستی، پہلے انکار پھر اقرار، پہلا لا الہ پھر الا اللہ، جو لوگ سب سے یکساں سلوک کے روادار ہیں یہ آیت آنکھیں روشن کرنے کے لئے کافی ہے۔ محسن اسلام حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''تولا بے تبرا نیست ممکن'' دوستی دشمنی کے بغیر نامتصور ہے...... ہمارا اسلام ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ جس طرح ہم اپنے دشمن کو دشمن سمجھتے ہیں اپنے دوست کے دشمن کو بھی دشمن ہی سمجھیں۔ اور پھر اپنے دشمن کے دوست کو بھی دشمن ہی جانیں۔ اگر ہم نے ان زریں اصولوں سے اپنے آپ کو مرصع کرلیا تب اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ ہمارے دلوں پر ایمان نقش کردے گا، اپنی

خاص نصرت سے ہماری مدد فرمائے گا۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم ہے رکھنا   لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

آج حضرت رضا بریلوی کے عشق کی دھومیں یونہی نہیں مچی ہوئی ہیں۔ان کی محبت رسول کے تذکرے ایسے ہی زبان زد خاص و عام نہیں ہیں، پہلے اتباع رسول کی تنگناؤں سے گذرے ہیں، اعدائے خدا اور رسول کی عداوت کو خدا اور رسول کی محبت میں گلے سے لگائے ہیں، طعنہ وطنز کے پتھر کھائے ہیں اور مسکرائے ہیں۔سب وشتم کے کانٹے چبھے ہیں اور خاموش رہے ہیں، ان تمام منازل امتحان سے خندہ پیشانی سے گذرے ہیں تب تائید رحمانی سائبان ہوئی ہے، تب نقوش ایمانی پاسبان بنے ہیں، تب فنافی الرسول کا تاج عطا ہوا ہے۔اور آج سب کی زبان سے عاشق رسول کہے جارہے ہیں...... بارگاہ رسول میں آپ کو ایسا قرب میسر تھا کہ میں تو سمجھتا ہوں آپ صفت حضوری سے متصف منصب حضوری پر فائز تھے۔ یہاں پہنچ کر میرا وجدان کہتا ہے کہ ان کے علمی کمالات کا اصل سبب بھی قرب رسالت ہی ہے۔اس نور مجسم سے قریب تر ہونے کی وجہ سے اس نور کی شعاعیں جہاں تک پہنچ رہی تھیں ان شعاعوں میں مل جل کر ان کی نگاہیں بھی وہاں پہنچ رہی تھیں اور اپنا کام کر رہی تھیں۔ اشیاء کی ظاہری سطح تک تو ان مروجہ ناقص روشنیوں کی رسائی ہے تو انوار رسالت کا کیا کہنا، اس روشنی سے دیکھنے والا اشیائے مرئیہ کا باطن بھی دیکھ لیتا ہوگا، اور یقیناً اس کی نظر حقائق اشیاء تک پہنچتی ہوگی۔اس امر کی تصدیق ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسیٹی علی گڈھ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب نے اعلحضرت سے دریافت کیا آپ کا فن ریاضی میں استاد کون ہے؟ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا میرا کوئی استاذ نہیں ہے میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، محض اس لئے سیکھے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے، شرح چیغمنی شروع کی تھی کہ والد ماجد نے فرمایا کیوں اپنا وقت اس میں صرف کرتے ہو پیارے

مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرکار سے تم کو یہ علوم خود ہی سکھا دیئے جائیں گے، چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم ہے۔ اعلحضرت کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے بریلی شریف سے واپس ہونے پر داڑھی رکھ لی، اور نماز کے بھی پابند ہو گئے۔ یہ ہے اعلیٰ حضرت کا علم جو عشق کے خمیر میں گندھا ہوا ہے، جو قریب آرہا ہے وہ بھی فیض صحبت سے مالا مال ہو رہا ہے۔ اسی لئے تو آپ فرماتے ہیں ؎

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھادے گی وہ آگ لگائی ہے

حوالے

حضرت رضا بریلوی کا تصور عشق تصانیف کے حوالے سے

۱	قاری کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۱۹۸۹ء دہلی	ص ۲۴۸
۲	تمہید ایمان بآیات قرآن	امام احمد رضا	ص ۲
۳	//	//	ص ۳،۴
۴	//	// ملخصا	ص ۶،۷
۵	//	//	ص ۱۳۸

۶	//	//	ص۴۷
۷	شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ	امام احمد رضا	ص۲
۸	//	//	ص۲۸
۹	//	//	ص۲۵
۱۰	//	//	ص۲۷
۱۱	//	//	ص۲۹
۱۲	//	//	ص۲۸
۱۳	//	//	ص۳۱
۱۴	//	//	ص۳۴
۱۵	//	//	ص۳۹،۳۸
۱۶	بدر الانوار فی آداب الآثار	امام احمد رضا	ص۱۰
۱۷	//	//	ص۱۱
۱۸	//	//	ص۱۵
۱۹	//	//	ص۳۰،۱۷
۲۰	//	//	ص۴۴،۴۳
۲۱	بدر الانوار فی آداب الآثار	امام احمد رضا	ص۵۰
	ایضاً عشق رضا کی سرفرازیاں	مولانا مبارک حسین مصباحی	ملخصاً
۲۲	الملفوظ ج۲	مرتب مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا قادری	ص۴۶
۲۳	حدائق بخشش	امام احمد رضا	ص۱۸۹
۲۴	کلام رضا	اصغر حسین لدھیانوی	ص۱۳
۲۵	مولانا احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت	مولانا کوثر نیازی	ص۴۳

چھٹا باب

حضرت رضا بریلوی کے
تصورعشق کے اثرات

☆............رضا بریلوی کے تصورعشق کی بازگشت۔اقبال

☆............رضا بریلوی کے تصورعشق نے ادب کو کیا دیا

☆............رضا بریلوی کے تصورعشق نے ملت کو کیا دیا

☆............رضا بریلوی کے تصورعشق کے عہد مابعد پر اثرات

☆............رضا بریلوی کا تصورعشق عالمگیر تحریک، عالمگیر ضرورت

حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق کی بازگشت! اقبال

کچھ شخصیتیں ایسی موثر اور فیض بار ہوتی ہیں کہ پورا ماحول اس کے اثرات کے رنگ ونور میں ڈوب جاتا ہے۔خواہی نخواہی دل اس کی طرف کھینچے لگتے ہیں۔اس کے افکار سے افکار صیقل کئے جاتے ہیں۔......شخصیت چاہے جیسی بھی بلند بانگ اور فکر وفلسفہ سے لیس ہو۔مگر اس کا بھی اپنی کسی بصیرت افروز معاصر شخصیت سے متاثر ہونا،اس کی تجلیات سے اپنے افکار ومعتقدات کے بام ودر چمکانا ایک بدیہی امر ہے،اس طرح افکار وتصورات میں تغیر وتبدل رنگارنگی،تنوع اور تلون کی جہت در جہت موجودگی زور آور شخصیات میں بھی دیکھی گئیں اور دیکھی جارہی ہے یہ حقیقت واقعہ ہے۔جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

علامہ اقبال جو اپنی بلند خیالی،علوفکری،دبدبۂ الفاظ،شکوہ معانی میں برصغیر کی پوری ادبی فضا میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔جن کی جودت طبعی،ندرت فکری کے چرچے شعر وادب کی جان سمجھتے جاتے ہیں۔انجمن درانجمن سنے جارہے ہیں۔جن کا نام فکر وادب کے حوالے سے استناد کے درجے پر فائز ہے،جن کو یاد کیجئے،جن کے اشعار گنگنائیے تو ذہن کے آفاق پر فکر وسخن داد کے پھریرے لہرانے لگتے ہیں،جو قوم وملت کی عظمت کی علامت سمجھے جارہے ہیں،ایسی دیدہ ور اور بصیرت آگیں شخصیت میں بھی انقلابات وتغیرات کی کئی منزلیں دکھائی پڑتی ہیں۔فکر اقبال میں یہ انقلاب ظاہر ہے بلاوجہ نہیں ہوسکتی اور نہ کسی ناگہانی حالات وحادثات کا ردعمل ہوسکتا ہے۔اقبال جیسا ذہین وطباع مفکر جو الفاظ کی تہہ در تہہ

گتھیوں کوسلجھا کر معانی کے گوہر آبدار پیدا کرتا ہووہ اگر فکری کروٹ لیتے نظر آ رہے ہیں تو یہ بات اس عہد کے علمی وادبی تناظر میں کسی موثر وآفاقی دانشور کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ مایہ ناز محقق ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نقشبندی تحریر فرماتے ہیں۔

> ''اعلحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضل وکمالات، ذہانت و فطانت، طباعی اور دراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء وفضلاء یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین اور مشترقین نظروں میں نہیں جچتے، مختصر یہ ہے کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا؟ اور وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے۔ (۱)

علامہ اقبال کے فکر ونظر کا کئی اسٹیج تغیرات سے دوچار رہا ہے۔ان کی زندگی میں رونما ہونے والی فکری تبدیلی تفصیلی جائزہ مبسوط مقالہ کی مقتضی ہے۔ہم یہاں صرف دوچار مثالوں پر اکتفاء کریں گے۔تصوف کے باب میں علامہ اقبال کے نظریات میں آمدوشد کی جو کیفیات تھیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ تحریر فرماتے ہیں......''ایک زمانہ تھا جب اقبال بھی صوفیوں کے تصور وحدت الوجود سے متاثر تھے۔اور انسانی روح کے فراق زدہ ہونے پر اعتقادات رکھتے تھے۔مگر بعد میں رفتہ رفتہ ان کا یہ عقیدہ جاتا رہا اور خودی کی تنظیم میں مادیت کے مستقل وجود کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگ گئے۔ (۲)

اقبال کے نظریۂ تصوف میں مغرب سے ان کی اثر پذیری، ان کی مختلف الخیالی نے ان کے بارے میں عجیب عجیب شبہات کو جنم دیا، نتیجہ میں انہیں طعن وطنز کا شکار بھی ہونا پڑا، تاہم پھر خطوط مستقیم پر ان کی واپسی نے بہت حد تک ان کے دامن تصوف پر پڑی ہوئی گرد کو صاف کیا، خطوط مستقیم پر ان کی واپسی کے اسباب کیا تھے کھل کر اس کی کوئی وضاحت نظر سے نہیں گذری، اور غالب گمان یہ ہے کہ اس دور میں سوائے مذہب اہلسنت

وجماعت کے جس کی ترجمانی کا فریضہ حضرت رضا بریلوی انجام دے رہے تھے اور تمام مکاتب فکر کے نمائندگان اسے شجر ممنوعہ سمجھ کر رد کر چکے تھے۔ اقبال نے جو حضرت رضا بریلوی کے وفور علم و فضل کے مداح بھی تھے آپ ہی سے اثرات قبول کیا ہو۔

اقبال کے نظریات میں نظریہ زماں بھی ایک بڑا ہی بحث آفریں نظریہ رہا ہے تاہم یہاں بھی بدلتی ہوئی فضا رہی ہے ۔ پہلے کے افکار و معتقدات اور ہیں۔ بعد کے دور کے کچھ اور مثلاً انہوں نے ہی کہا تھا۔

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات

سلسلۂ روز و شب اصل حیات و ممات(۳)

اقبال یہاں زمانہ کو مسلمانوں کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ سمجھ رہے ہیں۔ اقبال زمانے کو اصل اشیاء اور مبدا اولین کائنات بھی قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہیکہ دنیا میں جو کچھ بھی رنگ و نمود ہے بس زمانہ ہی کی کرشمہ سازی ہے۔ لکھتے ہیں ؎

من حیاتم من مماتم من نشور

من حساب و دوزخ و فردوس وحور

عالم و افرشتہ در بند من است

عالم شش روزہ فرزند من است

لیکن وہی اقبال آئندہ چل کر زمان اور اسی طرح مکان کی حقیقت کو خود اپنے شعر میں واضح کر کے اپنے اسلاف کی اتباع کا ثبوت دیتے نظر آتے ہیں ؎

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری

نہ ہے زماں نہ مکان لا الہ الا اللہ (۴)

پروفیسر سلیم چشتی نے علامہ اقبال کے نظریہ زماں کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ......''اقبال نے اپنے غیر فانی خطبات مدارس میں زماں و مکاں کے مسئلے پر جو کچھ لکھا ہے

وہ اگر چہ مجمل ہے لیکن بیسویں صدی میں کسی مسلمان نے اتنا بھی نہیں لکھا ہے (۵)

پروفیسر موصوف کی اس نادر خیال افشانی پر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے محاکمہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ............''پروفیسر موصوف نے جس اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ کسی مسلمان نے اتنا بھی نہیں لکھا ہے وہ قابل توجہ ہے کیوں کہ موصوف کے سامنے اگر امام احمد رضا کی مصنفہ کتاب ''الکلمۃ الملہمہ'' ہوتی تو شاید یہ جملہ وہ علامہ اقبال کے لئے نہیں بلکہ امام احمد رضا کے لئے استعمال فرماتے۔''(٦)

اقبال فلسفہ میں جدید مغربی اساتذہ اور غیر مسلم مشترقین کے نظریات کے مرہون منت تھے جہاں خدشات وشبہات کی تاریکی تھی جب کہ حضرت رضا بریلوی ان تمام اساتذہ کرام کے فیوض یافتہ جن کے دل قال اللہ وقال الرسول (عزوجل، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے نور سے منور تھے۔ جنکے یہاں یقین واعتماد کا اجالا تھا اس عہد کے لئے حضرت رضا بریلوی کی ذات ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی ایک طرف آپ کی ذات صراط مستقیم دکھارہی تھی تو دوسری طرف آپ کے ذخائر کتب ہر ظلمت کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہورہے تھے۔

انگریزی تہذیب وتمدن کی آندھی چلی تو بھاری بھرکم شخصیتیں بھی اس کی ظاہری اور عارضی چکاچوند میں آ گئیں، فرنگی انداز نظر کی ساحری نے اچھے اچھوں کو مسحور کر کے رکھ دیا۔ وہی جو کل تک مشرقی تمدن کو کلیجے سے لگائے ہوئے تھے مغربی تمدن کا خطبہ پڑھنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے شعر ونغمہ کی تال پر جذبات تھرکنے اور احساسات تڑپنے لگے، رقص و سرود کی وہ بزم رچی کی غیرتیں خود عرق عرق ہونے لگیں، گناہ کو فن اور آرٹ کا نام دیا جانے لگا۔ افسانہ وناول اور شعر وسخن کے ذریعہ اس ناخوب حرکت کی خوب تشہیر کی گئی۔ اس عنوان سے اقبال کا مذاق فکر وسخن دیکھئے۔

شعر سے روشن ہے جان جبرئیل و اہرمن
رقص وموسیقی سے ہے سوز و سرور انجمن
فاش یوں کرتا ہے اک چینی حکیم اسرارفن
شعرگویاروح موسیقی ہےرقص اس کا بدن(۷)

اورستم بالائے ستم یہ کہ اقبال مغرب کی تہذیب کواسلامی تہذیب کی ترقی یافتہ شکل سمجھنے لگے۔مگر اسے حسن اتفاق ہی کہئے کہ اسی عہد میں حضرت رضا بریلوی انگریزی اور انگریزی تہذیب اور ہر اسلام بیزار رویہ کیخلاف برسرپیکار رہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ آنے والے وقتوں میں جوتصورات اقبال میں اس تعلق سے تبدیلی ہوئی ہے۔وہ حضرت رضابریلوی کی تحریک عشق رسول کی مرہون منت ہو۔

ڈاکٹر وزیر آغا تاریخی تناظر کےحوالے سے لکھتے ہیں۔

''واضح رہے کہ اقبال کے خطبات کا زمانہ۱۹۲۹ء ہے یعنی اپنی وفات سے تقریباً ایک دہائی قبل اقبال نے مغربی تہذیب اورعلوم کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کیا جو اس سے پہلے ان کی شاعری میں نمودار ہونے والے رویے کے بالکل برعکس تھے،مثلاً اپنی شاعری میں مغربی تہذیب کے بارے میں اقبال نے کچھ اس طرح کےخیالات کا برملا اظہار کیا تھا ۔

تمہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جوشاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہوگا(۸)

اقبال جوحضرت رضابریلوی کے ہم عصر تھے،مسلک وعقیدہ کے اعتبار سے وہ حضرت رضا بریلوی کے بہت قریب نظر آتے ہیں، ہوسکتا ہے اپنی شاعری کے آخری دور میں انہوں نے حضرت رضابریلوی کے مسلک شعری کوہی اپنی شاعری کا محورومرکز بنالیا

ہو......اہل علم ودانش پر یہ بات مخفی نہیں کہ ہندوستان کی سیاسی اور تاریخی فضا اس وقت کیسی مکدر اور ماحول کتنا بھیانک تھا۔ جب ہندو مسلم اتحاد کے نعرے لگائے جارہے تھے، اور صاحب فہم وفراست متحدہ قومیت کے پلیٹ فارم پر قوم وملت کو مجتمع کرنے کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدان میں اتر چکے تھے، ایسے میں جب کہ کچھ لوگ انگریز کے حامی تھے کچھ انگریز کے دشمن لیکن ہندو کے دل وجان سے دوست......حضرت رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء کا اسلامی نقطۂ نظر یہ تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں ہی ہمارے دشمن ہیں۔ایک سے دوستی اور ایک سے دشمنی اسلامی نقطۂ نظر سے متصادم نظریہ ہے۔اس وقت علامہ اقبال ہندو مسلم اتحاد کے داعیوں کی صف اول میں تھے۔بعد میں انہیں احساس ہوا اور اپنے خدشات کا اظہار کر کے اس سے بالکل الگ ہوگئے اور دوقومی نظریہ کا علم بلند کرنے لگے، برصغیر کے معروف محقق حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری حقائق کی نقاب کشائی یوں کرتے ہیں۔

''اسی زمانے میں جب فاضل بریلوی ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت فرما کر ملت اسلامیہ کی وحدت کی حفاظت فرمارہے تھے۔علامہ اقبال نے ایک قومی نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے تصور وطینت پر سخت تنقید فرمائی، اور وہ شاعر جس نے کبھی نیا شوالہ اور ترانۂ ہندی جیسی نظمیں لکھی تھیں اب یہ کہتا ہوا نظر آرہا ہے ۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد رسالت میں وطن اور ہی کچھ ہے (۹)

اور مولانا کوثر نیازی شک وارتیاب کی گرداب میں پھنسنے والوں کو یوں چراغ حقیقت دکھاتے ہیں......''انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز لگائی۔جب

اقبال اور قائداعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے۔ دیکھا جائے تو دوقومی نظریہ کے عقیدے میں امام احمد رضا مقتداء ہیں اور یہ دونوں مقتدی۔(۱۰)

اس ذہنی انقلاب کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے علامہ اختر شاہجہاں پوری تحریر فرماتے ہیں...... ''جب ہنود کی دشمنی اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی۔ اور صاف نظر آنے لگا کہ ان لوگوں کا ہندو مسلم اتحاد پر زور دینا سوائے فریب کے اور کچھ نہیں۔ تو ڈاکٹر محمد اقبال نے ۱۹۳۰ء میں مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر .... ہندو مسلم اتحاد کے نظریہ کو ترک کر کے دس سال بعد اسی دوقومی نظریہ کا پرچار شروع کر دیا جس کا بریلی کے مرد حق آگاہ (حضرت رضا بریلوی) نے ۱۹۲۰ء میں علم بلند کیا تھا۔''(۱۱)

کچھ یہی صورت حال تحریک موالات کی بھی تھی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی وغیرہ جیسے مسلمان رہنماؤں کے ساتھ بہت سے دانشور اس میں شریک تھے مگر قیادت گاندھی جی کے ہاتھ میں...... علامہ اقبال جو تحریک خلافت کے صوبائی کمیٹی کے صدر تھے جب تحریک کے اصل نشانے سے آگاہ ہوئے تو صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور یہ تنقید کی......

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا　　　خلافت کی کرنے لگا ہے گدائی

مولانا کوثر نیازی تحریر فرماتے ہیں......''امام احمد رضا کے کلمۂ حق سے متاثر ہو کر یہ سیاسی اکابر بھی آہستہ آہستہ ہندو کی سیاست سے باخبر ہوتے چلے گئے۔(۱۲)

حضرت رضا بریلوی کی یہ عظیم خصوصیت رہی ہے کہ ان کے افکار عالیہ نے اس دور کی بڑی بڑی شخصیتوں کو متاثر کیا ہے۔ اور ان شخصیتوں کی عالی ظرفی، وسیع القلبی ہے کہ۔ اپنی حیثیت عرفی، شہرت عوامی کا خیال کئے بغیر جسے حق سمجھ لیا بلا چوں و چرا قبول کر لیا۔ علامہ اقبال حضرت رضا بریلوی سے کتنے متاثر تھے، اور ان کے دل میں حضرت رضا بریلوی کے لئے احترام وعقیدت کا کیسا جذبہ فراواں موجود تھا ذیل کی ان کی روشن تحریر سے

اندازہ لگایا جاسکتا ہے، نیز اس سے علامہ کی نظر میں حضرت رضا بریلوی کی عبقریت، قوت فیصلہ، محکم شخصیت کا بھی پتہ چلتا ہے تحریر کی داخلی شہادتیں حضرت رضا بریلوی کے موثر اور علامہ اقبال کے متاثر ہونے کا بھی پتہ دیتی ہیں۔ دیکھئے انہوں نے کس فیاضی سے حضرت رضا بریلوی کو داد تحسین دی ہے...... فرماتے ہیں۔

''ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع و ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا...... میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی ہے۔ اور ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت و فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عدل ہیں...... مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے تھے''۔

(ہفت روزہ افق، کراچی، ۲۲ تا ۲۸ / جنوری ۱۹۷۹ء (۱۳)

اقبال جیسی صاحب اقبال شخصیت جس ہستی کے علمی رسوخ اور فکری وثوق کو دل کی گہرائیوں سے خراج عقیدت پیش کرتی ہو، جس کی قدرت علمی و قوت ارادی کو تسلیم کرتی ہو، کوئی وجہ نہیں ہے کہ فکر اقبال میں یہ تبدیلی انہی کی مرہون منت نہ ہو، یہ مظاہر و علائم جیسے اپنی زبان حال و قال سے کہہ رہے ہیں کہ یہ ہیں وہ اسباب جس نے اقبال جیسے دانائے راز کو حضرت رضا بریلوی کے علمی و فکری آستانے پر پہونچایا پھر کیا تھا اقبال نے بھی وہی نعرۂ حق بلند کیا جو حضرت رضا بریلوی بلند کر چکے تھے...... انہی نقوش افکار کو اپنی فکر کا سنگھار بنالیا جو حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق نے دنیا کو دیا تھا۔

حوالے

حضرت رضابریلوی کے تصور عشق کی باز گشت ! اقبال

۱	مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں	ص۴
۲	اقبال کے تصورات عشق وخرد	ڈاکٹر وزیر آغا	ص۱۴۷
۳	بال جبرئیل	ڈاکٹر محمد اقبال	ص۱۲۶
۴	کلیات اقبال	ڈاکٹر محمد اقبال	ص۲۸۵
۵	شرح اسرار خودی	پروفیسر محمد سلیم چشتی	ص۴۹۴
۶	معارف رضا	شمارہ دہم ۱۹۹۰ء	ص۸۶
۷	کلیات اقبال	ڈاکٹر محمد اقبال	ص۲۹۰
۸	اقبال کے تصورات عشق وخرد	ڈاکٹر وزیر آغا	ص۱۲۶
۹	فاضل بریلوی اور ترک موالات	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص۴۲،۴۱
۱۰	امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت	مولانا کوثر نیازی	ص
۱۱	مقدمہ رسائل رضویہ	مرتب مولانا اختر شاہجہاں پوری	۲۳
۱۲	امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت	مولانا کوثر نیازی	ص۴۷
۱۳	دبستان رضا	مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی	ص۷۹،۸۰

حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق نے ادب کو کیادیا؟

ادب ایک ایسا لفظ ہے کہ بولئے تو منھ میں مصری کی ڈلی پگھلتی، گھلتی محسوس ہوتی ہے، اور لکھئے تو الفاظ وحروف کی پیشانی چمکتی دمکتی، زبان وفن کا نصیبہ جگمگا تا معلوم ہوتا ہے۔ادب کی ضرورت ہرزبان اور زمان کو رہی ہے۔ بلکہ زبان وزمان کا بھرم ادب کا مرہون احسان ہے۔ یہ ایسا ہمہ گیر اور وسعت پذیر فن ہے کہ جو بھی علم آتا ہے اس کے دامن میں سماجاتا ہے۔ بلکہ جس علم پر اس کی تجلی پڑ جاتی ہے سنور جاتا ہے ایک ایسا گلشن جو اپنا جلوہ بکھیر دے تو رنگ برنگ کا پھول نظر آئے اور جلوے سمٹ جائیں تو گلدستہ بن جائے ایک ایسا سمندر جس کی موجوں سے سفینے ساحل کا سراغ پاتے ہیں علم کی ایک ایسی شاخ جس کی عطر بیزی سے ادراک وشعور کی ہر رگ وبرگ میں زندگی وتوانائی کے آثار مسکراتے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی کی ادبی شان، ان کی ادب نوازی، ادب پروری اور ادب گستری کی کیا بات کی جائے۔جس فن پر ان کی تجلی پڑگئی ادب آموز ہوگیا۔جس زبان پر ان کی توجہ ہوگئی ادب کے لالہ وگل سے چمن بداماں ہوگیا۔کیا عربی، کیا فارسی اور کیا اردو ہر میدان میں ان کا اشہب قلم یکساں برق رفتار ہے۔اس خصوص میں انہیں یہ امتیازی شان اور انفرادی مقام حاصل ہے کہ کوئی اوران کے پورے عہد میں مماثل کیا مدمقابل نظر نہیں آتا۔اس لئے کہ ماہرین فن میں کوئی ایسا ماہر لسانیات فیاض ادب، نمائندہ فن، بیک وقت

تین زبانوں کو اپنے علم وادب سے مالا مال کرنے والا عنقاء ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم تحریر فرماتے ہیں۔

''آسمان شعروسخن پر عربی شعراء میں امراء القیس، فرزوق، متنبّی، اور شوقی، فارسی شعراء میں خاقانی، حافظ، سعدی اور بہار، اور اردو شعراء میں میر، ذوق، غالب، اقبال کا نام آفتاب کی مانند تابندہ اور درخشندہ ہے...... متنبی کو عربی شاعری اور حافظ کو فارسی شاعری اور غالب کو اردو شاعری سے نکال لیا جائے تو ان زبانوں کی تہی دامنی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ مگر ان میں کوئی ایسا نہیں جو تینوں زبانوں کی نمائندگی کرتا ہوں ...... یہی شعراء کیا اگر شعروسخن کی تاریخ دہرائی جائے جب بھی شاید ہی کوئی ایسا شخص ملے جو بیک وقت تین زبانوں کی نمائندگی کرر ہا ہو...... شعروسخن کی تاریخ میں چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت بہت نمایاں طور پر نظر آتی ہے، انہیں تینوں زبانوں پر یکساں عبور تھا...... ایسا شخص جو تینوں زبانوں میں برجستہ شاعری کرتا ہو اور باضابطہ اس کا دیوان بھی ہو ایسے شخص کے شعری سرمایہ سے صرف نظر کرنا کہاں کا انصاف ہے۔(۱)

میر کے سوز ساز کا ولولہ، غالب کا فکری غلبہ، اور اقبال کے طباع ذہن کا طنطنہ اپنی نرالی شان جمالی کے ساتھ ایک پیکر میں اگر کوئی دیکھنا چاہے تو حضرت رضا بریلوی کا دیوان ''حدائق بخشش'' دیکھ جائے۔ ؂

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کے اعتراف کے بغیر نہ رہ سکتا۔ ان کا ادبی فیضان ان کے معاصرین تک ہی محدود نہ رہا بلکہ بعد کے ادوار کے لوگ بھی ان کی فکری کاوشوں سے استفادہ کرتے رہے اور کرر ہے ہیں حضرت رضا بریلوی صرف ایک قادر الکلام شاعر ہی نہیں بلکہ بلند پایہ نثر نگار بھی تھے 75/ سے زیادہ علوم وفنون پر مشتمل چھوٹی بڑی ان کی ایک ہزار کے قریب تصانیف ان کی عبقریت کا واضح ثبوت ہیں آپ ایک طرف منفرد لب و لہجے کے عظیم شاعر

نظر آتے ہیں تو دوسری طرف اپنے مخصوص اسلوب تحریر اور انداز بیان میں بھی اپنا کوئی جواب نہیں رکھتے۔ اردو کے عناصر خمسہ نے مل کر مجموعی اعتبار سے اردو نثر نگاری کا جتنا کام کیا ہے حضرت رضا بریلوی نے تن تنہا ان کے کام سے زیادہ تحریریں یادگار چھوڑی ہیں، آپ کی اردو، عربی، فارسی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ کی تحریریں تینوں زبانوں کے ادب کیلئے ایک بہت بڑا سرمایہ ہیں۔

ڈاکٹر پروفیسر مجید اللہ قادری تحریر فرماتے ہیں۔

''آپ بحیثیت ادیب بھی منفرد شان کے مالک ہیں۔ اس حیثیت میں آپ کی پذیرائی نہ صرف پاک و ہند کے ہی علماء نے کی بلکہ عرب و عجم کے متعدد علماء فقہاء نے آپ کی ادیبانہ صلاحیتوں کا کھلے دل سے نہ صرف اعتراف کیا ہے۔ بلکہ اپنے دور کا ایسا نادر روزگار ادیب قرار دیا ہے جس کا ان کے ہمعصروں میں کوئی ثانی نہیں۔ (۲)

حضرت رضا بریلوی باوجودیکہ ایک مرنجان مرنج قسم کے خالص مذہبی آدمی تھے۔ انہیں زبان و بیان کے بناؤ سنگھار، اسلوب و انداز تحریر کے رکھ، رکھاؤ کے لئے فرصت کہاں تھی، وہاں تو مصروفیات کا ازدہام تھا اور فکر و فن کی جولانی، تاہم خشک سے خشک موضوع اور سخت سے سخت مضمون پر بھی جب آپ کا قلم چلا ہے تو ادب کے نور سے کوچہ علم وفن کو منور کرتا گیا ہے۔ اسی لئے ان کی تحریر میں ایک طرف علوئے فکری ہے تو دوسری طرف ادب کی تحیر خیزی۔ ان کی نثری خدمات بے شمار تصنیفات و تالیفات پر مشتمل ہیں اور ان میں مذہبی مسائل، فتاویٰ اور ترجمہ ہی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ ان موضوعات کی اپنی حدیں ہیں، ان میں تخلیقیت کی گنجائش نہیں۔ اور ادب کا ایک حصہ تخلیقی جوہر ہی سے عبارت ہوتا ہے۔ جب کہ فقہ، حدیث، قرآنیات اور علم کلام میں علمی زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ اہل نظر علمی اور ادبی زبان کے فرق سے آشنا ہیں۔

ڈاکٹر، پروفیسر فاروق احمد صدیقی رقم طراز ہیں۔

''فتاویٰ کے علاوہ جو کتابیں اور مسائل انہوں نے تحریر کئے ان کا ایک فکری نصب العین ہے، چند مقاصد خاص کے تحت انہوں نے موضوع لوح وقلم کو عزت بخشی، انہوں نے موضوع ہی کو اصل و اساس سعی تحریر سمجھا۔ اس لئے ان کا سارا زور بیان اپنے افکار وخیالات کے مؤثر ابلاغ کے لئے وقف ہے ان کی نظر اس حقیقت سے واقف تھی کہ حقائق کی زمین اس قدر سنگلاخ ہوتی ہے کہ باطل خیالات شیشے کے برتن کی طرح ٹوٹ جاتے ہیں اس لئے انہوں نے اسلوب نگارش کو مزین کرنے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی۔ اس کے باوجود ان کے جملوں کی ترتیب میں ایک مخصوص آہنگ ملتا ہے جو عربی وفارسی الفاظ و تراکیب سے مملو ہونے کے باوجود سماعت کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا بلکہ کانوں میں رس گھولتا نظر آتا ہے۔ (جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے آپ نے تینوں زبانوں (عربی، فارسی، اردو) میں اپنی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، جس زبان میں جو کتاب یا جو مضمون ہے وہ اس زبان کا شاہکار ہے۔ ہم تینوں زبانوں کے حوالے سے کچھ مثالیں عرض کرتے ہیں۔

عربی

عربی زبان پر تو آپ کو وہ مہارت تامہ حاصل تھی کہ اہل عرب عش عش کر اٹھے۔
ایک مرتبہ مصر کے فاضل ترین علماء کے اجتماع میں ان کے عربی اشعار پڑھے گئے تو انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان، عربی النسل عالم دین کا لکھا ہوا ہے۔ جب انہیں اس کی اطلاع ہوئی کہ اس قصیدے کے لکھنے والے مولانا احمد رضا خان بریلوی ہیں جو عربی نہیں بلکہ عجمی ہیں تو علمائے مصر حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہو کر عربی زبان میں اتنے ماہر ہیں۔ وہ قصیدہ یہ تھا

الحمد للمتوحد　　بجلاله المتفرد

وصلوٰته دو ماعلی　　خیر الانام محمد

والآل و الاصحاب هم ماوای عند شدائد

فالی العظیم توسلی بکتابه و باحمد

ولکل من وجد الرضا من عندرب واحد (۴)

یہ ہے حضرت رضا بریلوی کی عربی زبان پر قدرت کی ایک جھلک ، جس کی سلاست وطلاقت ،الفاظ وحروف کا دور بست جودت فکر کی جلوہ افشانی ،عقیدت وتعظیم کی فراوانی ،معانی ومطالب کی تہہ درتہہ روانی ،جملوں کا موزوں استعمال ،شگفتگی وبرجستگی کا کمال جس کی بے مثالی نے اہل زبان صاحبان علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔آپ کی شہرہ آفاق ،معرکتہ الاراء جامع العلوم فقہی انسائیکلو پیڈیا تصانیف میں عظیم تصنیف ،فتاویٰ رضویہ ہے اس کے جلد اول کے خطبہ شریف میں آپ نے جو جدت وندرت پیش کی ہے۔فقہ کی پوری تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔اس میں آپ نے فقہ کی کتابوں کے ناموں کو اس طرح مربوط ترتیب دیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے نوے کتابوں کے ناموں کو جو آپ کے زیر مطالعہ اکثر آتی رہی تھیں کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ کتب کی فہرست بھی تیار ہوگئی ہے۔حمد وثناء بھی بیان ہوئی ہے نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ادا ہوگئی ہے اور صحابۂ کرام وآل رسول پر صلوٰۃ بھی پیش ہوگئی ہے۔عربی ادب میں آپ کا یہ کارنامہ عربی ادب کے شاہ نامہ کا درجہ رکھتا ہے وہ نادر الوجود خطبہ یہ ہے۔

الحمد لله هو الفقه الاكبر والجامع الكبير لزيادات فيضه المبسوط الدرر الغرر ، به الهداية ، ومنه البداية ، واليه النهاية ، بحمد ه الوقاية ، ونقاية الدراية وعين العناية ، وحسن الكفاية ، والصلوة والسلام، على الامام الاعظم للرسل الكرام ، مالكى و شافعى احمد الكرام ، يقول الحسن بلا توقف ، محمد ن الحسين ابو يوسف ، فانه الا صل المحيط ، لكل فضل بسيط ، ووجيز ووسيط ، البحر الذخائر ، ودرا لمختار ،

خـزائـن الاسرار ، وتنوير الابصار ، وردالمحتار ،على منح الغفار ، وفتح القـديـر ، وزاد الـفـقير ،و ملتقى الابحر،ومجمع الازهر و كنزالدقائق ، وتبيين الـحـقـائـق والبحرالرائق ، منه يستمد كل نهر فائق فيه المنية وبه الـغنية ومرا قى الفلاح وامداد الفتاح وايضاح الاصلاح، ونورالايضاح ، وكشف الـمـضـمـرات ، و حـل الـمـشـكـلات ، والدر المنتقى ، وينابيع الـمبتـغـى ، وتـنـويـر البصائر ، وزواهر الجواهر ، البدائع النوادر ،المنزه وجوبا عن الاشباه والنظائر ،مغنى السائلين ، ونصاب المساكين الحاوى الـقـدسـى ، لـكـل كـمال قدسى وانسى الكافى الوافى الشافى، المصفى الـمـصـطـفـىٰ المستصفى المجتبىٰ المنتقى الصافى عدة النوازل ، وانفع الـوسـائـل، لاسـعـاف السائل ، بعيون المسائل ، عمدة الاواخر وخلاصة الاوائـل ، وعـلـىٰ الـه وصـحـبـه واهله وحزبه ،مصابيح الدجىٰ ، ومفاتيح الهـدىٰ ، لاسيـمـا الشيـخـين الصاحبين ، الأخذين من الشريعة والحقيقة بـكلاالطرفين والختنين الكريمين ، كل منها نور العين ، ومجمع البحرين ، وعـلـى مـجتهـدى مـلتـه ، وائـمـة امتـه خـصـوصـاً الاركـان الاربـعة والانـوارالـلامعة ،وابنه الاكرام ، الغوث الاعظم ذخيرة الاولياء ، و تحفه الـفقهاء و جامع الفصولين ، فصول الحقائق و الشرع المهذب بكل زين، وعـلـيـنـا معهم ، و بهم ولهم ، يا ارحم الراحمين ، آمين آمين ،والحمد لله رب العالمين .

(ترجمہ) ہم اس کی حمد کرتے اور اس کے کرم والے رسول پر درود بھیجتے ہیں سب خوبیاں خدا کو ہیں یہی سب سے بڑی فقہ ودانشمندی ہے،اور اللہ تعالیٰ کے فیض کشادہ کی افزائشیں کہ نہایت روشن ہوتی ہیں،ان کے لئے بڑی جامع ہے اللہ ہی سے آغاز ہے اور

اس کی طرف انتہاء اسی کی حمد سے حفظ ہے اور عقل کی پاکیزگی اور عنایت کی نگاہ ۔ اور کفایت کی خوبی ۔اور درود وسلام ان پر جو تمام معزز رسولوں کے امام اعظم ہیں ۔میرے مالک اور میرے شافع ۔احمد کمال کرم والے حسن بے توقف کہتا ہے کہ حسن والے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ہیں ۔کیوں کہ وہی اصل ہیں جو ہر فضیلت کبیر وصغیر ومتوسط کو محیط ہیں ۔نہایت چھلکتے دریا ہیں ۔اور چنے ہوئے موتی اور رازوں کے خزانے ،اور آنکھیں روشن کرنے والے ۔اور حیران کو اللہ غفار کی عطاؤں کی طرف پلٹانے والے ۔قادر مطلق کی کشائش ہیں ۔اور محتاج کے توشے تمام کمالات کے سمندر انہیں میں جا کر ملتے ہیں ۔اور سب خوبیوں کی نہریں انہیں میں جمع ہیں ۔باریکیوں کے خزانے ہیں ۔اور تمام حقائق کے روشن بیان ۔اور خوشنما صاف شفاف سمندر کہ ہر فوقیت والی نہر انہیں سے مدد لیتی ہے ،انہیں میں آرزو ہے اور انہیں کے سبب باقی سب سے بے نیازی ۔اور مراد پانے کے زینے ،اور تمام ابواب خیر کھولنے والے کی مدد ۔اور آراستگی کی روشنی کے لئے نور ،اور دلوں کی روشنیاں اور نہایت چمکتے جواہر عجب ونادر ،وہ مثل ونظیر سے ایسے پاک ہیں کہ ان کا مثل ممکن نہیں ۔سائلوں کو غنی فرمانے والے ہیں ۔اور مسکینوں کی تونگری ،ہر کمال ملکوتی وانسانی کے پاک جامع ہیں ۔تمام مہمات میں کافی ہیں ۔بھرپور بخشنے والے ۔سب سختیوں کی وقت کے لئے ساز وسامان ہیں ۔سائل کو نہایت عمدہ منھ مانگی مرادیں ملنے کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش وسیلے ہیں ۔پچھلوں کے تکیہ گاہ ۔اور اگلوں کے خلاصے اور ان کے آل واصحاب وازواج وگروہ پر درود وسلام جو ظلمتوں کے چراغ اور ہدایت کی کنجیاں ہیں ۔ (۵)

زبان دانی کی یہ بوقلمونی صفت کہ اہل زبان جس پر تڑپ تڑپ اٹھیں ۔حسن تراکیب کا ایسا دلکش منظر کہ حوالہ میں پیش ہونے والی کتابوں کی فہرست بھی بن جائے ۔ائمہ مذاہب کا نام بھی آجائے ۔خدا کی حمد بھی ہو ۔نعت مصطفےٰ بھی آل واصحاب کا ذکر خیر

بھی ہوازواج واحباب کا تذکرہ بھی، ارباب دل ونظر۔فکروفن کا یہ حسین اسٹیج دیکھ کر کیوں نہ مچل جائیں۔مولانا کوثر نیازی کی نظر سے جب یہ خطبہ گذرا تو اس کی فنی خوبیوں۔حضرت رضا بریلوی کی زبان عربی پر بے پناہ خوش گرفتیوں پر پھڑک اٹھے اور بے ساختہ تحریر فرمایا۔

''دوران تعلیم مولوی فاضل کے درجے میں مقامات حریری پڑھے جو عربی ادب کے حوالے سے ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔اسی طرح فیضی کی تفسیر بے نقط دیکھی جس کو تاریخ میں ایک بلند امتیاز حاصل ہے......اسی طرح عربی ادب کے اور بھی شاہکار مطالعہ کے دوران نظر سے گذرے مگر ان سب پر امام احمد رضا کے فتاویٰ کا عربی خطبہ فوقیت اور انفرادیت رکھتا ہے۔ (۶)

عربی ادب سے آپ کو اتنا لگاؤ ہے کہ اپنے رسالہ کا خطبہ عربی زبان میں ضرور تحریر کرتے ہیں۔خواہ وہ رسالہ اردو زبان میں لکھا ہو یا فارسی زبان میں ۔ اور دوسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر رسالے کا نام اس کی سن تحریر کی مناسبت سے عربی میں ہی قلمبند کرتے ہیں۔اپنے عربی خطبے میں جیسا کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ حمد وثناء اور آل واصحاب پر درود لکھا جائے۔آپ بھی ہر رسالے میں خطبہ کے اندر حمد وثناء اور آل واصحاب پر درود لکھتے ہیں ۔لیکن عربی ادب میں اس مقام پر آپ ایک انفرادی نمونہ پیش کرتے ہیں جو عالم اسلام میں عموماً اور پاک و ہند میں خصوصاً ناپید ہے اور آپ اس فن کے خود ہی موجد نظر آتے ہیں ۔ وہ اس طرح کہ ہر رسالے کا الگ خطبہ تحریر کرتے ہیں۔یعنی رسالہ جس موضوع اور فن پر تحریر کرتے ہیں آپ خطبے میں حمد وثناء کے صیغے بھی اسی موضوع کی مصطلحات کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔اور اصطلاحی الفاظ کو اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ ایک لڑی میں پروتے ہیں کہ اس استفتاء کا اجمالی جواب بھی ہو جاتا ہے اور رسالہ کا خلاصہ بھی، جدا جدا صیغوں کے ساتھ اسلوب بیان میں اتنا تسلسل ہوتا ہے کہ عبارت مسجع

اور مقفیٰ بن جاتی ہے۔ یہ خطبات جہاں آپ کے علمی کمال کے عکاس ہیں۔ وہیں عربی زبان ولغت پر آپ کے کامل عبور کے آئینہ دار بھی۔ یہاں نمونۃً دو عربی خطبوں کو پیش کیا جارہا ہے تا کہ عربی ادب پر ان کی گرفت کا ہر قاری اندازہ کر سکے۔ سائنسی رسالہ'' **الموھبات فی المربعات** '' جو علم مربعات کے سلسلے میں آپ نے تحریر کیا۔ اس کا خطبہ ملاحظہ ہو۔

'' **بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله خالق القوى جاعل الظلمت والنور . والصلوٰة والسلام على من كان نوره جذرالجزور به النور مربع العناصر و مكعب الكعبة والعيون الصدور . هو الواحد الاحدیٰ بالذات والصفات فكل قواه فی نفسه محسود وعلیٰ اله و صحبه الذين جرزی كل فتنه مجرور** ''.

ایک اور عربی خطبہ ملاحظہ کیجئے جو امام احمد رضا نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب'' **الدولة المكيه بالمادة الغيبه** '' پر حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے سلسلے میں ۱۳۲۳ھ میں سفر حج کے دوران بغیر کسی کتاب کی مدد کے ساڑھے آٹھ گھنٹے میں عربی زبان میں بخار کی حالت میں۔ دو نشستوں میں کعبہ شریف کے سامنے بیٹھ کر اپنے بڑے صاحبزادے علامہ مفتی حامد رضا خاں (م ۱۳۶۲ھ) کو قلمبند کرائی تھی۔ اس کا خطبہ ہے۔

'' **بسم الله الرحمن الرحيم ، نحمده و نصلى على رسوله الكريم . الحمد لله علام الغيوب . غفار الذنوب ، ستار العيوب ، المظهر من ارتضیٰ من رسول على اسرار المحجوب . وافضل الصلوٰة و اكمل السلام على ارضیٰ من ارتضیٰ واحب محبوب . سيد المطلعين على الغيوب الذى علمه ربه تعليما و كان فضل الله عليه عظيما، فهو علیٰ كل غائب امين ،**

وما هو على الغيب بضنين ولا هو بنعمته ربه بمجنون . مستور عنه ماكان اويكون . فهو شاهد الملک والملکوت . ومشاهد الجبار والجبروت . مازاغ البصر وماطغیٰ . افتمرونه علیٰ مایریٰ نزل علیه القرآن تبیا نا لکل شیئ فاحاط بعلوم الاولین و الآخرین وبعلوم لا تنحصر بحد و ینعسر دونها الله و لا یعلمها اخذ من العالمین فعلوم آدم علوم العالم . وعلوم اللوح . وعلوم القلم کلها قطرة من بحار علوم جیبنا ﷺ لان علوم و مایدریک ما علومه علیه صلوٰت تعالیٰ وتسلیمه هی اعظم رشحة واکبر غرفته من ذلک البحر الغیر المتناهی اعنی العلم الا زلی الا نهیٰ فهو یستمد من ربه و الخلق یستمدون منه فما عند هم من العلوم انما هی له و به ومنه وعنه .

وکلهم من رسول الله ملمتس — غرفا من البحر اور شفا من الدیم
وواقفون لدیه عند حدهم — من نقط العلم او من شکلة الحکم

ﷺ وبارک وکرم . آمین

ان دونوں خطبات کے صیغوں کو ملاحظہ کیجئے کہ دونوں خطبات میں موضوع علم اورفن کی مطابقت سے اصطلاحات استعمال کی ہیں۔اوردوسری جانب سائل کے لئے مختصر اوراجمالی جواب بھی ہے۔ یہاں ان خطبات میں اس خوبی کے ساتھ حمدوثنا بیان کی ہے کہ قاری ان خطبات کے لفظوں ہی سے مطمئن ہوجائے اس طرح آپ کے تمام خطبات عربی ادب کا نادرنمونہ ہیں۔

علمائے حرمین شریفین اورعلمائے اسلام نے جب حضرت رضا بریلوی کے عربی فتاویٰ اوررسائل مطالعہ کئے جس میں قابل ذکررسائل۔'' الکفل الفقیه الفاهم ، فی احکام قرطاس الدراهم (۱۳۲۴ھ) الدولة المکیه بالمادة الغیبیه

(۱۳۲۳) المعتمد المستند(۱۳۲۰) فتاوی الحرمین (۱۳۱۷) النیرة الوضیه فی شرح الجواهر ة المضیة (۱۳۲۴ھ)وغیر ہا ہیں توان کتب اور رسائل کوعلمائے کرام نے بہت سراہا اور مجدد عصر حاضر جیسے خطابات سے نوازا اور آپ کی تحریر کو زبردست خراج تحسین پیش کیا......موجودہ دور کے ایک عربی اسکالر شیخ عبدالفتاح ابو غدہ پروفیسر کلیۃ الشرعیہ محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض سعودی عرب جو عربی زبان کی پچیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔حضرت رضا بریلوی کے عربی فتاویٰ پرنظر ڈالنے کے بعد جو رائے قائم کرتے ہیں وہ دیدہ عبرت سے پڑھنے کے لائق ہیں۔

''میرے ایک دوست کہیں سفر پر جارہے تھے،ان کے پاس فتاویٰ رضویہ کی ایک جلد موجود تھی میں نے جلدی میں ایک عربی فتویٰ کا مطالعہ کیا،عبارت کی روانی اور کتاب وسنت واقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران وششدر رہ گیا۔اور اس ایک ہی فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کرلی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے۔(۷)

عربی زبان کے آپ ایسے برجستہ گو،فی البدیہہ ادیب تھے کہ ادھر کچھ فرمائش ہوئی اور ادھر قلم عازم سفر ہوا۔مارہرہ شریف کے بزرگ سید شاہ اسماعیل حسن میاں کا بیان ہیکہ ایک مرتبہ حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے عرس کے موقع پر مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی تشریف فرماتے تھے۔میں نے مولانا عبدالمجید بدایونی کا شجرہ عربی بصورت درود شریف دکھایا اور کہا کہ ہمارا شجرہ بھی عربی درود شریف کی صورت میں لکھ دیجئے۔وہ فرماتے ہیں۔

''اس وقت میاں صاحب بھائی مرحوم کے قلم دان سے قلم لے کر قلم برداشتہ بغیر کوئی مسودہ کئے ہوئے ہمارے وظیفہ کی کتاب پر نہایت خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے مرصع ومسجع صیغۂ درود شریف میں شجرۂ قادریہ برکاتیہ جدیدہ تحریر فرمایا۔(۸)

اسی طرح آپ نے فی البدیہہ تارخیں اور تاریخی قطعات کہے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور محقق و قلمکار قاضی عبدالودود (بیرسٹر بانکی پور)۔ کے والد ماجد قاضی عبدالوحید (خلیفۂ رضا بریلوی) کے جنازے میں حضرت رضا بریلوی نے شرکت کی اور قبرستان پہنچنے سے پہلے پہلے عربی میں ایک تاریخی قطعہ فی البدیہہ ارشاد فرمایا''۔ (تحفۂ حنفیہ پٹنہ شمارہ ربیع الثانی ۱۹۰۸-۱۳۳۶ھ) ص ۴۱(۹)

آپ کے عربی اشعار اور تاریخی قطعات ابھی تک مختلف کتابوں میں منتشر ہیں ...... ڈاکٹر حامد علی لکچرر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنے مقالۂ ڈاکٹریٹ '' ہندوستان کے عربی گوشعراء'' میں حضرت رضا بریلوی کی عربی شاعری کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں...... ''آپ کا نعتیہ دیوان حدائق بخشش کے نام سے تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے، اور تین چار ایڈیشن نکل چکے ہیں حصہ سوم کے فاضل مرتب نے صراحت کی ہے کہ آپ کا عربی دیوان گم ہوگیا...... البتہ مولانا ظفر الدین احمد صاحب مرحوم نے اپنی تالیف ''المجمل معدد لتالیفات المجدد'' مطبع حنفیہ پٹنہ (1327ھ) میں صراحت کی ہے کہ آپ کے دیوان میں پندرہ ،سولہ عربی و فارسی کے قصائد ہیں...... مجھے اب تک اپنی تلاش میں مجموعی طور پر تین سو نوے عربی اشعار دستیاب ہو سکے ہیں۔ (۱۰)

آپ کی عربی تصانیف کی تعداد کیا ہے اس سلسلے میں کوئی حتمی اعداد و شمار مشکل ہے چوں کہ ہنوز بہت سی تشنۂ طبع ہیں۔ اور بہت سی منتشر اوراق کی صورت میں۔ ڈاکٹر پروفیسر مجید اللہ قادری اس گوشے پہ روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''امام احمد رضا اردو ادب کے ساتھ ساتھ عربی کے بھی شہنشاہ ہیں، اور عربی زبان میں آپ کی تصانیف کی تعداد سینکڑوں میں تجاوز کرتی ہے۔'' (۱۱)

عربی زبان میں منظوم اور منثور دونوں نوع میں آپ نے ادب کی

خوب خدمت کی آپ نے اپنی ہزار کے قریب تصانیف میں کم از کم ۲۵ ر فیصد رسائل عربی زبان میں تحریر فرمائے ہیں سینکڑوں عربی زبان میں پوچھے گئے استفتاء کا جواب بھی عربی زبان ہی میں دیا ہے۔عربی زبان پر آپ کو اتنا ملکہ حاصل تھا کہ علمائے عرب آپ کی گفتگو اور تحریر سے ششدر رہ جاتے (۱۲) یہی وجہ ہے کہ اپنی تصانیف میں آپ نے عربی زبان میں خوب خوب داد تحقیق دی ہے۔اور عربی ادب کو نیا نیا جھومر عطا کیا ہے۔

فارسی

عربی زبان وادب کی طرح فارسی زبان وادب پر بھی آپ کو غیر معمولی ملکہ اور حیرت بخش قدرت حاصل تھا، تاہم فارسی نگارشات کچھ زیادہ دستیاب نہیں ہیں جس سے فارسی شعر وادب میں آپ کی شخصیت کو متعین کیا جا سکے۔ پھر بھی جو موجود ہے اس سے آپ کی فارسی زبان وادب میں مہارت وحذاقت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔جو محفوظ ہے اس میں منظوم کلام بھی ہے اور نثری شہ پارہ بھی ہم یہاں بطور نمونہ نظم ونثر سے بعض انتخاب پر اکتفاء کرتے ہیں۔فارسی میں آپ نے ۱۶۱ اشعار کی ایک مثنوی لکھی ہے اس کے آخر میں کچھ اشعار مناجات پر ہیں۔

اے خدا اے مہرباں مولائے من — اے انیس خلوت شبہائے من
اے کریم و کارساز بے نیاز — دائم الاحساں شہ بندہ نواز
اے بیادت نالۂ مرغ سحر — اے کہ ذکرت مرہم زخم جگر
ہر دو عالم بندۂ اکرام تو — صد چو جان من فدائے نام تو
ماخطا آریم و تو بخشش کنی — نعرۂ انی غور می زنی
اللہ اللہ زیں طرف جرم وخطا — اللہ اللہ زاں طرف رحم وعطا

از طفیل آں صراط مستقیم　　قوتے اسلام را دہ اے کریم
اے خدا بہر جناب مصطفےٰ　　چار یار پاک و آل با صفا
پر کن از مقصد تہی دامان ما　　از تو پذرفتن زما کردن دعاء

حضرت رضا بریلوی نے فارسی میں بھی بڑی شستہ وشگفتہ نعتیں کہی ہیں اور بڑی عمدہ سے عمدہ منقبتیں لکھیں ہیں۔حضور غوث پاک کی شان میں تو ان کی متعدد رباعیات ہیں جو مروجہ دیوان میں شامل ہیں......مگر ہم آپ کو ان کی رزمیہ شاعری کے چند نمونے دکھانا چاہتے ہیں۔ان رزمیہ رباعیات میں آپ حضرت رضا بریلوی کی قادری الکلامی کا جوہر بھی دیکھیں گے،اوران کا جذبہ اظہار حق بھی،ان کی حق گوی و بے خوفی بھی ملاحظہ کریں گے اوران کی غیرت دینی،حمیت ملی بھی،زبان ودل کی رفاقت بھی اوراس دور کی ایمان سوز سیاست بھی منتخب ان چند رباعیات سے ایک طرف اس دور کا سیاسی منظر نامہ سامنے آتا ہے۔عمائدین کی اندھی تقلید سامنے آتی ہے علم فضل کے جبل شامخ کا گاندھی کی آندھی میں اڑنا نظر آتا ہے تو حضرت رضا بریلوی ہر گذرگاہ اور شاہراہ چراغ محبت لئے لوگوں کی رہبری ورہنمائی کرتے دکھائی پڑتے ہیں۔دوسری طرف فارسی زبان وادب میں ان کی مہارت برجستہ گوئی قدرت کلامی اور مافی الضمیر کی ادائیگی پر باحسن وجوہ جلوہ طرازی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا عبدالباری فرنگی محل لکھنوٴ (م۱۹۲۶ء) جو حضرت رضا بریلوی کے مخلص احباب میں تھے۔کی لغزش فکر وعمل پر جب حضرت رضا بریلوی نے اپنے مراسلے میں مواخذہ کیا تو کچھ تلخیاں پیدا ہوئیں اوراس طرح جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری ان مراسلات کے تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں۔

''ان خطوط میں امام احمد رضا کے خیالات وافکار نے شعر کا روپ دھارا اورایک ماہ دس دن کی قلیل مدت میں ۲۱۶/(دوسوسولہ) عربی

اور فارسی اشعار کا ذخیرہ سامنے آیا۔اس میں شک نہیں کہ ان اشعار
میں وہ شعریت و آفاقیت نہیں جوان کے نعتیہ کلام میں ہے مگر اس
میں بھی شک نہیں کہ تاریخی اور سیاسی حیثیت سے یہ اشعار نہایت
اہم ہیں ،اور تحریک آزادی ہند پر کام کرنے والوں کے لئے ایک
اہم ماخذ ہیں۔(۱۳)

عربی اشعار سے صرف نظر کر کے یہاں ہم فارسی سینکڑوں اشعار ، پچاسوں
رباعیات میں سے صرف چند کا انتخاب کرتے ہیں جن سے اس دور کے سیاسی تاریخی پس
منظر کی عکاسی حضرت رضا بریلوی کے حق پر اصرار، پرزور انداز تنقید کے ساتھ ساتھ فارسی
زبان ولغت پر آپ کے کامل دسترس کا پتہ چلتا ہے۔

ناحق زحق فراری باید کرد — یک کار ازیں دو کاری باید کرد
یا پاسخ ہر نمرہ جدا باید داد — یا ہر توبہ قراری باید کرد (۱۴)

ترجمہ: حق سے کب تک فرار ہوتا رہے گا ان دو باتوں میں سے ایک بات کر
یا تو نمبر وار (ہر اعتراض) کا الگ الگ جواب دو یا توبہ پر راضی ہو جاؤ۔

گفتم صنما توبہ نگہدار بہوش — گفتار از توبہ تو برہا کردم دوش
فتم کہ ہد ایتے بقرآں کنمت — گفتا من کے نہم سوئے قرآں گوش (۱۵)

(ترجمہ)۔میں نے کہا پیارے! توبہ پر قائم رہ، کہنے لگا میں نے تو کل رات توبہ
سے کئی دفعہ توبہ کرلی ہے میں نے کہا میں تو تجھے قرآن کریم کی ہدایت بتا رہا ہوں کہنے لگا
میں قرآن کی بات کب سنتا ہوں۔

گفتم صنما توبہ شکستن ستم است — گفتا خود را بہ توبہ بستن ستم ست
اسلام اگر رود، رود، باکے نیست — از بندگی گاندھی رستن ستم ست

ایضا،ص۹۷) (۱۶)

ترجمہ: میں نے کہا پیارے توبہ شکنی ظلم ہے اس نے کہا خود کو توبہ سے باندھنا ظلم ہے۔اسلام جاتا ہے تو جائے کوئی فکر نہیں گاندھی کی غلامی چھوڑنا ظلم ہے۔

گفت از اسلام نیست باقی جز نام　　حکمیست بجملہ ایں ازمان عام

سید ،عالم، فلاں کافر، خودمن　　کاذب ہمہ اند درمعیار اسلام

(ایضاً ص۹۶)(۱۷)

(ترجمہ) انہوں نے کہا اسلام کا صرف نام ہی باقی رہ گیا۔ ہماری طرف سے سب کے لئے یہ فیصلہ ہے کہ سید ہو عالم ہو، کافر مشرک ہو اور یا میں خود ہوں کوئی بھی اسلام کے معیار پر پورا نہیں اترتا، سب کھوٹے ہیں۔

یارب چہ کردہ است فسون دم گاندھی　　لیڈر پس رو امام اقدم گاندھی

درخطبہ وخط گفت فرنگی محلی　　ہادی گاندھی، وروح اعظم گاندھی

(۱۸)

(ترجمہ) اے خدا! گاندھی نے کیسا افسوں پھونکا ہے کہ مسلمان لیڈر اس کے پیچھے پیچھے جارہے ہیں اور وہ پیشوا بنا ہوا ہے، فرنگی محلی نے اپنے خط اور خطبے میں گاندھی کو ہادی (ہدایت دینے والا) اور مہاتما (روح اعظم) کہا ہے۔

از بازوئے تو نظام گاندھی ست　　قائم بہ تو انتظام دین گاندھی است

کردی لقب خویش قیام الدین راست　　آخر نہ بہ تو قیام دین گاندھی است

(ایضاً ص۹۰)(۱۹)

(ترجمہ) تیری قوت بازو سے ہی گاندھی کا سیاسی نظام چل رہا ہے اور تری ہی وجہ سے دین گاندھی کا انتظام قائم ہے۔تو نے اپنا لقب قیام الدین (دین کو قائم کرنے

والا) قرار دیا ہے۔ سچ ہے آخر تجھی سے تو دین گاندھی قائم ہے۔ (تو اسی دین کو قائم کرنے والا ہے)۔

عبدالباری حذار می باید کرد بادیں نہ چنیں ضرار می باید کرد
خود را تو مجدد کلاں می خوانی باز از دینت فرار می باید کرد

(ایضاص۸۷)(۲۰)

عبدالباری تمہیں (خدا سے) ڈرنا چاہئے۔ اور دین کو اس طرح نہ نقصان پہنچانا چاہئے۔ تو اپنے آپ کو مجدد اعظم کہتا ہے۔ تیرے دین سے فرار ہی بہتر ہے۔

آپ کی بہت سی نمایاں خصوصیات میں ایک عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ سائل آپ سے جس زبان میں سوال کرتا اور جس صنف ادب میں سوال کرتا آپ اسی میں جواب بھی مرحمت فرماتے۔ ذیل میں ہم ایک نادر نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ سائل نے فارسی زبان میں منظوم سوال کیا ہے اور آپ نے بھی فارسی ہی میں منظوم جواب دیا ہے اس پر طرہ یہ کہ جس بحر میں سوال ہے اسی بحر میں جواب بھی۔

مسئلہ:۔ از مدرسہ اہلسنت و جماعت بریلی۔ مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی طالب علم مدرسہ مذکورہ۔ ۱۲؍ جمادی الآخر ۱۳۲۶ھ

سزا یم بر گنا ہم لازم آمد پس انگہ رحمتش نہ باہم آمد
بگو مفتی خطائے یا صوابم بسا اسرار اینجا باہم آمد

جواب

مسلماں را سزا لازم کہ کردست کہ قول اعتزالی ظالم آمد
وگر باید سزا کامل نیابد کو عفوش بہر مومن لازم آمد
وگر بالفرض از وچیزے نہ بخشد زنقصان رحمتش خود سالم آمد

کہ یرحم من یشاء کل فرد	یعذب من یشاء ہم قائم آمد
بد نیا رحمتش برجملہ عام ست	بعقبیٰ خاص خط مسلم آمد
ثوابش بہر مومن منتہی نیست	عذابش بہر کا فر دائم آمد
برائے ہر صفت مظہر بکارست	کہ او ذوانتقام وراحم آمد

واللہ تعالیٰ اعلم(۲۱)

اب نثر عالی کی ایک تابناک مثال دیکھئے سوال فارسی میں ہے اور جواب بھی فارسی نثر ہی میں۔

مسئلہ: ۔از وطن مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲؍رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ **ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی ھذہ المسئلہ** دررسالہ طہارت کبریٰ نوشتہ است زنے نماز میگذارد ہم دراثنائے صلوٰۃ حائضہ شد نماز قطع کند۔ پس اگر نماز فرض بود بعد طہارت قضا یش واجب نبود واگر نفل بود قضا واجب آید......بینوا توجروا۔

الجواب: ۔دریں رسالہ اگرچہ بسیار جا خطا سرزدہ است اما ایں مسئلہ درست نوشتہ است فمثلہ فی البحر والدروغیرھما من الاسفار الغرر۔ وجہش آنچہ این وقت بخیال میرسد آنست کہ نماز اگرچہ نفل باشد بشروع واجب گردد واگر قبل از تمام فساد ے رونماید قضا لازم آید اما ایں حکم حکم شروع قصدے ست پس اگر کسے مثلاً نماز ظہر گذاردہ فراموش کرد و بازعقدش بربست پیش از فراغ بیادش آمد ہم چناں بشکست قضا برو لازم نیست کہ ایں شروع بربنائے ظن غلط بود۔ ہمچناں چوں زن را حیض رسید پیدا شد کہ نماز ایں وقت۔ برو واجب نہ بود وجوبے کہ بر نیا لیس آغاز کردہ بود غلط برآمد زیرا کہ نزد امام اعتبار مرآ خروقت راست کما نصوا علیہ پس قضا لازم نیاید بخلاف نفل کہ شروع دروے نہ بظن وجوب بود نہ عروض حیض درآ خروقت مانع تنفل دراول ست پس شروع دروے صحیح بود۔ چوں فاسد شد واجب آمد۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (۲۲)

آپ نے متعدد فتوے فارسی زبان میں تحریر فرمائے۔ اور متعدد علوم وفنون پر فارسی زبان میں رسائل قلمبند کئے ہیں جو فتاویٰ رضویہ کی مجلدات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان میں چند معروف نام ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں۔

رسالہ نعمتہ الزاد لروم الضاد

تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب

الحجۃ الفاتحہ لطیب التعین و الفاتحہ

اردو

اردو ادب کے حوالے سے آپ کی خدمات تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

آپ نے اپنی نگارشات کے ذریعہ جو کچھ حوالہ ادب کیا ہے۔ ادب کا سر اس سے ہمیشہ فخر سے اونچا رہے گا۔ اردو ادب پر آپ کا یہ کرم کیا کم ہے کہ ہزار کے قریب آپ کی تصانیف میں سے معتد بہ، کا تعلق اردو سے ہے اس طرح آپ نے اردو کو اپنے پیغام کے ابلاغ وترسیل کا ذریعہ بنا کر اردو ادب کے دامن کو مختلف فنون کے لالہ وگل سے ایسا مرصع کر دیا ہے کہ ہر دور میں اس کی لالہ کاری اہل ذوق کو مست وسرشار کرتی رہے گی۔ اور حیرت یہ ہے کہ خشک سے خشک موضوع پر بھی جب قلم اٹھاتے ہیں تو ایسی عبارت آرائی کرتے ہیں کہ خشک مضمون میں اپنی ادیبانہ عبارت کی وجہ سے چاشنی پیدا کر دیتے ہیں، مثلاً علم ہیئت پر لکھے گئے اپنے مشہور رسالہ ''فوز مبین درردحرکت زمین'' میں ایک مقام پر رقم طراز ہیں۔

''یہ ہوا کا وزن نہیں زمین سے قریب ہوا میں اجزائے ارضیہ، اجزائے بخاریہ، اجزائے دخانیہ وغیرہا مخلوط ہیں۔ ان کا وزن ہے۔ یہ تو ان کی دلیل کا ابطال ہوا۔ دعوے کے ابطال کی کیا ضرورت۔ ہر شخص اپنے وجدان سے جانتا ہے کہ اپنے سر پر ماشہ بھر بھی بوجھ نہیں

ہوتا۔ تا کہ ۳۹۲ من انسان تو انسان ہاتھی کی بھی جان نہ تھی کہ اتنا بوجھ سہارے، اور سہارنا کیسا محسوس تک نہ ہوا (فوز مبین در رد حرکت زمین امام احمد رضا)(۲۳)

آپ کی تحریر میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بہت ہی پیچیدہ مسئلہ کو بہت ہی آسان اسلوب بیان میں سمجھا دیتے ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ عبارت کا تسلسل بھی قائم رہتا ہے اور زبان و بیان کی شستگی بھی۔ اس سلسلے میں فتاویٰ رضویہ کے ایک فتویٰ کا حصہ ملاحظہ ہو۔

"یہ ہوتی ہے سچی نبوت جس کی خبر میں سرمو فرق آنا محال ہے۔ قادیانی سے زیادہ تو ان کفار مکہ ہی کی عقل تھی وہ جانتے تھے کہ ایک بات میں بھی کہیں فرق پڑ جائے تو دعویٰ نبوت معاذ اللہ غلط ہو جائے گا۔ مگر یہ جھوٹا نبی ہے کہ جھوٹ کے بھبکے اڑاتا ہے۔ اور نہ وہ شرماتا ہے۔ اور نہ اس کے ماننے والوں کو اس کا احساس ہوتا ہے کہ بلکہ اور بکمال شوخ چشمی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے کہ ہاں ہاں اگلے چار سو انبیاء کی بھی پیشینگوئیاں غلط ہوئیں اور وہ جھوٹے یعنی پنج آب کا جھوٹا کذاب نبی اگر دروغ گو نکلا کیا پرواہ ہے۔ اس سے پہلے بھی چار سو نبی جھوٹے گذر چکے ہیں۔ (معاذ اللہ) یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ جب نبوت اور جھوٹ جمع ہو سکتے ہیں تو انبیاء کی تصدیق شرط ایمان کیوں ہوئی۔ ان کی تکذیب کفر کیونکر ہوگی۔ **ولکن لعنة الله علی الظالمین الذین یکذبون المرسلین**

(فتاویٰ رضویہ جلد نہم، مطبوعہ کراچی)(۲۴)

آپ کے نثری شہ پاروں میں نثر نگاری کی تمام خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں سلاست و روانی اور شگفتگی و شستگی بھی ہے، شوکت الفاظ بھی، خوبصورت محاورات اور روزمرہ کے الفاظ بھی ہیں اور ندرت بیان بھی، دلیل و برہان کی بھر مار بھی ہے اور طنز و مزاح کا شہکار بھی شیرینی کلام بھی ہے اور جوشش پیام بھی، جدت طرازی بھی ہے تو وضع داری بھی، غرض زبان و بیان کی کون سی خوبی ہے جو آپ کی تحریر میں نمایاں نہیں باوجودیکہ آپ نے

اپنے اسلوب نگارش کو مزین کرنے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی پھر بھی جملوں کی ترتیب میں ایک مخصوص آہنگ ملتا ہے جو عربی و فارسی الفاظ وتراکیب سے مملو ہونے کے باوجود سماعت کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا بلکہ کانوں میں رس گھولتا نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہوں اس خصوص میں چند اقتباسات۔

''زیر نظر مسئلہ کے متعلق سرائے سخن کے کناروں سے دو چمکتے ہوئے ستارے لائے ہیں ایک والشّمس وضحٰہا اور دوسرا والقمر اذا تلٰھا، جو شخص صحتمند آنکھ اور قابل نور علم دل رکھتا ہے اس کی بصارت وبصیرت کو ان ستاروں کی کاشف ظلمات تجلیات سے اچھی طرح کامیابیاں مہیا اور مبارک ہوں''۔ (مجموعہ رسائل، ردمرزائیت)

''نصوص کے دریا چھلکتے۔ اور حب مصطفٰے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے چاند چمکتے اور تعظیم حضور کے سورج دمکتے اور ایمان کے تارے جھلکتے اور حق کے باغ مہکتے اور تحقیق کے پھول مہکتے اور ہدایت کے بلبل چہکتے۔ اور نجدیت کے کوے سسکتے۔ اور وہابیت کے بوم بلکتے اور مذبوح گستاخ پھڑکتے''۔

(خالص الاعتقاد ص ۴۷)

''تجلی جمال کے آثار سے لطف ونرمی وراحت وسکون ونشاط وانبساط ہے، جب یہ قلب عارف پر واقع ہوتی ہے۔ دل خود بخود ایسا کھل جاتا ہے جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازہ کلیاں۔ یا بہار کے مہینہ سے درختوں کے کنچھیاں، اور تجلی جلال کے آثار سے قہر وگرمی وخون قلب، جب اس کا ورود ہوتا ہے۔ قلب بے اختیار مرجھا جاتا ہے بلکہ بدن گھلنے لگتا ہے۔ وہی اک نور ہے کہ جب قریب افق جانب مشرق

سے طولانی شکل پر چمکتا ہے اس کا صبح اول نام رکھتے ہیں پھر جب پھیلتا ہے وہی صبح صادق ہوتی ہے۔ پھر جب سرخی لاتا ہے وہی شفق ہے۔ جب دن نکلتا ہے وہی دھوپ ہے"۔ (کشف حقائق واسرار دقائق)

"کیوں تسلیم کا مقام خالی دیکھتا ہوں خلاف کا چہرہ خوش، انصاف کا چہرہ شرم وحیا سے زرد، اور کاغذ کی پیشانی شرمناک باتوں سے سیاہ، خدا کی پناہ، لیکن قادر مطلق جل جلالہ جس نے مصطفےٰ ﷺ کو اپنے نور خاص سے پیدا فرمایا اور خورشید درخشانندہ وبدر رخشندہ کو ان کی سرکار کا ادنیٰ گداگر بنایا۔ کیا وہ یہ نہیں کرسکتا کہ ہمارے سرو جانفزا کو بغیر سایہ کے پرورش فرمائے۔ اور وہ شاخ گل جس کے ہر رگ وبرگ پر ہزاروں چمنستان قربان ہوں۔ پاکیزگی کی نہر پر گل زمین لطافت سے ہر قسم کی کثافت سے پاک پیدا ہو۔ (مجموعہ رسائل، ص ۱۳۹)

"سبحان اللہ، کہاں **رب السموات والارض . عالم الغیب والشہادۃ ، سبحٰنہ وتعالیٰ** اور کہاں کوئی بے تمیز، لونگا، ہیولیٰ، ہبقہ، ناپاک، ناشائستہ، کھڑے ہوکر موتنے والا ہے۔ ؎

ببیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

خدارا انصاف، وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جہنم کے کودن، ایک اور تین میں فرق نہ جانیں ایک خدا کے نو مانیں۔ پھر ان تین کو ایک ہی جانیں، بے مثل، بے کنہ کے لئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں اس کی پاک بندی، ستھری، کنواری پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں۔ پھر خاوند کی حیات، خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہوا سے دوسرے کا گائیں۔ خدا

اور خدا کا بیٹا ٹھہرا کر، ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں۔ ادھر آپ اس کے خون کے پیاسے۔ بوٹیوں کے بھوکے۔ روٹی کو اس کا گوشت بنا کر دردر چبائیں۔ شراب ناپاک کو اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں۔ دنیا یوں گذری، ادھر موت کے بعد کفارے کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بجھوائیں۔ لعنتی کہیں ملعون بنائیں۔ اے سبحان اللہ! اچھا خدا جسے سولی دی جائے۔ عجب خدا، جسے دوزخ جلائے، طرفہ خدا جس پر لعنت آئے۔ جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے اے سبحان اللہ۔ باپ کی خدائی اور بیٹے کی سولی، باپ خدا بیٹا کس کھیت کی مولی؟ باپ کے جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ۔ سرکشوں کی چھٹی، بے گناہ پر آگ، امتی ناجی، رسول ملعون، معبود پر لعنت، بندے مامون، تف تف! وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں۔ اس کے گوشت پر دانت رکھیں۔ اف اف! وہ گندے جو انبیاء و رسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں۔ سخت فحش بیہودہ کلام گڑھیں۔ اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں۔ زہ، زہ بندگی! خہ خہ تعظیم! پہ پہ تہذیب، قہ قہ تعلیم اللہ اللہ! یہ قوم، یہ قوم سراسر لوم یہ لوگ، یہ لوگ جنہیں عقل سے لاگ، جنہیں جنون کا روگ، یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون،

(الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام ص ۲۱-۱۹)

جو حضرات ادب کی گہرائیوں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ قلم میں یہ روانی اور فکر کی یہ جولانی برسوں ریاض کے بعد پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی شاذ و نادر۔ حضرت رضا

بریلوی زبان و بیان پر قدرت رکھنے میں بھی اپنے معاصرین میں اچھے اچھوں پر بھاری معلوم ہوتے ہیں۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی حضرت رضا بریلوی کی قادرالکلامی ان کی مخصوص انشاپردازی پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''امام احمد رضا کے عہد میں اگرچہ علی گڑھ تحریک کے زیر اثر سلیس و با محاورہ نثر نگاری کی روایت چل پڑی تھی تاہم بہت سارے اہل قلم حضرات قدیم اسلوب نگارش سے پیچھا نہیں چھڑا سکے تھے۔ فارسی کے مخصوص طرز کے زیر اثر ایسے اہل قلم اپنی تحریروں میں ضائع و بدائع کا استعمال کرتے تھے اور اپنی قادرالکلامی وزور بیان کی نمائش کی غرض سے مقفیٰ عبارت آرائی کے بھی دلدادہ تھے، لیکن امام احمد رضا نے کبھی ایسی پر تصنع عبارت آرائی کی کوشش نہیں کی ان کا مقصد اعظم دین کی تجدید و تبلیغ تھا۔ اور ایک مجدد و مبلغ مصنوعی طرز بیان سے کام نہیں لیتا اس لئے انھوں نے ہر جگہ فطری انداز بیان اختیار کیا تا کہ ان کی زبان میں از دل خیز بر دل ریزد کی شان باقی رہے لیکن اس احتیاط کے باوجود ان کا اشہب قلم مستی و روانی میں ادب و لطافت کی پھلجھڑیاں چھوڑتا ہوا گذر گیا ہے۔ (۲۵)

۷۵ رسے زائد علوم وفنون پر لکھی گئی ان کی تخلیقی، تنقیدی، تشریحی اور ادبی کتابیں اس لائق ہیں کہ دور جدید کے مستند نقاد و محققین اس مخزونے کی طرف توجہ مبذول کریں ورنہ اردو کا پیمانہ اب تک جس فروگذاشت کے تحت خالی رہا وہ کبھی پر نہیں ہوسکتا۔

ہم نے اپنے ایک تحقیقی مقالے میں لکھا ہے۔

''فخر و اعتماد کے ساتھ جس مستند عالم اور محقق کو دنیا کی ترقی یافتہ

زبانوں کے محققوں کی بزم میں پیش کیا جاسکتا ہے کم از کم انیسویں
اور بیسویں صدی میں اس افتخار کا سہرا محقق بریلوی کے فرق اقدس پر
سجتا ہے۔ اور ہر اعتبار سے آپ ہی اس کے حقدار ہیں۔(۲۶)

ابھرتے ہوئے جواں سال نقاد و ادیب مولانا امجد رضا امجدؔ، رضا اور معاصرین رضا کے ادبی کارناموں، تخلیقی شہ پاروں پر تنقیدی بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''بہرحال اس دور کے ادبی تحقیقی اور تنقیدی ماحول میں امام رضا آفتاب نیم روز کی مثل چمکتے دمکتے دکھائی دیتے ہیں ، چھوٹے چھوٹے رسائل سے لے کر ہزاروں اور سیکڑوں صفحات میں پھیلی ہوئی کتابوں تک وہ تمام ادبی محاسن جو عناصر خمسہ کے یہاں علی الانفراد پائے جاتے ہیں، وہ امام رضا کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اور اردو کی نثری خدمت مجموعی طور پر جتنی عناصر خمسہ نے کی اس سے کہیں زیادہ امام رضا نے کی۔''(۲۷)

آج کا اردو ادب اپنے جس سرمایے کی بنیاد پر جانا پہنچانا جا رہا ہے اگر اس ذخیرۂ ادب کا مہذب احتساب کیا جائے تو سوائے عشقیہ داستانوں، جھوٹی محبتوں، نمائشی الفتوں، مجازی محبوبوں کی عشوہ طرازیوں، عشق و محبت کی نامرادیوں یا نیم مرادیوں کے اور اس میں کیا ہے؟ جن بعض حضرات نے حقائق کی طرف رخ کیا بھی ہے تو غلو و مبالغہ کے داغ سے دامن نہ بچ سکا ہے افسوس یہ ہے کہ دینی ادب بھی ایسی جسارتوں کی زد میں ہے۔ کچھ حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں آیات و احادیث کو ڈھالنے کی ناکام کوشش کی ہے تو کچھ نے دینی افکار و نظریات کو اپنے مقاصد کے زیر اثر لا کر ادب کے زیور سے ملمع کرنا چاہا ہے۔ تاہم حضرت رضا بریلوی نے جس ادب کی پرورش کی ہے۔ جس اسلوب کو آپ نے اپنا خون جگر پلایا ہے اس میں حقائق کی جلوہ افروزی ہے، لطافت کے خزانے ہیں پاکیزگی

ہی پاکیزگی ہے، وہ بے داغ ہے اور بے داغ رہے گا۔ آپ نے ادب کو جو معیار ادب بخشا ہے ادب کا وقار اس سے ہمیشہ اونچا رہے گا۔ اس لئے کہ آپ نے جو کچھ کہا یا لکھا ہے وہ اہل ادب کے لئے ہی کہا اور لکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان وادب کو جس طرح گوہر نایاب اور نت نئے رجحانات سے آپ نے مالا مال کیا ہے، جتنی دولت معلومات آپ نے بخشی ہے، اور جو وقار واعتبار آپ نے اپنے البیلے نظریات سے عطا کیا ہے یہ گراں بہا بخشش ودہش کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ آپ نے جو بھی لکھا خوشیوں میں ڈوبکر، خوبیوں سے مزین لکھا ان کی کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی کتاب اٹھا لیجئے ہر جگہ یہ انداز آپ کو یکساں ملے گا، آپ محسوس کریں گے کہ ان کی ہر تخلیق تحقیق کا نادر نمونہ ہے۔ جب کہ اردو کے عناصر خمسہ آج دل کھول کر جن کی توصیف کی جاتی ہے ان کے یہاں بجھا بجھا انداز فکر بھی ملتا ہے، گھٹا گھٹا لہجہ و اسلوب بھی، بھرتی کے جملے بھی ملتے ہیں اور خوشامدی کی سطریں بھی، تضاد بیانی کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ اور متصادم افکار کے پیراگراف بھی، اردو کی پوری، لسانی، ادبی، ارتقائی تاریخ چھان ڈالئے علم کا ایسا بانکپن، فن کا ایسا انوکھا پن اور معانی و بیان کے ایسے درپن کی آپ کو درشن نہیں ہوگی۔ رضا بریلوی کا ادب وادبیات تو ایسی خاصے کی چیز ہیں جنہیں فخر سے عالمی ادب کے اسٹیج پر سجا کر داد وتحسین حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایسا ادب جو صداقت کا آئینہ دار، متانت کا علمبردار ہو وہ صرف رضا بریلوی کے ادبی گلزار میں نظر آتا ہے...... وجہ یہ ہے کہ وہ خالص مذہبی انسان اور سچے عاشق رسول تھے اس لئے آپ کے ادبی شہ پارے بھی تقدس و پاکیزگی کے حسین غلاف میں لپٹے نظر آتے ہیں...... معائب سے دور اور محاسن سے معمور نظر آتے ہیں...... حقائق سے منہ موڑنے اور شواہد کے تابناک چہرے پر غبار ڈالنے کی بہت کوشش کی گئی، مگر جس طرح آئینے پر پڑا ہوا غبار زیادہ دیر نہیں رہتا، آفتاب کے چہرہ پر چھایا ہوا بادل دیرپا نہیں ہوتا بالکل اسی طرح اب زبانیں بول رہی ہیں

قلم لکھ رہے ہیں، محفل سج رہی ہے، اور رضا بریلوی کے نام کی گونج چمن در چمن سنائی دینے لگی ہے، اپنے تو اپنے بیگانے بھی بہانگ دہل چرچا کرنے لگے ہیں، ہندو صحافی، مدیر ہفت روزہ ''بھجن'' پٹنہ لکھتے ہیں۔

''مجھے رامچندر کی قسم گزشتہ دنوں مدرسہ دیوبند میں میں نے احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری پر ''حدائق بخشش'' نامی کتاب دیکھی تو حیران و ششدر ہو کر رہ گیا .... مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مولوی احمد رضا کا ایک ایک شعر علم و ادب کا مرقع ہے، اور حدائق بخشش ایک گنجینۂ حق ہے جسے اہل ادب اگر اپنا اثاثۂ حیات سمجھیں تو بجا ہے، (افتتاحیہ خیابان رضا لاہور ص ۲۳)

حضرت رضا بریلوی کی علمی و ادبی تخلیقات اور فکری خدمات کو جتنا دبایا گیا وہ اتنا ہی ابھرتا جا رہا ہے، نکھرتا جا رہا ہے، فضا میں چھاتا جا رہا ہے اور آسمان قبولیت کو چھوتا جا رہا ہے، سوز محبت سے دماغ کو گرماتا جا رہا ہے، ساز عشق سے دل کو گدگداتا جا رہا ہے۔ سید شان الحق حقی رقم طراز ہیں۔

''بہترین ادبی تخلیقات وہی ہیں جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے روحانی سرور اور بصیرت کا ذریعہ ہوں، میرے نزدیک مولانا کا نعتیہ کلام ادبی تنقید سے مبرا ہے...... اس کی مقبولیت اور دلپذیری ہی اس کا سب سے بڑا ادبی کمال اور مولانا کے شاعرانہ مرتبہ پر دال ہے۔

حسن تاثیر کو نہ صورت سے نہ معنیٰ سے غرض
شعر وہ ہے کہ لگے جھوم کے گانے کوئی

(جہان رضا، لاہور۔ ص ۲۲ محمد مرید احمد چشتی)

حضرت رضا بریلوی نے اصناف سخن میں صرف نعت کو اپنا مقصد فکر اور محور فن قرار

دیا تاہم گمنامی کے گوشے سے نکالا اور شہرت کے بام عروج پر پہونچا دیا اور اس صنف کو ایسے ایسے دُرِّ بے بہا دیئے کہ غزل رشک کرنے لگی، مرثیہ اپنا مرثیہ پڑھنے لگا، ایسی ایسی نعتیں لکھیں، جو زبان و بیان، فکر و فن، اظہار و ابلاغ اور تاثیر و تاثر کے اعتبار سے اردو ادب میں سرمایہ ادب کا درجہ رکھتی ہیں۔

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مظہر گہر فشاں ہیں ....." رضا بریلوی کی شاعرانہ خوبیوں کی کیا بات کی جائے کون سی خوبی ہے جو یہاں نہیں ہے، ان کی شاعری پیکر حسن و جمال ہے، سبحان اللہ، سبحان اللہ، معانی و بیان کی دلآ ویزیاں، صنائع و بدائع کی جلوہ ریزیاں، تشبیہات و استعارات کی سحر انگیزیاں، الفاظ و حروف کی حیرت انگیز صف بندیاں، محاوروں کا حسین امتزاج، روزمرہ کا دلآ ویز استعمال، طرز ادا کی رنگینی و بانکپن، سادگی و پرکاری ندرت فکر و خیال، بے ساختگی و برجستگی، موسیقیت و نغمگی، رفعت مضامین ستھرے، پاکیزہ اشعار، سراپا انتخاب، فکر وخیال کو جن سانچے میں ڈھالتے ہیں حسین سے حسین نظر آتا ہے، (انتخاب حدائق بخشش، ص ۱۳)

سخن کی ہر جہت، اور فن کی ہر سمت پر نہ صرف یہ کہ ان کی عقابی نظر تھی بلکہ فکر و فن علم و ادب کا سرمایہ جہاں بھی نظر آئے وہ مرد مومن کی میراث ہے کہ بموجب سب کو اپنایا بھی اور گلے لگایا بھی، جسے آپ نے چھو دیا اچھوتا بنا دیا، ماہر علم و ادب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں رقم طراز ہیں۔

"میرا تو ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ اگر صرف محاورات، مصطلحات، ضرب الامثال، اور بیان و بدیع کے متعلق تمام الفاظ ان کے جملہ تصانیف سے یکجا کر دی جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے۔

(مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری، ص۴)''

اور ایسا بھی نہیں ہے کہ لغت کے لئے پہلے سے آپ نے کوئی ذہنی ریاضت کی ہو، منتشر خیالات کی یکجائی و یکسوئی کی طرف توجہ کی ہو، الفاظ و بندش کو سنوارا ہو نہیں بلکہ جو کچھ کیا ہے بے ساختہ اور برجستہ کیا ہے، اور کیا ہے تو ایسا شگفتہ اور شائستہ کیا ہے کہ ادب کی شائستگی مچل مچل اٹھی ہے۔ بقول ''شاعر لکھنوی،

ان کے جذبے کی بے ساختگی لفظوں کے تعاقب میں نہیں پھرتی، الفاظ خود بڑھ کر اور اس جذبے کو اپنی آغوش میں لے کر ان کے فکری عمل کو فنی عمل سے ہمکنار کر دیتے ہیں (تاریخ نعت گوئی میں حضرت رضا بریلوی کی کا منصب ص۲۴)

جس طرح حضرت رضا بریلوی علوم دینیہ، اسلامیہ میں ایک ہزار برس تک کی تمام دینی کتابوں کے حافظ نظر آتے ہیں، بالکل ویسے ہی فن شعر و سخن میں بھی تمام ماہرین شعراور استادان فن کے فکر و شعور کا نچوڑ معلوم ہوتے ہیں پروفیسر وسیم بریلوی تحریر فرماتے ہیں۔

یہاں میر کی دردمندی بھی ہے غالب کا تفکر بھی، مومن کی شائستہ نظری بھی ہے۔ سودا کی خلاقی ذہنی بھی۔ درد کی عارفانہ سادگی بھی ہے، ذوق کی زباندانی بھی۔ اقبال کی فلسفیانہ گہرائی بھی ہے، حالی کی عاجزی وانکساری بھی، جگر کی والہانہ ربودگی بھی ہے، فانی کی فلسفیانہ نظری بھی، حسرت کی واقفیت بھی ہے اور اصغر کی معرفت پسندی بھی۔ (انتخاب حدائق بخشش۔ ص۵۲)

انہی متنوع خوبیوں اور رنگا رنگ محاسن کی بنیاد پر مشہور شاعر و ادیب کالی داس گپتا نے کہا تھا۔

''اسلامی دنیا میں ان کے مقام بلند سے قطع نظر ان کی شاعری بھی

اس درجے کی ہے کہ انہیں انیسویں صدی عیسوی کے اساتذہ میں
برابر کا مقام دیا جائے۔ ذرا سے غور وفکر کے بعد ان کے اشعار
ایک ایسے شاعر کا پیکر دل ودماغ پر مسلط کر دیتے ہیں جو محض ایک
سخنور کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اترتا تو کسی استاد وقت
سے پیچھے نہ رہتا...... ان کے کلام سے ان کے کامل صاحب فن
اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں اور نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ
درجہ رکھتی ہیں (گلشن رضا، لاہور ص ۴۵)

دنیائے شاعری میں میں چار مختلف زبانوں کے ساتھ آج تک کسی بھی شاعر کا کلام نہیں ملتا۔ البتہ دو زبانوں میں عموماً اور تین مختلف زبانوں میں کہیں کہیں کلام مل جاتا ہے اس لحاظ سے امام احمد رضا محدث بریلوی فقیہ اعظم ہونے کے ساتھ ایسے شاعر اعظم نظر آتے ہیں کہ بے مثلیت وانفرادیت جن پر نچھاور نظر آتی ہے۔ شاعری میں ایک بہت ہی مشکل نوع علم ہیئت ونجوم وفلسفہ کی مصطلحات کا استعمال ہے جو اردو شاعری میں بہت کم مستعمل ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ان علوم کی اصطلاحات کو استعمال کرنے کے لئے ان علوم کی سمجھ اور ان پر دسترس بنیادی ضرورت ہے، شاعری کی اس نوع پر امام احمد رضا خاں محدث بریلوی سے قبل ملا بدرالدین چاچی نے البتہ علم ہیئت ونجوم کی اصطلاح اپنے کلام میں پیش کیں۔ اور اس فن کا اظہار اس نے مسلمان بادشاہ فیروز شاہ تغلق کی شان میں ایک طویل قصیدہ میں کیا ہے، لیکن نعت شریف میں ان مصطلحات کا استعمال کہیں نظر نہیں آتا اس لئے کہ یہ نوع سب سے محنت طلب ہے، مگر امام احمد رضا محدث بریلوی میں خدا داد صلاحیت کا مظاہرہ دیکھئے کہ ان مشکل ترین مصطلحات میں بھی آپ نے طویل نعتیہ قصیدہ تحریر فرمایا جو ایک سو پچپن اشعار پر مشتمل ہے۔

چند اشعار ملاحظہ کیجئے اور اس عظیم شاعر کو داد دیجئے۔

خالق افلاک نے طرفہ کھلائے چمن
ایک گل سوسن میں ہیں لاکھوں گل یا سمن
نقطہ پہ خط کھینچئے خط سطح کہے خط غلط
تن کہے میں ہوں فقط جاں کہے مٹی ہے تن
سبزہ وگل دلنشیں محو تماشا حسین
بانو ے اقلیم چیں دلربا بابل وطن
چشمۂ بے آب میں عرض سر مو نہیں
ڈوبنے جائے کہاں شرم کے مارے کرن

(فقیہ اسلام بحیثیت شاعر و ادیب پروفیسر مجید اللہ قادری ص ۸)

جن جن نوادرات فکر اور عجائبات خیال سے حضرت رضا بریلوی نے اردو ادب کے دامن کی حنابندی کی ہے دور تک اس کی نظیر نظر نہیں آتی، پوری اردو ادب کی تاریخ میں حضرت رضا بریلوی تنہا ایسے ادیب ہیں جنہوں نے اپنے پچھتر کے قریب علوم وفنون کی مہارت وحذاقت سے گنجینۂ ادب کو مالا مال کیا ہے۔ نہ اتنے علوم وفنون کی مہارت کہیں ہے اور نہ اتنا بڑا سرمایہ ادب کہیں ہے جو تن تنہا حضرت رضا بریلوی نے جلوہ آرا کی ہیں۔ اس کوٹھی کا دھان اس کوٹھی میں کر کے، انگلی کاٹ کر شہادت میں آپ نے نام نہیں لکھوایا ہے بلکہ اردو کے سرمایۂ ادب میں آپ نے بیش بہا اضافہ کیا ہے، ایسا اضافہ جس نے ملک وقوم کا سر فخر سے اونچا کیا ہے۔ آج دنیا میں دو علمی وادبی دبستان ہیں جن کا سکہ رائج ہے ایک دنیاوی یونیورسٹیاں اور دوسرا دینی جامعات، ایک وہ ہے جہاں بلفظ اقبال ''دانش برہانی'' کی کارفرمائی ہے اور ایک وہ ہے جہاں ''دانش نورانی'' کی جلوہ نمائی۔ جہاں دانش برہانی کی کارفرمائی ہے وہاں کی تعلیم وتعلم کی ابتدا وانتہا دماغ ہے، یہاں تعلیم دماغ سے

شروع ہوتی ہے۔اور دماغ ہی پرختم ہوتی ہے۔اور جہاں دانش نورانی کی جلوہ نمائی ہے وہاں تعلیم وتعلم دماغ سے شروع ہوتی ہے اور دل پرختم ہوتی ہے۔اس دانشکدہ میں بھی متعدد عمیق ودقیق علوم وفنون کی گہما گہمی دکھائی دیتی ہے اور اس دانشکدہ میں بھی۔مگر جو وہاں ہے یہاں نہیں اور جو یہاں ہے وہاں نہیں......حضرت رضا بریلوی جتنے علوم وفنون پر ماہر نظر آتے ہیں اتنے علوم وفنون نہ ان یونیورسیٹیوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور نہ ان جامعات میں۔اس اعتبار سے حضرت رضا بریلوی دانش برہانی اور دانش نورانی کے تنہا مرکز، دنیاوی یونیورسیٹی اور دینی جامعہ کے اکیلے جامع نظر آتے ہیں۔یعنی ان دونوں دبستانوں کو یکجا کر دیجئے تب بھی آپ کو یہ احساس ہوگا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔اللہ اکبر کیا گہرائی اور گیرائی تھی اس بندہ خدا میں جس کے علمی تنوع اور فکری تعمق نے دانشکدوں کو حیران کر رکھا ہے۔شاید اسی وجہ سے دانشکدوں نے حضرت رضا بریلوی کے علمی وفکری قد وقامت کو ناپنے کی طرف بڑی سرعت سے توجہ دی ہے۔اب تک دنیا کی تقریباً ۲۰ر یونیورسیٹیوں میں آپ پر تحقیق ہو چکی ہے اور ۱۰ر میں ہو رہی ہے۔اتنی تحقیق وریسرچ شاید اب تک کسی بھی شخصیت پر نہیں ہوا ہے۔سچ فرمایا تھا انہوں نے ؎

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں　　　مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

حضرت رضا بریلوی کا فکر وفن، شعر وسخن محض عطیہ الٰہی ہے، اس کی فیض بخشی و برکات کا عالم یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ پھیلی ہوئی ہیں، سب سے زیادہ توجہات کا مرکز ہیں سب سے زیادہ عوام وخواص کو مستفید کر رہی ہیں، مولانا کوثر نیازی کے الفاظ میں اذان کے بعد پوری دنیا میں سب سے زیادہ سامعہ نواز ہونے کا کلام اعلیٰحضرت کا سلام، مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام ہے۔اور یہ اعلیٰ اور عمدہ تخلیقات کی سب سے بڑی علامت ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے روحانی سرور اور بصیرت کا ذریعہ ہوں۔برا ہو متعصب ذہنیت کا جو دیدہ و دانستہ اس باب میں تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی ہے اور اس طرح

خودہی روحانی سروراور بصیرت کے بہت بڑے سرمایہ اور ذریعہ سے محروم ہورہی ہے۔ ؎

صدائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

اردوادب کا دامن جس دن جانب داری کے حق سوز نظریئے کی قید سے آزاد ہوگا دنیا دیکھے گی کہ ادب کے عرش بریں پر صرف حضرت رضا بریلوی کا جلوہ ہے جو کیف وکم کے عیب سے منزہ ومبرہ ہے۔ آج کچھ لوگ بادل نخواستہ بھی محض آقایان نعمت کی خوش دلی کی خاطر اردوادب کی تاریخی حقیقت کو مسخ کرنے پر تلے ہیں شاید وہ اس صداقت افروز حقیقت سے بے پرواہ ہوچکے ہیں کہ آج کی دنیا تحقیق و تنقیح کی دنیا ہے۔ احقاق و انکشاف کی دنیا ہے۔ خاکستر علم وادب میں دبی چنگاری کو ڈھونڈ نکالنے کی دنیا ہے ایک نہ ایک دن اس مصنوعی اور ملمع سازی کا حائل پردہ ضرور چاک ہوگا۔ حقیقی سورج کی روشنی سے اردوادب کا آنچل وآنگن بھی منور و مجلی ہوکر رہے گا۔

حوالے

حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق نے ادب کو کیا دیا ؟

۱	معارف رضا، شمارہ نہم	۱۹۸۹ء کراچی پاکستان	۲۰۹،۲۱۰
۲	فقیہ اسلام بحیثیت شاعر و ادیب	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	ص ۱۴
۳	افکار رضا، سہ ماہی بمبئی	جلد ا/شمارہ ۲	ص ۸،۹
۴	معارف رضا، شمارہ نہم	۱۹۸۹ء کراچی پاکستان	ص ۲۱۳
۵	فتاویٰ رضویہ مقدمہ جلد اول	امام احمد رضا محدث بریلوی	ص ۲،۳
۶	افکار رضا۔ جلد ا شمارہ ۲۵	سہ ماہی بمبئی	ص ۶
۷	دبستان رضا	مولانا یاسین اختر مصباحی	ص ۱۵۴
۸	حیات اعلیٰ حضرت ج اول	مولانا ظفر الدین بہاری	۱۳۱
۹	حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۱۵۸
۱۰	قاری کا امام احمد رضا نمبر	اپریل ۱۹۸۹ء	ص ۴۳۳
۱۱	فقیہ اسلام بحیثیت شاعر و ادیب	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	ص ۱۷
۱۲	//	//	ص ۹
۱۳	تنقیدات و تعاقبات	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۴۳
۱۴	//	//	ص ۶۱
۱۵	//	//	ص ۶۴

۱۶	//	//	ص۶۴
۱۷	//	//	ص۷۷
۱۸	//	//	ص۸۳
۱۹	//	//	ص۹۰
۲۰	//	//	ص۷۵
۲۱	فتاویٰ رضویہ ج ۱۱	امام احمد رضا	ص۷۵
۲۲	فتاویٰ رضویہ ج ۲	امام احمد رضا	ص۲۳
۲۳	فقیہ اسلام بحیثیت شاعر و ادیب	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	ص۱۵
۲۴	//	//	ص۱۵
۲۵	افکار رضا سہ ماہی بمبئی	شمارہ دسمبر ۹۵	ص۹
۲۶	جہان رضا ماہنامہ کراچی	شمارہ نمبر ۴۲/ ماہ مارچ ۹۵ء	ص۹
۲۷	پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر	پوکھریرا سیتامڑھی، بہار	ص۱۷۳

حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق نے ملت کو کیا دیا؟

اگر میں یہ کہوں تو بجا ہوگا کہ حضرت رضا بریلوی کی تخلیق ہی ایمان واخلاص کی بنیادوں پر ملت کی تعمیر کے لئے ہوئی تھی۔ اس دعوے پر ان کی پوری زندگی اور زندگی کے آفاق سے اٹھنے والی شعائیں گواہی دیرہی ہیں۔ ان کی نگارشات کے محرکات پکاررہے ہیں کہ ان کے دور میں ملت کو جیسے جیسے بحران سے گذرنا پڑ رہا تھا اور جیسے جیسے نت نئے روپ میں کبھی سیاسی کبھی مذہبی طوفان اٹھ رہے تھے ایسے عالم رستا خیز میں ملت کی صحیح پاسبانی اگر آپ نے نہیں کی ہوتی تو نہ جانے کشتیٔ ملت کا کیا حشر ہوتا اور رہبری کے بھیس میں رہزنوں نے اس کی نہ جانے کیا گت بنائی ہوتی مگر وہ تو کہئے کہ آپ کے پیکر میں علم وعمل کا ایسا کوہ گراں موجود تھا جس نے ہر طوفان کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا مگر ملت پر آنچ نہ آنے دی آپ کی ملی خدمات کا ہر گوشہ اتنا متنوع اور جہت در جہت ہے کہ اس کی کرنوں کو سمیٹنا اور یکجا کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

سوال یہ نہیں کہ آپ نے ملت کو کیا دیا۔ سوال یہ ہے کہ آپ کے تصور عشق نے ملت کو کیا نہیں دیا۔ عقائد وافکار کی مستحکم بنیاد آپ نے دی، طوفان باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا حوصلہ آپ نے عطا کیا۔ کنزالایمان، فتاویٰ رضویہ، حدائق بخشش آپ نے بخشا، بین الاقوامی دارالافتاء، منظر اسلام کے نام سے آفاقی ادارہ آپ نے دیا اور اپنے بعد بھی ملت کی روحانی تازگی وسرسبزی کے لئے نامور تلامذہ وخلفاء آپ نے عطا کیا۔ آپ

کی جلائی یہ شمعیں آج بھی اسی شان سے روشنی پھیلا رہی ہیں اور ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور کر دینے کی فکر میں ہیں۔ ان گوشہ ہائے رنگ برنگ سے چند کا قدرے تفصیل سے ہم جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

حضرت رضا بریلوی نے ملت مسلمہ کی اقبال مندی اور دیگر اقوام و ملل پر اس کے تفوق و بالا دستی کے لئے اپنی حیات و خدمات اور جذبات و احساسات سے جو ساز چھیڑا تھا جو ناقوس بجایا تھا اس کی نغمگی و بلند آہنگی کے نتائج و اثرات کا اگر استقصاء کیا جائے تو میرا خیال ہے درج ذیل تین نکات میں اسے سمیٹا جا سکتا ہے (۱) فکر و عمل کے تحفظ کا جذبہ (۲) انقلاب بداماں شخصیتیں (۳) عشق مصطفٰے۔

۱۔ فکر و عمل کے تحفظ کا جذبہ

ایک ایسے وقت میں جب خرمن ایمان پر بجلیاں گرائی جا رہی تھیں۔ اسلامی افکار و تصورات کو اپنے اپنے نظریات کے سانچے میں ڈھالنے کی نامحمود کوشش ہو رہی تھی عقیدت کے نشیمن تہہ و بالا کئے جا رہے تھے۔ قدیم خیالات کے ذخائر پر جدیدیت کا غلاف چڑھایا جا رہا تھا، اسلام کے نام پر گلشن اسلام کی تاراجی ہو رہی تھی۔ ماحول کیسا دلدوز اور حوصلہ آزما تھا ڈاکٹر مسعود احمد مظہری رقم فرماتے ہیں۔

> ''وہ دور ابتلاء ایسا تھا کہ پوری ملت بے راہ رو ہو رہی تھی۔ نئے مذہب کی ایجاد کی تدبیریں سوچی جا رہی تھیں، پریاگ و سنگم کو مقدس سمجھا جا رہا تھا۔ ہندو مسلم جگری بھائی بھائی ہو رہے تھے۔ پیشانیوں پر قشقہ لگایا جا رہا تھا۔ ترکی ٹوپی اور عمامے اتار کر گاندھی کیپ اوڑھی جا رہی تھی، ہندوؤں کی ارتھی میں شرکت کی جا رہی تھی ا وراس کو کندھا دیا جا رہا تھا، ہندوؤں کے لئے مسجدوں میں تعزیتی

جلسے اور فاتحہ خوانی کی محفلیں منعقد ہو رہی تھیں۔ منبر رسول پر ہندو لیڈروں سے تقریریں کرائی جا رہی تھیں۔ ہندو کی محبت کی خاطر پاک و ہند میں گائے کی قربانی پر پابندی لگانے کی تدبیریں سوچی جا رہی تھیں۔ الغرض وہ کچھ ہو رہا تھا آج جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر تاریخی حقائق و شواہد معدوم ہو جاتے تو ان باتوں کو دیوانوں کی باتیں کہہ کر رد کر دیا جاتا۔(۱)

حضرت رضا بریلوی نے نہ صرف یہ کہ بے راہ افراد کی گرفت کی بلکہ گم کردہ راہ ملت کے ہر قول و عمل کی نگرانی کی اور اس کو صراط مستقیم دکھایا، دلوں کو بجھنے نہ دیا۔ کردار کو مرنے سے بچایا۔ شمع محبت جلائی اور پوری ملت کو اسی روشنی میں گنبد خضریٰ کا راستہ دکھایا اندھیروں میں اجالا کیا اور اجالوں کو رشک آفتاب کیا، زمانے کے اسیروں کو آزاد کیا موجوں سے لڑنے کا حوصلہ دیا، مایوسوں کو آس دی، ناامیدوں کو امید دی، خاک نشینوں کو عرش نشیں کیا۔ احساسات کے دھارے کو موڑ دیا۔ جذبات کی دنیا کو یکسر بدل دیا ڈاکٹر غلام یحییٰ رقم طراز ہیں۔

''اس صدی کے شروع میں مسلمانوں کو خواب غفلت سے جانے اور ان کے مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونکنے کے لئے تین آوازیں بلند ہوئیں۔ ایک اقبال کی بانگ درا، ایک محمد علی کا نعرۂ تکبیر، اور ایک ابوالکلام آزاد کا رجز حریت ممکن ہے لفظوں کے پرستاروں کو ان تینوں کے پیغاموں میں فرق معلوم ہوتا ہو مگر معنیٰ کے محرم تینوں کی زبان سے ایک ہی بات سنتے اور اس کا ایک ہی مطلب سمجھتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ دین کی کنجی سے دنیا کے دروازے کھولو اور اسلام کے اسم اعظم سے آفاق کی تسخیر کرو''۔ ڈاکٹر عابد حسین کا یہ قول اگر حق و

صداقت کا آئینہ دار ہے تو یہ بھی اپنی جگہ مسلم اور مبنی برحقیقت ہے کہ ایک چوتھی آواز بھی ہے جس نے عالم اسلام میں مذہبی انقلاب برپا کر دیا، اور کفر وارتداد کی آندھی میں حق وصداقت کا پرچم اس طرح بلند رکھا جس طرح باطل کے ظلم واستبداد کی پرواہ کئے بغیر عہد عباسی میں امام احمد ابن حنبل۔ اور دور اکبری میں مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہما نے بلند کر رکھا تھا۔ وہ آواز تھی اس ذات گرامی کی جو دنیائے علم وادب میں '' امام'' عالم عرب میں '' فاضل بریلوی'' اور حلقۂ معتقدین ومتوسلین میں ''اعلحضرت'' سے متعارف ہے۔ (۲)

ملت کا درد اور احساس ذمہ داری کی بنیاد پر اگر دیکھئے تو حضرت رضا بریلوی اپنے معاصرین ،عمائدین ملت سے بہت آگے نظر آتے ہیں، اگر آپ نے یہ تیز گامی اور چابکدستی نہ دکھائی ہوتی تو آزاد خیالی اور فکری کجروی کا جو سیلاب امنڈا تھا نہ معلوم وہ کتنوں کو بہالے جاتا آپ نے پوری قوم کو غار ہلاکت میں گرنے سے بچایا اور اس کو شعور جان وایمان بخشا، دوست ودشمن کی پہچان کرائی۔ تحریر کا جادو جگایا اور ضمیر کو بے نور ہونے سے بچایا۔

پروفیسر مسعود احمد مظہری تحریر فرماتے ہیں۔

''امام احمد رضا نے اپنی گرانقدر تصنیفات سے دین کی بڑی خدمت کی اور سب سے بڑی خدمت یہ کہ دشمنان اسلام کا تیز دستی سے تعاقب کیا اور جو مسلمان اپنی سادہ لوحی سے دشمنوں کے فریب میں آئے انہیں فہمائش کی اور دشمنوں کے فریب سے آگاہ کیا۔(۳)

دینداروں کو بے دین ہونے ،مسلمانوں کو کفر والحاد کی وادی میں گرفتار ہونے سے آپ کی پیہم للکار قلمی وار اور مسلسل یلغار نے باز رکھا، لادینی ولا مذہبی مختلف چولے اور جامے، زرق برق خوشپوش لباس میں نمودار ہو رہی تھی اور حیرت یہ کہ جو تحریک بھی اٹھتی اس

کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں حدیث حوالے کو موجود رہتے۔ ایک ایسی مکدر فضا میں حق کو باطل سے چھانٹ لینا، حسن وقبح میں امتیاز کر لینا۔ ایمان وکفر کو نگاہ اولین ہی میں پرکھ لینا کسی صاحب دل، صاحب نظر اور صاحب علم وفکر ہی کا کارنامہ ہوسکتا تھا، قدرت نے آپ کو علوم وفنون کا ایسا بالغ نظر، اور حسن وقبح کا ایسا پارکھ بنادیا تھا کہ جب کبھی بھی ایسی صورت پیش آئی تو قوم وملت کے حدود اربعہ پر آپ نظر آئے، فوراً تنبیہ فرمائی اور بچھائے گئے جال میں پھنس کر متاع ایمان نہ لٹانے کی ترغیب میں جٹ گئے۔ یہ ان کا کتنا بڑا احسان پوری ملت پر ہے کہ متاع گر انبہا کی حفاظت کا آپ نے شعور وحوصلہ بخشا۔

دلوں کی کتنی بے نور قندیلیں آپ نے روشن کیں، کتنے ہاتھوں میں آپ نے ایمان واسلام کا میٹھا میٹھا جام عطا کیا، کتنے سینوں کو آپ نے محبت رسول کی مستی سے آباد کیا کتنے ذہنوں میں آپ نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی الفت بٹھائی، کتنے بھٹکوں کو آپ نے صراط مستقیم دکھایا اور حق یہ ہیکہ آپ کی تصانیف آج بھی پوری ملت کے لئے بدمذہبی اور بیدینی کے مرض کے لئے اکسیر شفا کا درجہ رکھتی ہیں۔

محتاط اہل قلم مولانا بدرالدین احمد قادری تحریر فرماتے ہیں۔

”ہزاروں تو کیا بلکہ لاکھوں اشخاص نے اعلیٰحضرت کی تقریروں اور تحریروں سے فائدہ اٹھایا، گمراہوں کا طبقہ آپ کی تحریریں پڑھ کر دیندار بنا، بدمذہب حضرات آپ کی کتابیں دیکھ کر ایسے راسخ الاعتقاد سنی ہوئے کہ بدمذہبی کی ہولناک آندھی بھی ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی، کتنے وہ ہیں جو کفریات بک کر مرتد اور بے دین ہوگئے تھے آپ کی رہنمائی سے مخلص مسلمان بن گئے۔ (۴)

ملت اسلامیہ کی خیرخواہی کے پیش نظر بھولے بھالے مسلمانوں کو جو آپ نے بطور وصیت آخری فہمائش کی ہے دیکھئے اس میں کیسا سوز الفت ہے۔ ان کی اپیل میں

کیسا خلوص، ان کی آواز میں کیسا درد، اور ان کی فکر میں کیسی ایمانی تڑپ ہے، دنیا سے جاتے جاتے بھی ملت کے نام ایک انمٹ پیغام چھوڑ جاتے ہیں۔ اس پیغام میں ان کی پوری حیات کا خلاصہ اور تحاریک کا نچوڑ ہے۔ اس پیغام میں وہ سب کچھ ہے جو ایک با مقصد، معیاری اسلامی معاشرہ کے لئے لازمی عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دیکھئے وہ کیا کہتے ہیں۔

''پیارے بھائیو! تم مصطفےٰ ﷺ کی بھولی بھالی بھیڑیں ہو۔
بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکا دیں
تمہیں فتنے میں ڈال دیں، تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں
ان سے بچو اور دور بھاگو...... میں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی
بتا رہا ہوں اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں۔''(۵)

حضرت رضا بریلوی کے خیالات میں اسلامیات کا پورا خزینہ چمکتا معلوم ہوتا ہے ان سطور سے ملت کے درد اور اس درد کے لئے آپ کی تجویز کردہ دوا کو معلوم کر کے یہی کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے ملت کیلئے اپنی حیات کا عرق نچوڑ کر پیش کر دیا ہے۔

ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری آپ کے علمی درد و احساس کا تجزیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

امام احمد رضا ایک صاحب فکر و صاحب بصیرت تھے بقول ایک فاضل کسی مفکر کی اہمیت اس بات میں نہیں کہ وہ کتنے گھن گرج کے ساتھ رونما ہوا، کتنے آدمی شریک ہوئے کس حد تک اس نے دنیا کا نقشہ بدلا۔ بلکہ اس بات میں ہے۔

(۱)...... زندگی میں حسن و صداقت کے کتنے نامعلوم پہلو اس نے اجاگر کئے۔

(۲)...... جو صورت حال اس فکر کی محرک تھی اس کے ردعمل میں کس مثبت اور قائم بالذات عمل کی تخلیق کی گئی۔

(۳)...... وہ فکر زندگی کے لئے کیسے اعلیٰ مقاصد اور اقدار کا احاطہ کئے ہوئے

ہے اور ظلمت، بہیمت سے نکال کر عدل وانصاف کی طرف لے جانے والا ہے۔

(۴)...... اس کی فکر نے انسانی زندگی کے ان ممکنات کو کس درجہ وسیع کیا ہے جو اس وقت تک ممکن نظر نہ آتے تھے، جب تک وہ وقوع پذیر نہ ہو گئے۔

(۵)...... اس کی فکر نے انسانی زندگی اور تاریخی ادوار پر کیسا اور کتنا اثر ڈالا ہے اس معیار فکر کو سامنے رکھئے اور پھر دیکھئے کہ امام احمد رضا نے ملت اسلامیہ کو کیا کچھ دیا اور اپنے فکر و نظر سے کس طرح رہنمائی فرمائی۔(۶)

ان کی فکر وفہم کا مرکزی دائرہ ونقطہ دین کا تحفظ وعروج۔ دینی رجحانات کی توسیع و اشاعت دینی دستور ومنشور کی بالادستی، دینی مزاج کی تخلیق وتبلیغ، بلکہ خالص دین کی بنیاد پر معاشرے کی تعمیر ان کی حیات کا زرین خواب تھا، وہ چاہتے تھے کہ معاشرہ وملت کے جسم میں دین کی روح سرایت کر جائے دینی جذبوں اور دینی قدروں کا احیاء ہو۔ دینی تقاضوں اور نکات کی ابلاغ وترسیل کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں، بس دین ہی دین ہو۔ ہر سو دین مصطفٰے کا غلغلہ اور بول بالا ہوتا کہ پیارے مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کا علم بھی بلند رہے اور مسلمان اس طرح اپنے اصل مقصد ومقام کو پاسکیں، فلاح ونجات دارین جو ایک مومن کا مقدر ہے۔ اس نعمت کی تحصیل آسان سے آسان تر ہو جائے فروغ دین وسنیت کے لئے آپ کا دس نکاتی پروگرام ایک جامع منصوبہ ہے، اگر آج بھی ملت ان نکات و پرگرام پر عمل پیرا ہو جائے تو ایک آبرومند باوقار معاشرہ خود بخود سانچے میں ڈھل جائے۔ وہ نکات یہ ہیں۔

(۱) عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

(۲) طلباء کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

(۳) مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں۔

(۴) طبائع کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ

دے کر اس میں لگایا جائے۔

(۵) ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً وتقریراً وواعظاً ومناظرۃً اشاعت دین ومذہب کریں۔

(۶) حمایت مذہب ورد بد مذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

(۷) تصنیف شدہ اور نوتصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کئے جائیں۔

(۸) شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر، یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعداء کے لئے اپنی فوجیں میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔

(۹) جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

(۱۰) آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا۔ اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام ہے۔(۷) سرسری دیکھ جایئے تو یہ صرف دس نکتے ہیں، دس باتیں ہیں لیکن اگر بغور دیکھئے تو ہر نکتہ جہاں معنیٰ کا چمنستان ہے۔ ایک ایک نکتے میں ملت کی حیات وتعمیر کے انمٹ نقوش پنہاں ہیں۔ ان نکتوں کو عملی شکل دیدیا گیا ہوتا تو مسلم معاشرہ آج ترقی و ارتقاء اور اعتبار و وقار کا حسین نمونہ ہوتا۔

سرسری ہم جہاں سے گذرے

ورنہ ہر جا جہانِ معنیٰ تھا

آج لوگ تعلیم سے شاکی ہیں، ملت کی کسمپرسی پر ماتم کناں ہیں، اقتصادی زبوں حالی پر گلہ کیش ہیں، فرد سے لے کر جماعت تک ہر دل میں اضطراب، ایک طرح کی گھٹن ہے۔ حضرت رضا بریلوی کا پیغام سب کے لئے پیغام بصیرت ومسرت ہے اور تمام دکھ درد کا مداوا آپ نے دینی تعلیم اور دینی تعلیم کی مضبوط وبسیط بنیادوں پر ملت کی تعمیر کولازمی قرار دیا ہے، آج ہمارے یہاں مدارس کی کمی نہیں ہے ہر روز ایک مدرسہ معرض وجود اور ہر دن ایک ادارہ منصۂ شہود پر آرہا ہے اگر ان مدارس وادارہ جات میں حضرت رضا بریلوی کے نکات کی روح شامل ہوجائے انہیں انہی ڈھنگ سے چلائے جائیں جو ڈھنگ و آہنگ آپ نے پیش فرمایا ہے، ان نکات کو عملی شکل دیدی جائے جو نکات آپ نے قوم و ملت کے سامنے رکھے ہیں تو یقین جانئے تعلیمی معیار بھی ٹھوس اور نتیجہ خیز ہوجائے، دینی افکار کی بھی خوب سے خوب تر اشاعت ہونے لگے، اور ایک خوشحال، باوقار معاشرہ بھی صبح نو کی تازگی ودرخشندگی کے ساتھ جلوہ ریز ہوجائے۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

۲۔انقلاب بداماں شخصیتیں

حضرت رضا بریلوی بڑے دو ررس عالم دین اور بالغ نظر مفکر اسلام تھے وہ مستقبل کے پردہ میں جھانک کر آنے والے حالات کا صحیح پتہ لگالیتے اور پھر حال کی منظّم تعمیر میں جٹ جاتے۔ یعنی ان کی فاضلانہ نکتہ سنجی اور عارفانہ دور بینی ہی ہے کہ انہوں نے شخصیت سازی پر بھی خصوصی توجہ دی تاکہ مستقبل کا آئینہ بے غبار رہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت رضا بریلوی کے علم وفکر، تدبر وحکمت دانائی وپیشوائی کے آگے گردن فرازوں کی پیشانیاں تو خم ہیں ہی، ان کے اصحاب عقیدت اور تلامذہ وخلفاء میں ایسی ایسی

نادرالوجود ہستیاں ہیں کہ ان کے وفور علم، کثرت معلومات، وسعت خیال ونظر، ہمہ گیر فکر و بصیرت اور ملی جذبۂ سرخروئی کے سامنے اصحاب فکر ونظر کی روشن دماغی بجھی بجھی ارباب عقل کی پیشانی عرق عرق اور حاملین خرد کا زہرہ آب آب ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ میر مجلس اور قافلہ سالار رہے اور ہر ایک کی تاریخ حیات زریں اور روشن خدمات سے منور و تابناک ہے انہوں نے اپنے روحانی فیوض و برکات سے برصغیر کی پوری فضا کو بہرہ ور اور مالا مال کیا۔ مذہب وملت کی پرزور حمایت اور اس کی محافظت کی، اس کے وقار و آبرو کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی، خصوصی دلچسپی اور نمایاں شعبۂ علم وعمل کے لحاظ سے ان حضرات کی مختصر فہرست یہ ہے۔

علماء متبحرین :۔

مولانا حامد رضا قادری م۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء مولانا وصی احمد سورتی م۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء شاہ ابوالبرکات قادری ۱۴۰۰ھ..............................

مفکرین و مدبرین :

مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی م ۱۳۶۷ھ، مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی ۱۳۸۳ھ پروفیسر سید سلمان اشرف بہاری ۱۳۵۲ھ............

فقہائے کاملین:

مولانا امجد علی اعظمی م ۱۳۶۷ھ مولانا محمد شریف کوٹلوی م ۱۹۵۱ء، مولانا سراج احمد کانپوری م۱۳۴۲ھ..

مرشدین عارفین

مولانا دیدار علی الوری م۱۳۵۴ھ مولانا عبدالسلام جبلپوری م۱۳۷۲ھ مولا سید احمد اشرف کچھوچھوی م۱۳۴۳ھ..............................

دعاۃ و مبلغین

مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی م۱۹۵۴ھ مولانا احمد مختار میرٹھی ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء، مولانا فتح علی قادری ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸.......................

مصنفین و مولفین

مولانا سید ظفرالدین بہاری م۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء، مولانا عمرالدین ہزاروی م۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء، مولانا محمد شفیع بیسلپوری ۱۳۳۸ھ.................

اصحاب درس وتدریس

مولانا رحیم بخش آروی م۱۳۴۴، مولانا رحم الٰہی منگلوری م۱۳۶۳ھ مولانا غلام جان ہزاروی م۱۳۷۹ھ...................................

ارباب تدبیر و سیاست

مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری ۱۳۸۰، مولانا یار محمد بندیالوی م ۱۳۶۷ھ، مفتی اعجاز ولی خاں رضوی م۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء........................

خطباء و مناظرین:

مولانا ہدایت رسول رامپوری م۱۹۱۵ء مولانا حشمت علی لکھنوی م۱۳۸۰ھ، مولانا محبوب علی لکھنوی م۱۳۸۵ھ، ۱۹۶۸ء...

اصحاب شعر و ادب:

مولانا حسن رضا بریلوی ۱۳۲۶ھ مولانا سید ایوب علی رضوی ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء مولانا امام الدین قادری ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۱ء............

اصحاب طب و حکمت :

مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی م۱۳۵۲ھ مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی م سہ، مولانا عزیز غوث بریلوی سہ........................

اصحاب نشرو اشاعت :

مولانا محمد حبیب اللہ قادری م ۱۳۶۷ھ ۱۹۸۴ء، مولانا ابراہیم رضا جیلانیؒ م ۱۳۸۵ء ۱۹۶۵ء، مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ۱۴۱۰ھ.......................

ارباب ثروت معتقدین :

قاضی عبدالوحید عظیم آبادی م ۱۳۲۶ حاجی محمد لعل خاں مدراسی م ۱۹۲۱ء سید محمد حسین میرٹھی (امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات)

ان شخصیات میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب ہے اور ان سب کی روشن خدمات سے ملت کے پیشانی منور اور تاریخ کا سینہ مزین ہے، ان میں سے صرف چھ شخصیتوں کا بہت ہی ایجاز و اختصار کے ساتھ ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ ملک العلماء

مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری

۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کو آپ موضع رسول پور مجیرہ، ضلع پٹنہ عظیم آباد میں پیدا ہوئے والدین نے نام محمد ظفیر الدین رکھا تھا جب ان کی فاضل بریلوی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حرف علت کی یا نکال کر نام محمد ظفر الدین کر دیا اردو کے مستند محقق پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو علی گڈھ، آپ ہی کے نامور فرزند ہیں۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں جو فارسی کے دبیر تھے۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں مولانا معین الدین اشرف، مولانا بدرالدین اشرف اور مولانا معین الدین از ہر سے متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی، مولانا وصی احمد محدث سورتی سے حدیث کی بعض کتب اور فاضل بریلوی سے انہوں نے بخاری کے علاوہ اقلیدس کے چھے مقالے تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمنی تمام کر کے علم توقیت و جفر و تکسیر حاصل کیا، تصوف کی کتابوں میں ان سے عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس لیا شعبان ۱۳۲۵ھ میں علماء کے ایک بڑے مجمع میں فاضل بریلوی کی

درخواست پر حضرت مخدوم شاہ حیات احمد قدس سرہ سجادہ نشین خانقاہ ردولی شریف نے دستار فضیلت باندھی، اور مسند تدریس و افتاء مرحمت فرمائی حضرت ملک العلماء اپنی اس نسبت رضوی پر فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اور پھر ان تمام نعمتوں کے علاوہ سونے پر سہاگہ کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری...... نے بیعت و تلمذ وارشاد و خلافت کے شرف سے مشرف فرمایا، جو شریعت مطہرہ و طریقت منورہ کی عملی تصویر تھے'' (۸)

مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف آپ ہی کی کوششوں سے قائم ہوا۔ تکمیل و فراغت کے بعد انہوں نے مدرسہ منظر اسلام ہی سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۱۳ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ قائم ہوا تو اس میں ان کا بحیثیت مدرس حدیث تقرر ہوا۔ ۱۹۲۱ء میں جب حکومت بہار نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کو اپنے انتظام میں لے لیا تو آپ سینئیر مدرس بنائے گئے اور ۱۹۴۸ء سے پرنسپل کے فرائض انجام دینے لگے۔ ۹/ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک طویل مدت علمی خدمت کے بعد پینشن پر ریٹائرڈ ہوئے۔ (۹)

آپ کے علمی کمالات کا بہار کیا برصغیر کا ہر صاحب علم آج بھی معترف ہے۔ علم ہیئت و ریاضی وغیرہ بہت سے علوم میں یکتائے روزگار تصور کئے جاتے تھے ۱۹۴۶ء میں کسی نے حروف ابجد سے متعلق ایک نہایت پیچیدہ سوال کیا۔ اس پر سائل کو مدیر دبدبۂ سکندری رامپور نے آپ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے لکھا اور آپ کے متعلق لکھا۔

> ''اس وقت آپ کے ایسی علم ہیئت و حروف واعداد کی ماہر دوسری ہستی کل ہند میں ہماری معلومات و نظر میں نہیں ہے۔ (دبدبۂ سکندری رام پور ۳/ جولائی ۱۹۴۶ء) (۱۰)

حضرت رضا بریلوی آپ کی علمی و عملی خوبیوں کو سراہتے ہوئے ایک خط میں تحریر

فرماتے ہیں۔

............سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں

......عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں

......مفتی ہیں۔

......مصنف ہیں۔

......واعظ ہیں۔

......مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں

......علمائے زمانہ میں توقیت سے تنہا آگاہ ہیں (۱۱)

آج جو مسجدوں میں اوقات صوم وصلوٰۃ کا چارٹ نظر آرہا ہے یہ حضرت ملک العلماء ہی کی برکات سے ایک عظیم برکت ہے، اس عنوان پر آپ نے ''موذن الاوقات'' کے نام سے ایک رسالہ ترتیب دیا ہے، بعد کے سب لوگوں نے اسی نادر رسالے سے استفادہ کیا ہے۔ آپ کا ایک مقالہ جسے آپ نے علامہ مشرقی کے باطل نظریات کی تردید میں لکھا تھا۔ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ بابت جنوری فروری ۱۹۴۰ء نے شائع کردیا ہے۔ اور جسے مفتی دیوبند مولانا محمد شفیع دیوبندی نے اپنی کتاب جواہر الفقہ جلد اول میں من وعن شامل کرلیا ہے یہ علم ہیئت پر آپ کا شاہکار کارنامہ ہے۔ ہوا یہ کہ کسی زمانے میں علامہ عنایت اللہ المشرقی جنہوں نے علم ہیئت وریاضی کی کافی مہارت حاصل کرلی تھی (اوران کی اس کامل مہارت پر بعض یونیورسیٹیوں سے انہیں اعزازی ڈگریاں بھی ملی تھی) نے اپنے علمی زعم میں ایک فتنہ کھڑا کردیا کہ ہندوستان کے بعض شہروں کی مساجد کے قبلے غلط ہیں اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے علم ہیئت وریاضی کا سہارا لے کر عوام وخواص کو مرعوب کرنا چاہا۔ علمانے المشرقی کے خلاف رسالے لکھے لیکن علامہ مشرقی کسی سے زیر نہ ہوئے تب حضرت امام احمد رضا کے لائق شاگرد علامہ ظفر الدین بہاری جنہیں اعلیٰ حضرت

نے خاص طور سے علم ہیئت وریاضی میں تعلیم دی تھی۔ میدان میں آئے اور ایسا مدلل تحقیقی شاندار جواب لکھا کہ المشرقی کی ساری ریاضی اور ہیئت دھری کی دھری رہ گئی، ملک العلماء بہاری کے میدان میں آنے کے بعد المشرقی کو اس مسئلے پر دوبارہ قلم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی آپ نے المشرقی کا جارح قلم توڑ کر رکھ دیا، (۱۲)

تصنیف وتالیف کے میدان میں آپ کو کامل عبور حاصل تھا۔ تقریباً ساٹھ برس تک یہ سلسلہ جاری رہا جن میں بیشتر کتابیں اردو میں ہیں۔ بقول ''مالک رام'' مولانا ظفر الدین قادری کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ (۱۳)

آپ کی شاہکار تصنیف اہم الاہم تالیف ''جامع الرضوی المعروف صحیح البہاری'' ہے، مشہور محقق مالک رام نذر مختار میں تحریر فرماتے ہیں۔

''اس کی ترتیب کا کام انہوں نے ۱۳۴۵ھ میں شروع کیا تھا صحیح البخاری اور صحاح ستہ کی دوسری کتابیں شافعی المذہب محدثین کی تصنیف ہونے کے سبب شافعی مذہب کی احادیث کو جامع وحاوی ہیں۔ مولانا ظفر الدین نے اسی طرح صحیح البہاری میں مسلک احناف کی موید ساری احادیث حسن ترتیب وتبویب کے ساتھ ۶ر جلدوں میں جمع کیا ہے، ان میں سے ۱۹۲۸۶ر احادیث پر مشتمل چار جلدیں ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی تھیں لاہور میں ان کا اردو ترجمہ بھی ہوا ہے۔'' (۱۴)

امام احمد رضا کے نامور تلامذہ اور تاجور خلفاء میں ممتاز مقام آپ کو حاصل ہے۔ حضرت رضا بریلوی کی تشنہ آرزوں کی تکمیل میں پوری زندگی تحریر وتصنیف سے جٹے رہے۔ اپنے مرشد ومربی کی حکومت وخلقت کے بکھرے گل بوٹوں کو ''حیات اعلیٰحضرت'' کے نام سے گلدستہ کی طرح سجا کر اس اخلاص کے ساتھ چار جلدوں میں پیش کیا گیا کہ حیات وخدمات رضا لا اولین مستند اور مفصل ماخذ بن گیا۔ حیات اعلیٰحضرت افکار رضا پر کام

کرنے والوں کے لئے نور بصیرت کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے اپنے خلفاء کا جو منظوم تذکرہ کیا ہے اس میں آپ کے حق میں فرماتے ہیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　اس سے بہت کچھ پاتے ہیں یہ

شب دوشنبہ ۱۹/ جمادی الآخر ۱۳۸۲ء/ ۱۸/ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر اللہ کرتے جان جان آفریں کے سپرد کردی، امام احمد رضا فاضل بریلوی آپ کو فاضل بہار لکھتے تھے یہ کیسا اعجاز ہے کہ یہی لقب ''فاضل بہار'' آپ کی تاریخ رحلت ہے۔

۲۔ صدرالشریعہ
مولانا امجد علی اعظمی

صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء میں قصبہ گھوسی محلّہ کریم الدین ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اور جد امجد فن طب اور علم و فضل میں با کمال تھے ابتدائی کتب جد امجد سے پڑھیں اس کے علاوہ اور بھی چند اساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا لیکن درحقیقت آپ کی تعلیم و تربیت کا حقیقی سلسلہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے۔ جب آپ استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری ثم جون پوری (م ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ (۱۵)

علوم و فنون کی تکمیل کے بعد شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ (م ۱۳۳۴ھ) کی خدمت میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حاضر ہو کر درس حدیث لیا اور ۱۳۲۵ھ میں سند حاصل کی، ۱۳۲۳ھ میں حکیم عبدالولی جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے علم طب حاصل کیا ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۳۷ھ تک محدث سورتی کے مدرسہ میں درس دیا، اس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں مدرسہ حنفیہ کے مدرس رہے۔ (۱۶)

اس اثناء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کو مدرسہ منظر اسلام بریلی

کے لئے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی۔ استاذ گرامی مولانا وصی احمد محدث سورتی کے ارشاد کی بنا پر مولانا امجد علی اعظمی، مطب چھوڑ کر بریلی شریف چلے گئے ابتدائی تدریس کا کام شروع کیا، بعد ازاں مطبع اہلسنت کا انتظام، اور جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی کے شعبۂ علمیہ کی صدارت کے فرائض آپ کے سپرد کئے گئے، افتاء کی مصروفیات اس کے علاوہ تھی، اور جلد ہی خلافت سے نوازے گئے تقریباً ۱۸ برس شیخ کامل کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے اور کمال عروج کو پہنچے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فتاویٰ کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے، ایک دفعہ ارشاد فرمایا۔

> ''آپ کے یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا۔ اس کی وجہ ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔'' (۱۷)

بریلی شریف میں قیام کے دوران حضرت صدر الشریعہ کی مصروفیات حیرت انگیز حد تک بڑھی ہوئی تھیں، تدریس، پریس کی نگرانی، پروف ریڈنگ، پریس مینوں کو ہدایت، پارسلوں کی ترسیل اور فتویٰ نویسی وغیرہ تن تنہا انجام دیتے۔ فیض رضا نے دین کے لئے کام کرنے کی وہ اسپرٹ پیدا کر دی تھی کہ تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

بعض حضرات کہا کرتے تھے مولانا امجد علی صاحب کام کی مشین ہیں۔'' (۱۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا فقید المثال ترجمۂ قرآن مجید مسمیٰ باسم تاریخی کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۱ء آپ ہی کی مساعیٔ جمیلہ سے شروع ہوا اور پایہ تکمیل کو پہنچا۔ آپ نے ابتدائے شباب سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخر حیات تک جاری رکھا اور ایسے نابغۂ روزگار حضرات تیار کئے جن پر علم و فضل کو بھی ناز ہے، دار العلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں علی گڑھ میں فرائض تدریس کے دوران سالانہ جلسے میں

امتحان کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے مولانا حبیب الرحمان شروانی نے آپ کے فضل و کمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا۔

''مولانا امجد علی صاحب پورے ملک میں چار پانچ مدرسین میں ایک ہیں جنہیں میں منتخب جانتا ہوں۔''(۱۹)

مسلم یونیوسیٹی علی گڈھ کے شعبۂ دینیات کی تدوین نصاب کمیٹی کے آپ رکن رکین تھے، اس موضوع پر ایک رپورٹ تحریر کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے۔

''جدید ضرورتوں سے آگاہ، نصابہائے تعلیم اور درسگاہوں کے تجربہ کار عالم''(۲۰)

اجمیر شریف کے قرب و جوار میں راجہ پرتھوری راج کی اولاد آباد تھی جو اگرچہ مسلمان ہو چکی تھی لیکن ان میں فرائض و واجبات سے غفلت اور مشرکانہ رسوم بکثرت پائی جاتی تھی حضرت صدرالشریعہ کے ایما پر آپ کے تلامذہ نے ان میں تبلیغ کا پروگرام بنایا۔ تبلیغی جلسوں کا خوشگوار اثر ہوا اور ان لوگوں میں مشرکانہ رسوم سے اجتناب اور دینی اقدار اپنانے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔(۲۱)

''اجمیر کے زمانۂ قیام میں نومسلم راجپوتوں میں مولانا امجد علی نے خوب تبلیغ کی اور اس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوئے۔''(۲۲)

صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ عطا فرمائی تھی۔ لیکن تفسیر، حدیث، اور فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا فقہی جزئیات نوک زبان پر رہتی تھیں اس لئے امام احمد رضا بریلوی نے آپ کو صدرالشریعہ کا لقب عطا فرمایا۔(۲۳)

(تذکرہ علمائے اہلسنت، مولانا محمود احمد قادری)

آپ نے متعدد علوم وفنون پر قلم اٹھایا اور نوادرات وتحقیقات کے چشمے جاری کئے

تاہم آپ کی تصانیف میں شہرۂ آفاق تصنیف ''بہار شریعت'' ہے جسے بجا طور پر فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کہا جاسکتا ہے۔اس کے کل سترہ حصے بارہا طبع ہوکر قبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔آپ تین حصہ اور لکھنا چاہتے تھے مگر حالات نے مہلت نہ دی۔آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے تین شاگردوں حضرت علامہ مولانا وقارالدین ،حضرت علامہ مولانا سید ظہیر احمد زیدی اور آپ کے فرزند گرامی قدر علامہ عبدالمصطفٰی ازہری نے پورا کردیا ہے، اب یہ بیس حصے پر مشتمل شریعت اسلامیہ کی بہاروں کا بیش بہا خزانہ ہے۔

۲/ ذی قعدہ مطابق ۶/ ستمبر بروز دوشنبہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء رات کے گیارہ بجے عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے۔درج ذی آیت مبارکہ مادۂ تاریخ وصال ہے۔

ان المتقين في جنت وعيون ۱۳۶۷ھ

۳۔ مبلغ اسلام
مولانا عبدالعلیم میرٹھی

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی ابن حضرت محمد عبدالحکیم قدس سرہ ۱۵/ رمضان المبارک (۱۳۱۰/۱۸۹۲) کو میرٹھ ، یوپی میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد درویش صفت عالم دین اور بلند پایہ شاعر تھے۔والد ماجد سے عربی، اردو فارسی کی ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد میرٹھ کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ عربیہ،قومیہ، میں ۱۶/ سال کی عمر میں آپنے اول پوزیشن سے درس نظامی کی سند حاصل کی ،آپ کو چوں کہ شروع ہی سے تبلیغ اسلام کا شوق تھا اس لئے علوم جدیدہ حاصل کرنے کے لئے اٹاوہ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔اور پھر ڈویزنل کالج میرٹھ میں داخلہ لیا 1۱۹۱۷ء میں بی،اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا......کالج کی تعلیم کے دوران آپ کو برما ایجوکیشنل کانفرنس

کا صدر منتخب کیا گیا، اس کانفرنس میں آپ نے جوخطبہ دیا برما اور سیلون سے نشر ہوا۔ برما کے اصحاب سے دینی نشریات واشاعت پر آپ کی جو گفتگو ہوئی وہ مستقبل کے تبلیغی مشن کے لئے مفید ثابت ہوئی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے او رخلافت واجازت سے سرفراز ہوکر آپ ہی کے ارشاد سے اپنے نجی خرچہ پر تبلیغ اسلام کے لئے وقف ہوگئے جدید علوم پر مہارت کے ساتھ دنیا کی تقریباً دس زبانوں پر آپ کو کمال کی قدرت حاصل تھی۔

حضرت مولانا صدیقی کو اپنے شیخ سے کمال عقیدت تھی۔ حرمین طیبین کی زیارت سے واپسی کے بعد ایک طویل قصیدہ مدحیہ اعلیٰ حضرت کی شان میں پیش کیا، جب آپ وہ قصیدہ سنا چکے تو اعلیٰ حضرت نے اپنے قیمتی عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا مولانا آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں آپ اس دیار پاک سے تشریف لا رہے ہیں کہ یہ عمامہ تو آپ کے قدموں کے بھی لائق نہیں ہیں۔ البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے وہ حاضر کئے دیتا ہوں۔ (۲۴)

حضرت مولانا صدیقی شعلہ بیان مقرر، بلند پایہ ادیب، اور عظیم مفکر اسلام تھے۔ آپ نے پوری قوت اور بے باکی سے دین فطرت کا پیغام پہونچایا جس کے نتیجے میں پچاس ہزار سے زاید غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے، ۱۹۵۱ء میں آپ نے پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا جس میں قابل ذکر ممالک انگلستان، فرانس، اٹلی، برٹش گیانا، مڈغاسکر، ٹرینی ڈاڈ، امریکہ، کینڈا، فلپائن، سنگاپور، ملائشیاء، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، انڈوچائنا، چین، جاپان، ماریشش، جنوبی ومشرقی افریقہ کے نوآبادیات، سعودی عرب، عراق، اردن، فلسطین، شام، اور مصر کے متعدد تبلیغی دورے کئے۔ تمام مذاہب کے لوگوں کو دعوت اسلام دی، اور ہر زبان میں اسلام کا لٹریچر شائع کیا آپ کی تبلیغی کوششوں سے بورینو کی شہزادی، اورٹرین ڈاڈ کی خاتون وزیر، جنوبی افریقہ کے فرینسی گورنر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح، مراکش کے غازی عبدالکریم، فلسطین کے مفتیٔ اعظم سید امین الحسینی، اخوان المسلمین کے سربراہ حسن البناء، سیلون کے آنریبل جسٹس ایم مروانی، کولمبو کے جسٹس ایم، ٹی، اکبر، سنگار کے ایس، این دت اور مشہور انگریز ڈرامہ نویس اور فلسفی جارج برناڈ شا، آپ کی علمی وروحانی شخصیت سے بیحد متاثر تھے،''

''۱۷/اپریل ۱۹۳۵ء کو ممباسہ وجنوبی افریقہ میں جارج برناڈ شا سے آپ کی ملاقات ہوئی آپ ان کے سوالات کے جوابات سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اس طرح دیئے کہ برناڈ شا کو اسلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا، اس نے اقرار کیا کہ آئندہ سو سال بعد دنیا کا مذہب صرف اسلام ہوگا''۔(۲۵)

آپ نے اسلامی تعلیمات عام کرنے کے لئے ہر پہلو پر توجہ دی، متعدد مساجد تعمیر کرائیں۔ جن میں سے حنفی جامع مسجد کولمبو، سلطان مسجد سنگاپور، اور مسجد ناگریا جاپان زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ عربی یونیوسٹی ملایا۔ پاکستان نیوز، مسلم ڈائجسٹ نٹرینی ڈاڈ، وغیرھم کی بنیاد آپ نے ڈالی۔ ۱۹۴۹ء میں سنگاپور میں تنظیم بین المذاہب کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی اور تمام دنیا کے عیسائی یہودی، بدھ مت، اور سکھ مذاہب کے پیشواؤں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے لادینیت کا قلع قمع کرنے کی اپیل کی۔ تمام مذاہب کے راہنماؤں کی اس مشترکہ کانفرنس میں آپ کو''ہزاکزٹیڈ ا مینس'' کا خطاب دیا گیا نیز مصر میں تنظیم بین الاسلامیہ کے نام سے مختلف مکاتب فکر کی ایک تنظیم قائم کی ۱۹۴۶ء میں رابطۂ اسلامیہ ہند کے رئیس، اور ملایا مشرقی افریقہ اور جزائے شرقیہ کے مندوب کی حیثیت سے سعودی عرب تشریف لے گئے، اور سعودی عرب کی طرف سے حجاج پر عائد کردہ ٹیکسوں کے خاتمہ، اور حجاج کی سہولتوں کے لئے دنیا بھر سے آئے ہوئے اجلہ علماء حکومت سعودیہ کے عمائدین، اور عبدالعزیز ابن سعود سے مذاکرات کئے۔ حضرت صدیقی علیہ الرحمہ نے تالیف وتصنیف پر بھی خاصی توجہ دی اور قابل فخر تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا لیکن افسوس ان میں سے

بہت سی زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں، جو چھپیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ذکر حبیب، دو حصے،

(۲) کتاب تصوف۔

(۳) بہار شباب

(۴) مسائل انسان کامل

(۵) اسلام میں عورت کے حقوق

(٦) مکالمہ جارج برناڈ شا۔

(۷) مرزائی حقیقت کا اظہار........................(۲٦)

حضرت صدیقی علیہ الرحمہ کو عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مرشد کامل سے ورثہ میں ملا تھا۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا نے ایسے فیوض و برکات سے نوازا کہ علم و عمل میں بے نظیر ہو گئے۔ یہ اسی عشق صادق کا کرشمہ تھا کی اپنی زندگی دین حق کی سر بلندی میں بسر کر کے ۲۳؍ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۴ء کو مدینہ منورہ میں محبوب حقیقی سے جا ملے۔ آپ کو جنت البقیع میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں جگہ ملی۔(۲۷)

٤۔ محقق دوراں
مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بھاری

مولانا سید سلیمان اشرف صاحب سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء میں محلّہ میر داد بہار پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ والد ذیشان کا نام عبداللہ تھا جو جامع شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ ابتدائی درسی کتابیں سید محمد احسن تھانوی او ردارالعلوم ندوہ میں پڑھیں، بعدازاں علوم اسلامیہ کی منتہی کتب خاتم الحکماء مولانا ہدایت اللہ جونپوری سے پڑھی۔ سید صاحب کو اپنے استاذ مولانا جونپوری سے عقیدت ہی نہیں

بلکہ عشق تھا مولانا ہدایت اللہ کی عظیم شخصیت کے علاوہ مولانا سلیمان اشرف جس دوسری عظیم شخصیت سے متاثر ہوئے وہ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں کی ذات گرمی تھی۔ آپ کو امام اہلسنت سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔ مولانا سید سلیمان اشرف کے ایک عزیز شاگرد ڈاکٹر سید عابد علی تحریر فرماتے ہیں۔

''استاد محترم سید سلیمان اشرف پر حضرت بریلوی کا اتنا اثر تھا کہ میں نے مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ کی شخصیت کا اندازہ دراصل استاد محترم ہی کی شخصیت سے لگایا۔ وہ اکثر مولانا بریلوی کا ذکر چھیڑ دیتے اور یوں محسوس ہوتا کہ اکثر انہیں کے تصور میں مگن رہتے حتیٰ کہ استاذ محترم کی طبیعت ان کے رنگ میں رنگ گئی تھی وہ اپنے معتقدات اور ایمانیات میں منطقی استدلال اور علوم عقلیہ میں خوش کلامی، اور قوت بیان میں حضرت مولانا کے انداز اور کیفیات کو اپنا چکے تھے...... اسی طرح عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملہ میں طبیعت کا ایک والہانہ انداز بھی سید صاحب میں حضرت فاضل بریلوی کی طرف سے آیا تھا''۔ (مقالات یوم رضا، حصہ سوم ص ۱۰۹)(۴۸)

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی فرماتے ہیں۔

''نواب وقار الملک کے زمانہ میں علی گڈھ کالج میں پروفیسر دینیات کا عہدہ قائم ہوا تو سید سلیمان اشرف صاحب کا تقرر بطور پروفیسر دینیات عمل میں آیا، درس قرآن وتفسیر کی جماعت قائم ہوئی۔ تدریس میں شامل طلباء کا امتحان لینے کے لئے مولانا ولایت حسین صاحب (م ۱۳۴۰ھ) الہ آبادی مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، اور مولانا عبدالحق صاحب حقانی (م ۱۳۳۵ھ) جیسے علماء کو

دعوت نامے بھیجے گئے۔(مقالات شروانی ص ۸۰)(۲۹)

۲۶-۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے شعبۂ دینیات کے لئے میٹرک کی سطح سے لے کر ایم،اے،تک دینیات کا نصاب تیار کرنے کے لئے ماہرین درس وتدریس کی ایک کمیٹی قائم کی گئی اس میں آپ بھی مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا امجد علی اعظمی صاحب بہار شریعت جیسے ماہرین کے ساتھ شامل تھے،اس کمیٹی نے متواتر سات اجلاس کر کے یونیورسٹی کے لئے جامع نصاب تیار کیا۔ (۳۰)

قدرت ایزدی نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا،خطابت میں بلا کا زور تھا،جس وقت آپ گفتگو فرماتے تو دریا کی روانی کا نقشہ سامنے آجاتا،خواجہ حسن نظامی نے ۱۹۲۳ء کی درویش جنتری میں آپ کا سوانحی خاکہ بیان کیا ہے۔لکھتے ہیں۔

''گورا رنگ ،مضبوط جسم ،گنجان داڑھی ، تیز و چمکدار آنکھیں،عمر پچاس کے قریب، بہار میں مکان ہے۔علی گڈھ کالج میں دینیات کے پروفیسر ہیں۔صوفیانہ مشرب رکھتے ہیں۔کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔تقریر ایسی تیز اور مسلسل کرتے ہیں جیسے ای،آئی،آر کی ڈاک گاڑی،دوران تقریر میں صرف درود پڑھنے کے لئے تھوڑی تھوڑی دیر میں وقفہ ہوتا ہے۔ورنہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمالہ کی چوٹی سے گنگا کی دھار نکلی ہے جو ہر دوار تک کہیں رکنے اور ٹھہرنے کا نام نہیں لے گی۔ بیان کی ایسی روانی آج کل ہندوستان کے کسی عالم میں نہیں ہے۔ تقریر میں محض الفاظ نہیں ہوتے بلکہ فقرے میں دلیل اور علمیت کا اندازہ ہوتا ہے''۔کتابی دنیا،کراچی جنوری،فروری ۱۹۶۷ء(۳۱)

جرأت و بیباکی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔اپنی رائے کا اظہار بے دھڑک کر دیتے تھے۔کسی کے علم وفضل یا وجاہت واقتدار سے مرعوب ہونا تو

آپ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں۔

''مرحوم میں اپنے استاد ہی کا جبروت وطنطنہ تھا، ان کی شفقت میں بھی جبروت کارفرماتھا، میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہ پایا۔''(۳۲)

اس وقت علمائے سوسیاسی بازیگروں کے ہاتھوں کا کھلونا بن گئے تھے نتیجہ یہ تھا کہ مذہبی اصول میں بھی سیاسی مصلحت کے پیش نظر علماء کو استعمال فرماتے تھے۔ ایسے وقت میں قوم وملت کے لئے مولانا جیسے رہنما کی موجودگی فضل الٰہی تھی۔ اس دور کے حالات خود تحریر فرماتے ہیں۔

''دیکھو! علماء کس طرح لیڈروں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقہی مسائل کو کیسا گھروندا بنا رکھا ہے، میں جھگڑا مول لینا نہیں چاہتا، اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ کالج اس قسم کے مناقشوں کا مرکز بنے، لیکن کیا کروں خدا کو تو بعد میں منھ دکھانے کا موقع ملے گا، اس دنیا کے پڑھے لکھے لوگ کیا کہیں گے؟(۳۳)

۱۹۲۰/۲۱ء میں جب عدم تعاون کا طوفان اٹھا تو مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا محمد علی جوہر نے اپنی تمام تر قوت علی گڈھ کالج کو بیخ وبن سے اکھاڑ نے کے لئے وقف کردیں تو مولانا حبیب الرحمان خان شروانی، ڈاکٹر سر ضیاء الدین اور مولانا سلیمان اشرف صاحب ہی کی مساعی اور کوشش سے مسلمانان ہند کا یہ عظیم ادارہ شکست وریخت سے محفوظ رہا۔

عدم تحریک کے زمانہ ہی میں سید صاحب نے ایک کتاب ''النور'' تصنیف فرمائی جس میں دوقومی نظریئے پر کھل کر بحث کی، اور ان غیر شرعی اقوال کا جو مولانا عبدالباری فرنگی محلی مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی زبان سے نکلے تھے۔ رد بلیغ فرمایا۔

اور آیات واحادیث سے ثابت کردیا کہ کفر ''ملت واحدہ'' ہے اسلام کے مقابلہ میں دیگر تمام مذاہب مثلاً عیسائیت ، یہودیت، اور ہندو دھرم یک جاں و یک آواز ہیں۔ اس کتاب نے آگے چل کر دارالعلوم علی گڈھ کے طلباء پر بڑا گہرا اثر ڈالا، اور دوقومی نظریہ کو عام کرنے میں یہ کتاب بہت ممد ومعاون ثابت ہوئی۔

مولانا سید سلیمان اشرف صاحب تصنیف وتالیف بزرگ تھے درجن کے قریب کتابیں آپ کے قلم سے نکلیں، جس میں ''المبین '' عربی زبان پر ایک نادر کتاب ہے۔ مولانا نے ایک نسخہ ڈاکٹر اقبال کو بھی بھجوایا یا تھا، اتفاقاً کچھ روز بعد اقبال علی گڈھ گئے تو دوران ملاقات اس کتاب کی بڑی تعریف کی اور فرمایا...... ''مولانا آپ نے عربی زبان کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ جن کی طرف پہلے کبھی میرا ذہن منتقل نہیں ہوا تھا''۔ (۳۴)

المبین کو ۱۹۳۰ء میں ہندوستان اکیڈمی الہ آباد کی طرف سے بہترین تصنیف ہونے پر پانچ سو روپیہ انعام بھی ملا تھا۔

شاگردوں کے لحاظ سے آپ بڑے خوش قسمت تھے۔ آپ کے درجنوں شاگرد علمی دنیا میں آفتاب وماہتاب بن کر چمکے، جن میں یہ دونام کافی ممتاز ہیں۔

۱......ڈاکٹر ذاکر حسین سابق صدر جمہوریہ ہند

۲............ پروفیسر رشید احمد صدیقی، سابق صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

آپ کا وصال ۵/ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ/ ۲۵/ اپریل ۱۹۹۳ء کو ہوا علی گڈھ کے قبرستان (احاطۂ یونیورسٹی میں) دفن کیے گئے۔

۵۔ مفتیٔ اعظم ھند

حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں قادری نوری

آپ حضرت رضا بریلوی کے فرزند اصغر ہیں، مفتیٔ اعظم ہند کے مفتخر لقب سے عالم اسلام میں متعارف ومشہور ہیں، آپ حضرت رضا بریلوی کی دینی امنگوں کی چمکتی تصویر، اوران کے دیرینہ خوابوں کی تعبیر ہیں، آپ کی ولادت سے پہلے حضرت رضا بریلوی نے یہ دعاء مانگی تھی، یا اللہ مجھے ایک ایسا ولد صالح عطا فرما جو تادیر تیرے دین کی خدمت کا فریضہ انجام دے، خلوص دل سے نکلی ہوئی دعاء تھی اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا، ۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۱۰ء کو آپ رونق افزائے عالم ہوئے، آپ کی تعلیم وتربیت میں والد گرامی حضرت رضا بریلوی اور برادر اکبر مولانا حامد رضا نے خصوی توجہ فرمائی، زیرکی وفیروزمندی کے آثار تو جبین اقدس سے جھلک ہی رہے تھے ان خصوصی توجہات نے نیز درخشاں بنادیا۔کم عمری ہی میں علوم اسلامیہ متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہوگئے، تمیں فنون میں وہ مہارت ودرک حاصل کیا کہ معاصرین دنگ رہ گئے برصغیر کی دینی فضا میں علم وفضل کا ڈنکا بجنے لگا، علمی استحضار، جودت طبع، اورندرت فکر کا یہ عالم کہ اکابر حیران رہ جائیں، ایک بار دارالافتاء تشریف لے گئے، دیکھا کہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین کتابوں کی ورق گردانی فرمارہے ہیں، آپ نے استفسار فرمایا حضرت کیا کررہے ہیں۔حضرت ملک العلماء نے جواب دیا ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے کتابوں کی تنقیح کررہا ہوں۔آپ نے فرمایا کیا کتاب دیکھ کر جواب لکھتے ہیں۔ملک العلماء نے فرمایا۔اگر آپ بغیر کتاب دیکھے لکھدیں تو جانوں، آپ نے سوال دیکھا اور برجستہ جواب لکھدیا، جب وہ جواب تصدیق کے لئے حضرت رضا بریلوی کے پاس گیا، تو آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا اورفتویٰ لکھنے

کی اجازت دیدی ......حضرت رضا بریلوی کا دارالافتاء مرکزی عالمی دارالافتا تھا، پوری دنیا سے سوالات آتے تھے، جو مسئلہ اور کہیں حل نہیں ہوتا تھا وہ یہاں ہوتا تھا، اور کہیں اگر علمی تشفی نہیں ہوتی تو لوگ یہاں کا رخ کرتے، یہاں لاینحل مسائل کی ایسی عقدہ کشائی ہوتی کہ لوگ محسوس کرتے کہ علم و تحقیق کے مچلتے دریا کو ہم نے اب پایا ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے حضرت رضا بریلوی کے عرس چہلم میں تقریر کرتے ہوئے برجستہ فرمایا تھا۔

''یارو! مجھے بریلی آتے جاتے بہت دیکھا ہے مگر اب نہ دیکھو گے، میں علی گڈھ کالج میں ہوں جہاں عربی کا بہت بڑا کتب خانہ موجود ہے، اگر ہم کسی تحقیق کے درپے ہوں تو بکثرت کتابیں دیکھ سکتے ہیں اور دیکھتے بھی ہیں، مگر ہمیں پوری تسکین جبھی ہوتی تھی جب کہ اس بندۂ خدا (قبر انور کی طرف اشارہ کرکے) کی زبان سے سن لیتے تھے، تو اب بتاؤ ہم کیوں آنے لگے'' (سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات، ص ۱۳۱)

جہاں ایسے ایسے دانشوروں کی فکری الجھنیں دور ہو رہی ہوں وہ ذات کیسی مجموعۂ کمالات ذات ہوگی، اور وہ دارالافتاء کیسا آفاقی دارالافتاء ہوگا، حضرت رضا بریلوی ایسے ذمہ دار دارالافتاء کا مفتی ایک ایسے نوجوان کو بنا رہے ہیں جو ابھی زمانہ کے سرد و گرم حالات سے گذرے نہیں ہیں، مگر حضرت رضا بریلوی نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کو فتویٰ لکھنے کی اجازت دے کر اشاروں کنایوں میں سمجھا دیا کہ ان کے عنفوان پر بہت سوں کو بزرگی قربان ہے۔ حضور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں کے بعد حضور مفتیٔ اعظم کی یہ سب سے بڑی ذمہ داری تھی کہ اعلیٰ حضرت کے حسب طلب کتابیں المادی سے نکالیں اور سند پیش کریں، انہیں اس سلسلے میں اعلیٰحضرت کے آخر حیات تک حضوری کا شرف حاصل رہا، اسی خدمت کی برکت نے انہیں مفتیٔ اعظم بنا دیا۔ فیض رضا نے ان کی سیرت و حیات کے دامن کو گل و

لالہ کا آماجگاہ بنادیا تھا۔حضرت رضا بریلوی کی وفات کے بعد آپ ہی کی ذات مرجع خواص وعوام اور مرکز عالم اسلام تھی...... دارالافتاء کا مکمل نظام، قضایا کے فیصلے، علماء کی دلجوئی، وقت کے سلگتے مسائل کا حل، فلاح عوام کے لئے تعویذ نویسی کا عمل، پھر نجی زندگی کے معمولات، جلسے، جلوس، اور کانفرنس کی شرکت، ذمہ داریوں کا ازدحام تھا اور تنہا مفتی اعظم کی ذات، مصروفیتوں کی ان جکڑ بندیوں کے باوصف شان تحقیق سے مزین تقریباً تیس ایسی کتابوں کی تصنیف فرمائی جس کی سطر سطر سے علوم ومعارف کے دریا جاری ہیں، ہم بطور مثال یہاں صرف ایک کتاب کا ذکر معمولی تبصرے کے ساتھ ضروری سمجھتے ہیں، تاکہ ان کی علمی گہرائی، فکری وسعت کا بھی اندازہ ہو جائے، اور یہ کہ وقت کی دکھتی رگ پر کس طرح وہ بروقت انگلی رکھنے کا تجربہ رکھتے تھے اس کا بھی پتہ چل جائے۔وہ کتاب ہے ''وقایہ اہل السنتہ''۱۳۳۲ھ میں جب اعلیٰ حضرت کا ایک فتویٰ جاری ہوا تو اس کے مضمرات سے علمائے بدایوں ورامپور نے اختلاف کیا، اعلیٰ حضرت کا موقف یہ تھا کہ اذان خطبہ خارج مسجد منبر کے سامنے دی جائے، اور مخالفین کا کہنا تھا کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے سامنے دی جائے۔اعلیٰ حضرت نے جن احادیث سے استدلال فرمایا تھا اس میں سنن ابوداؤد کی وہ حدیث بھی ہے جو حضرت ثابت بن یزید سے مروی ہے، اور جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اذان خطبہ عہد رسالت سے لے کر صحابہ تک مسجد کے باہر دروازے پر دی جاتی تھی، جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اذان خطبہ کا خارج مسجد ہونا حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے اور خلفائے راشدین کی بھی، مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اس حدیث کو بے اثر کرنے کے لئے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، وجہ یہ کہ اس حدیث میں محمد بن اسحاق نام کے ایک راوی ہیں جو ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک یا تو کذاب ہیں یا متہم بالکذب......ایک جلیل القدر تابعی کی ذات پر مولانا تھانوی صاحب کا یہ جارحانہ حملہ حضور مفتی اعظم کی غیرت دینی برداشت نہ کرسکی

انہوں نے قلم اٹھایا اور اس استدلال کی غیر معقولیت کی قلعی کھول کے رکھدی، ''وقایہ اھل السنہ کے نام سے آپ نے جواب لکھا، اس ہنرمندی سے دفاعی مورچہ سنبھالا کہ معرکہ کا پورا نقشہ بدل دیا، اور فن حدیث میں دقت نظری وسعت فکری کا وہ مظاہرہ کیا کہ گویا لبوں پر سکوت مسلسل کا پہرہ بیٹھ گیا، آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''حنفیوں کے امام مذہب تین ہیں امام اعظم ابوحنیفہ، اور ان کے دو مصاحب امام ابو یوسف، اور امام محمد رضی اللہ عنہم، یہ محمد بن اسحٰق جن پر تھانوی صاحب نے کذاب ہونے کی تہمت باندھی ہے یہ امام اعظم کے استاد بھائی، اور امام ابو یوسف کے استاذ اور امام محمد کے استاذ الاستاذ ہیں، یونہی امام اعظم کے تلمیذ رشید اور محدثین و فقہاء کے متفق علیہ امام حضرت عبداللہ ابن مبارک نے بھی ان کی شاگردی کی ہے......تھانوی صاحب کی یہ عنایت فقط ائمہ احناف ہی پر نہیں ہے، بلکہ انہوں نے صحاح ستہ کو بھی نہیں بخشا ہے، کیونکہ محمد بن اسحاق کی روایت کردہ حدیثیں صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں موجود ہیں، صحیح بخاری میں تعلیقاً ہے اور صحیح مسلم وسنن اربعہ میں مسنداً ہیں ۔ امام ترمذی نے ابن اسحاق کی حدیثوں کو صحیح کہا ہے، اور ابوداؤد نے ان کی روایت کردہ حدیثوں پر سکوت فرمایا ہے، خود یہ حدیث کہ زمانۂ اقدس میں اذان جمعہ دروازۂ مسجد پر ہوتی تھی اسے بھی ابوداؤد نے روایت کرکے سکوت فرمایا ہے، اور اسی کتاب میں ان کی یہ عادت بھی منقول ہے کہ وہ انہی حدیثوں پر سکوت فرماتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہیں، علاوہ ازیں اکابر ائمہ حدیث جیسے امام عبدالعظیم منذری امام

ابوعمرو، ابن الصلاح، امام اجل ابوزکریا نووی۔ امام جلال الدین
زیلعی، امام علاء الدین ترکمانی، امام ابن ہمام امام ابن امیر الحاج،
اور علامہ ابراہیم حلبی نے بھی ان کی اس عادت کے بارے میں اسی
طرح کی تصریحات فرمائی ہیں" (تجلیات مفتی اعظم ہند، ص ۲۷)"

یہاں تک تو محمد بن اسحاق کے خلاف تھانوی صاحب کے طعن کا الزامی جواب تھا
اب تحقیقی جواب ملاحظہ کیجئے، حضور مفتی اعظم طعن کی علمی اور فنی حیثیت پر بحث کرتے
ہوئے ارشا فرماتے ہیں۔

"تھانوی صاحب نے جتنے طعن محمد بن اسحاق پر نقل کئے ہیں یا تو وہ
سرے سے طعن ہی نہیں ہیں، یا قائل کی طرف ان کی نسبت غلط ہے،
یا قائل نے اس سے رجوع کرلیا ہے، یا وہ طعن مبہم غیر مفسر ہے۔
مطاعن ابن اسحاق میں جتنے اوراق انہوں نے سیاہ کئے ہیں وہ ان
چار وجوہ سے خالی نہیں ہیں، پہلی تین قسمیں تو کسی بھی عاقل کے
نزدیک طعن ہی نہیں ہیں۔ اب رہ گئی چوتھی قسم تو تمام احناف کا
اجماع اور جمہور اکابر ائمہ محدثین کا اتفاق ہے کہ چوتھی قسم بھی زنہار
مقبول و مسموع نہیں ہے، خصوصیت کے ساتھ محمد بن اسحاق جیسے
مشہور محدث کے حق میں جن کو جماہیر ائمہ حدیث و جملہ ائمہ حنفیہ نے
مقبول و مستند اور ثقہ و معتمد مانا ہے" (ایضا ص ۳۰)

اور کمال یہ ہے کہ جن کتابوں کو تھانوی صاحب نے اپنے ثبوت میں بطور دلیل
پیش کیا ہے۔ (میزان الاعتدلال، تہذیب التہذیب، الترغیب والترہیب، جواہر النقی)
انہی کتابوں سے امام ابن اسحاق کا عادل و صادق ہونا ایسا روشن کردیا ہے کہ اتہام پلٹ
کر متہم صاحب کے زیب گلو ہوکر رہ گیا ہے۔ یہاں پہنچ کر لگتا ہے جیسے تحریر آواز دے رہی

ہو، ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا‘‘ مایہ ناز ادیب ونقاد حضرت علامہ ارشد القادری تحریر فرماتے ہیں۔

’’حضور مفتی اعظم کو اب تک ہم اپنے وقت کے ایک فقیہ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ایک فقید المثال اور وحید العصر امیر کشور افتاء کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن وقایہ اھل السنہ کے مطالعہ کے بعد میرے ساتھ ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے بلکہ اپنے دور میں فن حدیث کے امام اعظم بھی تھے‘‘ (ایضا، ص ۵۸)

وہ علم میں جتنے بلند تھے عمل وتقویٰ میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے، اگر وہ علم میں دریائے ذخار تھے تو عمل میں بحر ناپیدا کنار، سفر ہو یا حضر، فرصت ہو یا مصروفیت کیا مجال کہ ان کے معمولات یومیہ وشبانہ میں کوئی فرق، کوئی لچک یا کوئی نزاکت آ جائے۔ وہ جیسے گھر میں تھے ویسے ہی باہر، ان کی جلوت خلوت کی آئینہ دار تھی، تو خلوت جلوت کی راز دار، ان کی صبح وشام کے جلو سے جلوہ دکھانے والے ہر کام پر احتیاط کی دبیز چادر تنی ہوئی تھی، مفتی محمد میاں ثمر دہلوی کے حوالے سے مولانا یاسین اختر مصباحی تحریر فرماتے ہیں۔

’’مسجد فتحپوری دہلی میں ایک بار حضرت محدث اعظم سید محمد کچھوچھوی تشریف لائے، مسجد کے حجرے میں قیام کیا، کچھ دیر بعد چائے پیش کی گئی، یہ چائے کسی غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھی، حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور! بریلی کے مفتیٔ اعظم تو غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نوش نہیں فرماتے ہیں، چائے کی پیالی آپ کے سامنے رکھی تھی آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا، مفتیٔ اعظم غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نہیں پیتے۔ یہ ان کا تقویٰ ہے

اور پھر چائے کی پیالی ہونٹ تک لے جاتے ہوئے ارشاد فرمایا یہ ان کا فتویٰ ہے" اس کے بعد اطمینان سے چائے پینے لگے"

"حضرت مولانا محمد عباس صاحب اشرفی بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۵۶ء میں ناچیز احمد آباد میں مدرس تھا اس وقت کی بات ہے کہ ایک سفر میں حضور مفتئ اعظم احمد آباد کے اپنے ایک عقید تمند کے یہاں دعوت طعام میں تشریف لے گئے، صاحب خانہ کے دروازہ تک پہنچ کر آپ کے قدم رک گئے، صاحب خانہ حیرت میں پڑ گئے کہ آخر بات کیا ہے اور آپ کے قریب پہنچ کر اندر تشریف لے چلنے کی درخواست کی، حضور مفتئ اعظم نے فرمایا میں کیسے جاؤں تمہارا گھر تو صنم خانہ بنا ہوا ہے، یہ سنتے ہی وہ تیزی کے ساتھ گھر کے اندر گئے اور دیوار وغیرہ پر لگی ساری تصاویر ہٹائی تب کہیں جا کر حضور مفتئ اعظم گھر کے اندر داخل ہوئے۔ (ایضا، ص ۶۵)"

یوں تو ان کی طویل زندگی عجائبات کا نگار خانہ ہے، ایک سے بڑھ کر ایک کارنامہ قدم قدم پر دامن دل کھینچتا ہے، مگر ایک کارنامہ تو انہوں نے ایسا انجام دیا ہے جس کی مقناطیسیت ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کرتی رہے گی۔

تقسیم ہند سے قبل شدھی تحریک نے جس طرح شر و فساد پھیلائے اور مسلمانوں پر جس جس انداز میں مظالم ڈھائے گئے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ زبردستی مسلمانوں کو شدھی کیا جاتا، اور روپیوں کی لالچ دے کر ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت پیدا کی جاتی طمع پرست انسان ان کے دام فریب میں آ کر اپنے مذہب کا سودا کر ڈالتے۔ یہ سلسلہ اس قدر بڑھا کہ شہر شہر، دیہات دیہات اس کی وبا عام ہوگئی اور نوبت بایں جا رسید کہ ہندو ببانگ دہل یہ اعلان کرنے لگے کہ" چار کروڑ مسلمانوں کو شاستر اور شستر (تلوار) کے

ذریعہ شدھ کیا جائے گا) روزنامہ الجمعیۃ، ۲۱ر مئی ۵۴ء) ساتھ ہی وہ ایسے نعرے بھی لگاتے جسے سن کر مسلمان کا خون کھول جاتا، انہوں نے اپنی تقریروں میں مسلمانوں کو کھٹمل، زمزم کو کیچڑ، وضو کو ڈھکوسلا، رکوع کو اچک بلی، اور سجدہ کو مرغا، بنا کر مسلمانوں کی دل آزاری کی (ایضاً)۔ الغرض ایک منظّم سازش کے تحت مسلمانوں کو ہندو بنایا جارہا تھا، قتل وخونریزی کا بازار گرم تھا، یہ قتل عام اس لئے تھا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری اس مقصد میں ہندو اپنی فریبی سیاست کے پیش نظر کامیاب بھی رہے......مگر وہ ذات مفتیٔ اعظم کی تھی کہ بلند عزائم وحوصلے کے ساتھ جان کی بازی لگا کر میدان میں نکل کر میلوں بھوکے، پیاسے پیدل چل کر تبلیغ دین کی، مشرکین کے دام تزویر سے مسلمانوں کو گمراہی سے بچایا، اور جو مسلمان دھوکہ میں آ کر مرتد ہوگئے تھے انہیں ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور دامن اسلام سے دوبارہ وابستہ کیا، اس طرح لاکھوں مسلمانوں کو آخرت کی تباہی سے آپ نے بچایا (استقامت، مفتی اعظم نمبر ۱۹۹۰ـ ص۱۹۴)۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کا وہ دور جسے ایمرجنسی کا دور کہا جاتا ہے، قانون کی بالادستی اور حکومتی جبر وظلم کا دور، اسی دور سراپا جور میں جب نس بندی کی وبا پھیلی تو خاندان کا خاندان اور گھر کا گھر اس کی لپیٹ میں آ گیا، جب حکومتی قانون کا سہارا لے کر نسبندی کے نام پر لاکھوں انسانوں کے سلسلہ توالد وتناسل کو منقطع کر دیا گیا، پولس مدد کر رہی ہے، حکومتی کارندے شہر شہر گاؤں گاؤں، محلّہ محلّہ اور گھر گھر دستک دیرہے ہیں، آپ کے کتنے بچے ہیں؟ اگر دو یا تین ہیں تو نس بندی کرائیے، کہیں لالچ دے کر، کہیں ڈرا دھمکا کر، کسی پر زور، دباؤ ڈال کر آئندہ کے لئے اولاد کا سلسلہ بند کیا جارہا ہے، ایسے رستاخیز اور صبر آزما ماحول میں آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن سے ایک آواز بلند ہوئی ہے اب تک منفی پہلو پر غور کیا گیا اب مثبت پہلو پر غور کرنا چاہئے۔ یہ آواز تھی حضرت جی کی آواز جس غیور کان سے ٹکرائی سنسنی پھیلاتی چلی گئی۔ حالات نے بہت ہی خطرناک رخ اختیار کر لیا تھا، حکومت کے خلاف آواز نکالنا بھی مشکل تھا۔ حضور مفتیٔ اعظم پر دباؤ بڑھتا جارہا تھا

کہ آپ نس بندی کی حمایت میں ایک بیان جاری فرمادیں تا کہ مسلمانوں کے لئے راستہ ہموار ہو جائے، مسلمان کھلے دل سے اس کی ضرورت کے معترف ہو جائیں، مگر ایسے نازک حالات اور اتنے حکومتی دباؤ کے باوجود بھی مفتی اعظم نے وہی جواب دیا جس کی اس ذات سے امید تھی، وہ جواب تھا حق وصداقت کا نمائندہ جواب، وہ جواب تھا استقامت و عزیمت کا علمبردار جواب، آپ نے فرمایا (جس چیز کو میرے مصطفیٰ کی شریعت نے حرام قرار دیدیا مصطفیٰ رضا اسے کسی قیمت پر حلال نہیں کہہ سکتا) اور پھر جرأت مومنانہ اور ہمت مردانہ دیکھئے کہ فتویٰ مرتب کر کے قانون کی تیز وسرخ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سائیکلو اسٹائل کروا کر پورے ہندوستان میں اس کی تشہیر کروادی ...... غم وغصہ کا پلندہ بنے حکومتی اہل کار حرکت میں آئے مگر مفتیٔ اعظم کی از کراں تا بہ کراں آسمان چھوتی مقبولیت دیکھ کر بادل نخواستہ قانونی چارہ جوئی سے باز رہے، یا یہ کہ مفتیٔ اعظم نے قانون خداوندی کی پاسبانی فرمائی اور خدا نے مفتیٔ اعظم کی حفاظت فرمائی۔ ان حالات اور تجربات کی روشنی میں میں اگر یہ کہوں تو بالکل بجا ہے کہ آج جو مسلم نسل کی فصل لہلہا رہی ہے یہ مفتیٔ اعظم کی استقامت علی الشریعت کی کرامت ہے۔ ؎

ہو اٹھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیا تھا جذب قلندرانہ

''ایمرجنسی کے دور میں حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب اشرفی کچھوچھوی یوں حقیقت نگاری فرماتے ہیں۔

ظالم و جابر حاکموں نے ظلم و جور کی انتہا کر دی، اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لئے وہ ستم ڈھائے کہ الاماں والحفیظ اس جور وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگ ہو گئیں، بلکہ ابن الوقت حکومت وقت کی حمایت میں اتر آئے،

کرایے کی مفتی دارالافتاء کی مٹی پلید کرنے لگے، ایسے خوف وہراس
کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم کے ذریعہ جنھوں نے
اندیشہ سودوزیاں سے بے نیاز ہوکر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ
دیا اور سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشے گوشے میں روانہ کیا(
استقامت، مفتی اعظم ہند نمبر مئی ۸۳ء ص ۱۲۶)''

حضرت رضا بریلوی کی پاکیزہ تربیت نے انہیں علم وعمل اور عزیمت ہی کا شاہکار نہیں بنایا تھا بلکہ ان کی فطرت کو شریعت وسنت کے سانچے میں ایسے ڈھال دیا تھا کہ اس قالب سے جو بھی نقش ابھرتا تھا اس میں آلائش دنیا کا کوئی نشان نہیں ہوتا تھا بلکہ خوف خدا، خدمت خلق خدا اور اطاعت مصطفےٰ کا خوش بیان ترجمان ہوتا تھا۔ حضرت رضا بریلوی نے اپنے جگر پاروں نوردیدوں کو جو نصیحت فرمادی تھی مفتی اعظم کی پوری حیات پر وہ نور برساتا رہا اور خمار بن کر چھایا رہا دیکھئے حضرت رضا بریلوی کی نصیحت (تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعت دین وحمایت سنت میں جلب منفعت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو) (الرضاء شمارہ ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ، ص ۹)

لاکھوں ویران دلوں میں علم وعمل کی شمع جلاکر متنوع موضوعات پر تقریباً ۴۰ کتابیں لکھ کر ایک کروڑ سے زیادہ لوگوں کو اپنی ارادت کی ڈوری میں پروکر، رضا بریلوی کی تحریک فکر واعتقاد کو گھر گھر پہونچا کر ۹۲ رسال کی عمر پاکر کے دار فانی سے دار جاودانی کی طرف ۱۴ رمحرم ۱۴۰۲ھ ۱۲ رنومبر ۱۹۸۱ء کو کوچ کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بی۔ بی، سی لندن کی رپورٹ کے مطابق 5 ر لاکھ لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی، ع آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

برہان ملت
مفتی محمد برہان الحق
صدیقیؔ جبلپوریؔ.

☆.....اعلیٰحضرت کے مخصوص تلامذہ اور ممتاز خلفاء میں ایک اہم اور روشن نام حضرت برہان ملت کا ہے، امام احمد رضاؔ کی تحریک عشق و اخلاص کو اپنی تقریر و تحریر، فکر و تبلیغ سے ملک کے کونے کونے میں پہنچانے میں نمایاں رول ادا کیا، اپنے مرشد و مربی کے نشۂ عرفانی سے ایسے مست والست تھے کہ حیات کے ہر شعبہ پر تصور شیخ کا بادل چھایا رہتا اور اس کی زمزم پھوار سے دامن وجود شرابور ہوتا رہتا۔ ماحول کی شب دیجور کو اسلام و سنیت کی سپیدۂ سحر سے آشنا کرنے کے لئے آپ نے جو محنت کی تھی اسکی داد آپ کو ہمیشہ ملتی رہے گی۔ انصاف یہ ہے کہ اعلیٰحضرت کی سوچ، حضرت عبدالسلام کی گویائی، اور حضور مفتیٔ اعظم ہند کی خاموشی کے بصیرت خیز مثلث کا نام برہان ملت ہے۔

شجرۂ نسب:۔ آپ سلسلۂ نسب حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے خلیفۂ اول سیدنا صدیق اکبر تک پہنچتا ہے، اس طرح آپ کو بوستان صدیقی کا گل تر ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مورث اعلیٰ:۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد عبدالوہاب، میر قمرالدین خاں آصف جاہ بانی سلطنت آصفیہ کے زمانے میں آصف الدولہ، صلابت جنگ کے ساتھ طائف شریف سے حیدر آباد دکن تشریف لائے، مکہ مسجد کی امامت اور شرعی محکمہ کے عظیم مناصب پر فائز ہوئے۔ یہ مناصب آپ کے خاندان میں پانچویں پشت کے جد کریم، مولانا

شاہ محمد عبدالرحیم کے زمانے تک باقی رہے۔ آپ نے جب محسوس کیا کہ حکومت اور حاکم وقت کے افکار ونظریات پر رافضی چھاپ گہری ہوتی جارہی ہے، اور گفت شنید کی ہر کوشش ناکام ہو رہی ہے تو آپ نے تحفظ دین وایمان کی خاطر اپنے فرزند مولانا شاہ محمد عبدالرحمٰن، اور پوتے مولانا شاہ محمد عبدالکریم کو نہ صرف یہ کہ مملکت آصفیہ کا کوئی عہدہ قبول کرنے سے منع فرمادیا بلکہ حکومت کی حدود سے ترک سکونت کا حکم دے دیا۔ حسب نصیحت ہر دو حضرات نے سکندر آباد میں سکونت اختیا کر لی۔ یہاں پہنچ کر برطانوی مدارسی فوج میں مذہبی مدرس، میر منشی، اور کوتوال جیسے اہم عہدوں پر فائز رہے۔

شاہ عبد الکریم کا جبلپور ورود مسعود:۔

مدراسی فوج کے ساتھ اواخر ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء میں مولانا شاہ عبدالکریم وارد جبلپور ہوئے، ۱۲۸۲ھ میں آپ کے مرشد گرامی حضرت مولانا شاہ محمد یوسف حسن بخاری نقشندی جبلپور تشریف لائے اور اسی فوج کے ہیڈ کوارٹر میں آپ کے یہاں چند دن قیام فرمایا، جبلپور سے رونگی کے وقت ارشاد فرمایا "عبدالکریما ! بصد افسوس می بینم کہ الماس در آب وگل مخلوط است، کے بود کہ ایں جوہر قیمتی از آب وگل بیروں آید" اے عبدالکریم میں نے بڑے افسوس کے ساتھ اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ ہیرا کیچڑ میں پھنسا ہوا ہے، وہ وقت کب آئے گا کہ یہ قیمتی جوہر کیچڑ سے باہر نکل آئے گا۔ اپنے مرشد کا اشارہ پا کر آپنے ملازمت سے استعفاء دے دیا، فقہ میں آپ کو زبردست ملکہ حاصل تھا، صدر بازار کی بڑی مسجد، اور مسجد کوتوالی آپ کے درس وافتاء کے اہم مراکز تھے، انتقال سے پہلے جب آپ کی طبیعت مضمحل تھی اپنے خلف اکبر مولانا عبدالسلام سے فرمایا لکھو۔۔۔

سر بدعت بریدہ بہرا لہٗ ۔۔۔ مات عبدالکریم فی شوقہ

اللہ کے لئے بدعت کا سر کاٹ کر اللہ کے شوق میں عبدالکریم انتقال کر گیا۔ اس شعر میں دوسرا مصرع تاریخ وفات کا ہے جس کے عدد ۱۳۱۹ھ ہیں۔ اس میں سے پہلے مصرع کی

'ب' کیعد دتفریق کئے جائیں تو سال وفات ۱۳۱۷ھ نکل آتا ہے۔ بدعت کا سر کاٹنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ زندگی اتباع شریعت وسنت میں گزاری اور دنیا سے اس طرح گئے کہ دامن تقویٰ غبار بدعت سے آلودہ نہ تھا۔ آپ کے وصال پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے جو قطعہ تاریخ وفات کہا ہے وہ فن تاریخ گوئی کا شاہکار تو ہے ہی، ربط باہمی اور تعلق قلبی کا آئینہ دار وعلمبردار بھی ہے۔ اس کا ایک تاریخی شعر ہے۔۔۔

قلت تاریخ عیشہٗ الابدی　　　مات عبدالکریم خلد کرام (۱۳۱۷ھ)

(اکرام امام احمد رضا، ص ۲۶)

عیدالاسلام مولانا عبد السلام صدیقی:۔

حضرت برہان ملت کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالسلام صدیقی علم وفن کے آفتاب و ماہتاب تھے، اور کیوں نہ ہوں آپ مسلسل دس مہینے، حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا کے ہمدرس رہ کر علوم وفنون کے بحر ذخار امام احمد رضا کے فیض علمی وعملی، ظاہری و باطنی سے بہرہ ور ہو چکے تھے فقہ وفتاویٰ سے آپ کو گہرا شغف تھا، اعلحضرت محدث بریلوی آپ کے فتاویٰ پر اعتماد فرماتے تھے۔ اعلحضرت اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "مولانا ! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر وبرکات دارین عطا فرمائے ایک مختصر فتویٰ دربارۂ اذان ثانی جمعہ تحریر فرمائیں، اس کے کتبہ کے نیچے اپنی مہر لگائیں اور چھپوائیں" (برہان ملت حیات وخدمات، ص ۴۴)

۱۴ر جمادی الاولیٰ مطابق ۱۱ر فروری ۱۹۵۲ء کو آپ کے انتقال پر ملال کے بعد حضرت برہان ملت نے اپنے والد کے علمی وفکری جانشین ہونے کا سچا ثبوت دیتے ہوئے دار الافتاء و دیگر تمام متعلقہ امور کی ذمہ داری سنبھال لی۔ اور ہر محاذ پر امید سے بڑھ کر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

ولادت برہان ملت:۔ آپ کے جدامجد حضرت مولانا شاہ عبدالکریم نماز فجر کے بعد قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے جب اس آیت کریمہ قد جاء کم برھان من ربکم پر پہونچے کہ آپ کی دادی صاحبہ نے پوتے کی ولادت کی بشارت دی، خوشخبری سنتے ہی فرمایا "الحمد للہ برھان آگیا" جدامجد نے مادۂ تاریخی بھی ارشا فرمایا۔۔۔

فکر تاریخ ولادت گفت اے آمد برھان حق درخانہ دل (۱۳۱۰ھ)

یعنی آپ بروز پنجشنبہ، ۲۱/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو رونق افزائے بزم گیتی ہوئے۔ والد گرامی حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نے اس آیت کریمہ سے مادۂ تاریخ نکالا ہے۔"وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ" ۱۳۱۰ھ

بسم اللہ خوانی:۔ جب پانچ سال کی عمر ہوئی تو ۲۱/ربیع الاول ۱۳۱۵ھ کو جدامجد نے بسم اللہ شریف کی افتتاح فرمائی، اس آغاز کے بعد باضابطہ طریقے سے حضرت برہان ملت مصروف تعلیم ہوگئے۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں۔"میری تعلیم صبح سے ۱۲/ بجے اور ظہر کے بعد سے عصر تک اور عشاء کے بعد سے ۱۰/ بجے رات تک ہوتی، عربی والد ماجد سے، فارسی چچا حافظ محمد بشیر الدین صاحب سے پڑھتا رہا۔ درس کے درمیان اکثر و بیشتر اعلحضرت کا ذکر خیر ہوتا تو میرا دل زیارت وقدمبوسی کی تمنا میں بیتاب ہوجاتا"

(اکرام امام احمد رضا، ص ۵۳)

آپ نے اپنے آبائی مکان جبلپور ہی میں رہ کر ناظرہ سے درس نظامی کا مکمل کورس تو عبور کرلیا لیکن پھر بھی امام احمد رضا کے بحر علم سے لولو و مرجان چننے کی خواہش آپ کو سیماب کئے ہوئے تھی، یہ خواہش کب اور کیسے پوری ہوئی، حضرت برہان ملت کے ہی زبانی سنئے۔۔۔

بریلی کی حاضری:۔ "شوال ۱۳۳۲ھ کے دوسرے ہفتے میں، میں بریلی حاضر ہوگیا دار الافتاء دیکھتا، اعلیحضرت کی خدمت میں بیٹھ کر حضرت کے ارشادات لکھتا، دار العلوم منظر اسلام کے صدر مدرس مولانا ظہور حسین صاحب رامپوری

کے پاس بھی درس میں شریک ہوتا، اعلحضرت کے چھوٹے صاحبزادے مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب، اور مولانا امجد علی صاحب، ہم تینوں ساتھ ہی کھانا کھاتے، ہم تینوں کا زیادہ وقت دارالافتاء ہی میں گزرتا" (ایضا،ص ۵۷)

حضرت برھان ملت نے کم وبیش تین سال اعلحضرت کی خدمت میں رہ کر عوم و فنون اور فتاویٰ نویسی میں مشق ومہارت پیدا کر لی، اعلحضرت نے ۱۳۱۷ھ میں ایک ماہ چار دن جلپور میں قیام فرمایا تو اس دوران باقیات علوم میں بھی آپ کو ماہر و کامل بنا دیا، اور کیوں نہ ہو کہیں قطرہ کو بھی دریا کے قرب نے قطرہ چھوڑا ہے۔

دستار فضیلت:۔ جب ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں اعلحضرت جبلپور تشریف لائے تو ۲۶/ جمادالاخریٰ ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹/ مارچ ۱۹۱۹ء، سنیچر کو بعد نماز عشاء عیدگاہ کلاں میں عام جلسۂ ہوا، ہزاروں ہزار کا مجمع تھا، اعلحضرت نے مولانا عبدالسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔"مولانا عبدالسلام! برھان میاں آپ کے جسمانی فرزند ہیں، اور میرے روحانی فرزند"، دوران قیام بریلی فقیر نے انکا ذہنی، علمی، عملی جائزہ بخوبی لیا ہے۔ اخلاق، تقویٰ، افتاء، اتباع سنت وشریعت وغیرہ میں ہر پہلو سے آزما لیا ہے میں اپنے اس روحانی فرزند سعادت مند، محمد برھان الحق کو دستار فضیلت سے مزین کر کے ۴۵/ علوم اور ۱۱/ سلسلوں کی اجازت دیتا ہوں، پھر آپ نے دستار فضیلت وسند اجازت کے ساتھ ساتھ سند خلافت بھی نوازا، (اکرام امام احمد رضا،ص ۶۹)

برصغیر کے مفتیٔ اسلام:۔ اعلحضرت کو برھان ملت کے علمی رسوخ پر ایسا اطمینان تھا کہ غیر منقسم ہندوستان کے بدلتے منظرنامے میں آپ نے عائلی و خانگی مسائل کے تحفظ کے لئے جب ۱۳۳۹ھ میں شرعی عدالت کے قیام کی ضرورت کو ناگزیر سمجھا تو دارالقضاء کے قاضی القضاۃ کے لئے حضرت صدرالشریعہ کو نامزد فرمایا، اوران کے تعاون کے لئے اپنے شہزادۂ اصغر حضرت مفتی محمد مصطفےٰ رضا خان قادری، اور دوسرے حضرت

مفتی محمد برھان الحق قادری کو مفتی اسلام کی حیثیت سے مقرر فرمایا۔

اعلحضرت سے پہلی ملاقات:۔ ۱۳۲۳ھ میں جب برھان ملت کی عمر صرف ۱۲/سال کی تھی اعلحضرت سے ممبئی میں اس وقت ملاقات ہوئی جب اعلحضرت زیارت حرمین طیبین سے ممبئی واپس ہوئے تھے اور آپ اپنے والد اور چچا کے ساتھ ملاقات کو ممبئی تشریف لے گئے تھے۔ اس پہلی ہی ملاقات میں اعلحضرت نے اپنے سینہ فیض گنجینہ سے لگایا، پیشانی کو لب نورانی سے چوما اور ڈھیر ساری دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ اعلحضرت جب صوفی بزرگ حضرت محمد سلطان (باندرہ) کی زیارت و ملاقات کو تشریف لے گئے تو اس قافلہ کے ساتھ برھان ملت بھی تھے، ولی را ولی می شناسد کے بمصداق ان بزرگ نے اعلحضرت کے شایان شان خیال فرمایا۔ جب خادم نے چائے، کافی، قہوہ میں سے کوئی ایک چیز پسند کرنے کو کہا تو اعلحضرت نے فرمایا "بزرگ کی زبان سے چونکہ تینوں چیزوں کے نام نکلے ہیں اس لئے تینوں کو ملا کر پلایا جائے چنانچہ تینوں چیزوں کو ملایا گیا برھان ملت فرماتے ہیں "جب رنگ دیکھا تو کراہیت ہوئی مگر جب لب سے لگایا تو اتنا لذیذ پایا کہ پورا پیالہ صاف کر دیا" واپسی پر بزرگ کی قدم بوسی کر کے جب برھان ملت نے دعا کی درخواست کی تو بزرگ نے اعلحضرت کی طرف اشارہ کر کے فریا "اس کے پیچھے چلتا جا تیرے پیچھے سب چلیں گے" اعلحضرت کو جب اس دعا کی خبر ہوئی تو اعلحضرت نے خوش ہو کر فرمایا برھان الحق اللہ تمہیں برھان الدین، برھان السنہ بنائے۔ (اکرام امام احمد رضا، ص ۸۲)

علمی جواھر پارے:۔ قرطاس وقلم کے میدان میں حضرت برھان ملت زمانۂ طالب علمی سے ہی قدم جما کر اپنے تصنیفی شعور کا لوہا منوا چکے تھے، فقہ الاجلال اور اجلال الیقین جیسی معیاری کتابیں آپ کی جواں سالی ہی کی یادگاریں ہیں آپ کی ابتدائے عمری کی تحریروں میں جوز ور بیان، قوت استدلال، علمی جولانی، معنی آفرینی، اور کہنہ مشقی کا رنگ عیاں ہے۔ وہ بہت سے منجھے منجھائے قلم کاروں کے مضامین میں بھی بہت کم دیکھنے کو ملتا

ہے۔اس وجہ سے آپ کی تحریر وتصنیف کی عظمت کو جہاں سب نے سراہا وہیں آپ کے استاذ و مربی مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی نے بھی مسرت کا اظہار فرمایا، اور دعاؤں سے نوازا۔اجلال الیقین کی تقریظ میں اعلحضرت رقمطراز ہیں۔

"الحمد للّٰہ فقیر غفرلہ القدیر اس تالیف منیف کے مطالعہ سے مسرور ہوا مولیٰ عزوجل اس کے مولف سعید، حمید رشید فرزند دل بند وسعادت مند مولانا مولوی محمد برھان الحق جعلہ اللہ تعالیٰ دلیل الصدق، برھان الحق کو دارین میں مدارج عالیہ، ومعارج جلیلہ کرامت فرمائے" (برھان ملت حیات وخدمات، ص ۹۱)

آپ کی تحریر کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ جس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے اس پر سیر حاصل بحث فرمائی طرز تحریر اتنا عمدہ اور دلنشیں ہے کہ قاری خود کو صاحب کتاب سے محو گفتگو محسوس کرتا ہے۔آپ کی تصنیف کی تعداد ۲۶ / ہے اس کے علاوہ ۹ / خطبے جو ملک کی مختلف کانفرنسوں کے لئے بحیثیت صدر اجلاس آپ نے تحریر فرمائے ہیں ان میں کا ہر خطبہ اپنے عنوان پر بجائے خود ایک تحقیقی تاریخی مقالہ ہے۔ان خطبات میں فکری گلریزی کے ساتھ اس دور اور دور کے بطن سے پیدا شدہ مسائل کی ایسی تصویر کشی آپ نے کی ہے کی ماضی حال بنکر جلوہ نما نظر آتا ہے۔ ان جملہ تصانیف میں آپ کے فتاویٰ شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں جو ۱۷ / جلدوں میں ہزاروں صفحات پر محیط ہیں ضرورت ہے کہ آپ کی تمام تصانیف خصوصاً فتاویٰ برھانیہ کو مقفل الماری سے نکال کرارباب دین ودانش کے میز کی زینت بنایا جائے، یہ بہت بڑی دینی خدمت بھی ہو گی اور اسلامی ادب کے ہجوم میں بیش بہا اضافہ بھی۔

تقریری دورے:۔ آپ نے اپنے عہد شباب ہی سے تقریری دنیا میں سکہ بٹھا لیا تھا، بعد میں تو یہ عالم ہوا کہ ہر بڑے سے بڑے جلسے اور عظیم سے عظیم کانفرنس میں آپ کی شرکت کی لازمی سمجھی جانے لگی، آپ کا نام سنکر ہی لوگ مطمئن ہو جاتے تھے کہ اعلحضرت کے روحانی فرزند، مفتئ اعظم مدھ پردیش آرہے ہیں، آخری عمر میں تو عالم یہ ہوگیا تھا کہ تقریباً ہر

بڑا جلسہ آپ کی زیر صدارت، یا زیر سرپرستی ہی ہوتا تھا۔ جس میں ہجوم در ہجوم آنے والوں کا مقصد آپ کا خطبۂ صدارت وسرپرستی سننے کے علاوہ آپ کی زیارت وملاقات اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہونا ہوتا تھا آپ کی موجودگی ہی حاصل جلسہ یقین کیا جاتا تھا۔ جب قویٰ کمزور ہوگئے مگر بانیان جلسہ کی گذارش شرکت کم نہ ہوئی تو آپ اپنی تقریروں کو لکھ کر عوام کے سامنے پیش فرماتے تھے۔ چونکہ تقریر وخطابت آپ کا ذریعہ معاش نہ تھا بلکہ دین کی تبلیغ اور سنیت کی اشاعت ہی ہر دور کی روح ہوا کرتی تھی اس لئے آپ کے اخلاص وایثار کی نور افشانیاں ویرانوں میں دین وملت کے دیپ جلا دیتی تھیں، بدعقیدوں کو خوش عقیدگی کی سعادت، اور بدعملوں کو اعمال صالحہ کی دولت نصیب ہوئی تھی۔ قریب پون صدی کے عرصے میں ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا، جن کی سالانہ فہرست ہر سال نقشہ سحر وافطار میں شائع ہوتی تھی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ہر سال تقریباً سوا سو غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر مشرف با اسلام ہوتے تھے۔ (جذبات برہان، ص ۴۸)

سیاسی بصیرت :۔ جو عالم دنیا کے نشیب وفراز، زمانہ کے نت نئے فتنوں اہل زمانہ کی دسیسہ کاریوں اور مصالح شرعیہ کے تقاضوں نابلد ہو، وہ صحیح معنوں میں عالم نہیں ہے۔ اسی لئے فقہ کا ایک ضابطہ ہے ۔من لم یعرف اهل زمانه فهو جا هل۔ ، جو اہل زمانہ کو نہ پہچانے وہ جاہل ہے۔ معلوم ہوا ایک اچھے عالم کے لئے ضروری ہے کہ دشمنان دین و ملت کے مکر وفریب کا پردہ چاک کرنے کی بھرپور صلاحیت کے ساتھ سیاست موجودہ کے مد و جزر سے پھوٹنے والے طوفان مفاسد کے لئے سد سکندری بن جانے کا حوصلہ بھی رکھے۔ حضرت برہان ملت کو خدائے قدیر نے ایسی سیاسی بصیرت عطا فرمائی تھی کہ نظر اول ہی میں اہل زمانہ کے ساتھ رنگ بدلنے والے طوطا چشموں کو پہچان لیتے تھے، بڑے بڑے دبنگ نیتا و لیڈر آپ کی حق گوئی و بیباکی کے سامنے تاب گفتگو نہ لاتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں بے شمار قومی وملی مسائل ابھرے لیکن ہر ایک کا جم کر مقابلہ کیا اور محاذ پر باطل کو مات دیدی۔۔

۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء میں گاندھی کی تحریک ترک اور حوالات اور ہندو مسلم اتحاد کی آندھی بہت زور کے ساتھ اٹھی، تحریک دوآتشہ اس وقت ہوگئی جب مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مسٹر عبدالکلام آزاد، اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی جیسے نامور سیاسی وملی زعماء پیش پیش ہوکر عام مسلمانوں کو شمولیت کی دعوت دینے لگے، اعلحضرت ودیگر مقتدر علمائے اہلسنت ان تحریکات کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے فتنہ سمجھتے تھے۔ اس پر دونوں طرف سے زوردار بحثیں ہوئیں، ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا کتابیں شائع ہوئیں۔ ۱۳۳۹ھ میں برہان ملت بریلی شریف پہونچے تو دیکھا کہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری کی صدارت میں علمائے کرام کی میٹنگ ہورہی ہے معلوم ہوا کہ خلافت کمیٹی کے سرپرستی میں جمعیت علمائے ہند کے زیراہتمام مسٹر ابوالکلام آزاد کی صدارت کے پرچم تلے ایک کھلا عظیم اجلاس بریلی میں ہونے جارہا ہے جس میں وہ لوگ اپنے مخالفین پر اتمام حجت کرینگے۔ اعلحضرت کو بھی جلسے میں شرکت اور رفع منازعت کی دعوت پہونچی ہے، اعلحضرت کی سرکردگی میں علمائے اہلسنت نے ۲۷ سوالات پر مشتمل اتمام حجت تامہ کے نام سے قرطاس ابیض تیار کیا جسے حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری کی سربراہی میں **جماعت رضائے مصطفےٰ** کا وفد جلسہ گاہ لیکر پہنچا۔ اس وفد میں صدرالشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی، صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد حامد رضا قادری، محقق دوراں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری اور برہان ملت حضرت مولانا محمد برھان الحق جبلپوری صدیقی شامل تھے، مولانا ابوالکلام آزاد نے حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کو بحیثیت صدر جماعت تقریر کی دعوت دی، موصوف نے اپنا موقف واشگاف الفاظ اور مدلل انداز میں بیان فرمایا، آزاد کے اخباری بیانات اور بعض قابل اعتراض حرکات پر شرعی گرفت کی "اتمام حجت تامہ" کے برملا جوابات طلب کئے جس پر آزاد نے اصل جواب سے پہلو تہی کی اور جان چھڑاتے ہوئے کہا " آپ لوگ جا سکتے

ہیں" حضرت برھان ملت جو اظہار مافی الضمیر کے لئے بہت دیر سے پیچ و تاپ کھا رہے تھے
اسی دوران کھڑے ہو گئے، پیچھے سے دو صاحب نے دامن کھینچا اور بٹھانے کی کوشش کی مگر وہ
بڑھ کر مولانا آزاد کے پیچھے چلے گئے، مولانا آزاد کی اجازت پر آپ نے کہا" میری گذارش یہ
ہے کہ اخبار "زمیندار" لاہور کے فلاں تاریخ کے شمارے میں جلی سرخیوں میں یہ خبر شائع ہوئی
ہے کہ ناگپور میں خلافت کانفرنس کے پنڈال میں امام الھند مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے
جمعہ پڑھایا اور خطبۂ جمعہ میں مہاتما گاندھی کی صداقت و حقانیت کی شہادت دی، ایک مشرک
کی صداقت و حقانیت کی شہادت خطبۂ جمعہ میں۔۔۔؟ یہ کیا اسلام ہے؟ یہ سنتے ہی آزاد کا چہرہ
فق ہو گیا، ایک دومنٹ تک برہان ملت کا چہرہ یکتا رہا، پھر بولا "لعنته الله علیٰ قائله
"برہان ملت نے فرمایا آزاد صاحب ! یہ کلمات لعنت اسی اخبار میں شائع کرا دیجئے تو امید
ہے کہ توبہ کے قائم مقام ہو جائیں۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا ایک بات اور عرض کرنا ہے، اخبار
"تاج" جبلپور کے فلاں تاریخ کے شمارے میں ہے کہ الہٰ آباد کے ایک جلسہ عام میں مولانا
ابوالکلام آزاد صاحب نے کرسئ صدارت سے اعلان فرمایا کہ مقامات مقدسہ کا فیصلہ اگر چہ
ہمارے حسب دلخواہ ہو بھی جائے تب بھی ہم اس وقت تک چین نہ لینگے جب تک گنگا جمنا کی
مقدس سرزمین کو آزاد نہ کرا لینگے۔ بحثیت مسلمان ہونے کے گنگا جمنا بھی آپ کے نزدیک
مقدس ہیں، استغفر الله اس پر آزاد نے پھر کہا "لعنته الله علیٰ قائله "برہان ملت
نے برجستہ فرمایا لعنت کے یہی الفاظ توبہ کے قائم مقام انہیں اخبارات میں شائع ہونے
چاہئیں، اسی کے ساتھ ہی اتمام حجت تامہ کی طرف آزاد کی توجہ مبذول کرائی کہ اس کے ہر
سوال کا اطمینان بخش جواب آپ کی طرف سے ضروری ہے، آزاد نے وعدہ کیا کہ اجلاس کی
روداد میں ان تمام غیر اسلامی حرکات سے رجوع کا اعلان کر دیا جائے گا، اعلحضرت کا فرستادہ
نمائندہ یہ وفد احقاق حق کے نشاط سے سرشار، فائز المرام واپس ہوا،

برہان ملت فرماتے ہیں "راستہ میں وفد کی کامیابی کا تذکرہ کرتے ہوئے

صدرالافاضل نے میراہاتھ پکڑکر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ارشادفرمایا" برہان میاں آپ کے دو ہی سوالوں نے تو ابوالکلام کو بالکل مبہوت کردیا" جب بارگاہ رضا میں یہ حقانی قافلہ حاضر ہوا تو حضرت صدرالافاضل نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا، حضور برہان میاں نے بہت جرأت وہمت سے کام لیا، یہ صرف حضور ہی کا فیض ہے، اعلحضرت دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعائیں دیں اور قافلہ کی سرخروئی پر خدا کا شکرادا کیا، صبح فجر کی نماز کے بعد ایک صاحب جو اسٹیشن پر بسکٹ وغیرہ بیچتے تھے آئے اور انہوں نے بیان کیا۔ دہرہ دون میل میں ابولکلام کو ایک مجمع گھیرے ہوئے تھا، میں بھی کھڑا ہوگیا ان کی زبان سے یہ الفاظ سنے آزاد صاحب کہہ رہے تھے "بعض باتیں حقیقت ہیں جن سے انکارنہیں کیا جا سکتا احتیاط بہرحال ضروری ہے" (اکرام امام احمد رضا، ص۱۱۰)

۲:۔ ۳۱/جولائی ۱۹۳۶ء کو جبلپور کی میونسپل کمیٹی نے شادیوں کو رجسٹرڈ کرانے کا قانون پاس کرلیا، رجسٹرڈ نہ کرانے کی صورت میں مسلمانوں پر مقدمہ چلایا جانا، اور پچاس روپیہ تک جرمانہ ادا کرنا ضروری قرار دیا حضرت برہان ملت کی صدیقی حمیت کو جوش آیا، آپ نے ۱۵/اگست ۱۹۳۶ء کو کوتوالی کے سامنے ایک عام جلسہ کا اعلان فرمایا، اعلان سنتے ہی پورا جبلپور امنڈ پڑا۔ آپ نے نہایت بے باکی ودلیری سے ایسا ولولہ انگیز خطاب فرمایا کہ میونسپل کمیٹی کی بنیادیں لرز گئیں، لوگوں کے ہوش ٹھکانے لگ گئے۔

۳:۔ مزارات اور مزارات کے لئے وقف کردہ املاک و جائداد کے لئے صحیح مستحق سنی بریلوی حضرات ہی ہیں اس لئے کہ انہیں کا نظریہ وعقیدہ صاحب مزار کے عقائد ونظریات سے میل کھاتا ہے۔ لیکن یہ ہم سنیوں کی غفلت اور کوتاہی ولاپرواہی کا نتیجہ ہے کہ آج بعض مزاروں اور اسکی آراضی پر غیر قابض ہوگئے ہیں۔ حضرت برھان ملت کے زمانے میں جب درگاہ اجمیر شریف میں دیوبندیوں کا قبضہ ہوگیا اور گورنمنٹ نے جمعیۃ علمائے ہند نامی گورنمنٹ کی پٹھو تنظیم کے زیر اختیار درگاہ اجمیر شریف کے امور کو سونپ دیا تو اختیار ملتے ہی

جمیعۃ کی خباثت ظاہر ہونے لگی، درگاہ اور مراسم درگاہ عرس اور لوازمات عرس، یہاں تک کہ مزار اور صاحب مزار سب ان کی گستاخی و بے ادبی کی زد پر آنے لگے، حضرت برہان ملت جب حقائق سے آگاہ ہوئے تو آپ کی رگ حمیت پھڑکی اور آپ نے ہندوستان گیر صدائے احتجاج بلند کی، دہلی کی سرزمین پر ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کر کے اس میں ایسا تاریخی انقلابی خطبہ یا کہ حکومت وقت کے ہوش اڑ گئے، مجبوراً گورنمنٹ کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔ اہلسنت و جماعت کا اجمیر شریف اور دوسری درگاہوں مین بول بالا ہو گیا۔ آج پھر درگاہ و خانقاہ کے بدلتے منظر نامے صالح انقلاب کے منتظر ہیں اور متمنی ہیں کی کوئی برہان ملت آئے اور بدعقیدوں بدعملوں کی ناپاک گرفت سے درگاہ و خانقاہ کو واگذار کرا کے خوش عقیدوں کتاب وسنت پر عمل کرنے والوں کی بالادستی قائم کردے۔

۴:۔ ۱۹۷۲ء میں جب وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی تھیں مسلم پرسنل لاء میں مداخلت بیجا کی کوشش کی گئی مسز اندرا گاندھی نے بھی اپنے ایک بیان میں کہد یا کہ حکومت مسلم پرسنل لاء میں اس لئے مداخلت کرنا چاہتی ہے کہ خود بعض مسلمان ہی اس میں ترمیم کے طالب ہیں، اس وقت حضرت برہان ملت کے ایمانی جذبہ اور صدیقی جوش نے اپنا جلوہ دکھایا، مجاہدانہ شان سے اپنی جان کی بازی لگا کر میدان عمل میں کود گئے، تحریر و تقریر، اجلاس واجتماع، جلسہ وجلوس ہر طرح سے پورے ملک کے عوام وعلماء کی حرارت ایمانی کو للکارا اور گرمایا، ارباب حکومت کو مسئلہ کی نزاکت سے آگاہ کیا۔ وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اور وزیر قانون مسٹر گوکھلے کو خط لکھ کر حقیقی صورت حال سے باخبر کیا، اور تنبیہ فرمائی کہ اگر یہ قانون واپس نہ لیا گیا تو پھر ہندوستان میں خون کی ہولی کھیلی جائے گی۔ اور وہ انقلاب آئے گا کہ حکومت کا قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ آپ کی مخلصانہ جدوجہد رنگ لائی حکومت وقت نے آپ کی پکار وللکار کا بغور نوٹس لیا اور اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔

۵:۔ جب سب کچھ ہو چکا تب دیوبندی تبلیغی برادری بیدار ہوئی انگلی کٹا کر دیش کے

شہیدوں میں نام لکھانے کو سوچا، آپسی مشورہ کے بعد اعلان کیا کہ فلاں تاریخ کو مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کے خلاف احتجاجی کانفرنس ہے، حضرت برہان ملت کے پاس خصوصی دعوت نامہ بھیجا اور شرکت کی پرزور گزارش کی حضرت نے علالت کا عذر پیش کر دیا، مگر وہ لوگ مصر رہے کہ آپ ضرور شرکت کریں، آپ اپنے اس فیصلہ پر اٹل ہی تھے کہ تاجدار اہل سنت حضور مفتیٔ اعظم ہند نے بھی آپ کی شرکت کی حمایت کر دی۔ حاضری کی اجازت دے دی، شہزادۂ حضور برہان ملت حضرت علامہ محمود احمد قادری نے اس کانفرنس میں شرکت یا عدم شرکت کے تعلق سے حضور مفتیٔ اعظم ہند سے بالا گھاٹ کے سفر میں بالمشافہ استفسار کیا، حضور مفتیٔ اعظم ہند نے فرمایا کہ کوئی جائے یا نہ جائے مگر برہان ملت کو ضرور جانا چاہئے کیونکہ اس مسئلہ میں پہلا احتجاج انہوں نے ہی کیا ہے، لہٰذا ان کا جانا ضروری ہے۔ حضرت محمود میاں نے عرض کیا حضور وہاں پر ہر طبقہ اور فرقہ کے لوگ ہوں گے، فرمایا ! آخر اسمبلیوں اور اور پارلیامنٹ میں مخالف اور موافق سب کے ساتھ بیٹھنا پڑتا ہے یا نہیں؟ اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ سرکار مفتیٔ اعظم ہند کے فرمان کے بعد حضرت برہان ملت نے جلسہ میں شرکت تو کی لیکن اصول کا سودا نہ کیا، اپنے کام سے کام رکھا، اپنی حکمت و دانش سے سنیت کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ آپ کے خطاب نایاب کے بعد بانیان جلسہ کا تاثر کیا تھا حضرت برہان ملت ہی کی زبانی سنئے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

"جب میں تقریر ختم کر چکا اور چلنے لگا تو قاری طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) اور سبھی ذمہ داران و ارکان جلسہ نے میرا شکریہ ادا کیا اسٹیج سے اتر کر کچھ دور میرے ہمراہ آئے اور برجستہ کہا کہ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو ہمارا جلسہ ہرگز کامیاب نہ ہوتا، آپ نے وہ نکات و احکام بیان فرمائے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھے" اور حضور مفتیٔ اعظم ہند نے آپ کی کامیابی پر آپ کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا" یہ جلسہ آپ کی شرکت سے بریلی کا جلسہ ہوگیا" (برہان ملت حیات وخدمات، ص ۱۴۲)

امام احمد رضا کے خلفاء میں حضرت صدر الافاضل اور حضرت برہان ملت یہی دو شخصیتیں ہیں جن کا نام سیاست میں اہم مقام رکھتا ہے۔امام احمد رضا نے مدبر سیاست کی حیثیت سے جو تدبیر سیاست اور سیاسی رہنما اصول وخطوط پیش فرمایا تھا برہان ملت نے ان تدابیر کو اپنا کر اور اصول پر چل کر عملی سیاست میں وہ سرگرم حصہ لیا کہ جہاں گئے پوری بزم پر چھا گئے۔صفوں کی صفیں الٹ دیں، یہ آپ کی اسی دور اندیشی اور ژرف نگاہی کا اثر تھا کہ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۹ء تک مسلم لیگ کے روح رواں بنے رہے جس پر مسٹر محمد علی جناح نے آپ کو مبارکبادی کا پیغام دیا۔۱۹۴۴ء میں سی۔پی لیگ پارلیامنٹری بورڈ کے ممبر رہے۔صوبائی اسمبلی انتخابات میں جبلپور سے الیکشن لڑکر کامیاب ہوئے اور مسلسل پانچ سال ایم۔ایل۔اے۔رہے۔۔۔آزادی کے بعد لیگ کی قیادت کی بنا پر ۱۹۴۸ء میں ڈیڑھ ماہ جیل میں بھی گذارے۔بقول حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی۔" گویا آپ نے سیاست کو مسلمان کرلیا تھا، یا اسلام سے بہت قریب"(برہان ملت حیات وخدمات، ص ۱۱)

شعر و شاعری:۔ نعت گوئی ایک ایسا عظیم اور نازک صنف سخن ہے جس کے لئے امام شعروادب حضرت رضا بریلوی نے ارشاد فرمایا"نعت شریف لکھنا نہایت ہی مشکل ہے اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہونچا دیتا ہے اور اگر کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے"(الملفوظ) حضرت برہان ملت کی شعروشاعری کے تعلق سے شہزادۂ برہان ملت مفتئ اعظم مدھیہ پردیش حضرت مولانا محمود احمد قادری رقمطراز ہیں۔

" آپ خود اندازہ کریں گے کہ بقول امام اہل سنت انہوں نے تلوار کی دھار پر چل کر کتنا محتاط طریقہ اس راہ میں اپنایا ہے کہ "فن شعر" پاس شرع اور طریقت وادب کے تمام اصول وضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی عقیدت ومحبت کے پھول حضور رسالت مآب

ﷺ میں نذر کئے ہیں جن کی مہک سے قلوب محبان رسول کریم معطر اور جن کی پاکیزگی اور چمک سے منور ہو رہے ہیں۔(جذبات برہان،ص ۳۱)

حضرت برہان ملت کے کلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ امام شعر وسخن حضرت رضا بریلوی کی سماعت، اور بیشتر حصہ، صاحب دیوان سامان بخشش حضور مفتئ اعظم ہند کی نظر مبارک سے گذر کر داد وتحسین حاصل کر چکا ہے۔حضور مفتئ اعظم ہند نے تو یہاں تک فرمایا کہ "مولانا ! میں نے آپ کی نعت ومنقبت مختلف اوقات میں سنی ہیں دیکھی اور پڑھی ہیں، بفضلہٖ تعالیٰ شرعی اور شعری قواعد وضوابط سے مرصع اور فنی لحاظ سے بھی ہر قسم کے اغلاط سے پاک وصاف اور محفوظ ہیں"اور یہ آپ کے علم کی فضیلت و بزرگی کے ساتھ سچی عقیدت و بے پناہ محبت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا خاصہ ہے۔جسکا اظہار آپ کے نعتیہ کلام میں پایا جاتا ہے۔(جذبات برہان،ص۵۲)

سب سے پہلی نعت صرف ۹ رسال کی عمر یعنی ۱۳۱۹ھ میں آپ نے کہی تھی جس کے مطلع کا مصرع ہے۔۔۔ نام تیرا یا نبی میرا مفرح جان ہے۔

بائیس سال کی عمر میں جب آپ بارگاہ رضا میں حاضر تھے، بعد نماز جمعہ اپنے تازہ کلام فارسی کے متعلق اپنے ہم سفر حاجی عبد الغفار صاحب کو اشارہ کیا کہ اعلحضرت کو سنا کر اصلاح لے لیں اس کے تین اشعار نذر ناظرین ہیں۔

حضور سید خیر الوریٰ سلام علیک
بہ بارگاہ شفیع الوریٰ سلام عیک
روم بسوئے تو برہر ہر قدم کنم سجدہ
نوائے قلب شود سید اسلام علیک
رسی چوں بردر احمد رضا بگو برہاں
بصد ادب بشما مرشد اسلام علیک

اعلحضرت نے سن کر اتنا پسند فرمایا کہ اپنا عمامہ اتار کر برہان ملت کے جھکے ہوئے سر کو سرفراز کردیا (اکرام امام احمد رضا ۵۷) ندرت بیان، جدت ترکیب، الفاظ کی بندش، مضامین کی چستی کے ساتھ ساتھ فن شعروسخن کے وہ کون سے محاسن ہیں جو آپ کے یہاں نہیں ہیں۔اس پس منظر میں یہ اشعار دیکھئے۔

جہاں میں جس گھڑی وہ رحمت پرور دگار آیا
غریبی جی اٹھی لیجئے غریبوں کا وہ یار آیا
فدا لاکھوں خرد ایسے جنون ہوش پرور پر
ادب سے سر بہ سجدہ ہو گیا جب کوئے یار آیا
جہنم کی تپش سے سینۂ گستاخ بریاں سے
کہ اس کو یا رسول اللہ سنتے ہی بخار آیا

سلاست زبان مضمون کی بلندی کلام کی بلاغت، معانی آفرینی، کے لحاظ سے یہ چند اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

حسن نور افروز نے عالم کو روشن کر دیا
اے حسینوں کے حسیں میری مدد فرمایئے

....

اصل انہیں کی ذات ہے جملہ نبی طفیل ہیں
ایک سے سو دیئے جلیں سب کی چمک الگ الگ
ممکن و مظہر و وجوب حادث و پر تو قدم
چاروں ہی رنگ ایک ہیں جیسے دھنک الگ الگ
فوق کمال عبدیت تحت ظلال حقیت
ہوتی ہے چشم درمیاں دونوں پلک الگ الگ

تجھ کو اے زاہد مبارک قصر جنت کا خیال
بس ہمیں سرکار کے سائے میں مسکن چاہیے
سایۂ دامان رحمت یوں تو مل سکتا نہیں
سنیت کا خوب گہرا رنگ و روغن چاہیے

....

شہادت کی خوشی میں جسم نازک پر شہیدوں کے
گل سرخ و گل لالہ چمن کی طرح کھل آئے

تلمیحات، آیات قرآنی، احادیث نبوی، اقوال فقہا، سیر وسوانح اور تاریخ کے طول و طویل واقعات سبق آموز کو ایک ہی شعر میں، یا کہیں قطعہ بند میں بیان فرما کر اس طرح دریا کو کوزے میں بند کیا ہے کہ بس پڑھتے جائیے اور جھومتے جائیے۔ اس مختصر مضمون میں ہر ایک کی تمثیل و تفصیل کی تو گنجائش نہیں ہے البتہ تبرکاً دو چار اشعار پیش ہیں۔

علمک مالم تکن تعلم سے واضح کر دیا
راز قدرت کے میرے مولیٰ تمہیں ہمراز ہو
و اوحیٰ فاوحیٰ فقد جاء رجعا
فقط ایک ہی آن میں سب ہوا ہے

....

سعی قرب حق میں گر فوزاً عظیما چاہیئے
اتباع سید اکرم یقیناً چاہیئے
الفت سرکار کا دعویٰ تو کرتے ہیں سبھی
کر دے سب قربان وہ صدیق کا من چاہیئے
شان عظمت شپرہ چشموں کو کیا آئے نظر

نور باطن دیکھنے کو قلب روشن چاہئے

حضور غوث اعظم، خواجہ غریب نواز اور امام احمد رضا سے جو آپ کو والہانہ عقیدت ہے اس کی سرمستیوں سے سرشار ہونے کے لئے تو گلشن دیوان ہی کی سیر کیجئے۔ ہم حصول برکت کے لئے ایک ایک شعر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

غوث اعظم:۔

سید غوث اعظم سلام علیک
میرے آقائے اکرم سلام علیک
آپ کے پاک دامن سے جو بھی بندھا
آخرت سے ہے بے غم سلام علیک

غریب نواز:۔

سرکار کرم کے صدقے میں خواجہ کا روضہ دیکھ لیا
خواجہ کی غریب نوازی کا دربار میں نقشہ دیکھ لیا

اعلحضرت:۔

عاقبت برہان کی فیض رضا سے بن گئی
ہے یہی اپنا وسیلہ بس خدا کے سامنے

ایک نعت شریف جس میں عظمت شان اور رفعت مکان مضمون کی بلندی کے آخری درجے پہ ہے ملاحظہ کیجئے۔ بے ساختہ آپ کی روح داد دے گی اور زبان سبحان اللہ پڑھے گی۔

کیسی عظمت ہے محمد کی خدا کے سامنے
ہیچ ہیں سب عظمتیں خیر الوریٰ کے سامنے
اک خدا کا نور تھا اور کن کے فرمانے کے بعد
پر تو نور خدا تھا بس خدا کے سامنے

کیا قلم تعریف لکھ سکتا ہے اس کی لوح پر
عرش پر کرسی ملی جس کو خدا کے سامنے

آپ کا نعتیہ دیوان، جذبات برھان کے نام سے ڈاکٹر محمود احمد صدیقی کی ترتیب اور پروفیسر مسعود احمد صاحب مظہری کی تقدیم سے کراچی پاکستان نے شائع کر دیا ہے۔

بریلی سے جبلپور، کتنا نزدیک کتنا دور:۔

جغرافیائی اعتبار سے جتنے شہر بریلی سے دور ہیں مارہرہ مقدسہ کو چھوڑ کر دور رہ کر بھی سب سے زیادہ قریب جبلپور ہے اور اس قربت کو نبھانے اور پروان چڑھانے میں دونوں شہر ہر موڑ پر ایک دوسرے کے شانہ بشانہ ہی نہیں بغلگیر نظر آتے ہیں۔ بریلی اور جبلپور کا وہ ربط جو حضرت شاہ عبدالکریم کے دور میں استوار ہوا تھا عہد مابعد میں بھی وہ فروغ پزیر ہی رہا، یہاں تک کہ برہان ملت کے زمانہ میں شباب آگیں ہو گیا۔ حضرت شاہ عبدالکریم اور امام احمد رضا دونوں ایک دوسرے کی علمی گہرائی اوعملی گیرائی سے واقف و متعارف اور دینی جذبات وخدمات سے متاثر تھے، یہی وجہ ہے کہ جب بریلی سے حضرت مولانا عبدالسلام صاحب کے نام ندوۃ العلماء کا دعوت نامہ آیا اور آپ نے اپنے والد گرامی حضرت شاہ عبدالکریم صدیقی سے اجازت طلب کی تو فرمایا! بریلی ضرور جاؤ ندوۃ العلماء کے جلسے میں شرکت ہو کہ نہ ہو، لیکن یہ سفر تمہارے لئے مولانا احمد رضا خاں صاحب سے ملاقات کا سبب بنے گا، بریلی پہنچ کر ان سے ضرور ملو، ان سے اکتاب فیض کرو، اس وقت ان کا علم وفضل وکمال، اپنی وسعت وتابانی اور تحقیق وتدقیق کے لحاظ سے انتہائی عروج وکمال پر ہے، جس طرح بھی ہو مولانا کی خدمت میں رہ کر جتنا فیض حاصل کر سکو تمہارے خاندان کے لئے باعث رحمت وسعادت ہو گا" حضور برہان ملت اس جلسے میں شرکت کی روداد یوں بیان فرماتے ہیں" والد ماجد بریلی روانہ ہوئے الہٰ آباد سے مولانا شاہ محمد حسین

صاحب کا ساتھ ہو گیا اجلاس میں شرکت ہوئی لیکن مولانا محمد حسین الہٰ آبادی کے اعتراض پر شبلی (مولانا شبلی نعمانی) کی برہمی اور بد زبانی نے بدمزگی پیدا کر دی چنانچہ یہ دونوں حضرات جلسے سے واک آؤٹ کر گئے، چلتے ہوئے والد ماجد نے امام احمد رضا کا رسالہ "سوالات حقائق نما بروس ندوۃ العلماء" پر دستخط کر کے شبلی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا "اس کے ہر سوال کا مفصل جواب دیکر مطمئن کرنا آپ کا اور آپ کے تمام ہم خیال اراکین کا ذمہ ہے اور آپ سب کا اخلاقی فرض ہے۔ (اکرام امام احمد رضا، ص ۳۰)

ادھر مولانا عبدالکریم نے اعلحضرت کے نام بذریعہ ڈاک ایک خط روانہ فرمایا جس میں لکھا۔ "فقیرزادہ عبدالسلام حاضر ہو رہا ہے اس پر نظر کرم فرما کر اپنی تربیت اور سرپرستی میں فیضان علوم ظاہری و باطنی سے اسے عزت و سرفرازی بخشیں"۔ حضرت مولانا عبدالسلام صدیقی ندوۃ العلماء کے اجلاس سے واپسی پر آستانۂ رضا میں حاضر ہوئے ایک پرچہ پر اپنا نام لکھ کر کسی بچہ کے ہاتھ اندر بھیجا، چند منٹ بعد اعلحضرت باہر تشریف لائے، السلام علیکم فرمایا ہاتھ میں ایک لفافہ تھا حضرت عبدالسلام سے معانقہ کے بعد فرمایا! یہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کی کرامت ہے کہ ابھی مجھے لفافہ ملا، ابھی خط کے اس فقرہ پر ہی نظر تھی کہ "فقیرزادہ عبدالسلام حاضر ہو رہا ہے" کہ عین اسی وقت آپ کا رقعہ ملا، آپ کا اسم گرامی پڑھ کر معاً یہ متصور ہوا کہ یہ آپ کے والد محترم مولانا عبدالکریم صاحب کی کرامت ہے۔ ماشاء اللہ و بارک اللہ! پھر حضرت مولانا عبدالسلام کا سامان اپنے یہاں منگوا کر قیام کے لئے فرمایا اور اپنی خصوصی توجہ سے اس قیام کو ایسا فائز المرام بنا دیا کہ موصوف کو بحر علوم و فنون کا شناور کر دیا اور مولانا عبدالسلام سے مولانا عیدالاسلام کے منصب پر پہونچا دیا، اعلحضرت جب کسی اہم موضوع پر کوئی کتاب لکھتے تو حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کے پاس مطالعہ کے لئے ایک نسخہ بھیجتے خود اپنے والد مفسر قرآن حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب کی بھی کئی کتابیں آپنے بھیجی تھیں جتنی کتابیں بھی بھیجیں انکے سر

ورق کے حاشیہ پر یہ تحریر منیر ضرور ہے۔

بخدمت! حضرت مولانا مولوی محمد عبدالکریم صاحب سلمہ اللہ تعالی۔

منجانب! فقیر احمد رضا قادری

اعلحضرت کو جب مولانا عبدالکریم صاحب کے وصال کی خبر ملی تو رنج وغم میں ڈوب گئے، اپنے حزن و ملال کا اظہار آپ نے مادۂ ہائے تاریخ وصال نکال کر کیا۔ وہ تاریخی مادے جانبین کی اعلی قربت ورفاقت کا واضح اعلامیہ ہیں۔حضرت مولانا عبدالسلام پر بھی اعلحضرت کا بے پایاں لطف وکرم تھا، آپ پر اس حد تک بھروسہ فرماتے تھے کہ جن جلسوں، جگہوں، یا علمی معرکوں پر خود نہ پہنچ پاتے وہاں مولانا عبدالسلام کو اپنا نائب بنا کر بھیجتے اور حضرت مولانا عبدالسلام بھی اپنے محسن استاذ کا حددرجہ خیال رکھتے، دینی ودنیاوی تمام امور میں اعلحضرت کے مشورہ کو اولیت دیتے، اعلحضرت جو حکم فرمادیتے اس کی تعمیل میں خواہ کتنی ہی صعوبت وکلفت کیوں نہ اٹھانی پڑے اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچا دینا اپنی ذمہ داری سمجھتے۔کلکتہ، پٹنہ، اور بنگلور کا یادگار تاریخی سفر اعلحضرت کے ہی ارشاد پر کیا تھا۔ جن میں آپ نے ناقابل فراموش زریں کارنامے انجام دیئے تھے۔ان اسفار میں بنگلور کا سفر خصوصیت سے یادرکھے جانے کے قابل ہے اس کی تقریب یوں ہوئی کہ پہلے پٹنہ اور پھر کلکتہ کی ہزیمت کے بعد اہل ندوہ نے بنگلور میں زور دار اجتماع کا اعلان کیا، حضرت مولانا قاضی سید عبدالقدوس صاحب متوطن بنگلور کو بطور خاص دعوت نامہ دیا۔ قاضی صاحب نے بنگلور سے اعلحضرت کو صورت حال سے مطلع کیا اعلحضرت نے مولانا عبد السلام سے رابطہ کے لئے کہا، اور خود بھی مولانا عبدالسلام صاحب کو بنگلور پہنچ کر قاضی صاحب کے تعاون کا حکم فرمایا اجلاس ندوہ سے ایک ہفتہ پہلے مولانا عبدالسلام بنگلور پہنچ گئے جگہ جگہ اپنی تقریر کا سلسلہ شروع کر دیا مخلص انداز بیان نے سامعین کو ایسا متاثر کیا کہ تمام لوگ آپ کے گرویدہ ہوگئے، اہل ندوہ کی حلیہ سازی وچال بازی ایسی عیاں ہوگئی کہ

ان لوگوں کو بنگلور میں سر چھپانے کی جگہ نہیں تھی بالا آخر تنگ آ کر اور شکست کھا کر اپنا اجلاس ملتوی کر دیا۔حضرت مولانا قاضی عبدالقدوس کی صدارت میں اہلسنت کا کھلا اجلاس ہوا جونہایت کامیاب رہااس اجلاس میں قاضی صاحب نے مخالفین کو باہمی افہام و تفہیم کی دعوت دی مگر کوئی نہ آیا۔قاضی صاحب ان اجتماعات کی کامیابی کی خبر بذریعہ تار اعلحضرت کو بھیجنے والے تھے کہ اعلحضرت کا بریلی شریف سے تار پہونچا جسمیں مولانا قاضی سید عبدالقدوس صاحب اور مولانا عبدالسلام کو ان اجتماعات کی کامیابیوں پر مبارکباد دی اور ساتھ ہی مولانا عبدالسلام صاحب کو فرزند (حضور برہان ملت) کی ولادت کی بشارت دی۔ان اجتماعات وتقاریر سے اہل بنگلور کو حضرت مولانا عبدالسلام صاحب سے ایسی والہانہ عقیدت ہوگئی کہ آپ کو جلد رخصت کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔بالآخر مولانا عبدالسلام نے جناب قاضی صاحب اور دیگر اہل بنگلور کے بیحد اصرار پر بنگلور میں تقریباً دو ماہ قیام فرمایا،ان دو ماہ میں مسلسل آپ کا خطاب شاداب اور بیان حق نشان ہوتا رہا۔روانگی سے قبل انجمن معین المسمین بنگلور کی طرف سے نہایت شاندار وداعی جلسہ ہوا جس میں سپاس نامے وغیرہ پیش کئے گئے آپ بنگلور سے فاتحانہ شان کے ساتھ عقیدت مندوں کے ہجوم میں جبلپور تشریف لائے۔خانوادۂ صدیقی کی انہیں دینی بیداریوں ،قومی ہمدردیوں ملی اصلاحی جذبوں اور مسلکی امنگوں ہی کی برکتیں تھیں کہ اعلحضرت خانوادۂ صدیقی سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ہمیشہ خورد وکلاں کی خبر گیری کرتے رہتے کوئی بیمار ہو جاتو تو شفاء کی تعویذ ارسال فرماتے ،کسی کا انتقال ہو جاتا تو تعزیت نامے بھیجتے ،اپنی گوناگوں مصروفیوں کے باوجود اعلحضرت دوبار جبلپور تشریف بھی لے گئے،ایک بار صفر ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں بمبئی جاتے ہوئے چار روز قیام فرمایا،اور دوسری بار ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء کو بریلی سے جبلپور کے لئے روانہ ہوئے اور ایک مہینہ چار دن قیام فرمایا اعلحضرت واپسی پر اتنے مسرور تھے کہ بے ساختہ آپ کی زبان سے آپ

کے دل کی آواز نکلی "جبلپور کا پانی بہت زوردار ہے، اور اس سے زوردار آپ حضرات کی محبتیں ہیں" بریلی شریف پہنچ کر اعلحضرت نے شفقت و محبت سے لبریز تاثرات نظم و نثر دونوں میں حضرت مولانا عبدالسلام کے نام بھیجا، نظم کے صرف چار شعر پیش ہیں۔

وطن گرچہ آرام را در خور است
جبلپور مارا از و خوشتر است
تو لائے اصحاب آن محترم
برانگیختہ از وطن خاطرم
سلامت بود شاہ عبد السلام
بحق محمد علیہ السلام
الٰہی نگہہ دار برہان حق
بود دائما از وے اعلان حق

اورنثر میں رقمطراز ہیں "وہاں کے احباب کی صورتیں نظر میں پھرتی ہیں، الحق علمائے کرام حرمین طیبین کے بعد یہ محبتیں، یہ خلوص، یہ اخلاص، مجھ جیسے بے مقدار کے ساتھ وہاں کی مثل کہیں اور ہرگز نہ پائے۔(اکرام امام احمد رضا، ص۱۰۰) اعلحضرت نے جبلپور کے تاریخی اجلاس جس میں برہان ملت کی دستار بندی فرمائی تھی۔

مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا حاضرین! مولانا عبدالسلام آج سے عبدالاسلام ہیں۔اب یہ اسی لقب سے ملقب ہوں گے اور مولانا عبدالسلام کو مخاطب کر کے برہان ملت کے تعلق سے فرمایا مولانا عبدالسلام! مصطفٰے رضا میرے جسمانی فرزند ہیں اور برہان الحق میرے روحانی فرزند ہیں، جبلپور میں جو آپ نے فرمادیا تھا پوری زندگی اس فرمان کی آپ نے نگہداشت فرمائی، اور اپنے قول کو عمل سے سچ کر دکھایا یہ جذبات دل ہی کی ترجمانی تو ہے کہ آپ نے فرمایا ---؎ آل الرحماں برہان الحق شرق پہ برق گراتے ہیں۔

اپنے فرزند جسمانی و روحانی کو آپ نے اپنے ایک ہی مصرع میں رکھا ہے۔
اعلحضرت کے بعد اس رشتۂ اخوت کو حضور مفتئ اعظم ہند نے تاحین حیات پروان چڑھایا ،آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے "میرا ایک گھر بریلی میں ہے اور دوسرا جبلپور میں" حضور مفتئ اعظم ہند نے ایک بھائی جیسا سلوک کر کے ہمیشہ روحانی بھائی ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔محرم ۱۳۹۹ھ میں حضور مفتئ اعظم ہند جبلپور تشریف لائے اور قریب ڈیڑھ ماہ قیام فرمایا چونکہ آپ کافی علیل تھے مگر جبلپور کی صحت بخش آب و ہوا سے امید افزا آثار نمایاں ہو گئے تھے۔اس لئے غلامان رضا نے حضور مفتئ اعظم ہند و حضور برہان ملت کے جشن صحت کا ایک ہی ساتھ پروگرام بنایا۔

جشن صحت:۔ ۱۳؍۱۴؍صفر ۱۳۹۹ھ کو دو روزہ عظیم الشان اجلاس منعقد کیا مخصوص نشست گاہ پر دونوں بزرگوں کے پیچھے جلی حرفوں میں یہ شعر آویزاں کر دیا گیا۔

آل الرحماں برھان الحق
شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

جس سے دونوں بزرگوں کی یگانگت و محبت ، اور ان دونوں پر توجہات رضا کی خصوصی برکت ایسی بہار جاں فزا کا منظر پیش کر رہی تھی کہ مجمع جیسے زبان حال سے پکار رہا تھا۔

دعا بہار کی مانگی تو اتنے پھول کھلے
کہیں جگہ نہ رہی میرے آشیانے کو

دوسرے دن کے اجلاس میں حضور مفتئ اعظم ہند کے ایک مرید مرتضےٰ احسن رضوی نے ایک قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ تھا۔

یا الٰہی تیرے فضل کے سائے میں مفتئ اعظم دین و ملت رہے
میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا پیر طریقت سلامت رہے

ابھی رضوی صاحب نے یہ مطلع پڑھا ہی تھا کہ حضور مفتئ اعظم ہند جو تکیہ کا سہارا لئے تشریف

فرماتے یکا یک فرط مسرت میں سیدھے بیٹھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دوسرے مصرے کو اس طرح پڑھیئے۔

میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں میرا برہان ملت سلامت رہے

لفظ برہان ملت کو مفتئ اعظم نے اس وفور محبت کے ساتھ ادا فرمایا کہ بعض سامعین کی نگاہیں خوشیوں کے نور سے جگمگا اٹھیں تو بعض کی آنکھوں میں حسرت کے موتی جھلملانے لگے۔ اپنوں میں سے یہ اشارہ غیبی جیسے بول رہا تھا کہ مفتئ اعظم ہند کا وصال پہلے ہوگا اور برہان ملت کا بعد میں اسی لئے ایک طرف برہان ملت کی صحت کی بشارت خوشی بانٹنے لگی تو مفتئ اعظم کے وصال کا اشارہ، غم! آنے والے وقتوں نے دیکھا ویسا ہی ہوا جیسا مفتئ اعظم ہند نے فرمادیا تھا۔ اعلحضرت کی خلافت کے لئے ارباب علم وبصیرت کی نگاہیں دہلیز رضا پر مرکوز رہا کرتی تھیں، لوگ تمنا کرتے تھے کہ انہیں یہ دولت گراں مایہ مل جائے، اور یہ دولت جنہیں نصیب ہوئی ہے اہل جہاں انہیں خوش نصیب یقین کرتے ہیں۔ عالمی سطح پر یہ شرف صرف خانوادۂ صدیقی کو حاصل ہے کہ ایک ہی گھر میں اعلحضرت کے تین خلفاء درخشاں و تاباں ہیں۔

(۱) برہان ملت کے والد حضرت مولانا عبدالسلام (۲) برہان ملت کے چچا حضرت حافظ محمد بشیرالدین (۳) اور خود برہان ملت حضرت مولانا برہان الحق صدیقی۔

پروفیسر مسعود احمد صاحب مظہری تحریر فرماتے ہیں "یہ امتیاز صرف آپ کے خاندان کو حاصل ہے کہ آپ کے خاندان کی تین جلیل القدر شخصیات کو امام احمد رضا سے خلافت حاصل تھی اور آپ کے خاندان کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ امام احمد رضا کے خاندان کے باہر پہلے خلیفہ حضرت مولانا عبدالسلام عبدالسلام قادری ہوئے اور حضرت مفتی برھان الحق قادری آخری خلیفہ ہوئے جبکہ خاندان کے اندر یہ امتیاز صرف حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد حامد رضا خان قادری کو حاصل ہوا کہ وہ پہلے خلیفہ ہوئے اور حضرت مفتئ اعظم ہند محمد مصطفٰے رضا

قادری آخری خلیفہ ہوئے۔ (جذبات برہان،ص ۱۲)

اولاد:۔ حضرت برہان ملت کی اولاد میں تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد انوار احمد صدیقی ہیں جو کراچی پاکستان میں ہیں۔آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد محمود احمد صدیقی قادری ہیں جنہیں حضور مفتئ اعظم ہند سے بھی خلافت حاصل ہے،آپ ہی اس وقت خانقاہ سلامی و برہانی کے سجادہ نشین ہیں۔مفتئ اعظم مدھیہ پردیش کے لقب سے مشرف ہیں۔بزرگوں کے اخلاص وایثار کے امین،مرنجاں مرنج طبع کے حامل صوفی،خوش رو،خوش خو،اور خوش گو،پیر طریقت ہیں۔آپ کے تیسرے صاحبزادے حضرت مولانا حامد احمد صدیقی ہیں انہیں بھی ہر دو بزرگ سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔انہیں کے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم مشاہد رضا صدیقی ہیں جو ولی عہد آستانہ سلامی و برہانی ہیں۔حکمت جو اس خانوادے کا شاہ عبدالکریم صاحب ہی کے زمانے سے امتیازی شان رہی ہے،اس وراثت وامانت کے امین و وارث ان دنوں آپ ہی ہیں۔بہت بڑا مطب ہے جہاں صبح و شام مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔بزرگوں کا فیضان ہے کہ مایوس مریض بھی صحت وشفاء پارہے ہیں۔

وصال با کمال:۔ ۱۸/دسمبر ۱۹۸۵ء بعد نماز مغرب دل کا جانکاہ دورہ پڑا، سانسیں بہت تیز تیز چل رہی تھیں،ڈاکٹر آئے انہوں نے انجکشن لگائے مگر کرب و بےچینی بڑھتی گئی لٹایا جاتا تو فرماتے مجھے اٹھا کر بٹھا دو،مولانا حامد میاں! اپنے سینے پر سر مبارک رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے،زبان ولب برابر ذکر خدا میں مشغول تھے کہ یکا یک لبوں کی حرکت بند ہوگئی سانس رک گئی،اور سر ایک طرف جھک گیا،پورے گھر میں کہرام مچ گیا پھر ڈاکٹر آیا نبض دیکھی اور کہنے لگا "سب کچھ ہو گیا" اتنے میں آکسیجن کا سلینڈر آ گیا شہزادون نے کہا ڈاکٹر صاحب آکسیجن آ گئی ہے اب تو کچھ کیجئے ڈاکٹر نے کہا مولانا صاحب! اب تک دس منٹ گزر چکے ہیں اب کیا ہوسکتا ہے پھر ڈاکٹر خود ہی بول پڑا اچھا لاؤ کوشش کرتا ہوں اسنے نہایت ہی تیزی

سے آکسیجن لگائی اور سینے پر آہستہ آہستہ مالش شروع کر دی یکا یک ڈاکٹر کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور بے ساختہ بول اٹھا مالک نے آپ سب کی عائیں سن لیں دیکھتے ہی دیکھتے حضرت کو ایک ٹھسکہ لگا اور نبض جو ساکت تھی دھیرے دھیرے معمول پر آ گئی۔حضرت نے دعاء کا ورد کرتے ہوئے آنکھیں کھول یں گھر سے باہر تک خوشیوں کے دیپ جل گئے۔ڈاکٹر نے اٹھانے بیٹھانے سے سختی سے منع کر دیا تھا مگر حضرت ہر نماز کے وقت فرماتے کہ مجھے اٹھاؤ ، میں وضو کروں گا نماز پڑھوں گا ، ایسے میں انہیں روکنا سخت مشکل مرحلہ تھا مگر کسی نہ کسی عذر کو پیش کر دیا جاتا اور حضرت اچھا فرما کر خاموش ہو جاتے ، مگر تھوڑی دیر کے بعد اشارے سے نماز پڑھتے نظر آتے ، اسی حالت میں دس شبانہ روز گزر رے ، کبھی آکسیجن علاحدہ کی جاتی تو بیٹھ کر نماز ادا فرما لیتے ورنہ لیٹے لیٹے نمازیں ادا فرماتے رہے۔گیارھواں دن اطمنان سے گزرا مگر بارہویں شب کے اخیر حصے سے پھر غشی کے دورے پڑنے لگے جب اعلحضرت کی ارشاد فرمودہ دعاء پڑھی جاتی تو حضرت بھی شریک دعا ہو جاتے۔نماز مغرب کے بعد یٰسین شریف کی تلاوت شروع کی گئی ابھی مکمل بھی نہ ہو پائی تھی کہ ذکر و ورد کرتے ہوئے ۲۶/ربیع الاول ۱۴۰۵ھ ۲۰/دسمبر ۱۹۸۵ء شب جمعہ جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون آپ کے انتقال سے سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔حکومتی سطح سے دوروزہ ہڑتال کا اعلان کر دیا گیا بلا تفریق مذہب و ملت ہر قلب سوگوار اور ہر آنکھ اشکبار بنی ہوئی تھی۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

یہ وہ اساطین امت ، اکابرین ملت ہیں۔علم و ادب کا سرمایہ جن کی انتھک محنتوں ، بے لوث خدمتوں کی یاد ہمیشہ دلاتا رہے گا۔قوم و ملت کے لے جن کی زندگی وقف تھی ، بلکہ جن کے بار احسان سے ہمیشہ گردنیں جھکی رہیں گی۔ایک حضرت رضا بریلوی کے دبستان میں کتنی قسموں کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ ہر پھول سے مشام ملت معطر ہے ان سبھوں نے

اپنے مخصوص شعبۂ علم وفن اور حکمت وہنر سے وہ کچھ لالہ کاری کی ہے کہ زمانہ کے ہزار نشیب و فراز بھی ان پر دھول نہ ڈال سکیں گے۔ اور میں تو اسے حضرت رضا بریلوی کی ذکاوت وزیرکی، تدبر و دانائی اور دور اندیشی و نباضی سمجھتا ہوں کہ اپنے بعد کام کی رفتار سست نہ ہونے دی۔ جو شمع محبت انہوں نے فروزاں کیا تھا اس کی روشنی مدھم نہ ہونے پائے اس کا بھی آپ نے قبل از وقت ہی اہتمام و انتظام فرمادیا تھا۔ اور واقعی حلقۂ احباب وخلفاء و تلامذہ کی جو جمعیت آپ نے حوالۂ قوم وملت کیا تھا انہوں نے اپنے افکار وعمل سے ثابت کردیا کہ احمد رضا غروب ضرور ہوئے ہیں فنا نہیں ہوئے ہیں۔ جب تک لوگوں کے دلوں میں عشق مصطفیٰ زندہ ہے احمد رضا ہر عاشق مصطفیٰ کے قلب کی دھڑکن بنے رہیں گے۔ اور چوں کہ عشق مصطفیٰ کو زوال نہیں ہے۔ اس لئے احمد رضا کا نام اور کام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

بجتا ہے آج دین کا جو ساز دوستو
یہ بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو

۳۔ عشق مصطفےٰ

ایک ایسے دور سراپا جور میں جب کہ ملت ٹوٹنے، جٹنے، بکھرنے، سمٹنے کی اذیت ناک کشمکش میں مبتلا تھی۔ خیالات جدیدہ افکار قدیمہ کو دبوچ لینے کی فکر میں تھے۔ ایسے حال وماحول نے حضرت رضا بریلوی کو جو شدت احساس بخشا تھا اس نے آپ کے فکر وعمل کو دو آتشہ کردیا، نتیجہ یہ ہوا کہ تصورات ورجحانات کے مختلف چشمے آپ سے ابل پڑے۔ ان چشموں نے مل کر ایک عظیم جزیرے کی شکل اختیار کرلی جسے اہل محبت ودانش ''حدائق بخشش'' کے نام سے جانتے ہیں۔ ان کا نعتیہ دیوان محض نعتوں کا ایک مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ تحریک آزادی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس نے مسلمانوں کے دل دربار مصطفوی کی طرف پھیر دیئے (۳۵)......حضرت رضا بریلوی کی نظر میں ملت کی بقا کا یہی ایک طریقہ تھا کہ اس کے ویران دل میں سلطنت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قائم کردی

جائے۔ چنانچہ حضرت رضا بریلوی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی اجاگر کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی مسلمانوں میں جاگزیں کرنے کا عزم کیا اور اپنا سارا سوز و گداز، زہد و ورع، علم و فضل اور زبان و بیان سب کچھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہی مرکوز کر دیا۔ سنئے ان کے حرم سرا کی آواز، ؎

چھوڑ کے اس حرم کو آپ بن میں ٹھگوں کے آبسوں
پھر کہوں سر پہ دھر کے ہاتھ لٹ گئی سب کمائی کیوں
نخل سے چھٹ کے یہ حال ہوا
آہ ! او پتے کھڑکنے والے
قزاق ہیں سر پہ راہ گم ہے
اے شمع جمال مصطفائی

حضرت رضا بریلوی نے جو آوازۂ محبت بلند کیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پورے آفاق پر چھا گئی۔ عشق مصطفٰے کی ایک عظیم تحریک نے جنم لیا۔ ماحول نے مسکرا کر ایک نئی کروٹ لی۔ عظمت گم گشتہ کی بازیابی پر پورا معاشرہ مچل اٹھا۔ آج جہاں کہیں بھی حضور کے ذکر و تذکرے عشق محبت، آپ کی رفعت وعظمت، بلندی و برگزیدگی کے ترانے چھڑے ہوئے ہیں اگر اس کی تاریخی کڑی کا جائزہ لیا جائے تو اس کی لے میں حضرت رضا بریلوی کی لے ضرور آپ شامل پائیں گے۔ اس وقت بھی مسلمان تاریخ کے نازک ترین دور سے گذر رہے ہیں۔ اور ان کے امتیاز و تشخص پر ہر چہار جانب سے فکری اور عملی سطح پر منظّم انداز سے حملے کئے جا رہے ہیں ۔ ان سازشوں کا مقابلہ کرنے کی مختلف تدابیر مسلمانوں کے باشعور طبقے کی جانب سے اختیار کی جا رہی ہیں ۔ متعدد حلقے مسلمانوں کی کمزوری کا یہ علاج بتاتے ہیں کہ انہیں تعلیمی میدان میں آگے آنا چاہئے۔ کسی گوشے سے یہ آواز آتی ہے کہ مسلمان آگے بڑھ کر تجارت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اور کوئی ماہر صنعت یہ خیال

ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان اگر صنعتی انقلاب برپا کردیں تو وہ دوسری قوموں پر غالب آ جائیں گے کوئی جماعت توحید کا جھنڈا اس طرح بلند کرتی ہے کہ عظمت انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو نظر انداز کرنے لگتی ہے۔ کوئی فرقہ دعویٰ سنیت وحنفیت کے باوجود دنیوی مصالح کے تحت نجد کے خانہ ساز موحدین کو اپنا آقا ومولیٰ سمجھنے لگتا ہے کوئی گروہ دو چار چلوں اور گشتی قافلوں میں شریک ہو کر اپنے سامنے بڑے بڑے علماء ومشائخ کو ہیچ سمجھنے لگتا ہے۔ اور دین ودنیا کے بیشتر ضروری معاملات ومسائل سے لاتعلق ہو کر تسبیح کے دانوں میں الجھا رہتا ہے۔ کچھ رجسٹر برادر حلقے بزرگان دین کے نام پر اپنی دنیاداری کا بازار گرم رکھنے اور قبور صالحین کو غلط طریقے سے استعمال کرنے کو ہی اپنا وظیفہ زندگی بنائے ہوئے ہیں۔ کچھ برادران جماعت سارے اسلاف کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو کر اپنے بانی جماعت کی ذہنی غلامی میں اس طرح مبتلا ہو چکے ہیں کہ اس کی پیش کردہ ''حکومت الٰہیہ'' کے علاوہ انہیں کسی دوسرے موضوع سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ اور بے شمار نام نہاد دانشوران اسلام کا حال یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ فقہ اسلامی کی تشکیل جدید پر کمر بستہ نظر آتے ہیں اور دوسری طرف ان کا حال یہ ہے کہ عربی واسلامی علوم وفنون کی بس یوں ہی سی واقفیت ہے۔

ایسے عالم رستاخیز میں مجھے اسلام کے اس بطل جلیل اور محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس عاشق صادق کی یاد آتی ہے جو عشق مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کو صرف اپنے زخم جگر کا مرہم نہیں بلکہ غم کائنات کا بھی مداوا سمجھتا ہے اور مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود مسعود کو جان ایمان سمجھتا ہے۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اور جس کا حسن اعتقاد یہ ہے کہ مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ رحمت جس طرف اٹھ جائے اسی طرف خامۂ قدرت بھی چلنے لگے۔

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلمدان گیا

یاد محبوب کردگار کی حرارت وتپش کو جو سرمایۂ حیات اور ایسا کرب دلنواز اور درد مسرت انگیز تصور کرتا ہے کہ اس میں شب وروز اضافہ کی اس طرح تمنا کرتا ہے،

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

اور اسی نعمت کبریٰ کو سینے سے لگائے ہوئے آغوش لحد تک پہونچ کر وہ اسے اس طرح روشن ومنور کر ڈالتا ہے۔

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے (۳۶)

آپ کے عشق کی گہرائی کا اندازہ آپ کے اس فرمان سے بھی بخوبی ہوتا ہے'' اگر میرے جگر کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پہ لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسو ل اللہ لکھا ہوگا'' اب تک عاشقی کے باب میں لیلیٰ اور مجنوں کے ہی عشق کو سچے عاشق اور مثالی عشق کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے اور عشق کے انتہائی درجے میں اس کی مثال یہ دی جاتی رہی ہے کہ مجنون نے لیلیٰ سے اپنے عشق کی صداقت میں اپنے جسم کا گوشت پیش کر دیا تھا۔ مگر اب عشق صادق کی انتہا وہ نہیں ہے بلکہ اب عشق صادق کی انتہا یہ ہے کہ عاشق اپنے معشوق کی صداقت میں اپنا جگر پیش کر کے کہے اگر میرے جگر کے ٹکڑے کر کے دیکھو تو اس کے اندر بھی میرے معشوق کا نام لکھا ہوگا۔ کیوں کہ عشق کی انتہا معشوق کے عشق میں عاشق کا فنا ہو جانا ہے اور یہ اسی وقت ثابت ہوگا جب عاشق کے قول وعمل

سے اس کی ذات کی نفی ہوتی ہو، مجنون کے لیلیٰ سے عشق کی صداقت میں اپنے جسم سے گوشت کے دو چار ٹکڑے پیش کردینے سے اس کی ذات فنا نہیں ہوسکتی، مگر عشق مجسم اعلیٰحضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے اپنے معشوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت میں اپنا جگر پیش کردینے سے ان کی ذات فنا ہوسکتی ہے۔ کیونکہ انسانی جسم سے گوشت کے دو چار ٹکڑے کے نکل جانے سے حیات متاثر نہیں ہوتی۔ مگر انسانی جسم سے اگر جگر ہی نکل جائے یا اس کے ٹکڑے ہو جائیں تو حیات صرف متاثر ہی نہیں ہوتی بلکہ حیات ممات میں بدل جاتی ہے اور یہی فنا ہے جس کے بعد بقائے دائمی نصیب ہوتی ہے۔ امام عشق والفت حضرت رضا بریلوی نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق کی صداقت میں اپنا جگر پیش کر کے عاشقی کے باب میں ایک نئے اور مثالی عشق کا اضافہ فرمایا ہے اب عشق صادق کی انتہا کی مثال یہ نہیں دی جائے گی کہ عاشق اپنے معشوق کے عشق میں اپنے جسم کا گوشت پیش کردے بلکہ اب مثال یہ دی جائے گی کہ عاشق اپنے معشوق کے عشق میں اپنا جگر پیش کردے۔ حضرت رضا بریلوی کی زندگی کا اصل محور و مرکز بس حضور مرکز دائرہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ کی مقدس ذات تھی، اور قوم کے نام بھی آپ کا یہی پیغام تھا کہ ادھر ادھر جانے اور پھرنے سے تم فلاح نہیں پاسکتے۔ فوز و فلاح بس اس میں ہے کہ ان سے سچی محبت کی جائے۔ ان ہی کی محبت میں فرد و جماعت، ملک وملت سب کے لئے فلاح وسعادت کی ضمانت ہے، دیکھئے ان کے یقین کی کیفیات۔

لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا
سائلو دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا
بے نشانوں کا نشان مٹتا نہیں

مٹتے مٹتے نام ہوہی جائے گا

اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے

دل کو بھی آرام ہوہی جائے گا

بڑی مایوسی اور اضطرابی۔ وافراتفری کے عالم میں آپ نے ملت کوسنبھالنے کا عزم کیا تھا اور عشق رسول سے قریب ہونے کی دعوت دی تھی اور یہ سمجھانے میں اپنی زندگی صرف کر دی کہ عشق رسول ہی مدار ایمان اور اساس فکر وعمل ہے۔ جناب محمد ایوب صاحب نے بڑے موثر انداز میں حضرت رضا بریلوی کے جذبۂ عشق کا جائزہ لیا ہے۔فرماتے ہیں۔

............فاضل بریلوی کے دل میں عہد اولیں کی پاکیزہ، مطہر، اور نفیس وجمیل رسم محبت کے احیاء کی تمنا انگڑائیاں لے رہی تھیں۔

............اعلٰحضرت خوش نصیب تھے کہ انہیں علم دین مقام دل پر عطا ہوا تھا۔

............اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز نے زندگی کی حقیقی تعبیر کو پالیا (۳۷)

برصغیر کے معروف صاحب طرز انشاء پرداز علامہ ارشد القادری حضرت رضا بریلوی کے جذبۂ عشق، دینی وملی کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

''اس کے شام وسحر، شب وروز کا ایک ایک لمحہ دینی مہمات میں اس درجہ مصروف ہے کہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی اسے مہلت نہیں ملتی۔ اس کے حریم دل پر ہر وقت عشق بے نیاز کا پہرہ رہتا ہے ہزار انداز دلربائی کے باوجود آج تک خیال غیر کو باریابی کی اجازت نہیں مل سکی ہے۔اس کی نوک قلم کا ایک ایک قطرہ فکر واعتقاد کی جنتوں میں کوثر و تسنیم کی طرح بہہ رہا ہے۔اس کے خون جگر کی سرخی سے ویرانوں میں

دین کے گلشن لہلہا اٹھے ہیں۔اس کے عرفان و آگہی کی داستانیں چمن چمن میں پہنچ گئی ہیں۔اورلوح قرطاس سے گزر کراب اس کے علم و دانش کا چراغ کشور دل کے شبستانوں میں جل رہا ہے(۳۸)اس طرح حضرت رضا بریلوی نے اپنے سوز عشق اور محبت کی گرمی سے ماحول ومعاشرہ کوتحفظ افکار وکردار شخصیت سازی اور عشق مصطفےٰ جیسی لازوال اوربیش بہا جواہر پاروں سے ایسامتکیف ومتاثر کیا کہ اس کی اثر آفرینی آج بھی شباب پر ہے۔ان کی سیرت وحیات کا منصف کاری اس اعتراف میں ضرور انصاف کرتا ہے کہ ملت کو حضرت رضا بریلوی جیسی زندگی بخش حیات آفریں فلاح بداماں اورعہد ساز اشیاء کسی نے نہیں دی۔

حوالے

حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق نے ملت کو کیادیا؟

۱	تنقیدات وتعاقبات	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۲۷
۲	امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	ص ۵۷
۳	تنقیدات وتعاقبات	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	۲۹
۴	سوانح اعلیحضرت	مولانا محمد بدرالدین رضوی	۱۵۳
۵	وصایا شریف	مولانا حسنین رضا	ص ۳ تا ۵
۶	یادگار رضا بمبئی شمارہ	۱۴۲۷/۱۹۹۶ء	ص ۹۱
۷	امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات	مولانا یاسین اختر مصباحی	۱۸،۱۷
۸	حیات اعلیٰ حضرت، دیباچہ	ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری	ص ز
۹	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا خان	ص ۲۴۲
۱۰	خلفائے اعلحضرت	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	ص ۳۰۱
۱۱	حیات اعلیٰ حضرت	ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری	ص ۲۴۴
۱۲	جامع الحیثیات	ابوزہرہ رضوی	۲۷
۱۳	جہاں رضا، لاہور شمارہ ۳۹	اکتوبر ۱۹۹۴ء	ص ۱۳
۱۴	جہاں رضا، لاہور شمارہ ۳۹	اکتوبر ۱۹۹۴ء	ص ۱۲
۱۵	صدرالشریعہ نمبر ماہنامہ اشرفیہ شمارہ اکٹوبر نومبر	۱۹۹۵ء	ص ۲۷

۱۶	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا خان	ص ۲۶۸
۱۷	ملفوظات جلد اول	مفتی اعظم ہند مصطفےٰ رضا قادری	ص ۹۳
۱۸	ماہنامہ پاسبان۔امام احمد رضا نمبر	مارچ واپریل ۱۹۶۲ء	ص ۶۵
۱۹	ماہنامہ پاسبان۔امام احمد رضا نمبر	مارچ واپریل ۱۹۶۲ء	ص ۶۸
۲۰	دبستان رضا	مولانا یاسین اختر مصباحی	ص ۵۵
۲۱	ماہنامہ پاسبان امام احمد رضا نمبر	مارچ واپریل ۱۹۶۲ء	ص ۶۸
۲۲	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا پٹنہ	ص ۲۷۱
۲۳	//	//	ص ۲۷۱
۲۴	حیات اعلحضرت جلد اول	ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہار	ص ۵۱
۲۵	خلفائے اعلیٰ حضرت	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	ص ۱۵۹
۲۶	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا پٹنہ	ص ۱۸۱
۲۷	خلفائے اعلحضرت	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	ص ۱۶۴
۲۸	//	//	ص ۱۴۵
۲۹	//	//	ص ۱۴۶
۳۰	معارف، اعظم گڈھ فروری ۱۹۲۶ء	شذرات سید سلیمان ندوی	ص شذرات
۳۱	خلفائے اعلحضرت	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	ص ۱۴۷
۳۲	گنجہائے گرانمایہ	پروفیسر رشید احمد صدیقی	ص ۳۲
۳۳	//	//	ص ۳۰
۳۴	//	//	ص ۴۱
۳۵	فاضل بریلوی اور ترک موالات	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۴۹
۳۶	سواد اعظم	مولانا یاسین اختر مصباحی	ص ۵
۳۷	یادگار رضا سالانہ	بمبئی	ص ۸۲
۳۸	لالہ زار	علامہ ارشد القادری	ص ۱۴۶

حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق کے عہد مابعد پر "اثــرات"

اس کائنات کے پردۂ زنگاری سے نہ معلوم کتنی عظیم شخصیتوں نے جلوے دکھائے ہیں۔ اس پھیلی ہوئی زمین پر نہ معلوم کیسے کیسے جیالے افراد نے نازک خرامی کی ہے۔ کائنات کی اس وسیع وعریض فضا میں نہ معلوم کیسی کیسی ہستیوں کے قوت وفکر عمل نے اجالا کیا ہے۔ تاہم ان میں کتنی شخصیتیں اور کتنے افراد ہیں جنہیں زمانہ نے یاد رکھا ہے یا کائنات کے دامن پر جن کے انمٹ اثرات ونقوش ہیں...... پردۂ عدم میں چھپ جانے کے بعد بھی ان کی یادوں سے محفل محفل جگمگا رہی ہو۔ ان کا نام آتے ہی عقیدتوں کے بوجھ سے پیشانی جھک جاتی ہو۔ ان کے ذکر وتذکرے سے وادی وادی گونج رہی ہو جن کی یاد آنکھوں کا نور اور جن کی بات دل کا سکون بن کر چھا جاتی ہو۔ جو چھپ کر بھی جلوہ نما ہو۔ جو جا کر بھی اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہو اگر دفینۂ کائنات میں کچھ ہستیاں ایسی ہیں اور یقیناً ہیں تو ان کی فہرست میں حضرت رضا بریلوی کا نام بھی روشن اور نمایاں ہے۔

وہ چھپ گئے مگر جلوہ نما ہیں۔ وہ چلے گئے مگر موجودگی کا احساس چھوڑ گئے۔ بظاہر وہ اب ہم میں نہیں ہیں مگر علم وفن کا وقار، اور عشق واخلاص کا خمار بانٹ رہے ہیں۔ ایمان و اعتقاد کی زلف برہم کے لئے آج بھی ان کے بنائے ہوئے نقوش رحمت کونین کا پتہ دے رہے ہیں۔

ان کی مقدس ذات سے علوم و معارف کے پھوٹتے ہوئے چشموں اور حکمت و دانائی کے بہتے ہوئے دریاؤں سے بالواسطہ یا بغیر واسطہ اپنی روحانی و فکری پیاس بجھانے والے علمائے کرام، صوفیائے عظام اور دانشوران قوم و ملت کی اتنی لمبی قطار ہے کہ فہرست بنانا مشکل ہے، .... بہت قریب سے آپ کی جلوت و خلوت کا مشاہدہ کرنے والے حضرت مولانا حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

> ''اعلیحضرت کا جب دور شروع ہوا تو معیار علم دین گھٹ چکا تھا، مگر علم کے طلب گار بہت بڑھ چکے تھے، اور علوم آلیہ (ریاضی، فلسفہ، اقلیدس) کی طرف لوگوں کا رجحان زیادہ تھا اور علمائے اسلام ان علوم سے نا آشنا ہو چکے تھے۔ اسکولوں، کالجوں، میں ان علوم کی لازمی تعلیم تھی۔ عام طور پر یہ خیال ہو چکا تھا کہ اسلام ان علوم سے بے بہرہ ہے۔ ایسے وقت میں رب العزت نے اپنے ایک بندے کو تمام حلم و علم کا ماہر کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا، اور اس کو مروجہ و غیر مروجہ، عالیہ اور آلیہ تمام علوم میں ایسی مہارت عطا کی کہ ان علوم کے بارے میں مسلمانوں کی نیچی نگاہیں بہت بلند ہو گئیں۔ اور مسلمانوں کو موقع مل گیا کہ دنیا کو چیلنج کریں کہ اسلام اور مسلمان کسی علم میں کسی سے کم نہیں رہے۔ (۱)

علوم و افکار کی بہتات و کثرت، زہد و اتقاء کی رنگا رنگی، اور اخلاص عمل کی فیض گستری نے انہیں وہ مقام بخشا کہ اسلامی دنیا نے انہیں اپنے سر پر اٹھا لیا۔ قوم نے انہیں اپنے سر کا تاج بنا لیا۔ ملت نے اپنے کلاہ افتخار کا طرہ سمجھ کر وہ عظمت عطا کیا کہ بلندیاں بھی اپنی قسمت پر ناز کرنے لگیں۔ آج ان کے نام کی نسبت کسی بھی ادارے اور کام کے لئے اعتبار و وقار کا مقام رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''رضا'' نام کے سینکڑوں ادارے، مساجد اور

جامعات، مدارس اور تربیت گاہیں صرف اسی اپنے ملک ہندوستان میں موجود ہیں۔ دوسرے ملکوں کی تو بات الگ رہی ۔ رضا بریلوی زندہ ہیں، خانقاہوں اور دانشگاہوں میں ۔ رضا بریلوی زندہ ہیں مدارس و مساجد میں، رضا بریلوی زندہ ہیں، کتب و رسائل میں ۔ رضا بریلوی زندہ ہیں ۔فکروفن کی حریم ناز میں ۔ رضا بریلوی زندہ ہیں عشق رسالت کے سوز و ساز میں رضا بریلوی زندہ ہیں علوم جدیدہ وقدیمہ کی نازک خیالوں میں غرض کہ ان کے دور کی کسی بھی شخصیت کو عظمت کا وہ منصب نہ مل سکا جو آپ کو حاصل ہے۔مولانا ابوالکلام آزاد اس دور میں سیاست و مذہب کے افق پر چمکنے والے سورج کا نام ہے۔مگر آج نہ وہ سورج رہا نہ وہ روشنی اور نہ پروانوں کا ہجوم،لیکن احمد رضا کا آفتاب غروب ہو کر بھی افق درافق ضیابار ہے کراں تا بہ کراں روشنی لٹا رہا ہے۔گھر گھر عشق رسول کی سوغات پہنچا رہا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر جمال الدین اسلم حضرت رضا بریلوی اور مولانا آزاد کے افکار کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''برصغیر میں نیشنلسٹ آزاد کو تغافل اور اہلسنت کے علمبردار احمد رضا کو بقائے دوام نصیب ہوا......امام الہند کا احترام کیا جاتا ہے ان کی پیروی یا تقلید نہیں کی جاتی...... امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں کو زندگی میں بھی اور بعد وفات بھی لاکھوں کی تعداد میں پیرو ملے......فاضل بریلوی امام اہلسنت بن کر مخصوص ہو گئے۔(۲)

حضرت رضا بریلوی کا یہ فیضان محبت ہے کہ جدھر دیکھئے ادھر ہی ان کے پیغام کے پھریرے لہراتے نظر آرہے ہیں۔خصوصاً برصغیر کی دینی،علمی،روحانی فضا مدرسہ،مسجد، خانقاہ،ان کے ذکر واذکار کے جاں بخش ترانوں سے گونج رہی ہے کل انہوں نے کہا تھا۔ ؎

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ میرے دھوم مچانے والے

آج ان کے دیوانوں نے وہ دھومیں مچادی ہیں کہ در و بام جھومنے لگے ہیں تعلیمی، تصنیفی، دعوتی اور اشاعتی اداروں کے ذریعہ ان کی زریں خدمات پر وقت کی پڑی ہوئی غبار کی تہوں کو ہٹایا جا رہا ہے۔ سورج چمکنے لگا ہے روشنی پھیلنے لگی ہے۔

ہندو پاک کے وہ تعلیمی ادارے جو حضرت رضا بریلوی کے مسلک و مشن کی تبلیغ و توسیع میں سرگرم ہیں ان کی خاص طویل فہرست ہے۔ ان میں سے چند جن میں بعض کی خدمات واثرات عالمگیر اور بعض کی ملک گیر ہیں کے اسماء یہ ہیں۔

☆	دارالعلوم منظر اسلام	بریلی، یوپی
☆	دارالعلوم مظہر اسلام	//
☆	جامعہ نوریہ رضویہ	//
☆	الجامعۃ الاشرفیہ	مبارکپور یوپی
☆	دارالعلوم غریب نواز	الہ آباد یوپی
☆	الجامعۃ الاسلامیہ	روناہی یوپی
☆	جامعہ علیمیہ	جمداشاہی یوپی
☆	جامعہ فیض العلوم	جمشید پور بہار
☆	جامعہ قادریہ، مقصود پور	مظفر پور بہار
☆	دارالعلوم فیض الرضا ددری	مظفر پور بہار
☆	دارالعلوم فیض الاسلام	کیٹکال ایم پی
☆	دارالعلوم نوری	اندور ایم پی
☆	جامعہ امجدیہ رضویہ	ناگپور مہاراشٹر
☆	جامعہ حضرت ٹیپو سلطان	سری رنگ پٹن میسور
☆	دارالعلوم تاج الاسلام	شانتی نگر میسور

☆	دارالعلوم رضائے حق	ردولی، سیتامڑھی، بہار
☆	دارالعلوم محبوب سبحانی	بمبئی مہاراشٹر
☆	دارالعلوم خیریہ نظامیہ	سہسرام بہار
☆	دارالعلوم محمدیہ	بمبئی مہاراشٹر
☆	جامعہ عربیہ رضاء العلوم	خیرانی روڈ ممبئی
☆	دارالعلوم فیضان مفتی اعظم	پھول گلی ممبئی
☆	دارالعلوم غوثیہ	ہبلی کرناٹک
☆	دارالعلوم شاہ جماعت	ہاسن کرناٹک
☆	سنی دارالعلوم محمدیہ کوٹے باگل	موڈبیدری''
☆	جامعہ حضرت بلال	بنگلور کرناٹک
☆	دارالعلوم اہلسنت قادریہ ربانیہ	بنگلور
☆	جامعہ قادریہ مدینۃ العلوم	بنگلور
☆	جامعہ نظامیہ رضویہ	لاہور پاکستان
☆	جامعہ امجدیہ	کراچی پاکستان
☆	جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء	ذاکر نگر دہلی
☆	مرکز الثقافیہ السنیہ	کالی کٹ کیرلا
☆	جامعہ حنفیہ غوثیہ	جنگ پوردھام نیپال

صرف ادارے کی فہرست ہی اگر مرتب کی جائے تو اتنے صفحات صفحات پر پھیل جائے گی جو کئی جلدوں کو محیط ہوگی۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (شعبۂ تقابل ادیان ہمدرد یونیورسٹی دہلی) کی زیر نگرانی، رضوی کتاب گھر دہلی ہر سال ان کی باضابطہ فہرست شائع کر رہا ہے بعض اداروں نے اسے کتابی

شکل میں بھی شائع کر دیا ہے۔ چوں کہ رفتار زمانہ کے ساتھ اداروں میں بھی ہر سال اضافہ ہو رہا ہے جدید تقاضوں سے مزین نئے نئے مدارس منصہ شہود پر آ رہے ہیں۔ اس لئے اس کی کوئی آخری فہرست ممکن نہیں۔

یہ تو تھیں خالص دینی علمی مدارس و جامعات کی باتیں ان کے سوا اور بھی بہت سے ادارے ہیں جو دعوت و ارشاد، تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت میں اپنی مساعی جمیلہ سے نئے نئے چاند و سورج کھلا رہے ہیں۔ جنہوں نے رضویات پر کام کا وہ بڑا اٹھایا اور وہ کچھ کر دکھایا جس کی وقت اور زمانے کو ضرورت تھی۔ جن کی چمک دمک اور جن کا طنطنہ و دھمک اب پوری دنیا محسوس کر رہی ہے۔ اور اس طرح حضرت رضا بریلوی کا مشن ''عشق رسول'' کا بول بالا اس کی بالا دستی ارتقاء پذیر بلکہ آفاق گیر دیکھی جا سکتی ہے۔ ایسے تصنیفی اشاعتی ادارے بھی اب کافی تعداد میں وجود میں آ چکے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یوں ہیں۔

☆ رضا اکیڈمی — بمبئی مہاراشٹر
☆ المجمع الاسلامی — مبارکپور یوپی
☆ الرضا اسلامک مشن — بریلی شریف
☆ رضا فاؤنڈیشن — لاہور پاکستان
☆ القلم فائنڈیشن — پٹنہ بہار
☆ نوری فاؤنڈیشن — خیرانی روڈ، ممبئی
☆ آل ورلڈ اسلامک مشن — لندن برطانیہ
☆ ادارہ لوح و قلم — مظفر پور بہار
☆ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا — کراچی پاکستان
☆ ادارہ افکار حق — پورنیہ بہار
☆ مرکزی مجلس رضا — لاہور پاکستان

☆	سنی یوتھ فیڈریشن	بمبئی مہاراشٹر
☆	رضا اکیڈمی	اسٹاک پورٹ یو کے
☆	آل کرناٹک سنی علماء بورڈ	بنگلور کرناٹک
☆	رضا فاؤنڈیشن	بنگلور کرناٹک
☆	رضا اسلامک مشن	جوتی نگر میسور
☆	سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل	ڈرپن جنوبی افریقہ
☆	دعوت اسلامی	ناگپور مہاراشٹر
☆	سنی دعوت اسلامی	بمبئی مہاراشٹر
☆	تحریک فکر رضا	بمبئی مہاراشٹر
☆	سنی یوتھ فیڈریشن	ڈربن جنوبی افریقہ
☆	امام احمد رضا مومنٹ	بنگلور کرناٹک
☆	رضا دارالمطالعہ	پوکھریرا بہار
☆	ادارہ شرعیہ پٹنہ	بہار
☆	ادارہ شرعیہ مہاراشٹرا	ممبئی
☆	ادارہ شرعیہ کرناٹک	بنگلور

یہ بات بڑی خوش آئند ہے صرف پاکستان میں ایسے اداروں کی تعداد نومبر ۱۹۹۶ء تک کی سروے کے مطابق ۱۱۴ ر ہے۔(۳)

اوران کے علاوہ بہت سے ادارے دنیا کے مختلف ملکوں میں موجود ہیں جو اپنی اپنی صبح وشام حضرت رضا بریلوی کے نام وقف کئے ہوئے ہیں۔ان اداروں نے اپنے ایثار وخلوص، جذبۂ دینی وملی، ولولہ اسلامی وایمانی سے قوم وملت کو آبرومندانہ زندگی دلانے کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے ہیں، اور دے رہے ہیں۔جن کی ہر

کوشش لائق صد ستائش ہے۔

بہت سے رسائل و جرائد بھی ہیں جو رضا بریلوی کے پیغام اپنے دامن میں سجا کر گلیوں اور کوچوں میں پھیلا رہے ہیں۔ ذہن و دماغ بنا رہے ہیں۔ قلوب کی تسخیر کر رہے ہیں۔ ان کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

☆	ماہنامہ جہاں رضا	لاہور پاکستان
☆	ماہنامہ اعلحضرت	بریلی یوپی
☆	ماہنامہ کنز الایمان	دہلی
*	ماہنامہ جام نور	دہلی
☆	ماہنامہ سنی دنیا	بریلی یوپی
☆	ماہنامہ اشرفیہ	مبارکپور یوپی
☆	سہ ماہی، نور ونظر	بنگلور کرناٹک
☆	سہ ماہی رفاقت	پٹنہ
☆	ہفت روزہ مسلم ٹائمز	بمبئی مہاراشٹر
☆	سہ ماہی سنی آواز	ناگ پور مہاراشٹر
☆	سہ ماہی افکار رضا	بمبئی مہاراشٹر
☆	سہ ماہی الکوثر	سہسرام بہار
☆	سالنامہ پیغام رضا	پوکھریرا
☆	ماہنامہ سیارگان	ممبئی
☆	ماہنامہ اہل سنت	جمداشاہی

ان تمام تعلیمی، تصنیفی، دعوتی اور اشاعتی اداروں کی انتھک کوششوں اور پیہم جانفشانیوں ہی کا نتیجہ ہے کہ صرف پچیس سال میں کتنے آفاق فتح ہوئے ہیں، کتنی زمینیں

رضوی قلمرو میں شامل ہوئی ہے۔ کتنے آسمان پر کہکشاں سجی ہے۔ کتنے ذہن کی آبیاری ہوئی ہے۔ نہ معلوم کتنے قلوب عشق مصطفےٰ کی جلوہ سامانیوں سے آباد ہوئے ہیں ......حضرت رضا بریلوی کی زندگی کے اہم علمی، فکری گوشوں، دینی اسلامی کارناموں قوم وملت سے ان کی ہمدردیوں، اصلاح فکر اعتقاد کے لئے ان کی شبانہ، یومیہ محنتوں پر معرکتہ الآرا مقالات ومضامین، اور مستند کتابوں کا وسیع وعظیم ذخیرہ ارباب علم ودانش کے سامنے پیش کردیا ہے۔ ہرانداز سے کام ہورہا ہے اور ہر زبان میں پیش کرنے کی کوشش جاری ہے...... رضا اور رضویات پر اب تک کتنے کتب ومقالات لکھے جا چکے ہیں۔ کام کتنا ہوا ہے۔ کام کی نوعیت اور رفتار کیا ہے۔ اس کی بالکلیہ اور قطعی فہرست تو مشکل ہے البتہ وقفے وقفے سے جو کوششیں ہوئی ہیں اس سے نتیجہ نکالنا آسان ہوگیا ہے۔ غالبًا سب سے پہلے ماہنامہ المیزان بمبئی نے اپنے تاریخ ساز دستاویز ''امام احمد رضا نمبر'' میں ۵۴ ر کتب ورسائل کی فہرست شائع کی تھی۔ ''جہاں رضا'' لاہور کے نومبر، دسمبر ۱۹۹۶ء کے شمارے میں جناب زین الدین ڈیروی نے عمیق محنت ولگن سے کتب ورسائل ہی پر مشتمل ایک وقیع مقالہ سپرد قرطاس کیا ہے جس میں انہوں نے ۳۳۲ ر کتابوں کی فہرست شائع کی تھی ......موصوف نے ہی اپنی کوششوں کو آگے بڑھایا اور جنوری ۱۹۹۷ء کے شمارے میں اس تعداد کو ۱۰۵۷ء تک پہنچادیا موصوف کا وہ مقالہ باریک قلم سے ۲۸ ر سے صفحہ ۲۷ ر تک یعنی ۴۴ ر صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور ارباب دانش وبینش کو ضیافت مطالعہ دے رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رضا بریلوی پر کام کی اصل تحریک پاکستان ہی سے چلی، ۱۹۶۸ء میں حکیم اہلسنت محمد موسیٰ امرتسری نے لاہور میں مرکزی مجلس رضا کی داغ بیل ڈالی اور کام شروع کیا۔ چند ہی سالوں میں وہ تحریک عالم اسلام میں پھیل گئی نئے نئے قلم کار تصنیف وتالیف کے میدان میں قدم رکھتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں ادارے اور انجمنیں وجود میں آگئیں، نت نئے انداز میں کیفیات وتجلیات رضا کو سمیٹا جانے لگا۔ یوں

تو بڑی بڑی ٹیم اب اس مہم کو سر کر لینے کے لئے میدان میں اتر چکی ہے تاہم تحریرات رضا سے روح مضمون کی کشید، مضامین میں تنوع، رنگا رنگی، تحقیقی معیار، جدید تقاضائے تنقید کا لحاظ، اور سنجیدہ و شگفتہ لب و لہجے کے قالب میں افکار رضا کو ڈھالنے کا سہرا مسعود ملت ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری صاحب کے سر جاتا ہے۔ موصوف بلا شبہ ''ماہر رضویات'' جیسے عظیم لقب کے مستحق ہیں۔ اور رضویات کی شاہرہ کے رہبر و رہنما ہیں...... اسکول و کالج کے اساتذہ اور یونیورسیٹیوں کے مفکرین نے جب سے کام کا بیڑہ اٹھایا ہے ایک ہلچل سی مچ گئی۔ علوم و فنون میں آپ کی ہمہ جہتی مہارت کی تابشوں سے جیسے رضویات کی کہکشاں بنتی چلی جارہی ہے۔ یہاں تک کہ ایران، اردن، پاکستان، فرانس وغیرہ سے عربی، فارسی، اردو، فرانسی، انگریزی زبانوں میں شائع ہونے والے انسائیکلو پیڈیا ز میں حضرت رضا بریلوی پر تحقیقی مقالات شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں...... یونیورسیٹیوں میں آپ پر تحقیق کی ہماہمی کو دیکھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ۔ ع

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری کی تحقیق کے مطابق حضرت رضا بریلوی کے حالات و افکار اور تصانیف پر مندرجہ ذیل یونیورسیٹیوں میں سات فضلاء ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں۔

☆	کولمبیا یونیورسیٹی	امریکہ
☆	ہندو یونیورسٹی	بنارس، بھارت
☆	پٹنہ یونیورسٹی	بہار بھارت
☆	کان پور یونیورسٹی	یوپی بہار
☆	روہیل کھنڈ یونیورسٹی	بریلی بھارت
☆	میسور یونیورسٹی میسور	بھارت

☆	کراچی یونیورسٹی	پاکستان
☆	سندھ یونیورسٹی	پاکستان
☆	بہار یونیورسٹی	مظفر پور

حضرت رضا بریلوی دنیا کی وہ واحد شخصیت ہیں جن کے مختلف پہلوؤں پر دنیا کی بیس سے زیادہ یونیورسیٹیوں میں کام ہوا اور ہو رہا ہے۔حضرت رضا بریلوی کی شاعری پر مندرجہ ذیل یونیورسیٹیوں سے بعض فضلاء ایم،فل اور پی،ایچ،ڈی کر چکے ہیں اور کچھ تحقیق میں مصروف ہیں۔

☆	برمنگھم یونیورسٹی	انگلستان
☆	پنجاب یونیورسٹی	پاکستان
☆	روہیل کھنڈ یونیورسٹی	بھارت
☆	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	بھارت
☆	عثمانیہ یونیورسٹی	بھارت
☆	کلکتہ یونیورسٹی	بھارت
☆	میسور یونیورسٹی	بھارت (۴)

یہ رپورٹ ۱۹۹۵ء تک کے جائزے تک ہی محیط ہے۔اس عرصے میں کئی فضلاء آگے بڑھے ہیں۔دیگر کچھ حضرات کام میں مصروف اور کچھ لب بام پہنچ جانے کی خوشی میں مست و مگن ہیں۔

حضرت رضا بریلوی کے وصال کو آج جب کہ پون صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا مگر لگتا ہے کہ جس طرح وہ اپنی حیات ظاہری میں پورے عہد پر چھائے ہوئے تھے۔آج بھی چھائے ہوئے ہیں اور علم و فضل کے آفاق سے گھٹا بن کر برس رہے ہیں۔بلکہ آج تو اس سے کہیں بڑھ کر ان کے کارناموں کو سراہا اور ان کی تحقیقات علمیہ سے استفادہ کیا جا رہا

ہے۔ جو بھی ان کے تحقیقی شہ پاروں کا دیانت ومتانت کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے ان کے وفور علم اور جذبۂ خلوص کو داد دیئے بغیر نہیں رہتا آج کے تحقیقی دور میں تو بہت زیادہ ضرورت ہے کہ ان کی تخلیقات سے قربت ومحبت پیدا کی جائے اس لئے کہ علم کی جو طمطراقی اور فکر ونظر کی جو ولولہ خیزی ان کے یہاں ہے بہت دور تک اس کی مثال عنقاء ہے۔ بلکہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی خطیب وامام شاہی مسجد فتحپوری دہلی کا خیال تو یہ ہے کہ

> ''آج کل کے محقق اور ریسرچ اسکالر اگر اپنے مضامین کی تدوین سے پہلے مولانا کی تصانیف کو پڑھ لیں۔ تو کافی حد تک یہ اسکالرز اپنے گائیڈس یا سپروائزرس سے بے نیاز ہو کر کام کرنے کے قابل ہو جائیں گے''۔(۵)

شاید یہی وجہ ہے کہ جامعات کے مدبرین۔ کالجز کے اساتذہ، اور دیگر علمی و ادبی اداروں کے دیدہ وروں نے حضرت رضا بریلوی کی علمی عظمت اور قد آور شخصیت کے اعتراف میں حضرت رضا بریلوی کا کلام اور نام وکام انسا ئیکلو پیڈیاز میں شامل کیا ہے، کروایا ہے۔ اور اس تعلق سے بڑی روشن خدمات انجام دے رہے ہیں۔

> بقول ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی کی اردو نصاب کمیٹی کے کنویز پروفیسر نواب حسین خاں نظامی (شعبہ اردو بریلی کالج بریلی) کی ذاتی کوشش سے پہلی مرتبہ ایم، اے اردو کے پہلے پرچے میں امام احمد رضا خاں بریلوی......کی نعتیں شامل کی گئیں۔ عرصہ ہوا سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں ایم اے اردو کے نظم کے پرچے میں پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کی کوشش سے امام احمد رضا خان کا نعتیہ قصیدہ شامل کیا گیا۔ پروفیسر نواب حسین خاں نظامی نے ایک اور اہم کام یہ کیا کہ ایم، اے اردو کے ساتویں پرچے میں جو

مصنف کے مطالعے کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔امام احمد رضا کا نام
شامل کرایا...... پروفیسر نواب حسین خاں صاحب کی نگرانی میں سید
مجیب اللہ، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا (فرزند اصغر حضرت رضا
بریلوی) شخصیت وفن کے عنوان پر ڈاکٹریٹ کے لئے تحقیق کرار ہے
ہیں۔اس کے علاوہ امام احمد رضا کے والد ماجد مولانا محمد نقی علی خاں کی
حیات اور ادبی کارناموں پر بھی تحقیق کرر ہے ہیں...... بریلی کالج کے
شعبہ عربی کے انچارج پروفیسر محمود حسین بریلوی نے امام احمد رضا کے
عربی آثار پر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے ایم،فل کیا۔اور پروفیسر ڈاکٹر
عبدالہادی ندوی نے موصوف کی نگرانی فرما کر عدل گستری اور
وسعت قلبی کی روشن مثال قائم کی۔پروفیسر محمود حسین بریلوی نے
عربی کے ڈپلوما کورس میں تحقیق کے لئے نصابی شخصیات میں امام احمد
رضا کا نام شامل کرایا۔(۶)

یہ وہ زندہ وجاوید اثرات ہیں جن کی ضوفشانیاں اب عالمی جامعات کو اپنی طرف متوجہ کررہی ہے شخصیات متاثر ہورہی ہیں۔نئے مستقبل کی تعمیر کا آغاز ہورہا ہے۔اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ان کے علمی اور تحقیقی کارنامے اس لائق ہیں کہ لوح سیمیں پر قلم زریں سے لکھا جائے۔تاہم ان تمام کارناموں سے ہٹ کر ان کا ایک اور کارنامہ بھی ہے جو تمام کارناموں کا سرمایہ ہے اور وہ ہے۔''عشق رسول کا تحفظ'' ان کی تمام عمر مذہبی محاذ پر جہاد بالقلم کرتے ہوئے گذری اور چوں کہ انہیں اپنے مشن کی صداقت پر کامل یقین تھا لہٰذا اس معاملے میں انہوں نے کسی کی رعایت نہیں کی۔تحریک وہابیت ان کے خیال میں خالص عجمی تحریک تھی۔جو اسلام کے اصل اصول یعنی عشق رسول کے خلاف ایک بڑی سازش تھی انہوں نے اس تحریک کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھا اس کے خوفناک عواقب کا تجزیہ کیا۔

پھر کیا تھا اپنے تمام علمی فضل و کمال اور عملی جاہ وجلال کے ساتھ ہر ایسی تحریک کے سامنے ڈٹ گئے۔ اپنے پورے وجود کو داؤ پر لگا دیا مگر قوم وملت کی کشتی کو بدعقیدگی کے دلدل میں پھنسنے سے بچالیا۔ بہکتے ہوئے قلوب کوسنبھالا اور ڈگمگاتے ہوئے قدم کو صراط مستقیم عطا کیا۔ سید غوث علی شاہ، سابق وزیر اعلیٰ سندھ پاکستان تحریر فرماتے ہیں۔

''وہ ایک سچے عاشق رسول تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ مسلمانوں کے دلوں میں محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع روشن کرنا ہے۔ اور آج برصغیر پاک وہند میں، بلکہ سارے عالم اسلام میں انہیں کی کاوشوں کا فیض ہے کہ ہر مسلمان کا دل حب رسول کے کیف سے سرشار اور سینہ نور محمدی سے منور ہے۔''(۷)

یہ ان کا زندہ وتابندہ احساس ہے کہ انہوں نے چراغ عشق بجھنے نہ دیا، دولت ایمان لٹنے نہ دی۔ ان کے زمانے میں جیسی گستاخیٔ خدا و مصطفے سے لبریز کتابیں مارکیٹ میں آنے لگی تھیں، یہ انہیں کی غیرت عشق کی آواز اور مجاہدانہ للکار کا اثر ہے کہ بعد کے دور میں یہ سلسلہ ٹوٹا، اور حالت یہ ہے کہ آج لوگ بارگاہ رسالت میں بے ادب ہونے سے جھجکتے ہیں۔ دلوں میں احترام وعقیدت کے بند سوتے پھر سے جاری ہوئے ہیں۔ اور محبت کا ماحول بنا ہے۔ حضرت علامہ عبدالحمید صاحب شیخ الجامعۃ حیدرآباد دکن رقم طراز ہیں۔

''مولانا احمد رضا خانصاحب سیف الاسلام اور مجاہد اعظم گذرے ہیں، اہلسنت و جماعت کے مسلک وعقائد کا ایک مضبوط قلعہ تھے، آپ کا مسلمانوں پر احسان عظیم یہ ہے کہ ان کے دلوں میں عظمت و احترام رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے امت کے ساتھ وابستگی برقرار ہے۔ خود مخالفین پر بھی اسکا اچھا خاصا اثر پڑا اور ان کا گستاخانہ لب ولہجہ درست ہوا۔ (۸)

تقریر ہو یا تحریر، دعوت ہو یا تبلیغ برسر عام گستاخی کا جولب ولہجہ تھا اس میں بدلاؤ

اور بے باکی کا جو رویہ تھا اس میں ٹھہراؤ آرہا ہے۔ اپنی نجی مجلس میں کوئی چاہے جس شیوہ کو پسند کرے۔ جس انداز میں رہے اور جس طرح بولے مگر عمومی اجتماعات احتیاط کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں۔ ماضی کی مابہ النزاع چند کتابوں کو چھوڑ کر آج جو کتاب منظر عام پر آرہی ہے اس میں بیشتر میں ایمان کے اصل الاصول محبت رسول کا پیغام دیا جارہا ہے اپنے اسلاف کی روش سے بے اعتنائی کتنی سودمند ثابت ہوگی۔ یہ تو آنے والا وقت ان کو بتلائے گا۔ یہاں ہم دکھانا یہ چاہتے ہیں کہ حضرت رضا بریلوی نے ان گستاخانہ تحریرات کے خلاف جو تحریک چلائی تھی۔ جو مجاہدانہ یلغار کیا تھا۔ صحرا میں جو صدا آپ نے بلند کی تھی جو نعرۂ مستانہ لگایا تھا اس کی بازگشت اب اچھی طرح سنی جاسکتی ہے۔ آپ کے خلفاء و تلامذہ احباب واعزا نے اس نعرہ کو صرف کلیجہ سے لگایا ہی نہیں بلکہ اکناف عالم میں پھیلانے کی سعی بلیغ فرمائی نتیجہ یہ ہوا کہ عظمت وشان مصطفےٰ سے دنیا واقف ہوئی۔ محبت کی فضا بنی اور ایک نیا ماحول فرسودہ خیالات کے دریچہ پر دستک دینے لگا۔ یہ حقیقت ہے کہ دینا میں جہاں کہیں بھی جمال نبوت کے فدائی اور کمال رسالت کے شیدائی موجود ہیں ان کے طاق دل پر حضرت رضا بریلوی کا نام بھی جلوہ آرا ہے۔ بلکہ یہ انہیں سے حسن عقیدت کا سعادت بخش انجام ہے کہ ذہن وفکر سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت والفت سے مملوو مزین ہے رسول کی محبت کے لئے رضا کی عقیدت اب لازمی ہو چکی ہے۔ دوسری جگہوں کا تو خیر کہنا ہی کیا ہے۔ خود اشرف البلاد حرمین شریفین میں جو حضرت رضا بریلوی سے حسن عقیدت کے گلشن آباد ہیں، آپ کے ذکر وتذکرے کی جو تجلیات ہیں۔ وہ دیدۂ عبرت سے پڑھنے اور گوش شنوا سے سننے کے لائق ہیں ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء میں مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدرس مدرسہ عربیہ اشرف العلوم گھوڑا مارا، راجشاہی، بنگلہ دیش۔ زیارت حرمین شریفین کے لئے حاضر ہوئے۔ موصوف نے اس سفر کے حالات وواقعات ایک سفر نامے کی صورت میں ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ مولانا مفتی سعد اللہ مکی فرماتے

تھے کہ بلادعرب میں عموماًاورحرمین شریفین میں خصوصاًعلمائے کرام جس قدر فاضل بریلوی سے واقف ہیں خود ہندوستان کے لوگ نہیں۔ چنانچہ آپ نے بطور آزمائش مولانا غلام مصطفٰے مذکورکوان کے رفقاء کے ساتھ مولانا سید محمد علوی مالکی کی خدمت میں بھیجا جواس وقت مکہ معظّمہ میں قاضی القضاۃ تھے۔موصوف کے والدحضرت رضا بریلوی کے ہم عصر تھے یہ حضرات ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا غلام مصطفٰے نے اپنا اور رفقاء کا تعارف کرایا۔نحن تلامیذ تلامیذ اعلحضرت مولانا احمد رضا خاں الفاضل البریلوی رحمتہ اللہ، اتنا سننا تھا کہ مولانا سید محمد علوی سروقد کھڑے ہوگئے اورایک ایک سے معانقہ فرمایااور پھرارشادفرمایا **نحن نعرفه من تصنيفاته و تاليفاته حبه ، علامة السنته و بغضه علامة البدعته** ہم ان کوان کی تصنیفات وتالیفات سے پہنچانتے ہیں ان سے محبت سنت کی نشانی ہےاوران سے عداوت بدعتی کی پہچان ہے۔(۹)

مولانا غلام مصطفٰے نے کچھ اوراکابرومشائخ کے مشاہدات بھی تحریر کئے ہیں جن سے حضرت رضا بریلوی کے افکار کے سورج کی شعاع خزی اورآپ کے شخصیت کی اثر پذیری کا خوب خوب اندازہ ہوتا ہے۔انقلاب آفرینی کا سلسلہ جوآپ کی حیات ظاہری میں شروع ہو چکا تھا۔زمانہ گذرنے کے بعد آج بھی اس کی تابنا کی بلکہ نت نئی جلوہ آرائی دیکھی جاسکتی ہےاورکیوں نہ ہوکہ وہ خودسراپا انقلاب تھے۔ان کے تصورانقلاب نے فکر و عمل کی ہر جہت کو متاثر کیا ہے،ان کے قلم نے جدھر کارخ کرلیاانقلاب برپا ہوتا گیاعلم و ادب کی ہر شاخ آپ کے انقلاب کی گواہی دے رہی ہے۔نثری ادب کی گردن تو آپ کے باراحسان سے خم ہے ہی۔شعری ادب اس درجہ ممنون ہوا کہ نئ ڈگر پر چلنا شروع کردیا۔غزل بہت سے شعراء نے کہی ہے اور آج وہی ان کی ذات کی پہچان ہے۔مگر حضرت رضا بریلوی نے غزل اس انداز سے چھیڑا کہ نعت بنادیا اورنعت کواس طرح اپنایا کہ زمین وزماں گونج اٹھے۔

مولانا حسنین رضا خاں خلیفہ و برادرزادہ حضرت رضا بریلوی کی تحریر میں
''انہوں نے سرکار دو جہاں کی نعت پاک کے ایسے پیارے گیت گائے
کہ سامعین کی دنیا تڑپ تڑپ گئی......اور ملک بھر کے مشاعروں میں
معشوق کے خدوخال اور زلف و کمر کی تعریف کے بجائے عموماً سرکار
دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پاک کے نغمے بلند ہونے
لگے............ملک بھر میں مشاعروں کی دنیا بدل رہی ہے۔(۱۰)

ملت کے خوابیدہ جذبوں کو جگانے ۔ رگوں میں حرارت ایمانی بیدار کرنے بندہ مومن کو مومنانہ اسپرٹ سے معمور کرنے کے لئے آپ نے جو نغمہ چھیڑا تھا جو تحریک چلائی تھی اس کے بڑے اچھے نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ گزشتہ بیس پچیس برسوں میں جو عملی اور قلمی بیداری کی لہر پیدا ہوئی ہے بلاشبہ یہ ایک خوشگوار تبدیلی ہے۔اور اسی تبدیلی کا یہ مثبت پہلو ہے کہ مسلک اہلسنت کا کام بڑی تیز رفتاری سے جاری و ساری ہے۔ اور اب تو ہر میدان میں ہمارے کاموں کی وسعت و ہمہ گیری کو محسوس کیا جا رہا ہے۔اور مسرت بالائے مسرت یہ ہے کہ علماء اور اساتذہ نے اس خلوص، بلند آہنگی آہنی عزائم اور انتہائی رسوخ و وثوق سے حضرت رضا بریلوی کا پیغام نشر کیا کہ اب تو مشرقی دنیا سے زیادہ مغربی دنیا ان کے جودت علمی پر تحقیق کر رہی ہے۔ بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں دنیا نے ایک بار پھر حضرت رضا بریلوی کی آفاقی عبقریت اور نوک قلم کے طمطراق کو محسوس کیا ہے۔حکومت کی سطح پر بھی سنجیدہ اور پسندیدہ نظروں سے آپ کے نام اور کام کو دیکھا جا رہا ہے۔ علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی (مانچسٹر) کی کوششوں سے جنوبی افریقہ کے صدر ''نیلسن منڈیلا'' نے فتاویٰ رضویہ'' اور فتاویٰ'' عالمگیری'' کو مسلم لاء کے معاملات میں بنیادی ماخذ کے طور پر منظور کر لیا ہے۔ اب وہاں عدالتی فیصلوں میں فتاویٰ رضویہ کے فیصلے بھی مستند ہوں گے۔(۱۱)

مسجد، مدرسہ، خانقاہ، یہی تین دراصل اسلام کے اصلی مراکز ہیں اور یہ تینوں

مراکز اہلسنت کے حوالے سے حضرت رضا بریلوی کے فیضان وعرفان سے آباد ہیں باطل نظریات کی بیخ کنی کے لئے جب بحث ومباحثہ کی ضرورت پڑتی ہے تو آپ ہی کے افکار عالیہ کام آرہے ہیں۔فسطائی نظریات جب اسلامی تصورات کو چیلنج کرتے ہیں تو آپ ہی کی شمع افکار سے قلوب واذہان میں چراغاں کیا جاتا ہے۔غرض کہ جہاں بھی اور جیسی بھی دینی،روحانی ضرورت سامنے آتی ہے آپ ہی کی تصنیفات وتالیفات سے ہر ضرورت کی تکمیل ہورہی ہے اور انشاءاللہ دین وملت کی سچی خدمت اور مذہب اہلسنت کی اصلی تبلیغ و اشاعت آپ ہی کے مسلک جو مسلک اعلیٰ حضرت سے موسوم ہے،سے ہوتی رہے گی۔

حوالے

حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق کے عہد ما بعد پر اثرات

۱	سیرت اعلحضرت مع کرامات	مولانا حسنین رضا	ص ۶۳
۲	امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار	ڈاکٹر جمال الدین اسلم	ص ۱۹
۳	جہاں رضا ماہنامہ لاہور پاکستان	نومبر ۱۹۹۶ء	ص ۴۲ تا ۴۷
۴	انتخاب حدائق بخشش	ترتیب نو ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۲۸۵
۵	دبستان رضا	مولانا یاسین اختر مصباحی	ص ۱۶۵
۶	محدث بریلوی	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ص ۱۴
۷	دبستان رضا	مولانا یاسین اختر مصباحی	۱۱۸
۸	دبستان رضا	// //	ص ۱۱۹
۹	سوانح اعلحضرت	مولانا بدرالدین رضوی	ص ۳۸۸
۱۰	سیرت اعلحضرت مع کرامات	مولانا حسنین رضا	ص ۷
۱۱	افکار رضا، سہ ماہی بمبئی	شمارہ ۲ / جلد ۱	ص ۳۰

حضرت رضا بریلوی کا تصور عشق عالمگیر تحریک، عالمگیر ضرورت

کہنے والے نے یہ بات بڑی سچی کہی ہے کہ امام احمد رضا کا خمیر تین چیزوں کا مرکب تھا، علم...... عمل...... اور عشق...... کمال علم نے شاہراہ حیات و کائنات کی پیچیدگیاں واضح کیا۔ جلوۂ عمل نے شبستان رضا کی جلوت و خلوت میں امیدوں کا سویرا اور صبح یقین کا اجالا بکھیرا اور کیفیت عشق نے حال و قال محبوب کا وہ لبالب جام عطا کیا کہ رضا کے وجود سے عشق رسول کے شرارے پھوٹنے لگے، اور دنیا کی زبان پر ''عاشق مصطفٰے'' کا مقدس لقب جاری ہوگیا............ ان کی ہر ادا عشق مصطفٰے کا ایک نیا عنوان تھی، مختلف انداز و اسلوب میں آپ نے اپنا ''تصور عشق'' ایسا واضح فرمادیا کہ جو آگے چل کر رہروان کوچۂ محبوب کے لئے مینارہ نور ثابت ہوا۔ اور اب تو لوگ اسی اجالے میں دیار محبوب کا سفر کرنے میں فخر بلکہ قبولیت سرکار کی ضمانت سمجھنے لگے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے ایک ایسے ماحول میں ہوش کی آنکھیں اور شعور کی زبان کھولی تھیں جہاں رہزن رہبر کے لباس میں بڑی عیاری سے کام کررہے تھے مومنوں کے دلوں سے عشق مصطفٰے کی سلگتی ہوئی چنگاری بجھا دینے کے لئے نہ معلوم کیا کیا ہتھکنڈے آزمائے جارہے تھے، نبوت مصطفٰے، محبت مصطفٰے، عظمت مصطفٰے، معجزات و کمالات مصطفٰے جو اصل دین و ایمان اور روح اسلام و قرآن ہیں، چن چن کر بڑی بے رحمی سے ان غنچوں کو مسلا اور کلیوں کو کچلا جارہا تھا۔ ایسے دلدوز، روح فرسا، المناک

ماحول میں حضرت رضا بریلوی ہی تھے جو اس طرح کے ہر حملے کا بڑی پامردی سے دفاع فرما رہے تھے۔ایک وفادار غلام کی طرح آقا کے دامن عظمت پر چلنے والے ہر تیر کے لئے اپنا سینہ سپر کئے ہوئے تھے،اور ایک مخلص جانثار کی طرح ہر وار پر تڑپ تڑپ جاتے تھے، غرض کہ آپ کے تمامتر کارناموں کا خلاصہ صرف عظمت رسالت کا تحفظ ہے،ان کی کتابوں سے جلوۂ عشق لٹاتے چند اقتباس پیش خدمت ہیں۔جن سے امید ہے کہ محبوں کا دل باغ باغ اور منافقوں کا سینہ داغ داغ ہو جائے گا۔ملاحظہ فرمایئے آسمان عشق رضا کے چند کھلتے ہوئے تارے اور گلشن عشق رضا کے چند مہکتے ہوئے پھول سجایئے ان تاروں سے اپنے دامن دل کو اور معطر کیجئے ان پھولوں سے اپنی حیات و کائنات کو۔

☆............''عبادت ان کی کفر اور بے ان کی تعظیم حبط (برباد نا قابل اعتبار،منھ پر مار دیئے جانے کے قابل) ایمان ان کی محبت وعظمت کا نام ہے۔(۱) اسی مفہوم کو آپ نے اشعار میں اس طرح ڈھالا ہے۔

اللہ کی سر تابقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ (۲)

☆............اگر مسلمان ہو تو ماں باپ کی عزت کو اللہ ورسول کی عزت سے کچھ نسبت نہ مانو گے۔ماں باپ کی محبت وحمایت کو اللہ ورسول کی محبت وخدمت کے آگے ناچیز جانو گے۔تو واجب واجب واجب،لاکھ لاکھ واجب سے بڑھ کر واجب کہ ان کے بد گو سے وہ نفرت و دوری وغیظ وجدائی ہو کہ ماں باپ کے دشنام دہندہ کے ساتھ اس کا ہزاروں حصہ نہ ہو۔(۳)

اور حدائق بخشش میں فرماتے ہیں۔ ؎

نور الٰہہ کیاہے محبت حبیب کی
جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے
اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
منکر و کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

☆............''بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی حسن ومحمود رہے گی۔اور خاص خاص طریقوں کے لئے ثبوت جدا گانہ درکار نہ ہوگا...... نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امر مستحسن ہے،ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے۔(۴)

اور حدائق بخشش میں فرماتے ہیں۔ے

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے
کیجئے چرچا انہیں کا صبح و شام
جان کافر پر قیامت کیجئے

☆............ہر نعمت قلیل یا کثیر یا کبیر،جسمانی یا روحانی،دینی یا دنیوی،ظاہری یا باطنی روز اول سے اب تک،اب سے قیامت تک،قیامت سے آخرت تک آخرت سے ابد تک،مومن یا کافر،مطیع یا فاجر،ملک یا انسان،جن یا حیوان،بلکہ تمام ماسوا اللہ میں جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی اس کی کلی انہیں کے صبائے کرم سے کھلی اور کھلتی ہے اور کھلے گی، انہی کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی یہ سرالوجود،واصل الوجود وخلیفۃ اللہ الاعظم،و ولی نعمت عالم ہیں۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ خود فرماتے ہیں،انا ابوالقاسم،اللہ یعطی وانا قاسم،میں ابوالقاسم ہوں۔اللہ دیتا اور میں تقسیم فرماتا ہوں۔(۵)

اسی مفہوم کو حدائق بخشش میں یوں شعر کے قالب میں پیش کرتے ہیں۔

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے
لاورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

☆............حضور کے عالم حیات ظاہری میں حضور ظاہر تھا۔ اب حضور مزار پر انوار ہے اور جہاں یہ بھی میسر نہ ہو تو دل سے حضور پرنور کی طرف توجہ۔ حضور سے توسل، فریاد و استغاثہ طلب شفاعت کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب بھی ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہیں۔ مولانا علی قاری علیہ رحمتہ الباری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں ''روح النبی ﷺ حاضرۃ فی بیوت اہل الاسلام (ختم النبوۃ) اور اعتقاد الاحباب میں تحریر فرماتے ہیں...... ''حضور نے حضرت نجاشی کی نماز جنازہ ادا فرمائی تو حضرت نجاشی کی میت سامنے نظر آ رہی تھی۔ حالانکہ وہ میت حبشہ میں موجود تھی اور حضور مدینہ منورہ میں تشریف فرماتے تھے یہ امر آپ کے شاہد کل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔(٦)

اسی مفہوم کو اپنے نعتیہ دیوان میں یوں شعر کا لبادہ بخشا ہے۔

سر عرش پر ہے تیری گذر دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شئ نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں
لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی

☆...... انبیائے کرام کی حیات حقیقی، حسی، دنیاوی ہے۔ ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لئے محض ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے۔ پھر ویسے ہی ان کو حیات عطا فرمادی جاتی ہے ،اس حیات پر وہی احکام دینوی ہیں، ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا، ان کی ازواج کو نکاح حرام،

نیز ازواج مطہرات پر عدت نہیں۔ قبور میں نماز پڑھتے، کھاتے پیتے ہیں۔(۷)

اسی مفہوم کو نعت کے قالب میں یوں ڈھالتے ہیں۔ ؎

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے
روح تو سب کی ہے زندہ ان کا
جسم پر نور بھی روحانی ہے
تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

☆............وہ بشر ہیں لیکن عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف واحسن وہ انسان ہیں، مگر ارواح وملائک سے ہزار درجہ الطف۔ وہ خود فرماتے ہیں۔لست مثلکم میں تم جیسا نہیں۔رواہ الشیخان۔ ویروی لست کھیئتکم، میں تمہاری ہیئت پر نہیں ویروی، ایکم مثلی تم میں کون مجھ جیسا ہے۔آخر علامہ خفاجی کو فرماتے سنا آپ کا بشر ہونا اور نور درخشندہ ہونا منافی نہیں......گویا ؎

محمد بشر لا کا بشر
بل ھو یاقوت بین الحجر

(قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام)(۸)

اور حدائق بخشش میں یوں اظہار فرماتے ہیں ؎

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ — ان سانہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا — تیری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا — تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

☆............حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا شبہ اللہ عزوجل کے نور ذاتی سے پیدا ہیں۔ حدیث میں وارد ہے۔ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا (رواہ عبدالرزاق ونحوہ عندالبیہقی) حدیث میں نورہ فرمایا ہے جس کی ضمیر اللہ کی طرف ہے کہ اسم ذات ہے من نور جمالہ یا نور علمہ یا نور رحمتہ وغیرہ نہ فرمایا۔ کہ نور صفات سے تخلیق ہو۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔من نورہ ای من نور ذاتہ (صلوٰۃ الصفاء)(۹)

اس عقیدے کو آپ نے اپنے اشعار میں بھی بیان کیا ہے۔ے

وہی نور حق وہی ظل رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں
شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

سبحان اللہ ان منتخب اقتباسات میں سے آپ چاہے جس کو دیکھئے ہر اقتباس اپنی جگہ پر واقعی نور کا ٹکڑا ہے بارگاہ رسالت سے آپ کی وابستگی کتنے عروج پر تھی اس بلندی کا اندازہ لگانے کیلئے تو رضا بریلوی کی نظر اور رضا بریلوی کا دل ودماغ درکار ہے آپ نے نثر ونظم کے ذریعہ الفاظ کے پیکر میں عشق حبیب کا وہ علم بھر دیا ہے کہ مفاہیم کے پرت کے

پرت کھولتے جایئے ان کے جذبے کی گہرائی ہاتھ نہیں آنے پاتی۔ اور ناچار یہی کہنا پڑتا ہے کہ ان کے احساسات وتصورات کی پاکیزگی ورنگارنگی تولی اور ناپی نہیں جاسکتی۔ وہ ادا شناس ادب تھے اس لئے ان کی تخلیقی قدروں کی پیمائش کے لئے اولین شرط اداشناس ادب ہونا ہے۔ ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری فرماتے ہیں۔

> ''رضا بریلوی کا مطالعہ ومشاہدہ بڑا وسیع تھا اس لئے ان کا ذہنی افق وسعتوں کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے ہم ان وسعتوں میں پرواز کرتے ہیں مگر پا نہیں سکتے، اس کی حدود کو چھو نہیں سکتے۔ ان وسعتوں کے باہر جانا تو بہت دور کی بات ہے فکر وفن کے بھی سماوات ہیں ان کی پہنائیوں کو وہی پاسکتے ہیں جو اداشناس ادب ہوں۔(۱۰)

اس اداشناس عشق وادب نے پون صدی پہلے جو نغمے الاپے تھے۔ جو پھریرا لہرایا تھا جو پرچم بلند کیا تھا اور عالم اسلام کو بارگاہ رسول کی قربت ونسبت کا جو درس دیا تھا۔ آج زمانے کو اس پیغام کے ہر جزو کل کی ضرورت ہے اس لئے کہ آج عالم دگرگوں ہے ہولناک صدائیں سنتے سنتے لوگوں کے کان پک گئے ہیں نفرتوں سے دماغ کھول رہے ہیں۔ محبت کے چمن لٹ رہے ہیں۔ بھانت بھانت کی بولی بولی جارہی ہے نت نئے اور فاسد خیالات سے علم وادب کی فضا متعفن ہورہی ہے۔ ایسے میں تو پیغام رضا کی ضرورت اور شدید ہوگئی ہے، اس لئے کہ رضا بریلوی کا پیغام محبت کا پیغام ہے۔ رضا بریلوی کا پیغام سکون جان وتسکین قلب کا پیغام ہے۔ رضا بریلوی کا پیغام خوف خدا اور عشق مصطفٰے کا پیغام ہے، رضا بریلوی کا پیغام صالح فکر وشعور کا پیغام ہے۔ رضا بریلوی کا پیغام قرآن وحدیث اور فقہ وتصوف کا عطر ونچوڑ ہے ان کے پیغام میں وہ سب کچھ ہے جس کی زمانے کو ضرورت تھی، ہے، اور رہے گی، ان کے پیغام کی افادیت ہر دور میں اپنے اور غیروں سے اپنی عظمت کا لوہا تسلیم کرواتی رہے گی۔ اس لئے کہ ان کے پیغام میں افکار شریعت وطریقت

کی گونج دور سے ہی کانوں میں رس گھولتی ہے انہوں نے عشق رسالت کی بدولت اس دور زبوں کار، زبوں حال میں دولت ایمان وعشق کی حفاظت فرمائی جس کی ہولنا کی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ کیسا عاشق رسول تھا جس کے ہر موئے تن سے عشق وفا کی خوشبو پھوٹتی تھی۔ وہ کیسا عاشق رسول تھا جو ہر مومن کو اپنی ہر تحریک سے عاشق رسول بنانے کا آرزومند تھا۔ پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری تحریر فرماتے ہیں۔

''وہ عاشق رسول تھا اس کے عشق جہانتاب کے موافق ومخالف سب قائل تھے، وہ ادب آموز حیات تھا۔ وہ نہ ہوتا تو ہماری بے باکیاں، خودفراموشیاں اور گستاخیاں نہ معلوم کیا رنگ لاتیں۔ اس کی شدید تنقیدات نے بے راہ روی کے سیلاب کو یکلخت روک دیا۔ اور برصغیر میں ہم اس قابل ہوسکے کہ اپنے ملی تشخص کو برقرار رکھ سکیں اور اپنے دین ودنیا کی حفاظت کرسکیں۔(۱۱)

حضرت رضا بریلوی کی حیات، خدمات وتخلیقات کا خلاصہ صرف تین چیزیں نظر آتی ہیں۔

(۱) دنیا بھر کی ہر ایک لائق محبت ومستحق تعظیم چیز سے زیادہ اللہ ورسول کی محبت وتعظیم

(۲) اللہ ورسول ہی کی خوشی کے لئے اللہ ورسول کے دشمنوں سے نفرت وعداوت

(۳) اللہ ورسول ہی کی رضا کے لئے اللہ ورسول کے دوستوں سے دوستی ومحبت (۱۲)

آپ اپنی ساری عمر دنیا کو یہی بتاتے رہے کہ جس مسلمان کے دل میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی کامل نہیں تو اس کا ایمان بھی کامل نہیں، الغرض آپ نے مسلمانان عالم کو شان الٰہی کا سچا ادب سکھایا۔ پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا سبق پڑھایا۔ حضرات انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عزت وحرمت کا گن گانا بتایا۔ صحابہ واہلبیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت وعقیدت کا درس دیا۔ حضرات

اولیاء قدست اسرارھم کے احترام واکرام کا چراغ روشن کیا۔ محبوبان بارگاہ الٰہی کے دشمنوں سے دور ونفور رہنے کا شرعی حکم سنایا۔ آپ کی یہ رباعی آپ کی زندگی کی عکاس ہے۔ ؎

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرانیش زطعن
نہ مراگوش بمد ے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے
جزمن و چند کتابے و دوات و قلمے

حضرت رضا بریلوی کے تصورات عشق وعلم کا خلاصہ ان کی تمام تر صفات کا نچوڑ صرف تین چیزیں ہیں۔

(۱) تصلب فی الدین۔
(۲) عشق مصطفیٰ۔
(۳) رد بدعات ومنکرات۔

تمام گوشۂ حیات اور اپنے ہر کردار وگفتار میں وہی انداز اختیار کرتے جو دین و ایمان کی روح سے قریب تر ہوتا۔ اور اسلام کے قوانین وفرامین اور اس کی خصوصیات کو ہر قدم پر پیش نظر رکھتے۔ آپ کا ہر فیصلہ دینی فکر ومزاج کی روشنی میں ہوتا۔ اتباع شریعت کا اتنا خیال کہ اپنی نشست وبرخاست، گفتگو وملاقات ہر چیز میں مزاج شریعت اور اسلامی آداب کی پابندی کرتے۔

عشق ومحبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو آپ کا طرۂ امتیاز تھا اس کا سارا زمانہ قائل ہے۔ اس ضمن میں یہ نکتہ ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ مخالفین اور گستاخان رسول کی ایمان سوز عبارتوں پر جو آپ نے شرعی گرفتیں کی ہیں۔ وہ بھی جذبۂ عشق رسول ہی کے تحت، اپنے رسول کی بارگاہ میں ایسا کوئی جملہ برداشت نہ کر سکے جس سے جناب رسالت

مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی کا ثبوت ہوتا ہو۔ وہ سینہ ہی کیا جو عشق رسول کی تپش سے محروم ہو۔ حضرت رضا بریلوی کا یہ حال تھا کہ رسول ہاشمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم مبارک پر ایک دو نہیں بلکہ کروڑوں جان قربان کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ عرض کرتے ہیں۔ ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

رد بدعات و منکرات کا جو عظیم الشان کارنامہ آپ نے انجام دیا اس کی نظیر آپ کے معاصرین میں نہیں ملتی، مسلم معاشرے میں پھیلی ہوئی بہت سی بدعتوں اور اوہام و خرافات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی سعی بلیغ کی اور جابجا ان پر نکیر فرمائی اور ان کے مضرات و نقصانات سے ہر سائل و مستفتی کو باخبر اور ہوشیار کیا، آپ کی مطبوعہ کتب و رسائل اور فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ آپ اپنے پورے عہد میں (۱) تبحر علمی، وسعت فکر و نظر اور واضح و محکم فیصلہ کے لحاظ سے عدیم النظیر ہیں (۱۳)

حضرت رضا بریلوی نے عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملت کی فکری اساس قرار دیا۔ ان کے نزدیک زندگی عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عبارت ہے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری رقم طراز ہیں۔

''امام احمد رضا کی نظر میں جمال مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا سمایا ہوا ہے کہ نظروں میں کوئی جچتا نہیں، ان کے نزدیک ہماری ساری توانائیاں اور ہمارا مرنا جینا سب محمد مصطفےٰ کے لئے ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

دہن میں زباں تمہارے لئے بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

امام احمد رضا نے دلوں کو عشق مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی گرمی سے گرمایا اور اس سلسلے میں امام احمد رضا نے ایک بھرپور تحریک چلائی آج کے دور میں اسی جذبۂ عشق کی ضرورت ہے جو کمزوروں کو توانا مغلوبوں کو غالب، محکوموں حاکم۔ اور غلاموں کو بادشاہ بنادیا کرتا ہے۔ (۱۴)

مدت العمر آپ نے عالم اسلام کو یہی پیغام دیا کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن مقدس سے وابستہ ہوکر ہی انسانیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے۔ ان کی تعلیمات مبارکہ پر ہی عمل کر کے دنیا کے مصائب و آلام کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور سنت رسول علیہ التحیہ والثناء کی روشنی میں ہی بے قرار انسانیت کو راحت دل اور امن وسکون میسر آ سکتا ہے۔ اپنے جذبات وخواہشات اپنے مفادات ومصالح اور اپنی جان و مال کو عظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قربان کر دیا جائے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات و صفات سے قرب حاصل کرنے کو مقصد حیات تصور کرلیا جائے۔ حضرت رضا بریلوی کا یہ پیغام صرف بریلی کی آواز نہیں یہ تو عالمگیر آواز اور ہمہ گیر تحریک ہے۔ اس کی آفاقیت اور اجتماعیت بول رہی ہے یہی وہ عالمگیر تحریک ہے جس سے خیالات وتصورات کی دنیا تہہ و بالا ہوئی تھی یہی وہ تحریک ہے جس سے دلوں کے آفاق فتح ہوئے تھے، یہی وہ تحریک ہے جس سے قیصر وکسریٰ کی شوکت وسطوت لرزتی تھی۔ یہی وہ تحریک ہے جس نے گردن فرازوں کے سر اپنے قدموں میں جھکا لئے تھے، اسی تحریک کو لے کر جب غلامان مصطفےٰ آگے بڑھے ہیں تو انھوں نے زمان ومکان کے نقشے بدل دیئے تھے۔ پھر تو عالم یہ ہوا کہ ؎

جہاں پہونچے زمیں کو آسماں سے کردیا اونچا
جہاں ٹھہرے درو دیوار کا نقشہ بدل آئے

اپنی عظمت رفتہ کو پانے کے لئے، اپنی کھوئی ہوئی شان وشوکت کی تحصیل کے لئے، اپنے گئے ہوئے باوقار ایام کی بازیابی کے لئے انگریزی و دیگر اسلام دشمن نظریات

کے بندھن میں جکڑے ہوئے ذہن وفکر کی واگذاری کے لئے، اپنے گنوائے ہوئے مقام ومنصب کی بحالی کے لئے، دنیا کے امن وسکون کے لئے، فرد کے چین اور جماعت کی راحت کے لئے، ملک کی بہتری اور ملت کی برتری کے لئے، دینی فکر ومزاج کی سلامتی و تحفظ کے لئے۔ افکار وخیالات کی پاکیزگی اور آبیاری کے لئے، معاشرت ومعیشت کی فلاح وبہبودی کیلئے، قوم مسلم کی آبرو اور سرخروزندگی کے لئے، ایک مسلمان کو صحیح معنیٰ میں مسلمان بنانے اور بنے رہنے کے لئے اللہ کی رضا اور رسول کی خوشنودی کے لئے، حضرت رضا بریلی کی چلائی ہوئی تحریک محبت کو سینے سے لگانے کی ضرورت ہے اسے اپنانے اور اپنا بنانے کی ضرورت ہے۔

قومیں عشق ہی سے زندہ رہتی ہیں ملت مسلمہ بھی عشق ہی سے زندہ ہوئی عشق ہی سے زندہ رہی عشق ہی سے زندہ رہے گی عشق جتنا محکم ہوگا زندگی اتنی پائندہ ہوگی۔ احمد رضا محبت کی موت کو ملت کی موت سمجھتا تھا اس لئے اس نے محبت کی خاطر ملک گیر تحریک چلائی دلوں کو مرنے نہ دیا زندہ رکھا۔ اس کو معلوم تھا عشق ومحبت نے صحابہ کو سرفراز کیا...... ان کا کہنا تھا کہ کوئی علم وفن اللہ اور اس کے رسول کے ذکر سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ یہ ایک ایسا انقلابی خیال تھا کہ اگر اس پر عمل کرلیا جاتا تو دل ودماغ اس طرح ویران نہ ہوتے جس طرح آج ویران ہیں دلوں کی اجڑی بستی کی بازآبادکاری کے لئے حضرت رضا بریلوی کا پیغام ہی عالمگیر تحریک اور عالمگیر ضرورت ہے۔

حاصل باب

شخصیت یونہی نہیں بنتی اس کے پیچھے کتنے عوامل کارفرما ہوتے ہیں، کسان بیج زمین میں ڈالتا ہے، زمین اسے اپنا آغوش دیتی ہے، سورج تمازت دیتا ہے بارش نمی دیتی ہے تب زمین سے کومل کونپل نکلتی ہے، نازک پودا نکلتا ہے، اب شبنم اس کا چہرہ دھلاتی ہے، نسیم وصبا جھولا جھلاتی ہے، چاندنی اپنا دودھ پلاتی ہے، کسان خودرو پودوں سے اس کی

حفاظت کرتا ہے، تب کلیاں کھلتی اور پھول مسکراتے ہیں، ....حضرت رضا بریلوی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے، ان کی تعمیر شخصیت کے جو عوامل ہمیں نظر آتے ہیں ان میں کسی نے ان کے دامن حیات پر علم کے گل بوٹے سجائے ہیں، تو کسی نے عمل کی آئینہ بندی کی ہے، ان کی تربیت اخلاق وافکار کے یہ ظاہری وسائل وذرائع ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں، لیکن ان کے علم کی سمندر جیسی وسعت، ان کے عمل کی ہمالہ جیسی بلندی وصلابت، ان کے اخلاق وافکار کی پھول جیسی نزاکت ولطافت بول رہی ہے کہ علم ہو یا عمل ہر گلشن کی آبیاری عشق مصطفےٰ نے کی ہے، ان کی ہر چمک دمک میں مدینہ کی کرن کا اہم رول رہا ہے، آفتاب رسالت مدینہ میں جلوہ گر تھا اور اس کی کرن بریلی میں نور برسا رہی تھی۔ چوں کہ نوری پاور عالمی پاور ہاؤس سے ڈائرکٹ آرہا تھا اس لئے تجلیات کا دائرہ بھی محدود نہ تھا، علم وعمل، فکر ونظر، شعور آگہی، تجربہ ومشاہدہ، اخلاق وعادات، غرض کہ جس شعبہ پر اجالا پڑ گیا چمکتا چلا گیا، ذرہ پر اگر سورج کی کرن پڑ جائے تو اس میں بھی قوت پرواز آجاتی ہے تو پھر جس ہستی پر ماہتاب نبوت کی کرن پڑ جائے اس کی تجلیات اور پرتو فگنی کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ اسے یوں سمجھئے ایک ہوتا ہے منور، اور ایک ہوتا ہے منور، منور کا فیض یافتہ ہی منور ہوتا ہے، جب منور سے اکتساب فیض کر کے منور چمک اٹھتا ہے، تو اب جو اس منور کے قریب آجائے، اس سے منسوب ہو جائے وہ بھی چمک اٹھتا ہے وہ بھی منور ہو جاتا ہے، افق حجاز سے نبوت کی کرن جگمگائی ''قد جاء کم من اللہ نور'' کی نوری شعائیں پھیلیں، میرا نبی منور بن کر نورانی کرن برسار ہا ہے، جماعت در جماعت لوگ آتے جارہے ہیں صحابیت کے نور سے جگمگاتے جارہے ہیں، منور بنتے جارہے ہیں، منور نبی کی صحبت یافتہ صحابی بن کے چمکے، صحابی کا صحبت یافتہ تابعی بن کے چمکا، تابعی کا صحبت یافتہ تبع تابعی بن کے چمکا، علیٰ ہذا القیاس'' قرنا بعد قرن لوگ چمکتے جارہے ہیں منور بنتے جارہے ہیں۔ وہی کرن بغداد میں چمکی تو لوگوں نے غوث اعظم کہا۔ وہی کرن اجمیر میں چمکی لوگوں نے غریب نواز کہا۔ وہی کرن دلی میں چمکی لوگوں نے محبوب الٰہی کہا وہی کرن بریلی میں چمکی تو دنیا نے امام احمد رضا کہا۔ اب جو ان سے قریب ہو گیا وہ بھی چمک گیا کوئی حجۃ

الاسلام بن کے چمکا، کوئی مفتی اعظم بنکر چمکا، کوئی ملک العلماء بن کے چمکا، کوئی صدر الشریعہ بن کے چمکا، کوئی صدر الافاضل بن کے چمکا، اور جوان چمکنے والوں کے قریب ہوگیا وہ بھی سنورتا جارہا ہے، چمکتا جارہا ہے، روشنی ہے کہ پھیلتی جارہی ہے۔ مدنی کرن کا یہ فیضان ہے کہ حضرت رضا بریلوی نے ملک وملت اور فرد قوم کی جگمگاہٹ کا اہتمام وانتظام فرمادیا ہے۔ شمع جلا جلا کر آپ نے رکھ دی ہیں، جس کا جی چاہے منور ہوجائے، اور جس طرح چاہے منور ہوجائے، جس گوشے کو چاہے منور کرے۔ زبان و ادب کو روشنی کی ضرورت ہے کنزالایمان، فتاویٰ رضویہ، اورحدائق بخشش سے حاصل کرلو، قوم وملت کو روشنی کی ضرورت ہے حجتہ الاسلام، مفتی اعظم ہند، ملک العلماء اورصدرالشریعہ کے چراغ سے لوملالو، ملکی سیاست کو روشنی کی ضرورت ہے اعلام الاعلام، اورالمحجتہ الموتمنہ سے اکتساب نورکرلو، حضرت رضا بریلوی کی شمع مدنی شمع ہے اس کا فیضان، فیضان رحمت اللعالمین کی طرح سب کے لئے عام ہے۔

وہ ایک ذرہ تھے مگر صحرا کی وسعتیں بھی ان کے دامن میں پناہ لیتی تھیں، وہ ایک قطرہ تھے مگر سمندر کی تشنہ کامی بھی سیراب ہوا کرتی تھی، وہ ضعیف تھے مگر نا قابل تسخیر چٹان بھی ان سے عزم واستقامت کی بھیک مانگا کرتی تھی، وہ تن تنہا تھے مگر اپنی شخصیت میں ایک بڑی جماعت تھے۔ وہ اکیلے تھے مگر سواد اعظم تھے، وہ ایک نقطہ تھے مگر جب پھیلے تو اتنا پھیلے کہ اعلیٰ حضرت بن کر پوری دنیا پر چھا گئے مگر جب سمٹے تو اتنا سمٹے کہ مجسم عشق مصطفیٰ بن گئے۔ سنئے سنئے رضا کے عشق کی یہ آواز

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

تمت بالخیر

تشنۂ کرم۔ غلام مصطفیٰ نجم القادری

۲۴/جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ/۱۶/ستمبر ۲۰۰۱ء

حوالے

حضرت رضا بریلوی کا تصورعشق عالمگیر تحریک عالمگیر ضرورت

۱	مجددالف ثانی اوراعلحضرت امام احمد رضا بریلوی مولانا غلام مصطفےٰ صاحب مجددی		ص ۱۱۱
۲	حدائق بخشش	امام احمد رضا	۱۰۵
۳	تمہید ایمان	امام احمد رضا	ص ۲۱
۴	فتاویٰ رضویہ	امام احمد رضا	ص ۸۷
۵	ختم النبوہ	امام احمد رضا	ص ۲۹
۶	اعتقادالاحباب	امام احمد رضا	ص ۱۷
۷	الملفو ظ ج 4	مرتب مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا قادری	ص ۳۰
۸	مجددالف ثانی اوراعلحضرت امام احمد رضا بریلوی،مولانا غلام مصطفےٰ مجددی		ص ۱۰۰
۹	مجددالف ثانی اوراعلحضرت امام احمد رضا بریلوی،مولانا غلام مصطفےٰ مجددی		ص ۹۴
۱۰	انتخاب حدائق بخشش۔ڈاکٹر مسعود احمد مظہری		ص ۱۳
۱۱	مقدمہ امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات مولانا یاسین اختر مصباحی		ص ۹۱
۱۲	سوانح اعلحضرت	مولانا بدرالدین رضوی	ص ۱۳۶
۱۳	امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات	مولانا یاسین اختر مصباحی ملخصاً	ص ۲۹تا۳۲
۱۴	محدث بریلوی	ڈاکٹر مسعود احمد مظہری	ص ۲۲،۲۱

منابع ومراجع

کتابیات

الف

	تصنیف	مصنف	اشاعت

1 الدولتہ المکیہ......امام احمد رضا......مکتبہ نبویہ۔گنج بخش روڈ، لاہور ۱۹۸۸ء

۲ الحجتہ الموتمنہ ...... امام احمد رضا......مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۴ء

۳ اعتقاد الاحباب، امام احمد رضا......رضا اکیڈمی بمبئی

۴ الملفوظ......مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا قادری، قادری مشن، نومحلّہ مسجد، بریلی، یوپی

۵ اکرام امام احمد رضا......مولانا برہان الحق جبل پور......مجلس العلماء مظفر پور، ۱۹۹۰ء

۶ امام اہلسنت ...... پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری......المجمع الاسلامی مبارکپور یوپی

۷ انتخاب حدائق بخشش......پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری......سرہند پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۵ء

۸ اجالا...... پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری......المجمع الاسلامی مبارکپور یوپی ۱۹۸۴ء

۹ آئینہ رضویات......پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری......ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۳ء

۱۰ امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، مولانا یاسین اختر مصباحی، المجمع الاسلامی مبارکپور یوپی ۱۹۸۱ء

۱۱ امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں......مولانا یاسین اختر مصباحی...... رضوی کتاب گھر، دہلی

۱۲ امام احمد رضا اور تصوف......مولانا محمد احمد مصباحی......المجمع الاسلامی مبارکپور یوپی ۱۹۸۸ء

۱۳ امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، مولانا محمد احمد مصباحی، المجمع الاسلامی مبارکپور یوپی ۱۹۹۳

۱۴ البریلویہ کا تحقیقی تنقیدی جائزہ، علامہ عبدالحکیم شرف قادری۔ رضا دارالاشاعت نشتر روڈ لاہور ۱۹۹۱ء

۱۵ امام احمد رضا پر ایک الزام کی حقیقت // بزم رضویہ داتا نگر لاہور

١٦ امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار، ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم۔ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ١٩٩١ء

١٧ انوارالحدیث مفتی جلال الدین امجدی کتب خانہ امجدیہ۔براؤں شریف

١٨ انوار احمدی علامہ محمد انواراللہ حیدر آبادی مکتبہ جام نور دہلی

١٩ اقبال اور عشق رسول رئیس احمد جعفری کتاب منزل کشمیری بازار، لاہور ١٩٥٦ء

٢٠ ازہارالعرب ابوعبداللہ محمد بن یوسف مکتبہ غریب نواز الہ آباد

٢١ اصول تحقیق وترتیب متن ڈاکٹر تنویر علوی ایجو کیشنل پبلشنگ ہاؤس ١٩٩٤ء

٢٢ امام احمد رضا کے منصوبہ (١٩١٢ء، کا تجزیہ، ڈاکٹر محمد ہارون، ترجمہ عبدالنعیم عزیزی

٢٣ اردو غزل میں تصوف ولی سے اقبال تک، ڈاکٹر اعجاز مدنی، رضوی کتاب گھر، دہلی ١٩٩٦ء

٢٤ اقبال اور احمد رضا...... راجارشید محمود گلوب آفسٹ پرنٹرز دہلی، ١٩٨٢ء

٢٥ اقبال کے تصورات عشق وخرد...... ڈاکٹر وزیر آغا، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی، ١٩٨٨ء

٢٦ امتیاز حق راجا غلام محمد المجمع الاسلامی، مبارک پور

٢٧ الجہد المقل مولوی محمود الحسن المطبع البلال ساڈھورہ

٢٨ البشریٰ مرزا غلام احمد قادیانی جنرل اسٹور گاؤشالہ موڑ لائیلپور پاکستان

٢٩ افکار رضا مولانا قمرالحسن رضوی کتاب گھر بھیونڈی ١٩٩٢ء

ب

٣٠ بدرالانوار فی آداب الآثار امام احمد رضا المجمع الاسلامی، مبارک پور یوپی

٣١ بخاری شریف، امام محمد بن اسماعیل بخاری، ترجمہ مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئی والان دہلی

٣٢ باغی ہندوستان علامہ فضل حق خیرآبادی المجمع الاسلامی، مبارک پور یوپی ١٩٨٤ء

٣٣ بال جبرئیل ڈاکٹر محمد اقبال ایجوکیشنل بک ہاؤس۔علی گڈھ

۳۴	براہین قاطعہ	مولوی خلیل احمد انبیٹھوی	کتب خانہ دیوبند، یوپی

ت

۳۵	تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین	امام احمد رضا	مرکزی مجلس رضا لاہور، ۱۹۹۴ء
۳۶	تمہید ایمان	امام احمد رضا	مکتبۃ الحبیب، الٰہ آباد، یوپی
۳۷	تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطّوغیٰ	علامہ فضل حق خیر آبادی	المجمع الاسلامی مبارکپور، یوپی
۳۸	تنقیدات وتعاقبات	پروفیسر مسعود احمد مظہری	مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
۳۹	توحید کے نام پر	پروفیسر مسعود احمد مظہری	اکیڈمی مشائخ قادریہ رضویہ بنارس
۴۰	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	مولانا عبد المجتبیٰ	رضوی کتاب گھر بھیونڈی ۱۹۹۰ء
۴۱	تاریخ نعت گوئی میں حضرت رضا بریلوی کا منصب	شاعر لکھنوی	انجمن طلبائے اسلام پاکستان ۱۹۹۳ء
۴۲	تصنیف وتحقیق کے اصول	ڈاکٹر قاضی عبد القادر	مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۲ء
۴۳	تقویۃ الایمان	مولوی اسماعیل دہلوی	راشد کمپنی، دیوبند، یوپی
۴۴	تجلیات امام احمد رضا	قاری امانت رسول پیلی بھیتی	مکتبۃ المصطفےٰ بریلی ۱۹۸۷ء

ج

۴۵	جامع الرضوی	مولانا ظفر الدین	حیدر آباد سندھ ۱۹۹۳ء

۴۶	جامع الحیثیات	ابوزہرہ رضوی	رضا ریسرچ اینڈ پبلشنگ بورڈ برطانیہ

ح

۴۷	حسام الحرمین	امام احمد رضا	پرنٹنگ پریس لاہور، ۱۹۸۹ء
۴۸	حدائق بخشش	امام احمد رضا	رضا دارالاشاعت ضلع بریلی، ۱۴۱۲ھ
۴۹	حیات مولانا احمد رضا	پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا بمبئی ،۱۹۹۰ء
۵۰	حیات اعلیٰ حضرت	مولانا ظفرالدین بہاری	مکتبہ رضویہ فیروز شاہ اسٹریٹ، کراچی

خ

۵۱	ختم النبوۃ	امام احمد رضا	پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۸۹ء
۵۲	خلفائے اعلحضرت	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
۵۳	خطبات یوم رضا	مولانا محمد عالم، مختار حق	مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۴ء

د

۵۴	دوام العیش	امام احمد رضا	مرکزی مجلس رضا لاہور
۵۵	دین مصطفٰے	مولانا سید محمد احمد رضوی	مکتبہ جام نور دہلی
۵۶	دبستان رضا	مولانا یاسین اختر مصباحی	رضوی کتاب گھر دہلی ۱۹۹۵ء

ذ

۵۷ ذکر جمیل مولانا محمد شفیع اوکاڑوی المجمع النوری، مالیگاؤں ۱۹۹۶ء

ر

۵۸ رسائل رضویہ امام احمد رضا مکتبہ حامدیہ، گنج بخش روڈ لاہور ۸۶ء

۵۹ روحوں کی دنیا امام احمد رضا رضا اکیڈمی بمبئی ۱۹۹۸ء

۶۰ رہبر و رہنما پروفیسر محمد مسعود احمد رضوی کتاب گھر دہلی

۶۱ ردتقویۃ الایمان سے متعلق اہم تاریخی دستاویز مولانا بدرالدین......رضا اکیڈمی بمبئی ۱۹۸۵ء

۶۲ رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری...... ڈاکٹر غلام مصطفےٰ ، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۴ء

ز

۶۳ زلزلہ علامہ ارشد القادری مکتبہ جام نور دہلی

۶۴ زیر و زبر // //

س

۶۵ سرورالقلوب مولانا نقی علی خاں رضا اکیڈمی بمبئی ۸۷ء

۶۶ سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات مولانا حسنین رضا خاں سنی رضوی اکیڈمی ماریشش افریقہ ۹۳ء

۶۷ سبع سنابل شریف خواجہ میر عبدالواحد بلگرامی رضوی کتاب گھر دہلی

۶۸ سوانح اعلیٰحضرت مولانا بدرالدین مدرسہ اہلسنت گلشن رضا بکارو اسٹیل سیٹی ۱۹۹۴ء

۶۹ سیرت رسول عربی اور ہماری زندگی ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری دارالعلوم قادریہ چریا کوٹ اعظم گڈھ

۷۰ سواد اعظم......مولانا یاسین اختر مصباحی......رضی کتاب گھر......دہلی

۷۱ سیرت امام احمد رضا......علامہ اختر شاہجہاں پوری......رضوی کتاب گھر بھیونڈی ۱۹۹۴ء

۷۲ سرسید احمد خان اوران کا عہد......پروفیسر ثریا حسین ایجوکیشنل بک ہاؤس۔علی گڈھ ۹۳ء

ش

۷۳	شفاء الوالہ	امام احمد رضا	رضا اکیڈمی لاہور پاکستان
۷۴	شرح سلام رضا	مفتی محمد خان قادری	مکتبہ نظامی بھیونڈی ۱۹۹۴ء
۷۵	شریعت وطریقت	حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری	مکتبہ جام نور دہلی
۷۶	شمع ہدایت	مفتی محمد عبدالحفیظ	مطبوعہ کراچی
۷۷	شرح اسرار خودی	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڈھ

ص

۷۸	صحیح مسلم (شرح نووی)	ترجمہ مولانا وحید الزماں	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی
۷۹	صحیفۂ کمال	پروفیسر نکہت شاہجہاں پوری	نکہت منزل شاہجہانپور ۱۹۷۳ء
۸۰	صراط مستقیم	مولوی اسماعیل دہلوی	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی

۸۱ صحائف اشرفی مرتب حضرت اشرفی میاں صاحب ادارہ فیضان اشرف بمبئی ۱۹۸۴ء

ع

۸۲	عاشق رسول	پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری	مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۷۷ء

۸۳	عشق ہی عشق	//	المختار پبلیکیشنز سینٹر کراچی ۹۳ء
۸۴	عشق رسول	ڈاکٹر طاہر القادری	گلشن پبلشرز سری نگر، کشمیر ۱۹۹۲ء
۸۵	عشق رضا کی سرفرازیاں	مولانا مبارک حسین مصباحی	المجمع المصباحی مبارک پور

ف

۸۶	فتاویٰ رضویہ	امام احمد رضا	رضا اکیڈمی ۱۹۹۴ء
۸۷	فتاویٰ افریقہ	امام احمد رضا	مکتبہ کلیمی، ناظر باغ کان پور
۸۸	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۸۹	فاضل بریلوی اور ترک موالات	// // //	ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور
۹۰	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا خان پٹنہ	اسلامک پبلیکیشن سینٹر پٹنہ ۱۹۸۱ء
۹۱	فیضان سنت	مولانا محمد الیاس قادری	المکتبۃ المدینہ، مینارہ مسجد بمبئی ۱۴۰۹ھ
۹۲	فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی مطالعہ	مفتی مکرم احمد دہلی،	رضوی کتاب گھر دہلی ۱۹۹۶ء
۹۳	فیض الادب	مولانا محمد بدرالدین	رضوی کتاب گھر بمبئی
۹۴	فتاویٰ رشیدیہ	مولانا رشید احمد گنگوہی	محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی
۹۵	فقیہ اسلام بحیثیت شاعر و ادیب پروفیسر مجید اللہ قادری	ادارہ تحقیقات	امام احمد رضا کراچی ۹۱ء

ق

۹۶	قرآن، سائنس اور امام احمد رضا،	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	مکتبہ المدینہ مینارۂ مسجد بمبئی ۱۹۹۵ء
۹۷	قائدین تحریک آزادی	مولانا یاسین اختر مصباحی	رضا اکیڈمی بمبئی ۹۷ء

ک

۹۸	کنز الایمان	امام احمد رضا	رضا اکیڈمی بمبئی
۹۹	کشف حقائق واسرار دقائق	امام احمد رضا	مکتبۃ الحبیب جامعہ حبیبیہ مسجد اعظم الٰہ آباد
۱۰۰	کتاب الشفاء	قاضی عیاض مالکی	مفتی اعظم اکیڈمی گاندھی نگر دہلی ۹۴
۱۰۱	کشف المحجوب	داتا گنج بخش علی ہجویری	رضوی کتاب گھر بھیونڈی ۸۸ء
۱۰۲	کلام رضا	اصغر حسین نذیر لدھیانوی	المجمع الاسلامی مبارکپور یوپی ۱۹۸۲ء
۱۰۳	کلیات اقبال	ڈاکٹر محمد اقبال	مطبوعہ دہلی

گ

۱۰۴	گناہ بے گناہی	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	المجمع الاسلامی مبارک پور یوپی ۹۳
۱۰۵	گلشن رضا	حافظ محمد طاہر رضا	رضا اکیڈمی لاہور
۱۰۶	گنج ہائے گرانمایہ	پروفیسر رشید احمد صدیقی	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڈھ

ل

۱۰۷ لطائف اشرفی، حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، ترجمہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی

(دانش بکڈ پوٹانڈہ)۱۹۹۵ء

۱۰۸	لالہ زار	علامہ ارشد القادری	مکتبہ جام نور دہلی

م

۱۰۹	مزارات پر عورتوں کی حاضری	امام احمد رضا	المجمع الاسلامی مبارکپور یوپی
۱۱۰	مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء	امام احمد رضا	سمنانی کتب خانہ میرٹھ یوپی
۱۱۱	مرأت المناجیح،شرح مشکوۃ المصابیح	مفتی احمد یار خان نعیمی	ادبی دنیا مٹیا محل دہلی
۱۱۲	مدارج النبوۃ شریف	شیخ عبدالحق محقق دہلوی	ادبی دنیا مٹیا محل دہلی
۱۱۳	مکاشفۃ القلوب	امام غزالی	رضوی کتاب گھر غیبی نگر تھانہ بمبئی
۱۱۴	مقام نبوت	سید افتخار الحسن زیدی	مکتبہ نعیمیہ سنبھل، یوپی
۱۱۵	منازل ولایت	مولانا عالم فقری	رضوی کتاب گھر بھیونڈی تھانہ ۹۴ء
۱۱۶	مثنوی مولانا روم	مولانا جلال الدین رومی	سب رنگ کتاب گھر دہلی
۱۱۷	محاسن کنز الایمان	علامہ غلام رسول سعیدی	مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۱۸	مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر غلام مصطفےٰ	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
۱۱۹	مجدد الف ثانی اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا	ڈاکٹر غلام مصطفےٰ	مرکزی مجلس رضا لاہور پاکستان

١٢٠	محدث بریلوی	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ١٩٩٣ء
١٢١	مجدد اسلام	مولانا نسیم احمد صابر القادری	مکتبہ امجدی پچپڑ وا بازار، گونڈہ یوپی
١٢٢	مولانا احمد رضا بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت	مولانا کوثر نیازی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
١٢٣	مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان	شاہ ابوالحسین زید فاروقی	شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی ١٩٥٠ء
١٢٤	مکتوبات سید احمد شہید محمد جعفر تھانیسری	منڈی بہاء الدین	گجرات
١٢٥	مشاہدات کابل و یاغستان محمد علی قصوری	انجمن ترقی اردو	کراچی
١٢٦	مکتوبات صدی حضرت شرف الدین یحیٰ منیری	کتبہ بیت الشرف بہار شریف ١٩٩٣ء	
١٢٧	محمد تقی میر	ڈاکٹر جمیل جالبی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ١٩٨٣ء
١٢٨	مکتوبات امام احمد رضا	مولانا محمود احمد قادری	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

ن

١٢٩	ننگ دین ننگ وطن	پرفیسر فیاض کاوش	مکتبہ نظامی بھیونڈی بمبئی
١٣٠	نقش حیات	مولانا حسین احمد مدنی	مطبوعہ دہلی ١٩٥٤

و

۱۳۱	وصایا شریف	مولانا حسنین رضا بریلوی	المجمع الاسلامی مبارکپور یوپی ۱۹۸۳ء

ی

۱۳۲	یادگار رضا	۱۹۹۴ء	رضا اکیڈمی بمبئی

رسائل

۱	سنی دنیا............................	بریلی شریف یوپی	
۲	اشرفیہ..................................	مبارکپور یوپی	
۳	قاری....................................	امام احمد رضا نمبر...........	دہلی
۴	الکوثر..................................	....	سہسرام بہار
۵	الحسنات............................	شخصیات نمبر...........	رام پور، یوپی
۶	افکار رضا............................	سہ ماہی..................	بمبئی
۷	حجاز جدید............................	....	دہلی
۸	نور و نظر............................	....	کرناٹک
۹	تحفۂ حنفیہ..........................	....	پٹنہ بہار
۱۰	پیغام رضا............................	۱۹۹۶/۱۴۱۷	پوکھریرا
۱۱	پاسبان..............................	مارچ اپریل.................. ۱۹۹۲ء	الٰہ آباد
۱۲	جہان رضا............................	....	لاہور پاکستان
۱۳	فروغ اردو............................	غالب نمبر نومبر دسمبر ۱۹۶۸	لکھنؤ
۱۴	ہدیٰ اسلامی ڈائجسٹ...........	دسمبر ۱۹۹۵ء...........	دہلی
۱۵	معارف..............................	فروری ۱۹۲۶...........	اعظم گڈھ
۱۶	معارف رضا........................	....	لاہور پاکستان

۱۷ نقوش.............................. شمارہ ۳۵.................. قاضی عبدالودود

اخبار

۱۸ روزنامہ سالا جنگ بنگلور

۱۹ ہفت روزہ نئی دنیا دہلی

۲۰ ہفت روزہ مسلم ٹائمز ممبئی

لغات

۱ المنجد.. مکتبہ مصطفائیہ دیوبند

۲ کشوری.. نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۸۱

۳ فیروز اللغات .... اعجاز پبلشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۹۴ء

۴ لسان العرب جلد دہم .... مطبوعہ بیروت

میزان سخن

زیرمطالعہ کتاب ارباب علم و دانش کی نظر میں

مفکر اسلام

حضرت علامہ قمرالزما ن خان صاحب اعظمی

جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن، لندن

عزیز گرامی ! مولانا ڈاکٹر غلام مصطفٰے نجم القادری کی تالیف امام احمد رضا اور عشق مصطفٰے ﷺ کے مطالعے کا شرف حاصل ہوا۔ اس موضوع پر اس قدر ضخیم کتاب کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی۔ یوں تو امام احمد رضا کے تمام سوانح نگاروں نے ان کے اس نمایاں وصف کا تذکرہ بہت وضاحت کے ساتھ کیا ہے، لیکن اس عنوان پر ایک مستقل تالیف یقیناً مولف کتاب کا اہم کارنامہ ہے، اس کتاب میں مولانا نجم القادری نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا جابجا سوانحی خاکہ صرف اس لئے پیش فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے عشق رسول ﷺ کے محرکات کو سمجھنے میں آسانی ہو، انہوں نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے خاندان، اور خاص طور پر ان شخصیات کا تذکرہ کیا ہے جن کی آغوش عاطفت میں حضرت رضا بریلوی کا عاطفۂ محبت پروان چڑھا۔ ان کے مشائخ طریقت جو عشق رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے تھے، اس دور کے سیاسی حالات جو جذبہ عشق رسول ﷺ کو مہمیز کر رہے تھے، بالخصوص ۱۸۵۷ء کے

بعد جو ہندوستان ابھر رہا تھا اور انگریزوں کی ریشہ دوانیاں دلوں سے اس عشق رسول کو ختم کر نے کی کوشش کر رہی تھیں جو جہاد آزادی کا سبب بنا تھا۔ اور جس جہاد حریت کے جرم میں سیکڑوں علماء کو دار و صلیب کے مرحلوں سے گزرنا پڑا تھا، ان شہیداء آزادی میں بیشتر علماء عشاق رسول ﷺ تھے، ان کے اشعار ان کی تحریریں اور دین مصطفٰے کے نام پر جاں سپاری میرے اس دعوے کی شاہد عدل ہیں۔ انگریزوں کی کوشش تھی کہ ہندوستان میں ایسے علماء کو منصب امامت و قیادت پر فائز کیا جائے جو عشق رسول ﷺ سے آشنا ہی نہ ہوں۔ اور وہ دلوں سے عشق مصطفٰے جنکی حیثیت جسم مومن میں روح کی ہے اس کو سلب کرنے کی کوشش کریں۔

بقول اقبال۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ؎ یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

ایسے دور میں اللہ رب العزت نے امام احمد رضا کو دولت عشق سے مالا مال کر کے امت مسلمہ کی قیادت کے لئے پیدا فرمایا۔ اور امام احمد رضا کا عشق ان کا عاطفۂ قلبی، ان کے محسوسات، اور ان کے مشاہدات ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئے، اور آج دنیا کے کڑوروں مسلمان ان کے لب ولہجہ میں اپنے تعلق بالرسول کا اظہار کرتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کئی درجن علوم وفنون کے امام تھے، مگر انہوں نے ہر علم اور ہر فن کو شریعت مصطفٰے کے تحفظ اور جذبہ عشق مصطفٰے کی پاسبانی کے لئے استعمال فرمایا۔ وہ قرآن عظیم کا ترجمہ فرماتے ہیں تو شان رسالت کے تحفظ کا پورا اہتمام کرتے ہیں اور کلام الٰہی کے ترجمے میں اس قدر احتیاط سے کام لیتے ہیں کہ لاشعوری طور بھی کوئی لفظ حضور جان رحمت ﷺ کے تقاضائے احترام ومحبت کے خلاف ضبط تحریر میں نہ آجائے۔ مسائل فقہیہ کی توضیح وتشریح ہو یا مسائل کلامیہ کی

وضاحت، علم الاعداد ہو یا علم حضر، علم فلکیات کے مسائل ہوں یا علم ارضیات کے دقائق۔ فلفہ وحکمت کی موشگافی ہو۔ یا منطق وریاضی کی دقیقہ سنجی وہ ہر علم کی وضاحت وتشریح وتعبیر میں منصب رسالت کے لوازمات اور عشق نبوت کے تقاضوں کا مکمل اهتمام فرماتے ہیں وہ عشق رسول کے سلسلے میں اس قدر حساس ہیں کہ درود شریف کا اختصار بھی ان کے طبع نارک پرگران گزر رہا ہے۔ اسے ان کے فتاوے کی برکت یا قلب تپاں کی تاثیر کہیۓ کہ پوری دنیا سے درود شریف کے اختصار (صلعم) کا رواج ہمشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ وہ اپنے محبوب ﷺ کے منصب رفیع کے سلسلے میں اس قدر محتاط ہیں کہ اشعار میں تشبیہات وغیرہ میں بھی مقام رسالت سے فروتر کسی بات کو گوارہ نہیں فرماتے۔ کسی نے ان کے سامنے نعت کا یہ مشہور شعر پڑھا۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

آپ تڑپ اٹھے اور فرمایا۔ روضۂ رسول ﷺ کو خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہہ دنیا مناسب نہیں ہے۔ آپ نے اس کی اصلاح اس طرح فرمائی

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

آپ نے دوسرے مصرع کے مفوم کو عرش بریں تک پہنچا دیا۔ عشق بڑا خوددار ہوتا ہے اس سلسلے میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی خودی جو پروردۂ آغوش غیرت تھی مثالی تھی۔ انہوں نے تازندگی صرف نعتیں ہی لکھیں حالانکہ نعتوں میں رنگ تغزل رشک داغ وبیخود ہے۔ اور اگر کسی کی منقبت بھی لکھی تو ان اولیاء کرام کی جو میخانہ عشق رسول کے قدح نوشان تھے۔ ان کا دور مسلمان کیلیۓ انتہائی ابتلاء اور آزمائش کا دور تھا، مغلوں کی بساط اقتدار الٹی

جا چکی تھی۔مغربی اقوام مسلمانوں کو فنا کر دینا چاہتی تھیں، بیشتر علماء حق جو مئے عشق رسول سے سرشار تھے شہید کئے جا چکے تھے۔اور جو حیات تھے ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا تھا۔مسلمان قائدین اورارباب اقتدار کا انداز فاتحہ قوم کے مقابلے میں معذرت خواہانہ تھا، اسلام کی ایسی تاویل وتشریح کی جا رہی تھی جو دشمناں اسلام کیلئے قابل قبول ہو۔لیکن جہاد فی سبیل اللہ سے انحراف اور کہیں عظمت رسول کو غلو فی الدین کے نام سے متعارف کیا جارہا تھا۔ان حالات میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے قلمی جہاد فرمایا،اور گوشہ تنہائی میں بیٹھ کران تمام فتنوں کا مقابلہ کیا جو تعظیم وتوقیر رسالت مآب ﷺ کے خلاف پیدا ہوئے تھے۔ اس جہاد عظیم کا محرک وہ ولولہ عشق رسول تھا۔جو انہیں بے قرار ومضطرب رکھتا تھا۔اگر انہیں محبت رسول کی دولت فراواں نہ ملی ہوتی تو اتنا عظیم کارنامہ تنہا انجام دینا ناممکن تھا۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خودآگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارشہنشاہی

کسی ذات سے محبت کیلئے تین خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ محبوب انتہائی حسین ہو۔

۲ محبوب اپنی صفات عالیہ،علم وفضل اور کمالات کے اعتبار سے سب سے بلند ہو۔

۳۔ محبوب کے اتنے احسانات ہوں کہ عشاق کی گردن ان کے سامنے جھکی ہوا ور دل خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہو۔

امام احمد رضا نے پیغمبر اعظم ﷺ کی انہی خصوصیات کو اپنے فتاویٰ، اپنی دوسری تحریروں اور اپنے اشعار سے واضح فرما کر لوگوں کو در مصطفٰے پر سمٹ آنے کی سعی محمود کی

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

اجتماعیت کا یہ وہ آفاقی تصور ہے جو صرف امام احمد رضا کے یہاں نظر آتا ہے

۔انفس وآفاق کی تسخیر کیلئے بس یہی نلتہ ،نکتہ اکسیر ہے۔افکار رضا کالب لباب یہ ہے کہ

۱۔ حسن میں وہ شاہکار کارعالم ایجاد ہیں ان کا کوئی ثانی نہیں۔

۲۔ کمالات بنوت میں وہ ان تمام محامد ومحاسن کے جامع میں جو دوسرے انبیاء کو انفرادی طور پر عطا کئے گئے

۳، نفع رسانی کے اعتبار کے وہ اس دنیا میں حامی وناصر اور آخرت میں شافع ومشفع ہیں

یکتا ریاض دہر میں اس گل کی ذات ہے۔ بلبل ہزار بات کی یہ ایک بات ہے۔
کیوں طائران قدس نہ ہوں اسکی بلبلیں۔ یہ پھول حاصل چمن کائنات ہے۔

امام احمد رضا کا دور دلی کی سلطنت کے خاتمے کے بعد طوائف الملو کی کا دور تھا، مرکزی حکومت ختم ہو چکی تھی اور نوابین وامراء نے زمام اقتدار سنبھال رکھی تھی، اس دور کے مصنفین اور شعراء ان کی مدح خوانی میں مصروف تھے اور اپنی تصانیف لے کر ان کے حضور میں پیش ہوتے تھے تاکہ وظائف جاری ہوسکیں مگر امام احمد رضا کے پاکیزہ عشق نے یہ گوارہ نہ کیا کہ وہ کسی بادشاہ ،نواب، یا سرمایہ دار کی تعریف کریں، ان کی خودی نے یہ اعلان کر رکھا تھا

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

انہوں نے اپنی مملکت عشق ومحبت میں سرکا دو عالم ﷺ کی سلطنت کے علاوہ کسی اور اقتدار کو قبول نہیں کیا، ارشاد فرماتے ہیں

؎ بجز سرکا، رسرّ کار ایجاد سروکارے بسر کارے ندارم۔

مولانا ڈاکٹر غلام مصطفٰے نجم القادری نے یہ کتاب (امام احمد رضا اور عشق مصطفٰے) تالیف فرما کر امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی حیات کے سب سے روشن پہلو (عشق رسول) کو اہل ایمان کے سامنے پیش کیا ہے۔اور ایسے سیکڑوں پنہاں گوشے کو نمایاں کئے ہیں جو ابتک ضیائے تحقیق کے متقاضی تھے ہر پہلو پر مزید کام کرنے کے لئے مولانا نے بڑی

آسانی کردی ہے ۔مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنی حبیب لبیب ﷺ کے صدقے میں انہیں جزائے خیر سے سرفراز کرے، اوراس کتاب کودولت قبول عام عطافرمائے۔آمین

محمد قمرالزماں اعظمی رضوی
جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن
۲۱؍دسمبر ۲۰۰۶ء

....

تابش ادب، نازش ادیب،

فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمان رضوی مضطر پورنوی صاحب

چیف قاضی ادارہ شرعیہ کرناٹک بنگلور،

جس طرح یہ کہنا مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ پہلی صدی ہجری میں احکام دین کے اسرار رموز کی فقاہت اور شریعت کی باریک حقیقتوں کے ادراک کا نام نعمان ابن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ ہے۔اسی طرح یہ کہنا بھی بیجا نہیں کہ چودھویں صدی ہجری میں عشق ومحبت کو مجسم مان لیا جائے تو امام احمد رضا بریلوی کی شکل میں ہوگا......ملک خدا یکسر خالی نہیں رہتا بوالہوسوں کی بھیڑ میں بھی کچھ اہل نظر ہوتے ہیں جناب ڈاکٹر علامہ غلام مصطفیٰ نجم القادری ایسے ہی اہل نظر ہیں جنھوں نے پچاس سے زائد فنون پر مشمل تقریباً ایک ہزار کتابوں کے علمی واصطلاحی پردوں میں لپٹے ہوئے امام احمد رضا کے سینے میں مستور عشق کو تاڑ ہی لیا اور نہ صرف تاڑ ہی لیا بلکہ اسے قریب سے پہچاننے اور سمجھنے کی کوشش کی جب کچھ راز کھلا تو ساڑھے چارسو صفحات پر محیط تحقیقی رسالہ لکھ کر میسور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری

حاصل کی۔ڈاکٹر نجم القادری نے ان کے حصے کا جو کام تھا وہ کر ڈالا بلکہ سب کی طرف سے فرض کفایہ بھی ادا کر دیا۔اب ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم اسے زاویہ محبت سے دیکھیں اور اس کی پذیرائی میں جو ہوسکتا ہو کریں۔

محقق عصر

حضرت علامہ عبد المبین نعمانی صاحب

شیخ الحدیث دار العلوم قادریہ چریا کوٹ،مئو ناتھ بھنجن۔یوپی۔

آپ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اپنے موضوع کو نبھانے کی کامیاب کوشش کی ہے امام احمد رضا کے تصور عشق پر بہت کم لکھا گیا ہے جب کہ یہی عشق رسالت ہی ان کی زندگی کا سرمایہ تھا۔اور آج جو کچھ امام احمد رضا کی پذیرائی ہو رہی ہے وہ سب عشق رسالت ہی کا صدقہ ہے۔کہ ہزار مخالفانہ کوششوں کے باوجود آپ کا پیغام عشق چار دانگ عالم میں پھیل رہا ہے۔بندگان خدا عشق رسول کی دولت سے مالا مال ہو رہے ہیں۔سچ فرمایا ہے فرمانے والے نے کہ عشق رسول کی آواز کو کوئی دبا نہیں سکتا۔یہ جب پھیلتی ہے تو پھیلتی ہی چلی جاتی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔آمین بجاہ سید المرسلین علیہ آلہ و الصلوٰۃ والتسلیم۔(مکتوب بنام مؤلف)

کمال نقد و نظر

جناب سید کمال الدین شرفی

مبصر ماہنامہ "نور مصطفےٰ" پٹنہ۔

گذشتہ صدی کے۔۔آخر سے تاحال رضویات پر بہت ساری ایسی کتابیں اشاعت پا چکی ہیں جن کی بنیادی حیثیت ڈاکٹریٹ کی سند کے لئے لکھے گئے مقالہ کہ ہے۔'زیر تبصرہ کتاب' "امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ" بھی اسی سلسلے کی ایک خوبصورت کڑی ہے، جو تفویض سند کے بعد، سال لگتے لگتے منظر عام پر لا دی گئی ہے۔ بلاشبہ شمالی ہند سے دور کنڑ کی دھرتی پر بیٹھ کر رضویات میں تحقیقی مقالہ لکھنا، اور سند لینے کے بعد اسے کتابی صورت میں شائقین علم و ادب تک پہنچا دینا مسلسل حوصلہ کا کام ہے کتاب کی ورق گردانی سے بھی فوراً یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اس کی تیاری و اشاعت میں مولف کو کتنے صبر آزما مرحلوں سے گذرنا پڑا ہے۔۔۔ صوری اعتبار سے یہ بہت اچھی اور باوقار ہے ہی، معنوی لحاظ سے بھی یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ یہ۔ " فکر و تحقیق سے لبریز اپنے موضوع پر معلومات خیز کتاب ہے "۔۔۔اس سے انکار نہیں کہ کتاب معلوماتی ہے، زبان بہت ہی خوبصورت ہے، کتاب کے بعض شذرات مستقل مضمون کا کام دیتے ہیں، لیکن بہر صورت ترتیب و تہذیب کی کمی ہے۔ مولف نے کچھ عجیب انداز سے اس کتاب میں عشق اور عشق رسول کے تصور کو گڈمڈ سا بنا دیا ہے، اور اس سلسلے کے اقوال کی پیشکش بھی ضروری، علمی، وفکری ترتیب سے دور ہے۔ نہ معلوم کیوں متن کے حواشی کو حوالے کا نام دیا گیا ہے۔ البتہ بعض ابواب کے ساتھ امدادی کتب کی فہرست بے حد مفید ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ مولف کے قلم سے قاری پر انشاء پردازی کے شوق کی مسلسل پھواریں بھی پڑتی رہتی ہیں، کمپوزنگ کرنے والوں کی انگلیوں کے کرشمے بھی اسے بعض مقامات کو بہت غور سے دیکھنے کا موقع دیتے ہیں۔ اور پروف ریڈنگ کرنے والوں کے سہو چشم کی عنائتیں بھی اس پر

اپنے گہرے بادل برساتی رہتی ہیں لیکن پھر بھی موضوع کتاب کی ندرت، اوراس کے علمی تقاضے یہی کہتے ہیں کہ صاحب تالیف کی محنتوں کی داد نہ دینا کفر ہے۔ بے شک آج کے دور میں رضویات سے متعلق ایسی کتابیں خرید کر نہ پڑھنا اوران سے نجی اور علمی کتب خانوں کا خالی رہنا بڑی ہی حیرت کی بات ہوگی۔۔۔

..................●..................

نقادعصر جناب

ندیم صدیقی صاحب

مبصر روز نامہ انقلاب ممبئی

فی زمانہ بعض الفاظ اپنے معنوی وصف سے محروم ہو گئے ہیں، جس میں لفاظی اور معنویت سے ہماری نا آشنائی آشکار ہوگئی ہے۔انہی لفظوں میں "عشق" بھی ہے مگراس کے باوجود یہ لفظ جس ذات سے متعلق ہے یا نسبت رکھتا ہے اس کی وجہ سے اس کی حرمت اور وقعت بہرحال باقی ہےاور باقی رہے گی۔اس وقت ہمارے سامنے فاضل بریلوی کا رسول اللہ ﷺ سے عشق کے حوالے سے (۶۵۰ سے زاید صفحات پر پھیلی ہوئی) کتاب ہےجس کے نام ہی سے عیاں ہے کہ کتاب میں کیا کچھ ہوگا"امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ ﷺ" کا عنوان رکھنے والی یہ کتاب دراصل مولانا ڈاکٹر غلام محمد مصطفےٰ نجم القادری کے تحقیقی مقالے پر مبنی ہے جس میں عہد حاضر کا منظر پس منظر اعلحضرت کی سیرت وسوانح تصور عشق پر عمومی بحث،تصور عشق ممتاز شعرأ کے حوالے سے،حضرت رضا بریلوی کا تصور عشق اوراس کے اثرات جیسے عنوانات سے بحث کی گئی ہے۔ یہ ضخیم کتاب فاضل بریلوی کو ایک طرح سے خراج عقیدت بھی ہے اور دنیا کے سامنے انکے عشق رسول ﷺ کو روشن کرنے کی ایک سعی مبارک بھی۔

ہر چند کہ مقالہ نگار یہ لکھتے ہین کہ ہم اس خوش فہمی میں ہر گز مبتلانہیں ہیں کہ ہم نے

موضوع کا حق ادا کر دیا ہاں اتنا ہے کہ اس لطیف وعمیق عنوان کے کچھ ایسے گوشے سامنے آ گئے ہیں جو آئندہ اس راہ کے راہی کو چراغ راہ اور سراغ منزل کا کام ضرور دیں گے۔ ان کے آخری بات کی ہم بھی تائید کرتے ہیں کی ایسی کتابیں دوسرے کام کرنے والوں کے لئے بہر حال بڑی کارآمد ہوتی ہیں۔ مقالہ نگار یہ بھی لکھتے ہیں کہ "۔۔۔ یہ نقش اول ہے نقش آخر نہیں اسی نقطۂ نظر سے اس کا مطالعہ ومحاسبہ ہونا چاہئے"

سچ یہ ہے کہ کسی بھی موضوع پر کوئی کتاب جب منظر عام پر آتی ہے تو اس کا مطالعہ عام ہی نہیں بلکہ تنقیدی نگاہ سے بھی ہونا چاہئے مگر کیا کیا جائے کہ اب اکثر مصنفین ومولفین صرف اور صرف اس کے متمنی ہوتے ہیں کی کتاب کی مداحی میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دئے جائیں اور اکثر ایسا ہو بھی رہا ہے۔ ایسے میں اس کتاب کے مصنف کا یہ کہنا قابل تحسین ہے۔

فاضل بریلوی عشق رسول ﷺ میں جس درجے پر فائز نظر آتے ہیں آج ضرورت ہے کہ اس درجے کا نہ سہی تو کم از کم انکے نام لیوا عام لوگوں میں اسکی صرف تبلیغ کریں بلکہ ہماری عملی زندگی میں بھی اس کا مظاہرہ ہو۔ ورنہ ہوتو یہ رہا ہے کہ اعلی حضرت کے نام کا نعرہ اتنے زور شور سے لگایا جاتا ہے مگر عمل میں ان کے اسوہ سے دوری نظر آتی ہے۔

اس کتاب مین مصنف لکھتے ہیں کہ "(فاضل بریلوی) کتب بینی یا لکھتے وقت پاؤں سمیٹ کر دوزانوں اٹھائے رہتے ذکر میلاد میں ابتدا سے انتہا تک باوضو رہا کرتے یوں ہی وعظ فرماتے، ٹھٹھا نہ لگاتے، جماہی آنے پر انگلی دانتوں میں دبا لیتے، قبلہ رخ کبھی نہ تھوکتے، نہ قبلہ کی طرف پاؤں دراز کرتے خط بنواتے وقت اپنا شیشہ وکنگھا استعمال کرتے"

ہمارے معاشرے میں فی زمانہ جس درجہ اخلاقی برائی عام ہے ایسے میں ضرورت ہے کہ فاضل بریلوی کی سیرت کو عام کرنے میں بھی شدت اختیار کی جائے۔ اعلحضرت کی زندگی کے شب وروز بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا کہ ان کی خلوت، انکی جلوت کا کوئی لمحہ اطاعت رسول ﷺ سے خالی نہ تھا اب ہماری ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ اپنے معاشرے کو نہ

صرف قول کی حدتک بلکہ عملی طور پر بھی سیرت اعلی حضرت سے قریب کرنے کی سعی کریں۔
ہر چند کہ یہ کام مشکل ہے مگر لوگ ہمت کرلیں تو سب ممکن ہے بس شرط دل میں
ٹھان لینے کی ہے۔اعلی حضرت کوخراج کا یہ طریقہ بھی وقت کی ضرورت ہے۔۔۔

.... •..................

رہنمائے نوجوان محققین

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم صاحب

ریڈر شعبۂ اسلامیہ ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی۔

چودہویں صدی ہجری میں اہلسنت و جماعت کے جن علماء نے مذہب حق کی
تائید وتشہیر میں زندگی وقف کردی ان میں اعلیٰحضرت امام اہلسنت مولانا حضرت شاہ احمد
رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات کافی نمایاں ہے......ان کے مخالفین کی
مخالفتوں کا سرا کہیں نہ کہیں جا کر عظمت نبوت و ناموس رسالت سے متصادم ہوتا تھا۔اس
لئے انھوں نے کبھی نرمی نہیں برتی......آپکا یہ اعلان عام تھا

دشمن احمد پہ شدت کیجئے　　　ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

دشمنان دین حق کے ساتھ ان کی سختی اسی لئے تھی کہ وہ سچے عاشق رسول تھے نبی
اور دین نبی پر کسی قسم کی ادنیٰ گستاخی بھی ان کے نزدیک بڑے جرم کے مترادف تھی وہ
چاہتے تھے کہ جس طرح مجھے اپنے نبی سے پیار ہے اسی طرح امتی کو اپنے نبی سے پیار
ومحبت ہونی چاہئے......یہی وہ جذبۂ عشق رسول ہے جس نے آپ کو اپنے بیگانوں کے
درمیان ممتاز کردیا اور یہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ تصنیف وتالیف، رشدوہدایت، وعظ و
تبلیغ، افتاوقضا، درس وتدریس، ریسرچ وتحقیق اور مخالفین ومعاندین کے فتنوں کے قلع قمع
کرنے کی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود آپ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں

والہانہ انداز میں جس طرح عشق کے نغمے الاپے ہیں اس کی مثال اس صدی میں صرف اور صرف آپ کے یہاں ملتی ہے۔جس کی طرف اشارہ مولانا نجم القادری نے اپنی تحقیقی کتاب ''امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ'' میں کیا ہے......فاضل بریلوی کے علمی کارناموں پر مختلف جہتوں سے برصغیر میں صرف نہیں بلکہ عالم اسلام میں کام ہوا اور ہو رہا ہے۔لیکن میری معلومات کے مطابق جو انہیں اپنے محبوب سے والہانہ لگاؤ تھا اس موضوع پر یہ پہلا تحقیقی مقالہ ہے جو مولانا نجم القادری کے نوک قلم سے منظر عام پر آیا ہے۔اس مقالہ سے جہاں ایک طرف اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے جذبۂ عشق سمجھنے میں مدد ملے گی وہیں دوسری طرف ایک امتی کو اور وہ بھی جو وفادار ہوگا اس کو اپنے نبی سے کس طرح محبت کرنی چاہئے اس کا شعور بھی حاصل ہوگا۔ایک مومن کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ اس کے دل میں اپنے خدا و رسول سے محبت کا سچا جذبہ پیدا ہو مجھے امید ہے کہ اس تعلق سے تمام امت متابعت کے لئے یہ کتاب مشعل راہ ہی نہیں خضر راہ بھی ثابت ہوگی۔

..................●..................

افق نقد و نظر کے درخشاں نیّر

حضرت مولانا ملک الظفر صاحب

ناظم اعلیٰ جامعہ خیریہ نظامیہ، سہسرام، بہار

شیفتگی و وارفتگی کا جو مزاج و منہاج ہمیں فاضل بریلوی کی حیات کے حوالے سے تاریخ کے اوراق میں ملتا ہے اس سے عہد صحابہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری ''حیات اعلیٰحضرت'' میں تحریر فرماتے ہیں جب کوئی صاحب حج بیت اللہ شریف کر کے خدمت میں حاضر ہوتے، پہلا سوال یہی ہوتا کہ سرکار میں حاضری دی؟ اگر اثبات میں جواب ملا تو فوراً ان کے قدم چوم لئے اور اگر نفی میں

جواب ملا پھر لطلق تخاطب نہ فرماتے۔ایک بار ایک حاجی صاحب حاضر ہوئے، چنانچہ حسب عادت کریمہ یہی استفسار ہوا کہ سرکار میں حاضری ہوئی، وہ آبدیدہ ہو کر عرض کرتے ہیں ہاں حضور! مگر صرف دو روز قیام رہا، آپ نے فوراً قدم بوسی فرمائی اور ارشاد فرمایا" وہاں کی سانسیں بھی بہت ہیں۔آپ نے تو بحمد للہ دو دن قیام فرمایا۔

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

(رضا بریلوی)

امام احمد رضا نے عشق جمال مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی شمع پر خود کو پروانہ وار نثار کر دیا۔اور اس جذبہ جاں نثاری میں خود کو بے نام ونشان بنا دیا۔لیکن جو شمع پر خود کو نثار کر دیتا ہے وہ خود شمع کو ایک روشن حصہ بن کر تاریکی میں روشنی کا سامان فراہم کرنے لگتا ہے اور پھر مٹتے مٹتے نام ہو ہی جاتا ہے۔آج ملک و بیرون ملک میں امام احمد رضا کی زندگی کے روشن وتابناک گوشوں پہ عصری جامعات میں تحقیق کے دروازے کھل چکے ہیں۔مخالفین و معاندین نے منصوبہ بندیوں کے ساتھ ان کے خلاف تحریک چلائی اور بے بنیاد الزامات عائد کئے من گھڑت باتیں منسوب کیں، ان کی شخصی و علمی وجاہت کو پروپگنڈوں کے زور پہ مسخ کرنے کی کوشش کی ان کی کردار کشی کی لیکن......

الٹی ہو گئی سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

زیر نظر تبصرہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مقدس کے اس روشن وتابناک گوشے سے متعلق ایک علمی فکری اور تحقیقی کاوش ہے جو ان کی زندگی کا سرنامہ قرار پایا۔وہ جس میدان میں بھی گئے سفیر عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ الثناء کی حیثیت سے جانے اور پہچانے گئے۔

فرشتوں نے تری لوح عمل پہ روشنی رکھ دی

ثناخوانِ محمد لکھ دیا اول سے آخر تک (صبیح رحمانی)

(ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری نے میسور یونیورسٹی سے امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے موضوع پر اپنا تحقیق مقالہ پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

محقق نے اپنی تحقیقی کاوش کو چھ ابواب میں تقسیم فرمایا ہے۔ پہلے باب میں ۱۸۲۴ء کے ماقبل ہندوستان کا تاریخی، روحانی، مذہبی اور سیاسی پس منظر اور پیش منظر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انگریزوں نے کس قدر چالاکی سے مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول علیہ التحیۃ والثناء کے جذبے نکالنے کی کوشش کی اور اسکے لئے انھوں نے اپنی شاطرانہ ذہنیت سے اسلحے کی فراہمی کیلئے بھی ہمارے ہی گھروں کا انتخاب کیا، اس تاریخی سرگزشت کو بھی سلیقے سے پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں اعلیٰحضرت کے آباواجداد کا اجمالی تذکرہ ہے۔ نیز ان کی عملی فکری وملی خدمات پر مختصر مگر قابل ذکر حصوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب سوم میں تصور عشق پر ایک عام دیوان سجایا گیا اور عشق حقیقی کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس میں مولانا روم سے لے کر میر عبدالواحد بلگرامی تک اور بایزید بسطامی سے لے کر محدث کبیر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک کے فرمودات پیش کئے گئے ہیں۔ عشق ومحبت تو صوفیائے کرام کا موضوع دلپذیر رہا ہے۔ چنانچہ ان کے اقوال کی روشنی میں اسلامی تصور عشق کا خاکہ پیش کیا ہے۔ عشق کا جو تصور عارفوں دانشوروں اور شاعروں نے پیش کیا ہے اس پر بھی اجمالاً گفتگو کی ہے۔ باب چہارم میں عشق کا تصور اردو زبان وادب کے ممتاز شعراء کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ میر تقی میر، غالب کے تصور عشق کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ باب پنجم اس تحقیقی مقالے کا مرکزی اور اساسی نقطہ ہے۔ اس باب میں امام عشق ومحبت سیدی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے تصور عشق کے حوالے سے مکمل بحث کی گئی ہے۔ رضا بریلوی کے تصور عشق کی تشکیلی عناصر آپ کے محبوب کی صورت وسیرت، تصور عشق

کے حوالے سے اعلیٰ حضرت کی شخصیت و کردار ان کی تصانیف میں عشق رسالت مآب علیہ التحیۃ والثناء کی جو بوقلمونیاں اور نیرنگیاں ہیں کا اجمالاً بیان ملتا ہے۔ باب ششم میں اقبال کے سیاسی و ملی افکار پر اعلیٰ حضرت کے تصور عشق کے اثرات اعلیٰ حضرت کے تصور عشق نے دنیائے ادب کو کیا دیا اور عشق کے اثرات عہد مابعد پر کیا قائم ہوئے، رضا بریلوی کا تصور عشق ایک عالمی تحریک اور عالمگیر ضرورت پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں ہر باب کا حاصل مطالعہ تحریر کر کے قارئین کے لئے نتیجہ اخذ کرنے کی راہ آسان کر دی ہے۔

آج اس ناگفتہ بہ ماحول اور اخلاقی قدروں کے انحطاط کے اس تاریک دور سے گزرتے ہوئے بھی ہمیں اس جذبے کا قحط نظر نہیں آتا، گلی کوچوں میں عاشقوں کے ٹولی ملے گی۔ عشق کے دعویدار تو سبھی ملیں گے نعروں کے زور پر عشق رسول کے دعویدار تو بہت ہیں لیکن عشق و محبت کی ایمانی کسوٹی پر کسنے کے بعد اکثر سکے کھوٹے نظر آتے ہیں۔ عوام تو عوام خواص جن کی کاندھوں پہ ملت کی راہنمائی کی ذمہ داریاں ہیں ان میں عشق و محبت کا یہ رنگ اپنی معنوی خوبیوں کے ساتھ کہاں نمایاں ہو رہا ہے۔ اگر ایک طرف محبت رسول کی دعوت ہے تو دوسری جانب اعلانیہ ان کی مقدس سنتوں کی خلاف ورزیاں ہیں جب کہ محبت خدا و رسول کے دعوے کو عملی زندگی کی روشنی میں جانچا اور پرکھا جائے گا "**فمن ادعی محبة الله و خالف سنة بنيه فهو كذاب بنص الله تعالىٰ**" (روح البیان) ترجمہ : جو شخص اللہ سے محبت کو دعویٰ کرے اور سنت رسول علیہ التحیۃ والثناء کی مخالفت کرے تو وہ جھوٹا ہے فرمان خداوندی کے مطابق۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری اپنے تحقیقی مقالے کے بنیادی باب پنجم کا نچوڑ اور حاصل مطالعہ پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ان تصورات عشق کے بوقلموں گوشوں، ان کے قلب پر پڑنے والی محبت رسول کی کرنوں اور ان کے قالب کو سحاب نور سے شرابور کر دینے والی چھینٹوں کے سراغ میں ایک لمبی پگڈنڈی اور وسیع شاہ راہ سے گزرنے کے بعد (

یہاں پگڈنڈی اور شاہراہ کے متضاد استعاروں پہ گفتگو مقصود نہیں) اب یہ دیکھنا ہے کہ اسلام نے جو تصور عشق ہمیں دیا ہے جو معیار مقرر کیا ہے اس پر حضرت رضا بریلوی کہاں تک پورا اترے ہیں اس کے بعد اسلامی تصور تعین وتقرر قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کیا ہے، پھر اس کسوٹی پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کے پھیلے ہوئے افلاک پر عشق رسول کی جو کہکشاں سجی ہوئی ہے ان کی روشنی میں اپنے اس دعوے کو باوزن بنا کر پیش کیا ہے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ ایک عاشق صادق تھے بلکہ عہد مابعد کے لئے عشق رسول علیہ التحیۃ والثناء کا ایک معتبر استعارہ بن کر نمایاں ہوئے عشق رسول علیہ التحیۃ و الثناء کا جو معیار ومنہاج تھا اس کسوٹی پر ان کے عشق کا سکہ کھرا تھا۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری نے ابتدائے کتاب میں ''حدیث دل'' کے تحت اس زہرہ گداز عمل کی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ مواد کی فراہمی میں جو دشواریاں سامنے آئیں ان کا ذکر جن اداروں اور شخصیتوں نے عملی معاونت فرمائی ان کا تذکرہ جمیل آخر میں تمام ابواب کا اجمالی تعارف ہے۔ جس سے پوری کتاب کا اجمالی انداز میں تعارف ہوجاتا ہے۔ آخر میں مصنف کے تحقیق کی اس رہ گزر پر چلنے کے محرک کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ''حضرت رضا ریلوی کی شخصیت نے مجھے اس وقت بہت متاثر کیا جب میں بحر تحقیق کی موجوں سے کھیل رہا تھا ان کی جودت علمی، جدت فکری، ندرت خیال، خلوص للّٰہیت کی جلوہ افروزی تو قدم قدم پر دامن دل کھینچتی ہی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ رنگ اور ہر آہنگ میں عاشق رسول نظر آئے۔ دس بارہ برس پہلے کی بات ہے کسی کتاب میں حضرت رضا بریلوی پر عالمی شخصیات کے تاثرات کا مطالعہ کر رہا تھا میں غرق حیرت ہو گیا کہ امام احمد رضا کی واردات عشق نے کیسے کیسے قلوب مسخر کئے ہیں اور ان کی علمی ضوفشانیوں نے کیسی کیسی بند زبانوں کے قفل کھولے ہیں۔ جسے دیکھو وہ اعتراف حق و حقیقت پر مجبور ہے۔ کیا اپنا اور کیا بیگانہ ان کے تصورات عشق کی دہلیز پر سرفرازوں کے سر

تسلیم کے لئےخم ہیں، دل نے کہا آخر وہ کون......امام احمد رضا میں پنہاں ہیں کہ ان کے مخالفین تنقید بھی کر رہے ہیں تو عاشق رسول کہہ کر ان کے عاشق رسول ہونے پر اجماع امت کی وجہ وجیہ کیا ہے؟ اس عنصر کی تلاش اس گوشے کا مطالعہ اس نکتہ کو واضح اس اعتراف کو واشگاف اور اس حقیقت کو ضبط تحریر میں لانا چاہئے۔ بس یہی جذبہ تھا جس نے مجھے اکسایا، جو میرے اس تحقیقی مقالے کا محرک بنا۔

مقالے کی زبان صاف ستھری، شستہ اور رواں دواں ہے تاہم کہیں کہیں کتابت کی غلطیوں سے لطف کرکرا ہو جاتا ہے۔ زبان و بیان کی معمولی غلطیاں بھی راہ پا گئی ہیں اس ضخیم کتاب میں جن کا وجود کوئی خاص معنیٰ نہیں رکھتا تاہم ان کے عیوب سے بھی کتاب پاک ہوتی تو لطف دوبالا ہو جاتا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے اپنی اس تحقیقی کاوش پہ معنویت کی مہر لگانے کے لئے قارئین کے سپرد کر دیا ہے محقق اپنی اس تحقیقی کاوش پر عوام وخواص کے شکرئے کے مستحق ہیں انھوں نے اس موضوع پر یہ بکھرے ہوئے درہائے نایاب کو سلک تحریر میں جمع کر کے ایک خوشگوار فریضہ انجام دیا ہے۔

..................●..................

محقق مکاتیب رضا

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

پرنسپل مرکز النور ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ سینٹر، میرا روڈ، ممبئی۔

خوش پوش، خوش خور، خوش فکر، خوش خلق، خوش گفتار، خوش رفتار، خوب رو، خوش اطوار، خوش ادا، منقار زیر لب ہوں تو مہا ساگر لگے، لب کشا ہوں تو برق و باد، ان لبوں پر پھیلتی تیرتی ہوئی معنی خیز مسکراہٹ سادہ کتابی چہرہ، حاشیہ پر معتدل سیاہ ریش سیاہ آنکھیں کشادہ پیشانی سلاست ونفاست، فصاحت و طلاقت، حلاوت و ملاحت اور قیامت خیز

ادائے دلنواز یہ ہیں ڈاکٹر نجم القادری۔ ڈاکٹر نجم صاحب انسان ہیں، انسان کا پیدا ہونا کمال نہیں، انسان بن کر جینا انسانی عظمت کا اجاگر کرنا، انسانیت کا احترام کرنا وقار انسانی اور انسانیت کا درد رکھنا اس کا دوائے دل کرنا یہ ہے کمال انسانیت جب یہ ہر کسی انسان میں پیدا ہو جائے تو پھر اس کی زندگی کا ہر لمحہ شفائے مرض، ہر قدم مرہم زخم، ہر سانس عبادت وہ جو کہے پیام بنے وہ جو کرے دعوت پڑے اگر کہا جائے کہ نجم صاحب کی زندگی اسی سے عبارت ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کا تعلق سیتا مڑھی بہار سے ہے وہی سیتا مڑھی جو صوبہ بہار و نیپال کے سنگم پر ایک نامور مردم خیز خطہ ہے جہاں امام احمد رضا کے رفیق خاص ہوا کرتے تھے مولانا شاہ عبدالرحمٰن محیٰ سرکار جو اپنا علمی دربار سجائے کئی کئی ملکوں میں علم نبوت کی روشنی پھیلا رہے تھے عشق رسول کی خوشبو بکھیر رہے تھے وہی سیتا مڑھی جہاں اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے منظور نظر حضرت خاکی بابا رحمۃ اللہ علیہ آسودہ خاک ہیں وہی سیتا مڑھی جہاں شیخ المحدثین استاذ الاساتذہ حضرت محدث احسان علی فیض پوری فیض بار ہیں واضح رہے کہ اعلیٰحضرت اور حضرت خاکی بابا کے درمیان کی کڑی ہونے کا شرف حضرت محدث صاحب کو حاصل ہے آپ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف کے متعلم تھے جب بریلی شریف سے وطن تشریف لاتے تھے تو اعلیٰحضرت حضرت خاکی بابا کے لئے سرمہ بھیجا کرتے اور جب وطن سے بریلی شریف لے جاتے تو خاکی بابا اعلیٰحضرت کے لئے مظفر پور کی لیچی بطور خاص بھیجا کرتے، بروایت حضرت مفتی عبدالحلیم صاحب قبلہ ناگپور، اعلیٰحضرت خاکی بابا کے تحفہ کو سر پر رکھ کر اندر حویلی میں تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت محدث صاحب قبلہ اپنی امتیازی خصوصیات میں تلامذہ رضا میں بہت سوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ مثلاً اعلیٰحضرت نے اپنے دست اقدس سے آپ کی دستار بندی فرمائی اور اپنے جامعہ میں مدرس رکھ لیا، حضرت محدث صاحب قبلہ کے دل میں بریلی شریف کی محبت ایسی رچی بسی کہ مدت العمر وہیں آپنے درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ لگ بھگ بیس سال

تک بحیثیت سینئر مدرس اور تقریباً تیس سال تک بحیثیت شیخ الحدیث علوم وفنون کے جواہر لٹاتے رہے۔ اس اثنا میں ہزاروں تلامذہ تیار کرنے کے ساتھ اعلیحضرت کی تین نسل کی استاذی کا شرف حاصل کیا(حضرت مفسر اعظم، حضرت ریحان ملت اور شہزادگان ریحان ملت علیہم الرحمۃ و الرضوان)ضرورت ہے کہ حضرت محدث صاحب کے افکار وآثار پابند تحریر کئے جائیں۔ تاکہ گم گشتہ مخزونے کی زیارت سے جانیں سیراب اور آنکھیں شادکام ہوسکیں۔ بایں وجوہ سیتامڑھی ثانی بریلی کہلایا۔ وہ زمین جو ثانی بریلی کہلائے ظاہر ہے اس کا ہر ذرہ جہاں ہوگا بجائے خود آفتاب ومہتاب ہوگا۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ مدعا یہ کہ ڈاکٹر نجم القادری کی شخصیت وفکر کی جو ارتقاء کی عمارت ہے۔ اس کی اساس میں اس علم پرور اور عشق آگیں ماحول کا خاصا اثر ہے۔

امام احمد رضا کی علمی گہرائی اور اخلاص عمل کی تو دنیا جہان قائل ہے۔ رہی بات عشق کی تو رضا کی یہ ادا خدا کو ایسی پسند آئی کہ زمانہ انہیں ”حسان العصر“ اور ”بوصیری“ کہنے پر مجبور نظر آتا ہے۔ امام علام نے اپنے عشق کی تڑپ وتپش دوش ہوا کے حوالے کردی۔ پھر تو بام ودر، بیٹھک وبازار، کوہ ودمن، انفس وآفاق کون ہے؟ کیا ہے؟ کہاں ہے جسے انکی تپش عشق نہیں پہنچی۔ ڈاکٹر نجم صاحب نے اسی حرارت عشق کی سب سے عظیم وضخیم شرح وتفسیر کی ہے۔

ان کی زبان جادو بیان ہے۔ قلم جادو نگار ہے۔ وسیع مطالعہ گہرے تجربے اور عمیق شعور و ادراک بھی رکھتے ہیں۔ حسن عجم اور عرب کے سوز دروں سے بھی وہ بخوبی واقف ہیں عشق رضا کے حوالہ سے جو کتابیں اور مقالے اب تک لکھے گئے ہیں ان سب میں میری معلومات کی حد تک ”امام احمد رضا اور تصور عشق“ اہم وقیع دقیق اور مفصل محقق معلوم ہوتی ہے۔ مقالہ نگار خود ایک کامیاب شارح وترجمان اور ماہر وکیل وباحث کے روپ میں ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ اس نمایاں کامیابی پر وہ پوری علمی برادری کی طرف سے تحسین وآفرین کے مستحق ہیں۔ گو یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ تاہم اس میں جو شیرینی ورنگینی، شگفتگی وبرجستگی حسن کاری وپرکاری ہے اس سے مقالہ نگار کی ایک جداگانہ شناخت قائم ہوئی ہے

اردو زبان وادب کے عالمی شہرت یافتہ مزاحیہ نگار ادیب ونقاد

جناب یوسف ناظم صاحب

باندرہ، ممبئی

زیرِنظر تالیف کا عنوان ہے ''امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ'' جو بجائے خود یعنی اپنے میں معنوی حیثیت سے ایک مکمل تالیف ہے اور فاضل مقالہ نگار نے جس لگن اور خشوع وخضوع کے ساتھ اس موضوع کے ساتھ انصاف کیا ہے اس کی داد کھلے دل سے دی جانی چاہیئے ......مقالے کا اصل موضوع مذہبیات سے جڑا ہوا ہے۔لیکن امام احمد رضا کی ادبی خدمات بھی کچھ کم نہیں۔ممدوح کی شاعری اور نثر پارے دونوں دلکش و دلپذیر ہیں۔ اس مقالہ سے میری معلومات میں یہ اضافہ بھی ہوا کہ ایک سو پانچ جدید وقدیم علوم و معارف پر مولانا کی آٹھ سو چوالیس تصانیف ہیں۔زیرِنظر تالیف کا ہر باب ''کرشمہ دامن دل می کشد کہ اینجا ست۔'' کا لطیف ولذیذ مرقع ہے۔فاضل مولف کی رواں دواں تحریر نے اور پراثر انداز بیان نے کیا عرض کروں کتاب کو شمع فروزاں بنا دیا ہے۔خاکسار نے کتاب کے چوتھے اور پانچویں باب میں خود کو اتنا محو کر دیا کہ مطالعہ کے بعد پتہ چلا کہ میں خلا میں نہیں اپنے گھر میں ہوں چھٹے باب حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق کے اثرات میں تو طرح طرح کے انکشافات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رضا کو عربی، فارسی، اردو میں کیسا یدطولیٰ حاصل تھا۔نیز زبان وادب پر وہ کیسی زبردست گرفت رکھتے تھے......یہ باب پڑھنے سے تو تعلق رکھتا ہی ہے۔اسے حرز جاں بنانے کے لئے اس کے چند حصے حفظ بھی کئے جانے چاہیئے۔غرض کہ زیرِنظر مقالہ کتابی صورت میں اہل ادب کی تشنگی دور کرنے کے لئے آب زمزم کی طرح حاضر ہے۔

جو بڑھکے خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

قمر آسمان ادب

مولانا قمر الزماں مصباحی ایم اے

لکچرار محسن ملت یونانی میڈیکل کالج رائے پور

عشق رسالت کے پیکرِ محسوس کا نام امام احمد رضا ہے جن کی حیات طیبہ کی ہر ساعت عشق محمدی کا نقیب ہے قلم کی روشنائی کی ہر بونداسی کی تفسیر میں مصروف ہے۔ سانس کی ہر آنچ میں اسی کی تپش ہے لہو کی ہر گردش میں اسی کی حرارت ہے۔ دل کی ہر دھڑکن میں اسی کا سوز پنہاں ہے۔ اور نبض کی ہر حرکت میں اسی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ ؎

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ کی عبقری ذات اس قدر متنوع اور ہمہ گیر ہے کہ سب کو ایک مرکز پر سمیٹنے کیلئے دوسرے اعلیٰحضرت کی ضرورت ہے۔ لیکن گزشتہ صدی کے آخر میں مخلص اصحاب فکر و دانش کی ایک ٹیم نے اسلام کے اس پرسوز داعی و مبلغ قائد و مصلح اور ایک دانائے راز کے قلمی نوازشات، فقہی نوادرات، فکری دقیقہ سنجیوں، فنی باریک بینیوں اور علمی بصیرتوں کے چہرے پر پڑے چلمن کو ہٹانے کی سعی محمود کی اور اپنی اپنی بساط کے مطابق ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو تحقیق کا عنوان بنایا۔ مگر قلم کا سارا سرمایہ اور لطافت شعور کا پورا اثاثہ لٹا دینے کے بعد بھی یہ احساس کچوکے لگا رہا ہے کہ ؎

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

''امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ'' اسی سلسلۃ الذہب کی ایک مبارک کڑی، گلدستۂ

تحقیق کی خوبصورت لڑی، ایک عظیم محقق کی فکری صلاحیتوں اور تحقیقی بصیرتوں کے لہو کا ایک مکمل نچوڑ ہے۔

استاذ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری جماعت اہلسنت کے جید عالم و فاضل۔ عظیم اسکالر، ممتاز شاعر و ادیب ہونے کے ساتھ مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک ہیں ان کی نکھری شخصیت، فکری عظمت و شوکت اور ادبی حذاقت و مہارت کا پورے ہندو پاک میں ایک غلغلہ بلند ہے۔ سیتا مڑھی ضلع کے ایک غیر معروف گاؤں رودولی کو ان کی جائے ولادت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اہل خاندان شروع سے ہی شریف النفس متدین اور صاحب زہد و ورع رہے اسی اسلامی فضا میں آپ کی نشو نما ہوئی اور اس صالح و پاکیزہ تربیت کی خوشبو آج بھی آپ کی شاخ حیات کے ہر کونپل سے پھوٹ رہی ہے۔ ناظرہ قرآن شریف اور ابتدائی کتابیں اپنے جد امجد اور والد گرامی سے پڑھیں، متوسطات کی تعلیم گہوارۂ علم و ادب جامعہ قادریہ مقصود پور مظفر پور میں حاصل کی اس کے بعد مرکز علم و دانش منظر اسلام بریلی پہنچ کر صاحبان فضل و کمال اساتذہ کرام کی خدمت میں رہ کر اپنی علمی پیاس بجھائی۔ فراغت کے بعد ملک کی معیاری درسگاہ میں مسند تدریس کو زینت بخشی اسی اثناء میں باصلاحیت اور قابل قدر علماء کی ایک جماعت تیار کی جو پورے ملک میں دینی خدمت انجام دے رہی ہے۔

۲۰۰۲ء میں میسور یونیورسٹی سے اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کے مقالے کا عنوان "امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ ﷺ" ہے رضا اور رضویات کے حوالے سے آپ کی کئی معیاری کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں لیکن اس وقت میرے مطالعے کی میز پر ان کا وقیع، جامع اور تحقیقی مقالہ ہے۔ ہر سطر سے سحر طراز قلم کی ندرت، تخیل کی نکہت، ادب کی لطافت و طراوت اور مفکرانہ سنجیدگی کا گہرا عنصر نمایاں ہے۔ صحت مند روایات سے جکڑا ہوا ہے۔ مقالہ اپنے دامن میں اسلوب

بیان کی جاذبیت اور انداز تحریر کی ایسی کشش رکھتا ہے۔ جو قاری کے دل، دماغ، شعور اور ذوق مطالعہ کو یکبارگی اپیل کرتا ہے۔

الطاف حسین حالی نے کہا تھا الفاظ پیالے کی طرح ہوتے ہیں اور معانی پانی کی طرح پانی کو مٹی کے پیالے کے بجائے سونے یا چاندی کے پیالے میں سجا کر پیش کیا جا ئے تو اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔

حالؔی کے اس جملے میں اگر صداقت ہے تو اس کا حرف حرف اور نقط اس تحقیقی مقالے پر صادق آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے نثر میں جو جمالیاتی آکاش روشن کیا ہے یہ ان کے منفرد لب ولہجہ کی پکار اور ادبی عظمتوں کا آئینہ دار ہے۔ اور وہ اسی منفرد انداز تحریر کی وجہ سے ہجوم میں بھی تنہا دکھائی دیتے ہیں۔ اس مقالہ کی شہرت ومقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اب تک اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اب تیسرا ایڈیشن پریس میں جانے کو تیار ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نور اللہ مرقدہ کی کتاب زندگی کا ورق ورق بے پناہ گہرائی اور پھیلاؤ رکھتا ہے۔ اس میں عشق رسالت کا صفحہ زیادہ ہی وسیع اور سمندر کی پنہائیاں لئے ہوئے ہے۔ لیکن عاشقِ صادق کے کعبۂ عشق پر ایک محقق کے زرتار قلم نے جس خوبصورتی کے ساتھ غلاف چڑھایا ہے اور اس ہمالیائی شخصیت سے عشق کشید کرنے کے لئے جس قدر کوہ کنی کی ہے اس سے ان کی ہمت و جرأت کے غنی اور عزم وحوصلہ کے دھنی ہونے کے ساتھ قلم کی پختگی تازگی وشگفتگی اور وسعت مطالعہ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ تحقیقی مقالہ نہایت خشک، سادہ، اور سپاٹ ہوتا ہے جو قاری کے وجدان کو اپیل کرنے کے بجائے مطالعہ سے دور کر دیتا ہے۔ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ تحقیق حقائق کی تہہ بہ تہہ موجوں کی گود سے صدف چننے کا نام ہے۔ لیکن یہ مطلب ہر

گزنہیں ہوتا کہ تحریر کا حسن اور قلم کی نزاکت رخصت ہو جائے اس خصوص میں حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری ممتاز نظر آتے ہیں۔ جہاں انھوں نے اپنے عنوان کے ساتھ پورا انصاف کیا ہے وہیں الفاظ کی رعنائی بھی ہر لمحہ ان کا رفیق سفر ہے۔ مگر تحقیق کے دامن عظمت پر کوئی آنچ نہیں آنے دیا بلکہ تحقیق کی بہار اور انداز بیان کی ایک نئے اور انوکھے باب کا اضافہ ہے جو اس راہ کے مسافر کیلئے شب ظلمت میں نجم وکواکب کی ضیا پاشی کا کام دے گا۔

استاذ محترم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے عشق رسول کی زلفوں کی گھنی چھاؤں میں ایک لمبا سفر طے کیا ہے اور اس میں جو انھیں نور وسرور، ادراک فکر، تقدس شعور اور سکون بخش لذت و حلاوت میسر آئی ہے اسے لفظوں کا پیرہن دینے میں وہ کتنے کامیاب ہیں اس کا اندازہ اس وقت ہوگا کہ آپ بھی ورق الٹئے اور پھر دیکھئے ساڑھے چھ سو صفحات پر پھیلا ہوا یہ تحقیقی مقالہ آپ کے مطالعہ کی میز پر علمی بہاروں کی کتنی ڈھیر لگا دیتا ہے۔

..................●..................

گلشن ادب کے تابندہ پھول

جناب محبوب الرسول قادری رضوی

چیرمین انٹرنیشل غوثیہ فورم،

چیف ایڈیٹر، مجلّہ انوار رضا، جوہر آباد، پنجاب، پاکستان

چیف جسٹس میاں محبوب (فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان) رقمطراز ہیں۔ ''برصغیر کی تاریخ میں جب بھی عزم وثبات، فکر وعمل اور محبت ویقین کی تاریخ رقم کی جائے گی تو مولانا احمد خان کا اسم گرامی باب اول میں زریں حروف سے رقم ہوگا۔ تاریخ کیا

ہے؟ یہی کہ افراد کے کردار کا تذکرہ اور اقوام کی کاوشوں پر تبصرہ، تاریخ افراد کا بیان کرتی ہے مگر کائنات ارضی میں بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں تاریخ اپنی تعمیر وزینت کیلئے برائے مدد پکارتی ہے۔

تاریخ کے اوراق پارینہ کو حکایت جدید اور دائمی زیست انہی پاکیزہ نفس کی بدولت نصیب ہوتی جب روشنی کے ان میناروں سے ہدایت کا نور ضیاء فرمائی کرتا ہے تو ملائکہ کی محفل میں رشک وحیرانی کا ایک دراز سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور خلیفہ الٰہی کی عظمتوں پر کائنات گواہ بن جاتی ہے۔

مجھے آج کی محفل کے ممدوح امام احمد رضا کی حیات پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی ہمہ جہت شخصیت کا تصور سامنے آتا ہے تو ان کی صفات فاضلہ کے انتخاب میں دشواری آتی ہے کہ ان کی زندگی کے کس پہلو کو بیان کروں اور کس کو ترک کروں۔

شکار ماہ کہ تسخیر آفتاب کروں
میں کس کو ترک کروں کس کا انتخاب کروں

ان کی قرآن فہمی سے لیکر شعر گوئی تک کے موضوعات ایک جہانِ نو لئے ہوئے ہیں وہ مترجم کی حیثیت میں ہوں تو شعور و بیان اور ادا و زبان کا ایک دبستان جدید نظر آتے ہیں جب محدّث کی حیثیت سے دیکھیں تو امام نووی، امام عسقلانی، امام قسطلانی اور امام سیوطی یاد آجاتے ہیں۔فقہ میں ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے کرم توجہ سے کشکول فکر بھرے نظر آتے ہیں علم کلام میں امام احمد رضا، ابومنصور ماتریدی اور اشاعرہ کے آئمہ وقت اور دقت نظری کا نمائندہ ہیں۔منطق وفلسفہ کا میدان امام کی شہسواریٔ فکر سے پامال ہے اور ارباب دانش یونان، امام احمد رضا کے باجگزار ہیں۔علوم معقول ومنقول کا کونسا شعبہ ہے جس میں اعلیٰحضرت درجۂ اجتہاد پر فائز نہیں ہیں۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تیزی کے ساتھ تحصیل علم کے

مدراج طے کئے روایات کے مطابق آپ نے ۱۸۶۰ء میں قرآن مجید ختم کیا ۱۸۶۸ء میں پہلی عربی تصنیف کی ۱۸۶۹ء میں شعبان کے مہینے میں آپ کو دستار فضیلت سے سرفراز کیا گیا۔آپ نے فتویٰ نویسی کی باقاعدہ اجازت ۱۸۷۶ء میں حاصل کی آپ علم تفسیر وحدیث فقہ، منطق، نجوم، جفر، ریاضی، تاریخ اور نعتیہ شعر وشاعری وغیرہ میں ایک کامل استاد کی حیثیت رکھتے تھے۔آپ کو اردو، عربی اور فارسی پر کامل دسترس حاصل تھی، آپ نے اصلاح رسوم پر پوری توجہ مرکوز کی۔ گستاخان رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی تحریروں پر گرفت کی آپ کا عظیم کارنامہ یہ تھا کہ علوم اسلامی فقہ وحدیث کی درس وتدریس کی اور بیشمار موضوعات پر تصنیف وتالیف کی۔فتنۂ انکار ختم نبوت کی بیخ کنی کی اور تحفظ ناموس رسالت کیلئے شبانہ روز کاوش کی دین عقائد واعمال کا مجموعہ ہے اور آپ دونوں (عقائد واعمال) پر مجددانہ بصیرت رکھتے تھے۔آپ احکام شریعہ کے تمام جزئیات پر دسترس رکھتے تھے۔آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ رضویہ'' جو بارہ جلدوں میں ہے اور جس میں فقہ حنفی سے متعلق تمام موضوعات پر جامع بحث کی گئی ہے رہتی دنیا تک آپ کی منفرد شخصیات کی عکاسی کرتی رہے گی۔

''امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم''میسور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے نوجوان اسکالر محترم علامہ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری کا تاریخی مقالہ ہے ڈاکٹر نجم القادری کی تحریر کا کمال یہ ہے کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ قاری کے دل ودماغ میں جگہ پالیتی ہے اوراس کا سبب موصوف کے انتھک محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مشن کے ساتھ مخلص ہونا بھی ہے ان کی تحریروں میں ایک خاص لطف اور حظ ہے جوان کے قاری کو اپنے مطالعہ میں وسعت پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ بلاشبہ ان جیسے لوگ مسلک اہل سنت کا بہترین سرمایہ ہیں ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے ان کے قلم کو مزید روانی عطا کرے ان کی تحریر کو تاثیر کی قوت بخشے اور ملت کیلئے نفع بخش بنائے۔

اس عظیم خدمت پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری پوری قوم کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کمال محنت سے نہایت اہم موضوع پر اس انداز میں کام کیا کہ موضوع کا حق ادا کر دیا۔

..................●..................

ادیب شہیر

جناب مولانا غلام مصطفےٰ رضوی صاحب

رحمت عالم گلی باسنی، ضلع ناگور، راجستھان

امام احمد رضا پر جتنا کام ہونا تھا اگر چہ اتنا نہیں ہوا تاہم پچھلے چند برسوں سے افکار و نظریات رضا کی ترویج واشاعت میں قابل تعریف پیش رفت ہوئی ہے...... رضویات پر تحقیقی کام کرنے والے اہل قلم حضرات میں ایک نام حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری کا ہے موصوف گزشتہ کئی برسوں سے امام احمد رضا کی حیات اور زریں خدمات پر عمدہ کام کر رہے ہیں آفتاب بریلی کی نورانی کرنیں بکھیرنے میں ان کا بھی نمایاں حصہ ہے۔ان کی تحقیقی اور علمی نگارشات ہندو پاک کے مختلف رسائل میں شائع ہو کر اہل علم و دانش سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔فکر رضا اور تعلیمات رضا پر لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔بہت پہلے جہاں رضا (لاہور پاکستان) کے کسی شمارے میں انکا مضمون ''محقق بریلوی اور جدید اصول تحقیق'' چھپا تھا۔جس کو پڑھ کر ملک کے گوشے گوشے سے مبارکبادیاں اور آفرینیاں پیش کی گئی تھیں۔مگر اب جب ان کا تحقیقی اور تفصیلی مقالہ ''امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ'' دیکھا تو قلب وجگر میں تازگی پیدا ہوگئی۔مسرت وشادمانی ہوئی دل سے انکے لئے دعا کی۔اللہ کرے زور قلم اور زیادہ......موصوف نے اس مقالہ کو بڑی محنت اور عرق ریزی سے لکھا ہے جس پر وہ کئی برسوں سے کام کر رہے تھے۔یہ خلوص و

عقیدت ہی کا نتیجہ ہے کہ ۴۵۲ صفحات پر مشتمل یہ قیمتی سرمایہ اہل علم ومحبان رضا کے مطالعہ کی میز پر پہنچ گیا...... الغرض کتاب ''امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ'' علامہ نجم القادری کی علمی تحقیقی کاوش ہے جو قارئین کی معلومات میں اضافہ کا باعث تو ہوگی ساتھ ہی ساتھ عشق و محبت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں تازگی اور پختگی کا بھی ذریعہ ہوگی۔

.... ●..................

جامع اوصاف ظاہری و باطنی

جناب غلام مصطفےٰ رضوی صاحب

مدینہ کتاب گھر، مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر

مولانا ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری (ایم اے پی ایچ ڈی) خوش گفتار، بلند کردار اور انشاء پرداز محقق ومصنف اور دانشور ہیں۔ آپ کے فکری بانکپن اور تفنن طبع نے ستان رضویت میں تحقیق وتدقیق کے لالہ ونرگس کھلائے ہیں تحریر میں سلاست وروانی اور شائستگی وبرجستگی ہے۔ جو قاری پر دوران مطالعہ بارگراں نہیں معلوم ہوتی نیز انہیں تحریر وتحقیق کا حظ وافر عطا ہوا ہے۔

عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ابلاغ امام احمد رضا کا مشن تھا اسی عشق نے آپ کی ذات کو نکھارا اور عظمت ومقبولیت کی بلندیوں پر پہونچا دیا۔ ڈاکٹر نجم القادری نے عشق رضا کی جہتوں کا سراغ لگایا، محبتوں کے آبشار میں غوطہ زنی کی اور تحقیق کے انمول گوہر کو اپنے دامن میں سمیٹا، مقالہ مکمل ہوا یونیورسٹی میں پیش کیا گیا۔

مقالہ کی زبان ادبی وبامحاورہ اور سلیس وشگفتہ ہے۔ مقالہ نگاہ نے موضوع سے پورا پورا انصاف کیا ہے اور تحقیق کی عرق ریزی دکھائی ہے۔ عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی جلوہ گری ونور فشانی ہر ہر باب سے جھلکتی دکھائی دیتی ہے بے شک عشق سے منزل کے نشانات ملتے ہیں۔ مشکلات دور ہوتی ہیں مدعا حاصل ہوتا ہے۔ امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تدوین کے دوران محقق موصوف کو یقیناً مرحلۂ شوق کو طے کرنے میں دشواریاں ہوئی ہوں گی اور یقیناً عشق کی سرفرازی نے ان کا مداوا کر دیا ہوگا۔

منجملہ کتاب مفید اور لائق مطالعہ ہے اس میں عشق کی جلوہ باریاں ہیں تاریخی جھلکیاں ہیں ادبی نکہتیں ہیں امام احمد رضا کی علمی وفکری کاوشوں کی تب وتاب کرنیں اور آپ کی خدمتوں کا روشن بیان۔ کتاب کا مطالعہ عشق رسول کے جذبات کو مہمیز دے گا، صوری ومعنوی لحاظ سے محقق نے کتاب کو جاذب نظر اور دل پذیر بنانے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔

اکیسوی صدی میں اسلام دشمن مشنریاں مادیت کو روحانیت کے مقابل کھڑا کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو چکی ہیں لہٰذا ضروری ہو گیا ہے کہ اسلام کے روحانی گوشے کو یہاں پیش نظر رکھا جائے اور اس کے لئے عشق رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے وقار وتشخص اور شبستانِ حیات میں بہار وشادابی کی علامت ہے۔ یونیورسٹیوں میں ایسے موضوعات پر تحقیق کیلئے التفات وتوجہ کی ضرورت ہے۔

ہمارے کرم فرما مولانا ڈاکٹر نجم القادری صاحب نے بلاشبہ اہم موضوع کا انتخاب فرمایا اور مقالہ بھی پورے تحقیقی لوازمات کے ساتھ دلجمعی و ذوق کے ساتھ لکھا۔ ڈاکٹر موصوف نے مقالہ کو چھ ابواب میں تقسیم فرمایا ہے اور بالترتیب عہد رضا کا تاریخی جائزہ، عقائد ومعمولات اہلسنت کا جائزہ، آئینۂ حیات امام احمد رضا کا رضا کی جھلکیاں، عشق کی افادیت، اہمیت وضرورت، عنایت وکیفیت زبان وادب کی قدآور شخصیتوں کا تصور عشق اور عشق رضا کے ادبی زاوئے، امام احمد رضا کا مقام وتصور عشق اور اس کی ہمہ گیریت وغیرہ موضوعات پر شافی گفتگو کی ہے۔ موصوف مقدمے میں بڑی

پیاری بات کہہ گئے ہیں ''حضرت رضا بریلوی ان پاکیزہ نفوس میں ہیں جنہوں نے تخیلات کی بنجر زمین پر طاعت وعشق کے پھول کھلائے۔افق تصورات پر اپنے آہ گرم اور نفس سرد سے ایمان کی جان محبت سرکار مدینہ کے خوش رنگ گل بوٹوں سے ایک منفرد فضا کی تشکیل دی اور کچھ اس اخلاص واداسے اپنی اس تحریک کو چلایا کہ وہ وجبل مچل اٹھے، وادی وادی نغمۂ نعمت سے گونج اٹھی۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

(امام احمد رضا اور عشق مصطفٰے ص ۹)

اللہ عزوجل اس مقالے کو قبول فرمائے اور مقبول بنائے۔مقالہ لکھنے پر ہم ڈاکٹر موصوف کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اپنا قلمی سفر ضرور جاری رکھیں گے رضا کی کہکشاں سے نئے نئے ستارے بازیافت کرتے رہیں گے۔

gmrazvi92@gmail.com

Fazle Rabbi.jpg not found.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆